WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

عزیزانِ من... السلام علیکم!

ماہِ صیام آیا اور اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ عیدِ سعید پر ختم ہوا... اس جشنِ عظیم پر پوری قوم کو مبارکباد دینا فرضِ عین ہے... لیکن ان خوشیوں میں یہ بھی دیکھیے اور محسوس کیجیے کہ دنیا کے کئی غیر مسلم ممالک کے ساتھ غزہ کی پٹی میں ہزاروں مسلمان بے آب و دانہ... سختیاں سہ رہے ہیں کیونکہ صیہونی درندوں نے برسوں سے اس علاقے کا محاصرہ کیا ہوا ہے... وہ زیرِ زمین سرنگوں کے جال بچھا کر زندگی سے اپنا ناتا جوڑے ہوئے تھے مگر جنگجو خونی حملوں میں اسرائیل نے ان سرنگوں کی لائف لائن کو منقطع کر دیا ہے... غزہ کو صاف پانی فراہم کرنے والی لائنیں کاٹ دی گئی ہیں... تو یوں محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً فلسطینی مسلمان بے آب و دانہ وقت گزار رہے ہیں... زخموں سے چُور چُور ہیں... لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہیں مگر خونی درندوں کی پیاس ہے کہ بجھنے میں نہیں آرہی... جدھر نظر اٹھتی ہے خونِ مسلم کی ارزانی نظر آتی ہے... افریقہ سے ایشیا اور یورپ تک مسلمانوں کے گلے کٹ رہے ہیں اور ہر طرف ایک مرگ آسا سکوت طاری ہے... یوں لگتا ہے جیسے مسلم ملکوں کے حکمرانوں کو لقوہ مار گیا ہو... وہ اپاہج ہو گئے ہوں... بولنے تک سے معذور و مفلوج ہوں... مظلوم کے حق میں یا ظالم کے خلاف کوئی ٹھوس قدم اٹھانا تو درکنار، زبان تک کھولنے سے گریزاں ہیں اور چپ سادھے بیٹھے ہوئے ہیں... دشمنوں کی تیراندازیاں تو چل ہی رہی ہیں لیکن یہ خبر کتنی ہولناک ہے کہ سالِ گزشتہ دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان مارے گئے ہیں اور انہیں مارنے والوں میں بھی اکثریت مسلمانوں کی ہی ہے... اپنوں اور پرایوں کے ہاتھوں بہنے والا یہ خون ضرور رنگ لائے گا مگر کب اور کیسے... اس کا جواب وقت دے گا... فی الحال ادارے کے لیے صبر اور دنیا بھر کے مظلوموں کے لیے دعاؤں کے سوا کوئی راہ نہیں... جنگ، منافرت، جنگی اور دہشت گردی کا نشانہ بننے والوں کے لیے دلی ہمدردیوں، پُرخلوص دعاؤں اور بہتر مستقبل کی امیدوں کے ساتھ اب چلتے ہیں اپنی محفل کی طرف جہاں تیرانداز اپنے مورچوں میں تیار بیٹھے ہیں...

اوکاڑہ سے تفسیر عباس بابری طویل خاموشی کے بعد خوشگوار آمد "جون کی گرمی اور جان لیوا رمضان کے بعد وہ جولائی کو اپنے محبوب جاسوسی ڈائجسٹ کی جدائی کا عرصہ تمام ہوا۔ سرورق حسبِ روایت ڈاکٹر صاحب کے کمالِ فن کا نمونہ ثابت ہوا۔ دوشیزہ سرورق تماشا سیل بہا رہی تھیں یا کوئی تحیر انگیز منظر دیکھ کر لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ نیچے موجود صاحب کسی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اوپر قدیم ساخت کا ریوالور اور خون آلودہ ہاتھ مستقبل کی علامت ہے۔ اداریے کا اسلوب ہمیشہ تماشے کی چیز ہوتا ہے، حالاتِ حاضرہ پر آپ کی گہری نظر قابلِ ستائش ہے۔ کراچی سے اعظم ریاض کی پسندیدگی قابلِ تعریف ہے۔ مری سے کبیر عباسی! آپ کا تبصرہ ہم نے بصد شوق ملاحظہ کیا لیکن یہ سمجھ نہیں آرہی کہ آپ خود پر ہی تنقید کیوں کر رہے ہیں؟ اٹک سے سعدیہ بخاری کی محنت نے متاثر کیا اور سعدیہ، صبا گل کو قلق ہے کہ کہاں گئے اٹک میں کراچی ہے اب کیا پتا... کہ یہ فقرہ ہے یا پنچ۔ اسلام آباد سے سید شکیل حسین کاظمی کا بھرپور تبصرہ بہت پسند آیا۔ اوکاڑہ سے تصویر یاسین سے مختصر ملاقات بھی اچھی رہی۔ لاہور سے ... آپ نے خوب کہا پر وضاحت نہیں کی۔ پشاور سے طاہرہ گلزار کی تعریف... اور مکمل تبصرہ... یقیناً اب ادارے سے آپ کا گلہ دور ہو گیا ہو گا اور ماما ایمان کو تنگ نہ کریں ورنہ وہ پھر بھاگ جائیں گی۔ ڈی آئی خان سے ... آپ کا مشاہدہ قابلِ غور ہے لیکن ہم اور ماما جانی دشمن نہیں... دوست ہیں... بے ضرر نوک جھونک تو زندگی کے رنگ ... کے لیے اکسیر ... ہے۔ (یقیناً) ... صبا گل! احتیاط کیا کریں اب اگر ... صاحب نے ... کے آنے کی وجہ پوچھی تو آپ کیا جواب دیں گی؟ کراچی سے ہمارے بہت پیارے اور سنجیدہ مزاج دوست ادریس احمد خان کا خوب صورت تبصرہ بھی قابلِ داد رہا۔ کراچی سے ہی محمد اقبال یاد تو انھیں کیا جاتا ہے جو فوت ہو چکے ہوں اللہ آپ کو صحت و تندرستی اور عمرِ طویل عطا کرے۔ پھر کراچی سے ... آپ کی رسیلی باتوں نے محظوظ کیا۔ ماما ایمان، مہتاب گل، اعجاز احمد راحیل اور قیصر اقبال کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ کہانیوں میں سب سے پہلے منفرد لہجے کے بہترین مصنف احمد اقبال کی جوالدری پڑھی جو کہ اب دلچسپی اور سنسنی کی جانب گامزن ہے۔ محبوب مصنف کی دوسری شاہکار تحریر سرورق کا پہلا رنگ سوداگر جانے پہچانے کرداروں کی دلچسپ کارروائی نہایت دلچسپ اور قابلِ ستائش رہی۔ بزدل کی بہادری اور سرمنچ روحانی دلچسپی کا باعث ہے۔ صالحہ اور غزالہ اچھے کردار ہیں۔ ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کی دلچسپ سنسنی خیز اور ایکشن سے بھرپور دلچسپ داستان آوارہ گرد نے محض تین قسطوں میں بہت زیادہ سفر طے کر لیا ہے۔ ابتدائی صفحات کا تو ... امجد رئیس کی انتہائی حساس، اثر انگیز اور شاہکار کاوش دل کشش... آتش ... بھی کامیاب رہی۔ زندہ انسانوں پر... انسان نما درندوں کے مکروہ اور انسانیت سوز تجربات کیا۔ انسان حصولِ دولت اور تکمیلِ مقاصد کے لیے اس حد تک بھی گر سکتا ہے۔ کومین کلیری اور مریم کی ... اور ذہانت نے بہت متاثر کیا۔ ماہ نور کی سیر ... دلچسپ تحریر ثابت ہوئی۔ ڈور تھی کلر ... تھیں اور ... پراسکٹ کیری نے استعمال کیا۔ ... نعیم کی ... ایک سادہ سی تحریر تھی۔ قاتل کون؟ ... مختار آزاد کی چھوٹا سودا نہایت دلچسپ رہی۔ ... نے اپنے تحفظ کے لیے بہترین ایکشن لیا جبکہ روبی کو کیسے کی سزا ملی۔ جمال وقتی کی لیڈی بھی ٹھیک ہی رہی۔ بشریٰ احمد کا پھندا بھی خوب رہا۔ غفلت میں ... مجرم کی نشاندہی کا باعث بن جاتی ہے یہی ڈاکٹر کے ساتھ ہوا۔ مریم خان کی ... سیر کو سوا سیر کا ... ۔ ... لالچی اور حریص لوگوں کا سبق آموز انجام دلچسپ رہا۔ تحریر ... کی چنگاری دلچسپ اور بہترین تحریر تھی جدید ... احتیاط لازم ہے۔ سید ... نے بھی خوب کارنامہ سرانجام دیا۔ پسندیدہ مصنف کاشف زبیر کی تحفہ ... مشال ... تیمور کی شاہدہ ... رہی۔"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

پہاڑپور سے بشریٰ افضل کی باتیں "6 جولائی کو جاسوسی ملا۔ ٹائٹل کی صنف نازک نے اچھا تاثر نہیں چھوڑا۔ دل دہلا دینے والی کھوپڑی کا کان میں اس کر خوفزدہ اور مشکوک کر رہا۔ صنف کرخت کافی تکلیف میں ہے وہ بھی آخری انجام ہے۔ کاؤنٹر پر خون آلود الٹیاں اوپر سے ہاتھوں میں پستول۔ جاسوسانہ انداز ہے بھی اپنے جاسوسی ڈائجسٹ کا۔ اپنی محفل میں پہنچے محفل کی باتیں دل کو لگیں۔ ایم افضل، کبیر عباسی، افتخار احمد، زویا اعجاز، محمد صفدر معاویہ، محمد اقبال، ان سب نے ہمیں یاد رکھا، سب کا شکریہ۔ ہمیں طاہرہ گلزار سے گلہ ہے کہ وہ ہمیں کیسے بھول گئیں۔ اظہر جمیل صدیقی کے انتقال کا پڑھ کر دکھ ہوا۔ خدا ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ زویا اعجاز، عجلت میں ہوتے کے باوجود تبصرہ لکھنا پھر بھی دیر ہو گئی اور ہم غیر حاضر ہو گئے۔ سید شکیل حسین کو بھی آپ کو رمضان کی سالگرہ کی اور عید کی تین تین مبارک باد ہوں۔ عیدی میں بنٹی نے خوب صورت پلان بنا کر اپنے ساتھی کو بچا لیا۔ لوکیشن نے بچہ مضبوط کر دیا ڈاکٹر کے خلاف۔ سبز چپل کے کلر نے اور جمی کو قاتل ثابت کر دیا۔ ششم انگشت نے بڑی جلدی قاتل کی شناخت کروا دی۔ چونکا مورد دولی اگر سیر تھا تو بھیڑ سوا سیر نکلی۔ ٹینا نے شوہر کے ظلم سے اور صبر سے اپنی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دولی سے نجات حاصل کر لی۔ جارج نے واقعی بڑا کارنامہ انجام دیا۔ بھتیجے سے تو اس کی کبھی نہ بنی مگر جارج نے اتنا پیار کیا بیٹی سے قاتل کا کھوج نکالا اس جیسا شریف آدمی خودکشی نہیں کر سکتا۔ جیک کے بارے میں مکمل چھان بین کی اور..... جیک کی بیوی نے سچ اس کے خلاف گواہی دے۔ پیٹلاری ملازمہ نے انکوائری کر کے ایک بے گناہ کو سزا ہونے سے بچا لیا۔"

مانسہرہ سے سید اکبر شاہ اوگی کی خوش امیدی وخوش گمانی "رواں سال کی پہلی غیر حاضری کے بعد ایک بار پھر سلسلہ کلام کو جوڑنے کی خاطر حاضر محفل ہیں۔ تکنیکی سلسلے میں درپیش امتحانی مراحل کی وجہ سے لکھنے سے قاصر رہے۔ محنت نے کامیابی دلائی اور نتیجتاً ہم امتحان میں اول نمبر پر آئے۔ (بہت بہت مبارک ہو آپ کو) 5 تاریخ کو جاسوسی ملا۔ سرورق گلزار اور دیدہ خار کے ملاپ سے پیارا دکھائی دیا۔ حسینہ کا پیا اصابی تناؤ کا شکار نظر آئی۔ ہم جنس دانوں کے بدحالی کی مکمل تصویر بنا تھا۔ پستول بدست حسینہ کا دیدار نصیب نہ ہوا۔ محفل حق تک بچی کی طرف بڑھے۔ افتخار احمد اور حسن سرور نے اچھا لکھا۔ یاروں کے پرشور ہوا کو سارا معرف ہے میں..... دل کی تمنا ہیں دیدار کی آس دیا ہو..... صد میل دور ان کے دل سے محبت بھرا پیغام کافی اچھا تاثر چھوڑ گیا۔ سعدیہ بخاری صاحبہ میاں مٹھو کی طرح..... (آداب تشو) کرتی نظر آئیں۔ شکیل بھائی نے بہت اچھی، پکی اور سچی تبصرہ نگاری کی۔ تصویر یاسمین صاحبہ! بھرول کی خاموش زبان سے وضاحت کرنے کے قائل ہیں۔ طاہرہ آپی! اب ہم اتنے بھی نہیں ہیں کہ صنف نازک کے تمہیدی الفاظ کو محسوس نہ کریں۔ آپ کا تبصرہ شاندار وجاندار تھا۔ باقی دوستوں نے بھی لکھا تو خوب لکھا۔ چلتے ہیں کہانیوں کی جانب۔ آوارہ گرد کے سحر کے حصار میں گرفتاری کے باعث ابتدا اسی سے کی۔ شفقت راجا کی موت جہاں ایک شگون تھا وہاں نئی مصیبتوں اور مشکلات کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوا۔ شہزی اور داؤں تیمور کا گٹھ جوڑ زبردست ہے۔ دونوں کئی محاذوں پر دشمن سے برسرپیکار ہوئے۔ یوں دشمن کے چھکے چھڑا دیے۔ اختتام تجسس سے بھرپور تھا۔ جواری میں بھی حالات غیر متوقع رہے۔ ملک سلیم سے ریشم کو فرار اچھا ہوا۔ اینڈ میں امید کی کرن ظاہر کی ہے۔ امید جوہر دوست میں اسیر کرتی ہے۔ پہلا رنگ سودا گر برابر کی تحریر تھی۔ جزول کی گفتگو سے لطف اندوز ہوئے۔ مگر باقی کہانی ابھی ابھی پڑھی۔ جزول نے اپنی ذہانت و صلاحیتوں کو مسئلہ حل کر کے اجاگر کیا۔ دوسرا رنگ کاشف زبیر نے بھرا۔ شاہی دیمور گروپ کا یادگار معرکہ مہمان خصوصی نواب صاحب، ہنگامہ خیز اور دلچسپ تحریر تھی۔ فلک دشمن افراد سے ٹکراؤ کافی زور دار رہا۔ یوں حب الوطن جوانوں نے حریف کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سرفرو ہے۔ ابرار کی مریم کے خان کی نہایت عمدہ تحریر تھی۔ طارق اور ملک ناز کا تصادم نہایت خطرناک رخ اختیار کر گیا۔ کہانی کا اختتام بھی غیر متوقع دلچسپ ہوا۔ کم نہیں۔ حتی کہ جرم... تقاضائے وقت یہی ہے کہ ہم انتہائی طمع پانے اور اس امید سے دوا کہ دوسرے جتنا کہ بہتر مکمل کامیابی والا مرحلہ نصیب ہو......"

ڈیرہ اسماعیل خان سے سیدہ عبادت کاظمی اور صائمہ کاظمی کی اطلاع "جولائی کا شمارہ 5 کو ہمارے ہاتھوں کی زینت بنا۔ سرورق حسب معمول جاذب نظر تھا۔ سامنے پڑی حسینہ شاید کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی اور پیچھے والا آدمی منہ پھاڑ کر چیخنے کی کوشش کر رہا تھا۔ افتخار احمد کا تبصرہ اچھا تھا۔ ایم افضل کھرل جاسوسی میں خوش آمدید۔ شکیل بھائی سالگرہ مبارک ہو۔ ویسے آپ نے سالگرہ پر دوستوں کو مدعو نہیں کیا۔ سا گل سا یہ ایمان کے ساتھ نٹ کھٹ شرارتیں بڑا مزہ آتا ہے۔ تبسم بھائی! کہاں غائب ہو، پلیز جلدی سے آ جاؤ۔ 21 جولائی کو میرا رزلٹ ہے پلیز سب میرے لیے دعا کریں۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ آوارہ گرد کا جادو چل گیا ہے۔ شہزی کا کردار اچھا لگا۔ میڈم کا کردار پراسرار ہے۔ دیکھیں آگے کیا گل کھلاتی ہے۔ جواری کی اس قسط نے زبردست خوشی دی۔ ریشم اور خادم کا حویلی سے نکلنا اب مزہ آئے گا۔ عرصے بعد شاہی اور تیمور کی آمد اچھی لگی۔ بزدل بھی اپنی روایت کے ساتھ وارد ہوئے۔ جاسوسی اس مرتبہ پڑھے جانے کے لائق تھا۔ باقی رسالہ زیرِ مطالعہ ہے۔"

اوکاڑہ سے تصور یاسمین کا دوستوں پر تبصرہ "جاسوسی کا ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے جانے کون سے دور کی پستول لیے ہاتھوں میں پکڑا دی۔ سامنے پر موجود شخص بالکل لگ رہا تھا۔ دوشیزہ کی آنکھیں پیاری تھیں مگر اس کے کان میں موجود بالیوں نے سوری یاد کروا دی۔ طاہرہ یاسمین کی ٹھنڈی آہیں بھرتے بیٹھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایم افضل کھرل آمد کبھی آتے رہیے گا۔ جاسوسی کی محفل میں خوش آمدید۔ محمد جاوید مرزا آپ کی سرگزشت اور جاسوسی میں سے سرگزشت کو اولیت دیتی ہوں۔ کیونکہ وہ ایک بہترین اور معیاری رسالہ ہے۔ جاسوسی بھی بہترین ہے لیکن وہ کیا بات ہے کہ وہ دل کو بھاتا ہے۔ سو سرگزشت از دل بہت۔ کبیر عباسی عرف شہزادہ آپ سے اور باقی تمام دوستوں سے خصوصاً اکبر شاہ سے میں معذرت خواہ ہوں، مجھے پتا نہیں تھا لیکن اکبر شاہ تمہیں بھی اپنی پڑھائی پر توجہ دینی چاہیے۔ سعدیہ بخاری کا تبصرہ بہت مزے دار تھا۔ سید شکیل حسین کاظمی مشورے پر غور کرنے کا شکریہ۔ اس سے پہلے کہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے محفل بحال کر لیں۔ ایم اے راحیل یہ شہری اور گاؤں کے لوگوں کی لڑائی یہاں مت شروع کریں ورنہ بات نکل تو بہت دور تک جائے گی۔ طاہرہ گلزار میں بالکل نروس نہیں تھی۔ ایسا کوئی مائی کا لال پیدا ہی نہیں ہوا جو مجھے نروس کر سکے۔ آپ کیا سر پہ برف رکھ کر جاسوسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

پڑھ رہی تھیں؟ اور یوسف زئی آپ کا نام پڑھ کر مجھے اپنے انکل یاد آتے ہیں۔ سید عبادت کاظمی بہت شکریہ اور خوش ہو جائیے اس بار شاہی اور تیمور واپس آ گئے ہیں۔ محسن علی طالب بیٹا کہاں سے چلا ہے اپنے محفل میں خوش آمدید۔ آپ نے ہمارا دورہ تو سنا ہو گا کہ عنبر کا رشتہ کا اور صرف لکھنے کا اور۔ مرزا امجد جمال صاحب کاظمی صاحب کی پڑوسن کا ذکر کبھی بھی رہتا ہے؟ ایسا کریں ہم دوستوں پر تبصرہ کرتے ہیں آپ صرف کہانیوں پر تبصرہ کیا کیجیے۔ محمد ادریس خان موسٹ ویلکم۔ محمد اقبال آپ کوئی سبق تھے کہ آپ کو یاد کر لیا جاتا۔ انیلہ ممتاز کا شکریہ جاسوسی میں خوش آمدید۔ کبیر عباس بھائی کیوں محفل میں شریک نہیں ہو رہے ہیں ان کے تبصروں کو بہت مس کر رہی ہوں پلیز بھائی واپس آ جائیں۔ سب سے پہلے احمد اقبال کی سوداگر پڑھی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ احمد اقبال کی بزدل والی اور کاشف زبیر کی راجا اور عقل والی کہانیاں ہر ماہ شائع ہوا کریں۔ مجھے یہ دونوں بہت پسند ہیں۔ امجد رئیس کی آتش رہا نے دست کہانی تھی باقی ابھی زیرِ مطالعہ ہے۔ مجموعی لحاظ سے جاسوسی اس دفعہ بیسٹ تھا۔"

میلہ بھائی سے مبشر حسن کی گفتگو "جولائی کا شمارہ تاریخ کو مل گیا۔ کافی دنوں بعد محفل تک آ رہا ہوں امید ہے پہلے جیسی محبت ملے گی جو محبت جاسوسی کے قاری اور جاسوسی والے دیتے ہیں۔ یہ محبت بھلائی نہیں جا سکتی۔ (یقیناً یہ محفل آپ کی ہے اور آپ ہی کے دم سے اس میں رونق ہے) اس بار کا سرورق بہت خوب تھا لڑکی کے یاقوت جیسے لب اور مردکی بے رخی..... تحریک تک تحقیق کی محفل میں افتخار احمد حامد اور حسن سردار صاحب بیٹھے تھے۔ انجم ریاض، سید شکیل، فقیر بیان کے تبصرے خوب تھے۔ صبا گل، محمد اقبال، صفدر معاویہ اور طاہر گلزار کی تفصیلات بھی خوب تھیں۔ امجد رئیس کی کہانی آتش رہا نے تھکا کے رکھ دیا۔ گوہین اور صبا کا کردار جاندار تھا اور بہت ہی خوب صورتی سے کہانی کو ترتیب کیا گیا۔ امجد رئیس صاحب ویلڈن۔ برابری کی جنگ میں مریم خان نے بھی جاسوسی کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ سوداگر احمد اقبال کی اور کارنامہ بھی خوب تھیں۔ کاشف زبیر کی ارض پاک کے بارے میں لکھی تحریر کے کیا کہنے۔ شاہی نے بہت بڑا کارنامہ انجام دے دیا تھا۔ اللہ پاک کاشف صاحب کو مزید ترقی دے۔ مزاح اور خوش بھی اچھے تھے۔ باقی کہانیاں ابھی پڑھ رہا ہوں۔"

خانیوال سے محمد صفدر معاویہ کی مبارک باد "جولائی کا شمارہ 5 تاریخ کو وصول کیا۔ سرورق جاسوسی کے عین مطابق تھا۔ آپ کا اداریہ پڑھا، بے شک ہمیں اس وقت اپنے ان بہن بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے جو ہماری خاطر اور پاکستان کی سلامتی کی خاطر بے گھر ہوئے۔ آج وہ مشکل میں ہیں کیا پتا کل ہمیں بھی... اس لیے بڑھ چڑھ کر ان کی مدد کرنی چاہیے۔ محفل میں آئے تو پہلی افتخار احمد اور حسن سردار کو براجمان پایا۔ اچھا تبصرہ تھا، دونوں کو مبارک باد۔ کھرل صاحب آ گیا کریں آپ جیسے دوستوں کے لیے جاسوسی بھی کرنی پڑتی ہے۔ مرزا صاحب بھی اچھا تبصرہ کرتے نظر آئے۔ کبیر عباسی صاحب بھی ہلکے پھلکے مزاج کے ساتھ موجود ہیں اور ساتھ یہ بھی پتا چلا کہ آپ کا برتھ ڈے بھی ہے مبارک ہو جی۔ سعدیہ بخاری اور شاہ نیل بھی تبصرے پر محنت کرتے نظر آئے یقین کریں اچھی تبصرہ۔ طاہر گلزار بھی اس دفعہ تبصرے میں کافی حساب کتاب کرتی نظر آئیں دوستوں سے اور صاحب سید اکبر کی وکالت بھی اچھا تبصرہ تھا۔ عبادت کاظمی صاحب اللہ جاسوسی کو کیا کرتا تھا کیا بعد میں پتا چلا چیچے ہیں جاسوسی کے صفحات پر، یہ امید تھی آپ سے۔ محسن علی طالب جاسوسی میں خوش آمدید اور امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی جاسوسی میں لکھتے رہیں گے۔ مرزا امجد بھی اچھا تبصرہ کرتے نظر آئے۔ ادریس خان اور محمد اقبال بھی اچھا تبصرہ کرتے نظر آئے۔ انیلہ عجیب ہمیں ڈائجسٹ پڑھ رہے ہوتے ہیں تو کھانا بھول جاتا ہے۔ سب سے پہلے آوارہ گرد پڑھی مزہ آ گیا۔ شہزاد تو اپنے لشکر والے مہر ان کی طرح جا رہا ہے۔ شروع میں ہی ویرانا ایکشن جاری ہے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا کیا۔ شکر ہے اس دفعہ جوادی بھی چھوٹی پڑی ہے یا مگل صاحب کو آئے گا۔ جو پچھلی بار آ گئیں ہیں وہ شاید بے چاری۔ ادھر ریشم اور ملک سلیم کو بھی لگتا ہے رنگیلا اور سلونی پیچھا کر رہی ہے آخر ایک نہایت ہی پروف داستان کی۔ آخر کار علم اور گوہین نے معاشرے کے کالے کرداروں کو بے نقاب کیا۔ سلیم انور کی قاتل کون بھی اچھی اسٹوری تھی۔ مادھوری کی سیز فشنل میں سراج رسان جرم کیری نے کس ذہانت سے قاتل کو بے نقاب کیا۔ منش انگشت بھی لاجواب تھی۔ چودھری کو سوتیلے کی روٹی کو چھوڑ کر داری والی عادت لے ڈوبی اور اپنے کس ذہانت سے دھوکا دیا۔ مروتی تو جان سے گیا اور مال سے بھی بے چارہ۔ جمال دتی کی قیدی اور بشریٰ احمد کی پھندا بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ مریم کے خان کی برابری کی جنگ میں دونوں فریق نے کیا کیا داؤ کھیلے لیکن دونوں ہی جان سے گئے۔ لالچ لے ڈوبی۔ آخری دونوں رنگ سوداگر اور تحفۂ مشق مزہ آ گیا۔ جہاں صاحب اور بزدل ہوں اور تیمور شاہی اور نوشی ہوں اور مزہ نہ آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کمزوں نے بھی مزہ دیا۔ جاسوسی ممبران کو بالخصوص اور قارئین اور سب کو بالعموم عید مبارک۔"

سیکم ہاؤن خانیوال سے محمد قدرت اللہ نیازی کی قدر دانی "22 جولائی کو جاسوسی کا دیدار ہوا۔ صنف وجاہت جانے نفس رہا تھا یا تھکی رہا تھا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ تاہم حسینہ خوب تھی۔ عجیب وضع کا جملہ جاسوسی کے سرورق کو مکمل کر گیا۔ اس بار خلافِ معمول سب سے پہلے جو جو مزہ دے گئی۔ قارئین کے مجرم دو اسرار پر آخر کار خالد والمعروف ملک سلیم حویلی سے باہر آ گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ خالد اور مراد اب بس کر کے ایجنٹ کا مقابلہ کریں گے لیکن دونوں نے باہر آتے ہی اپنی راہیں الگ کر لیں۔ عبدالرب بھٹی کی آوارہ گرد بہت تیزی سے آگے بڑھتی نظر آئی۔ شہزاد بالکل کسی ایکشن فلم کا کردار لگا۔ مار دھاڑ سے بھرپور اس قسط میں اچانک کی موڑ آئے۔ سوداگر میں احمد اقبال کے بزدل کا ایک اور کارنامہ پڑھنے کو ملا۔ روپ بہروپ محبت

سانحۂ ارتحال

ادارے کے دیرینہ کارکن اور معروف مصور شاہد حسین ادارے سے شائع ہونے والے پرچوں میں ایک مدت تک اپنے فن کے موتی بکھیرتے رہے۔ وہ پچھلے طویل عرصے سے علیل تھے وہ باوجود علالت بھی پیچھے اپنا کام سرانجام دیتے رہے اور اپنی اتفاق بیماری سے لڑتے لڑتے 15 رمضان المبارک کو آخر کار خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ادارہ اس سانحہ کے دردو غم میں برابر کا شریک ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ مرحوم کے لیے فاتحہ اور دعائے مغفرت فرمائیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

وطرت سے تجاویز رنگ دلچسپ رہا۔ آتش فشاں، بیٹے جس کے وجود سے وجود میں آنے کا احساس ہوتا تھا۔ کیا خوب اشارہ تھا۔ صوفی بے چارہ خواتین کی ازلی کمزوری شک کا شکار یا مظلومیت کے رنگ کا تو زرا تھا۔ دوسرا رنگ کاشف زبیر کا تخلیق عشق مزاح کے ساتھ ساتھ سنسنی خیزی سے بھی بھرپور تھا۔ ڈیکی بارلو اب صاحب نور لالہ خوبی شامی اور تیمور کے ساتھ ایڈونچر میں شامل تھے۔ فواد خان کے قبائلی طریقوں اور بائیولوجیکل ہتھیار لسوم نے دوسرے رنگ میں مزید رنگ بھر کے اس کو رنگین بنا دیا۔ امجد رئیس کی ابتدائی صفحات پر موجود آتش رہا۔ امریکا کے انسانی حقوق کے نعروں کی قلعی کھلتی نظر آئی جہاں مریضوں کو گنی پگ کی طرح استعمال کیا جا رہا ہے۔ بہت زبردست اور چشم کشا تحریر تھی۔ سلیم انور کی قاتل کون بہت عمدہ رہی جس میں تک بندی سے کام چلایا گیا۔ ابرار قیم کی نقش انگشت مختصر و دلچسپ تحریر تھی۔ مختار آزاد کی چوہا کا سوراخ میں لیاقت نے روزی سے نجات حاصل کرنے کے لیے زبردست چال چلی اور اس میں کامیاب رہی۔ روزی کا کردار اپنے ازلی پن اور بے فکری کے پیرائے میں خاص رہا۔ اب کچھ بات ہو جائے قیمتی تکتہ چینی کی۔ ادارہ یہ بہت پر اثر رہا۔ اس بار دو افراد کے وطن سے بچیں چاہوں کی آواز بین شفیق وعملی دیں۔ ہماری طرف سے مبارکباد قبول ہو۔ ایم افضل کھرل! جاسوسی میں خوش آمدید۔ کہاں غائب تھے آج کل؟ ایم عزیز اسد! کبیر عباسی اسعد شکر کریں اس واقعہ کہانیوں کی گرد تک سے آپ نے جان چھڑوالی۔ پلیز آئندہ بھی احتیاط کرنے۔ سعدیہ بخاری! قاتل کی حد تک تو مرد بے چارے کو سر پر بٹھاتے ہیں ورنہ تو عورت ہی مرد کے سر پر ناچتی ہے ہماری عمر۔ آوارہ گرد کے بارے میں آپ کی خطرناک رائے نے جھنکر دینے پر مجبور کر دیا۔ آوارہ گرد کے بارے میں آپ کے ذاتی خیال نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ موت کے سوداگر، سیاس کا ایک تعمیری سلسلہ تھا جو عالمی و ملکی سیاست کے تانوں بانوں سے جڑا ہوا تھا جبکہ آوارہ گرد قطعی طور پر ایک مقامی اسٹوری ہے۔ زویا اعجاز! کبیر عباسی کو گریڈ: قصہ اور تمہید سے پرہیز کا مشورہ دیتے نظر آ گئیں۔ آپ ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں زویا، کیونکہ خوش قسمتی سے آپ نے گریڈ تک والا کام بہت پہلے چھوڑ دیا تھا۔ سید شکیل! ابوالہدیٰ کی تحریر؟ ہم نے تو ان کا بس تبصرہ ہی دیکھا ہے کوئی تحریر تو شائع اشاعت نہیں ان کی ہمزہ، شمع حیال! تبصرے کی پسندیدگی کا شکریہ آپ آتے رہا کریں جناب۔ شکیل کی شعری دعا بہت پسند آئی۔ اسوہ آمین۔ شکیل حسن! ہمیں نے کیا جاسوسی کی ہے آپ کی اکثریں اور خاکے بھی خوب تھے۔"

ناظم آباد سے محمد ادریس احمد خان کا تشکر "جاسوسی ڈائجسٹ جھلکتے دمکتے رنگوں سے سجا ہمیشہ کی طرح جاسوسی کی دید ہو گئی۔ کبیر عباسی اور صبا گل کا بہت بہت شکریہ کہ ہماری ہمت افزائی کی۔ جاسوسی کے صفحات پر سب سے پہلے آوارہ گرد پڑھی جو ذوق و شوق سے پڑھی جا رہی ہے اور دلچسپی ہنوز برقرار ہے۔ دوسری کہانی جو اوپر پڑھی۔ اس قسط میں ذرا زیادہ دلچسپی رہی کہ تھوڑا کہانی آگے بڑھی ہے اور تجسس آ رہا ہے۔ تیسری کہانی بہت ہی پسند آئی جو امجد رئیس کی آتش رہا تھی۔ جذبے اگر صادق ہوں کامیابی سے ہمکنار کرا دیتے ہیں۔ آتش نے منزل کو قریب تر کر دیا۔ اگرچہ آگے کا دور یہ مجبور کرتا ہے اگر ہمت اور وہ لے منزل پر لے گئے۔ قاتل کو پہچانا بھی آخر وقت تک قاتل کا تعین نہ ہو سکا۔ ایک جاسوس کو ہر چھوٹے سے چھوٹے نکتے پر نظر رکھنے والا ہونا چاہیے جس کی وجہ سے کامیابی کے سو فیصد امکانات ہوتے ہیں۔ نقش انگشت میں انسپکٹر شوہر نے نقش ایک اشارے سے یعنی فنگر پرنٹ نے قاتل تک رسائی آسان کر دی۔ کیونکہ قاتل نے انسپکٹر کو جرم اور مجرم کے راستے قریب پہنچ پر اپنے آپ کو شو کر دیا۔ چوہا کا سوراخ میں روزی کا ایک بے وفا اور چوری کر کے جانے والی بیوی کو قتل کرنے کا خواب ادھورا رہ گیا اور دماغی انتشار میں مبتلا ہو کے خود ہی دنیا چھوڑ گیا نتیجتاً اس کے بیوی کے لیے اور بچے جو سب سے بڑا کانٹا تھا وہ خود ہی راستے سے ہٹ گیا اور بیوی پر دولت اور زندگی آسان ہو گئی۔ کیدی کی بھی پسند آئی۔ چور کے پیچھے مجرم کے پاؤں نہیں ہوتے۔ دانشوری انتہائی احتیاط کے باوجود شریف نے بآسانی مجرم تک رسائی حاصل کر لی بلکہ مجرم خود ہی قانون کے در پر پہنچ گیا۔ بہت خوب۔ طارق نے اپنے منصوبے سے کام لے کر اپنی بیوی میں قلق کو ختم کر نیا گھر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اپنی عادت سے قتل کو بھی سرزد ہو رہا۔ چنگاری نے بھی اچھا تاثر دیا۔ کارنامہ میں ایک ایک لڑکی سے لڑکی ملاتے ہوئے نے حقیقت میں قتل کرنے والے نائش کو قاتل ثابت کر دیا۔ قتل کا معما آسانی سے حل ہو گیا۔ احمد اقبال کی آخری صفحات کی سرورق کہانی میں کی آمد رک گئے۔ انتہائی خوش کن تحریر تھی۔ دوسری تحریر تحفہ عشق بھی زبردست تھی جو عشق تھی صوری کاشف زبیر کی تحریر تھی۔ شامی اینڈ کا بعد کا رد عمل سامنے آیا۔ اسے خود کی مجرموں کو کتا کون چننے جا رہا ہے۔"

مظفرآباد سے افتخار حسین اعوان کی مبارک باد "جاسوسی جولائی 2014ء حسب معمول 7 تاریخ کو ملا۔ قاتل گرل کا انداز ہر گز پسند نہیں آیا۔ کانوں میں پڑے بالکل پر ہتھوڑی کی طرح پڑی۔ شعیب دیکھ کر ہی لگا کہ سرورق کے رنگ ایکشن سے بھرپور ہوں گے۔ موصوف خوشی سے چہار ہے ہیں، آ سکی۔ اشتہارات و فہرست کو پھلانگ کر محفل میں حاضری دی۔ اپنے علاوہ تقریباً سبھی دوستوں کو حاضر پایا۔ مرلی سے کبیر عباسی اپنے دل لیتے ہوئے نظر آئے۔ دل تو پاگل ہے۔ سعدیہ بخاری اٹک سے تشریف فرما ہیں۔ کافی عرصے بعد ایک اچھا تبصرہ لے کے حاضر ہوئی ہیں۔ سعدیہ جی! اگر گزشتہ ماہ کے تبصرے کو آپ نے کیوں پسند کر لیا؟ اسلام آباد سے سید شکیل کا بھی ہمیشہ کی طرح سحر انگیز اور حیرت انگیز باتوں کے ساتھ حاضر ہیں۔ آپ کی ہمت ہے کہ ہمیں یاد رکھتے ہیں۔ زویا اعجاز! بہترین اور خصوصی انداز میں حاضر ہیں۔ تصویر سسرا سمجھا کریں بعض معاملات میں دل نازک اور کمزور ہی ہوتا ہے۔ طاہر کے تبصرے کی سمجھ زرا سمجھ نہیں آئی۔ کراچی سے کا تبصرہ بھی کہانیوں کی ابتدا آوارہ گرد سے کی۔ شہزی کی دلیری اور کیا ہی کہنے۔ بار بار موت کے منہ میں دھکیلی رہا ہے۔ تیمور کا ذہنی دھوکا کر گیا۔ میڈم اور شہزی کے رشتے کا تجسس ابھی برقرار ہے۔ شکیلہ کا اعتراف پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے اپنی دوست کی خاطر اپنا عزت کا سودا کر لیا۔ واقعی یہ بہت بڑی قربانی ہے۔ ابتدائی صفحات پر حسب معمول اسٹوری امجد رئیس کے قلم سے آتش رہا واقعی تو فراموشی میں پڑھی جانے والی ثابت ہوئی۔ مشرق ہو یا مغرب، انسانیت سے مذاق عام بات بھی چلی ہے۔ اتنا گھناؤنا کاروبار اور وہ بھی دنیا کا پاکیزہ جگہ پر اس سے امریکی قباحت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک ہی نشست میں پوری اسٹوری ختم۔ مجموعی نظر سے دیکھا جائے تو بہترین سے بھی بہترین کہانی قرار پاتی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

جواری بھی کمال تیز ہوتی جا رہی ہے۔ دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ شاہینہ اور خاور کے تعلقات مشکوک سے ہیں ہے جبکہ خاور صرف اپنے مطلب کی برآوری چاہتا ہے۔ اسے استعمال بھی کر لیا۔ سرورق کے دونوں رنگ اس بار جانے پہچانے کرداروں اور پسندیدہ کرداروں پر مشتمل تھے۔ سوداگر، میں احمد اقبال صاحب نے بزدل سے ملوایا۔ جسے مجھ جیسے کم مزاج اور تجسس سے لبریز اسٹوری تھی۔ تختۂ مشق، بیانیہ کاشف زبیر تجسس سے بھرپور کہانی ثابت ہوئی۔ اس بار نواب صاحب بھی فل ایکشن میں نظر آئے۔ شامی اور توشی کی نوک جھوک بھی مزے کی تھی۔ کاشف زبیر صاحب سے ایک گلہ ضرور کروں گا کہ نواب صاحب اینڈ کمپنی کو میرے شہر مظفرآباد میں فل ایکشن میں رکھا اور مجھے کانوں کان خبر تک ہونے نہ دی۔ کم از کم مجھ سے ملوا تو دیا ہوتا۔ بہرحال دونوں رنگ بہت مزے کے تھے۔ شارٹ اسٹوریز میں چنگاری بہترین کہانی تھی۔ تعلق یا یادیں بری ہوں یا بھلی ہمیشہ دماغ کے کسی کونے کھدرے میں پڑی رہتی ہیں اور مناسب وقت آنے پر چنگاری سے شعلہ بن جاتی ہیں۔ برابر کی ٹکر مریم کے خان ہمیشہ کی طرح ایک شاہکار لے کر حاضر ہوئی ہیں۔ طارق اور فلک دونوں منافق تھے اور منافقوں کا ہمیشہ برا حال ہوتا ہے۔ ایک دوسرے سے جھوٹی محبت اور جھوٹا نکاح۔ چونکا دینے والے انجام کی حامل سوز تحریر تھی۔ مختصر کہانیوں میں یہ سب سے بہترین کہانی تھی۔ بقیہ اسٹوریز میں سبز پنسل، جشش انگشت، ایکار بھی سرفہرست رہیں۔ کترنیں بھی کافی بہتر لگیں۔ آخر میں ادارہ و قارئین کو آنے والی عید اور یوم آزادی مبارک۔"

کوئٹہ سے سیف اللہ خان کی بدگمانیاں "جولائی کی چلچلاتی دھوپ اور رمضان المبارک کی حدت میں جاسوسی ایک خوش گوار ہوا کے جھونکے کی طرح وارد ہوا۔ سرورق کی پُراسرار حسینہ اور بچوں کی کھلونا لینڈ کروزر کا نظارہ ذکر کرتے ہوئے کہانیوں کی فہرست میں پہنچے جو دلکش انداز میں سجی ہوئی تھی۔ محفل یاراں میں اپنا لفافہ نہ پاکر۔۔۔ ہونٹ بھینچ لیے۔ اس بار مہمان خاص افتخار احمد تارڑ اور محسن سردار صاحب ٹھہرے تھے۔ تبصرہ کچھ خاص نہیں لگا۔ سعدیہ بخاری کو سرورق کی حسینہ کے سر پر صنفِ وجاہت کا ہونا برا لگ رہا تھا۔ لیکن میرے خیال میں ہر لڑکی کے سر پر ایک صنفِ وجاہت کا سایہ ضرور ہونا چاہیے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ شکیل کاظمی صاحب سالگرہ مبارک ہو لیکن کیک کہاں ہے؟ ویسے شکیل صاحب آپ نے ملم یمان کی تعریف کر کے انہیں ہواؤں میں اڑا دیا۔ تصویر انھیں اچھی ہونے کے باوجود آپ کو نائلہ کی دوشیزہ پسند آئی۔ کمال ہے۔ ایم اے ہاشمی صاحب! آپ کہانی دوبارہ پڑھیں، ذہن سے مختار کو نکال کر شکیل کو پڑھے تھے۔ طاہر گلزار کا طویل اور مختصر و تبصرہ پڑھ کر پتا چلا کہ آخر ماہ بیمار ہیں۔ اللہ آپ کو صحت دے۔ ویسے اگر آپ بیمار نہ ہوتیں تو تبصرہ اور کتنا لمبا ہوتا؟ آندو یا اعجاز دلگیر میں کوئی تُک نہیں ہوتا، یہ تو صدیقی کی تکنیک کا کمال ہے۔ اچھا بھلا تبصرہ عجلت اے میں تبدیل کر کے رکھ دیا تھا (ہم پر اپنے تمغۂ اعزاز کا الزام نہ لگا دیں۔۔۔ ورنہ۔۔۔) اصا گل صاحب! اس بار کافی جاندار تبصرہ تھا۔ محفل میں اس بار کئی جانے پہچانے دوست نظر نہیں آئے۔ (ہم نے تنگی چلا دی ہوتی) نور الہدیٰ! آپ پرانے دوستوں کو بلا کر خود کہاں چلی گئیں۔ افضل کھرل اور محسن علی پہلی بار شامل ہوئے تھے اس لیے ویلکم رہا۔ آخر میں انیلہ کا تبصرہ بھرا خط پڑھ کر محفل برخاست کر دی۔ باقی دوستوں میں عبادت کاظمی، کبیر عباسی اور محمد صفدر معاویہ کے تبصرے اچھے لگے۔ جاسوسی کے ابتدائی صفحات اس بار امجد رئیس نے تیغ عشق سے رومان اور عشق سے بھر دیے تھے۔ آتش بجا معمول سے ہٹ کر تھی کی ایک یادگار تحریر ثابت ہوئی۔ کافی عرصے کے بعد جاسوسی میں ایسی تحریر پڑھنے کو ملی۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ (انشاء اللہ) جواری میں خدا خدا کر کے خاور، جج صاحب اور شاہینہ کی قید سے آزاد ہوا۔ بلکہ فرار کرایا گیا۔ اور خاور صاحب سے اتنی جرأت کی توقع بہرحال نہیں رکھی جا سکتی۔ پہلی بار خاور کا واسطہ ایک نسبتاً بزدل ہیرو سے پڑا ہے۔ احمد اقبال صاحب کہانی میں تھوڑی جان ڈال دیں۔ اس طرح تنگ نہیں چلے گا۔ آوارہ گرد آہستہ آہستہ اپنا رنگ جما رہی ہے۔ لی اہال تو شوری کی مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں۔ اپنے موسٹ فیورٹ رائٹر کاشف زبیر اس بار تختۂ مشق کے ساتھ حاضر تھے۔ شامی اور تیمور کے ساتھ اس بار نواب صاحب بھی میدان عمل میں سرگرم تھے۔ ہم جوتی کا کردار کچھ خاص نہیں لگا۔ سوداگر میں بزدل صاحب نے گلزار کے گھر سے اس کی غیر موجودگی میں لاکٹ نکلوا کر اپنی دانست میں یقیناً بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا لیکن بزدل صاحب سے ہم کچھ بڑھ کر توقع کر رہے تھے۔ مریم کے خان کی برابر کی ٹکر ایک کاٹ دار تحریر تھی جو پسند آئی۔ بابر نعیم کی جشش انگشت کے دوسرے پیراگراف میں ہی قاتل کا پتا چل گیا جو جیب میں ہاتھ ڈالے سکوں سے کھیل رہا تھا۔ تبدیلی سر سے گزر گئی۔ قاتل کون ایک روایتی جاسوسی اسٹوری تھی۔ چنگاری میں ازیبہ نے طیرا اہم باتوں کو اہمیت دے کر اصل قاتل تک رسائی حاصل تو کر لی لیکن اپنے دل کے اندر جلتی بجھتی چنگاری کا اس نے کیا کیا، یہ نہیں بتایا تنویر ریاض صاحب نے۔"

لاہور سے زوبیا اعجاز کی مبارک باد "3 جولائی کی حبس زدہ دوپہر میں جاسوسی اور موسلا دھار بارش کی نوید ایک ساتھ ملی۔ ٹائٹل پر نازک سے ہاتھ میں اسٹائلش سی گن کافی دیدہ زیب تھی جبکہ حسینہ جاسوسی کا پورا ٹائٹل شریفانہ نہ تھا۔ کی تبصرے بہت اچھے تھے۔ سعدیہ بخاری نے آتے ہی قدرت اللہ نیازی کی خوب کلاس لی۔ اب غائب نہ ہو جانا ڈیئر۔ طاہر گلزار کی آمد نے تو تین تبصروں کی جگہ گھیر لی۔ انجم جمال! آپ کی بات سے صد فیصد متفق ہیں۔ اکثر تبصرے صرف دوسروں کی کھنچائی کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ مظہر سلیم، ماہا ایمان اور افتخار اعوان پھر سے پردہ نشین ہو گئے ہیں۔ اب اگلی بار ان کو بلیک لسٹ میں ڈال کر جرمانہ وصول کیا جائے۔ (اچھا مشورہ ہے) کہانیوں کا آغاز اس مرتبہ آوارہ گرد سے کیا جس میں تیز ترین ایکشن، جذبات و احساسات سمیت وہ تمام لوازمات موجود ہیں جو عصرِ حاضر کے قاری کو درکار ہیں۔ شفقت راجا شاید اپنی انجینئر اور سی آف دی ریکارڈ رقیب کے زہر کا شکار ہوا ہے۔ بہرحال خس کم جہاں پاک۔ پولیس انسپکٹر کی تمام متعلق الزامات سے بریت نے پاکستانی عدالتی نظام کی قلعی کھول دی۔ سلسلہ وار جواری نے بھی انگشت بدنداں کر دیا۔ خیالات کی تیزی اور واقعات کی تیزی کے باعث یہ قسط اب تک کی بہترین قسط گردانی جا سکتی ہے۔ اور سلیم ایک نئے بھنور میں پھنستے نظر آ رہے ہیں۔ ابتدائی صفحات میں مترجم کہانیاں ہمیں کم ہی پسند آتی ہیں تاہم آتش نے اس دفعہ یہ خیال باطل ثابت کر دیا۔ بلاشبہ یہ اسٹوری آل دی بیسٹ تھی۔ سوداگر میں بزدل میاں لے پالک ہو نہیں ہونے دیا۔ آثار بتاتے ہیں کہ بزدل صاحب جلد ہی پارٹ ٹائم ڈی ٹیکٹو ایجنسی کا کامیابی سے افتتاح کریں گے۔ تختۂ مشق میں شامی اور تیمور کے ساتھ نواب صاحب کا ان ایکشن دیکھنا کمال سنسنی خیز تجربہ تھا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ہمارے عظیم حکمرانوں کی ہمت اور عظیم الشان مہاجرین نے آج ہمیں معاشرے کی طرح اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ ہم اپنے ہی ملک میں بکھرے ہوئے اقوام کی حالت اقوام کے انسانیت سوز تجربات کے لیے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ مریم کے خان نے اپنے اسٹائل سے تھوڑا ہٹ کے لکھا۔ ویسی اسٹائل میں بدلنگی کا شائبہ رہا۔ مترجم کہانیوں میں پھندا اور چھوٹا سودا بہترین تھیں۔ چیتا سلی اور کوہ نامہ قدرے مشترک موضوع ہونے کے باعث بور ہو گئیں۔ کترنوں میں امید انتظار کوثر کی حب الوطنی بہترین تھی۔ سالِ رواں کا ساتواں شمارہ ہمارے کی طرف سے اعتراف کی عیدی ثابت ہوا۔۔۔ ارے۔۔۔ عید سے یاد آیا۔۔۔ جاسوستان کو عید مبارک ہو۔"

اسلام آباد سے سید شکیل کاظمی کا استفسار ”عید الفطر و جشنِ آزادی مبارک ؛ جاسوسی ڈائجسٹ اپنی سالگرہ کا تحفہ لے کر تین تاریخ کو مل گیا۔ کیونکہ جب تک کسی محترم تعریف نے تجدید نہ کی کا ادارہ کا اظہار نہیں کیا تھا اس لیے اس بے مروتی پر دل روح افزا کے آنسو روتا رہا۔ سرورق کو رمضان کی مناسبت سے زیادہ دیر دیکھنے سے گریز کیا اور اپنی رنگا رنگ محفل میں جا پہنچا۔ اپنے ہی ملک میں دربدر ہونے والے لوگوں کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ان کو اس مبارک ماہ کے صدقے جلد از جلد اپنے گھروں میں واپس آباد کرے۔ انتظار احمد اور حسن سردار دونوں کی حافظ آباد سے مشترکہ کوشش کامیاب ہوئی، بہت مبارک ہو۔ ویسے حافظ آباد کوئی نئی سنائی جگہ کا نام ہے کوئی اسّو تبصرہ نگار ہوتا ہے شاید اس شہر میں۔ خیر ساتوں کی۔ ایم افضل کھرل خوش آمدید ہم سب کی طرف سے اور اچھی منظر کشی کی آپ نے سرورق کی۔ تبصرے محمد جاوید مرزا صاحب نے کہانیوں پر خوب تبصرہ فرمایا۔ کبیر عباسی صاحب جاسوسی کا آغاز تو میں خود بھی ہوں اتفاق سے کیا کہیں گے؟ سعدیہ بخاری بہری ہر تحریر دوسروں کے لیے آئینہ ہوتی ہے۔ اب اس میں آپ کو کیا نظر آیا آپ کی قسمت اور سوچ۔ ویسے مثبت باتوں کی طرف دھیان دیں تو آپ اچھا لکھ سکتی ہیں۔ زوبیا آپ کا سرورق پر تبصرہ بہت خوب تھا۔ طاہر گجر صاحب میری جڑوں کو بھی مجھ سے یہی گلہ ہے کہ میں زیادہ کتنے میں مست ہوں۔ عبادت کوئی؟ خود سوچیں، کون کم بخت چاہے گا ایسا خوب صورت مسئلہ حل ہو جائے۔ ہمارے باکی والو یوسف زئی، عبداللہ اور مرزا اعظم جبرئیل کا انتخاب بھی اچھا رہا۔ سب سے پہلے آوارہ گرد کا مطالعہ کیا۔ کہانی نے تیز رفتاری کے ساتھ ... اور ... کچھ کو ... جس کی تحقیق کا ماحول جاری ہے۔ ایسی ہی بات ہے تاریکی کو پسند بھی ایسی ہی کہانیاں آتی ہیں زیادہ۔ شکیل کی عظیم قربانی قابلِ تحسین ہے۔ شہزاد کی تیز رفتاری اسے کسی بڑے نقصان کی طرف لے جا سکتی ہے۔ جواری میں احمد اقبال نے اپنی مرضی و بیرے مشورے سے عقاد، کو ... اور شاہین سے دور کر دیا اس کے لیے بہت شکریہ۔ ... امید ہے ایسی ہی پیش رفت جاری رہے گی۔ ... صفحات پر احمد رئیس نے اس ماہ کی شاندار مترجم کہانی پیش کی۔ ... انسانیت سوز حرکات سے دل کٹ کر رہ گیا۔ کوئین کے حرم ... نے بھی داد و تحسین وصول کی۔ شاید یہ ترقی یافتہ قومیں ہی زیادہ غیر انسانی افعال کی مرتکب ہوتی ہیں۔ مریم کے خان کی برابری کی تحریر اچھی کہانی تھی مگر اس موضوع پر پہلے بھی کافی دفعہ کہانیاں آ چکی ہیں۔ سرورق کے رنگوں میں احمد اقبال ہو اگر کے ساتھ حاضر ہوئے۔ ... نے اپنی ... مجبور کو اپنی گرفت ... کے ساتھ۔ ... کا عنصر لیے ہوئے بہت اچھی تحریر ثابت ہوئی۔ کاشف زبیر نے دو مرے رنگ میں شامل ... اور ... صاحب کو ہر وقت ایکشن میں دکھایا۔ بہت اچھی اور عمدہ تحریر تھی۔ ساری کہانی کا مزاج اور موضوع ایک طرف مگر اس کہانی کا اختتام اس بات کا ثبوت ہے کہ ... گئے کھڑے ہو گئے۔ میں فولاد خان کی تسوار کی بات کر رہا ہوں۔ میرے خیال سے اس کا رنگ اور نظریہ ک بچوں پر پابندی لگنی چاہیے آپ کیا کہتے ہیں؟"

ملی پور ... سے ثاقب تبسم نگینہ کی ستائش ”تین جولائی کو جاسوسی کا تازہ شمارہ ہاتھ میں آیا۔ ٹائٹل نگر پر جم گئیں۔ اس بار منفرد سرورق بہت دل کش تھا۔ عجیب سی شکل کا شیشہ ... کا عکس تھا ... پر اسرار ... پستول میں چھپا تجسس بھی دل فریب تھا۔ اس پہ مصداق کہ حسینہ کا صاف اور خوب صورت چہرہ دل کشی کے تمام تقاضے پورے کر رہا تھا۔ سرورق کے بعد میں اپنی کرسی پر محفل میں پہنچا تو اپنے ہی علاقے، حافظ آباد کے جوانوں سے ملاقات ہو گئی۔ انتظار احمد عروج اور حسن سردار ... کو مکمل پوزیشن پر مبارک ہو۔ مری کے شہزادے کبیر عباسی اور اسلام آباد کے سید شکیل حسین کاظمی کے تبصرے شگفتہ تھے۔ تصور یاسمین اور طاہر گجر کی تحریروں نے بھی متاثر کیا۔ کراچی کی اپنی کا خط واقعی دلچسپ اور منفرد تھا۔ ان خامہ فرسائیوں پر نظر دوڑانے کے بعد میں آگے بڑھا تو احمد رئیس کی آتش زیبا میری منتظر ٹھہری۔ امریکی معاشرہ کی بربریت اور سفاکی کے مناظر کو اپنی جھلک میں نہایت عمدگی سے قلمبند کیا گیا تھا۔ وہ لوگ جو امریکی تہذیب اور کلچر سے متاثر ہیں یہ کہانی ان کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ دنیا کو یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ امریکا کی اصل کیا ہے؟ اس شاندار تخلیق پر میں احمد رئیس کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ قاتل کا پتا لگانے کے بعد مجھے ... کی برہنہ تصویر نظر آئی تو میں حیران ہوا کہ یہ کیسا عجیب و غریب سا نام ہے۔ جاسوسی کے ادارے میں ایسے ناموں کا چلن کم کم ہی ہوتا ہے لیکن جب اس چنسل کی حقیقت کھلی تو تجسس، رروانی اور ذہانت کا حسین امتزاج دیکھ کر اور بھی حیران ہوئی۔ عام نام کے پیچھے خوب صورت انداز تحریر چھپا تھا جس نے طبیعت کو تر و تازہ کر دیا۔ اسی طرح ماہر تیم نے ایک منفرد اور دلچسپ موضوع کو شش انگشت کے پیکر میں کامیابی سے ادا کیا۔ انسانی نفرت کے مختلف چہروں کو بے نقاب کرنے کی وجہ سے یہ کہانی بھی عمدہ تھی۔ مختلف انسانی رویوں کی عکاس داستانیں احمد اقبال کی جواری کا حصہ ہیں جنھیں بہترین فنی مہارت سے بیان کیا جا رہا ہے۔ چونکا سورج آزاد کا مجھے پچھلے انداز میں ہمارے معاشرتی رویوں پر زبردست طنز تھا۔ عموماً طنزیہ کہانی میں سسپنس کم ہی ہوتا ہے لیکن اس کہانی میں یہ دونوں خوبیاں موجود تھیں۔ محبت، وفا، عداوت، جرم، سزا اور جزا کے ارکان سے مزین یہ کہانی بھی دل کو لگی۔ منفرد انداز کے قلم کار ریحان روق کی تحریر انتہائی دلچسپ ثابت ہوئی۔ مریم کے خان اس بار ایک اصلاحی نوعیت کی کہانی کے ساتھ نمودار ہوئیں۔ برابری کی تحریر میں انھوں نے مختلف جنسوں کے مابین اصلاحی جنگ کو اس انداز سے پیش کیا کہ میرے اعصاب بھی شل ہو گئے۔ اس کہانی نے شروع سے آخر تک اپنی گرفت میں لیے رکھا۔ ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کا سلسلہ آوارہ گرد اس بار زوردار اختلاف سانگا۔ اس بار ... سسپنس، تیزی اور جذباتیت عروج پر تھی اور کہانی کا لیپ کافی تیز تھا جس وجہ سے اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ آوارہ گردی کے بعد ایک چیخ ماری نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا جو تحریر و روش نے ارزاں کی۔ درمیانے درجے کی اس کہانی میں کردار نگاری عمدہ تھی۔ البتہ بیر ...

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

واش کا کردار جو انسانی قدر و منزلت کا مجموعہ تھی۔ اس میں کئی متضاد اور دو تہذیبوں کی جنگ نظر آئی جن میں آخری فتح قسمت و تقدیر کی ہی ہوئی۔ اس دور میں سبق سیکھنے کے لیے یہ کہانی ایک مشعل کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ کارنامہ ختم ہوا تو ایک بار پھر احمد اقبال نظر آئے۔ اس بار انہوں نے ایک سوداگر سے متعارف کروایا جو ایک انوکھا تاجر کا سودا گر تھا۔ اس کے پاس انسانوں کو پہچاننے، ورغلانے اور اپنی بات کا رعب جمانے کے کئی گر تھے۔ اس کہانی کا اختتام ایک خاتمے کی چیز ہے جس کا اہتمام احمد اقبال جیسا پختہ مصنف ہی کر سکتا تھا۔ اس شمارے کی آخری سو صفحات کاشف زبیر کی تختہ مشق تھی۔ خالص جذبات میں گندھی اس کہانی میں وطن پرستی عروج پر نظر آئی ہے۔ وطن سے محبت اور اس کی بقا کی جنگ لڑنے کا جذبہ بیدار کرنے میں یہ کہانی پوری طرح کامیاب رہی۔ کئی مقامات پر آنکھیں آبدیدہ بھی ہوئیں۔ ملکی موجودہ حالات کے پیش نظر اس جیسی کہانیوں کی اشد ضرورت ہے۔"

خانیوال سے محمد وقاص خالد کی جرأت "سب سے پہلے میری طرف سے ادارہ جاسوسی کو بہت بہت سلام۔ یہ میری جاسوسی میں پہلی کاوش ہے۔ امید ہے کہ میری یہ کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ اس مرتبہ جاسوسی 7 تاریخ کو ملا۔ اس دفعہ ٹائٹل نے تھوڑا مایوس کیا۔ کیونکہ ٹائٹل میں نہ تو عید کا چاند تھا اور نہ ہی رمضان مبارک کا۔ اداریہ ہمیشہ کی طرح بہت عمدہ اور زبردست تھا۔ افتخار احمد تارڑ اور حسن سردار رانا کو کرسی صدارت پر بیٹھنے پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد۔ تمام دوست احباب کے تبصرے بہت پسند آئے۔ خاص کر سید شکیل حسین کاظمی، کبیر عباسی، سعدیہ بخاری، زویا اعجاز، تصویر الحسن، مرزا انجم جرال کے۔ عرصہ دراز کے بعد جاسوسی ڈائجسٹ پڑھنے کا مزہ آیا۔ تقریباً تمام کہانیاں ہی بہت اچھی تھیں۔ آتش زیرپا اس ماہ کی سب سے بہترین کہانی رہی۔ کہانی نے کافی دیر تک اپنے حصار میں جکڑے رکھا۔ اب بات کرتے ہیں سلسلے وار کہانیوں کی۔ آوارہ گرد کامیابی سے اپنی منزل کی طرف گامزن۔ آوارہ گرد کی یہ قسط بھی پچھلی دو اقساط کی طرح بہت عمدہ اور زبردست رہی۔ جواری کی یہ قسط پچھلی اقساط سے کافی بہتر رہی۔ امید ہے کہ اگلی اقساط اس سے بھی بہتر ہوں گی۔ سرورق کے دونوں رنگ اپنی مثال آپ تھے۔ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کون سا رنگ بہترین ہے۔ پہلا رنگ دوسرے رنگ پر سبقت لے گیا۔ مریم کے خان کی برابری کی فکر بھی اچھی رہی۔ اس موضوع پر پہلے بھی دو تین کہانیاں شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارے بہت ہی محترم اور قابل احترام دوست اور تبصرہ نگار مرزا انجم جرال بھائی آج کل علیل ہیں۔ تمام دوستوں سے با برکت مہینے میں ان کی صحت یابی کے لیے دعا کی اپیل کی ہے۔" (اللہ تعالیٰ انہیں جلد از جلد صحت یاب کرے)

کراچی سے اسماعیل کی معذرت "محترم صاحب اسلام مسنون۔ اس بار مجھے پرچہ کچھ تاخیر سے ملا۔ بہر حال یہ اور سے کی جانفشانی اور انتھک محنت کا نتیجہ ہے کہ جاسوسی 2 تاریخ کو مارکیٹ میں آ چکا تھا۔ سرورق کی دوسری صورت میں تو ٹھیک سی تھی لیکن میک اپ انتہائی بے پروائی سے کیا گیا ہے۔ قلمی کتاب کے خیالات پڑھ کر دل کو سکون ملا کہ وہ ماسیٔ یا بہت حساس دل رکھتا ہے اور یہ سیدھی اللہ کے بعد ان بے سہارا لوگوں کا سہارا ہے۔ میں ادارے والوں کی مشکور ہوں کہ انہوں نے میرے تبصرے کو بہترین اور نمایاں طور پر شائع کیا۔ افتخار احمد اور حسن سردار صاحبان کو مبارک باد۔ انعم ریاض، ایم افضل، محمد جاوید مرزا، ام عزیز آپ سب کے تبصرے اچھے تھے۔ ویسے کبیر عباسی جی کیا خیال ہے ادارے والوں کو برق کا کارخانہ لگوا دیں اور کامی جی زندگی کا ستائیسواں سن بہت اچھا سال ہوتا ہے۔ اس سال آپ بہت خوشیاں سمیٹیں گے۔ تصویر الحسن تبصرہ کوزے ہے آپ کا۔ سعدیہ بخاری اور زویا اعجاز آپ دونوں بیسٹ فرینڈ ہیں۔ ہم صنف نازک کو صرف ظاہری طور پر نازک ہونا چاہیے۔ اندر سے نہیں۔ طاہر محمود صاحب تو اس بار شکرانے کی نفل ادا کر رہی ہوں گی تبصرہ جو شائع ہو گیا۔ سومی جی اور ریحانہ جی آپ دونوں دوست بہت اچھا لکھتی ہیں، دوبارہ حاضری لگواؤ۔ محسن علی اب شکنجہ چھوڑ دیں جناب۔ محمد اقبال صاحب بندہ کسی سے تو کچھ نہ کچھ کو بدی کا آسمان کر رہتی ہے۔ کہانیاں تمام دل پسند رہیں۔ احمد رئیس کی آتش زیرپا اپنے نام کی طرح خوب صورت تحریر تھی۔ ڈاکٹر عبد الوہاب بھٹی کی آوارہ گرد بڑی روانی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ شہزری اور اول خیر اس بار فل ایکشن میں نظر آئے۔ شہزری نے شکیلہ والا معرکہ سر کر ہی لیا۔ جنری احمد کی چاہت اور مریم کے خان کی برابری کی فکر نے دل خوش کر دیا۔ احمد اقبال کی سوداگر بہترین کاوش ہے۔ بزدل کا کردار ہمیں ہمیشہ سے ہی پسند ہے کیونکہ وہ اس موقعوں میں ہنسی کا باعث بن جاتا ہے۔ دوسرا رنگ میں کاشف زبیر کی تختہ مشق میں شازی اور تیمور کی داستان اچھی لگی۔ اس دفعہ تو نواب صاحب بھی فل ایکشن میں نظر آئے۔ جواری بھی اس دفعہ تھوڑی ہٹ کے تھی۔ رمضان کریم کی مصروفیات کی بنا پر پورا رسالہ نہ پڑھ سکی جس پر معذرت۔"

چکوال سے محمد عزیر اسعد کی خفگی "ڈائجسٹ ملنے کے ایک ہفتے بعد تک ہم تلملاتے ہی رہے۔ نہ کسی کے ہاتھ کانپے نہ زمین پھٹی، آسمان نے خود اپنی جگہ پر قائم۔ اگر کچھ بدلا تو وہ تھا ہمارا نام۔ ہم کس کو منہ کیا ڈائجسٹ بھی دکھانے کے قابل نہ رہے۔ تبصرہ شائع تو ہو گیا مگر غلط نام کے ساتھ۔ یعنی گلاب جامن پر سرخ مرچ ڈال کے ہمیں کھلا دیا گیا اور ایسا پہلے بھی متعدد بار ہو چکا ہے۔ اپنے دکھی جذبات سے صفحات بھی رنگین یا کالے کر سکتا ہوں مگر قلم کو روکتا ہوں کیونکہ سب نوکری کی نذر ہو جاتا ہے یا سرے سے بینک لسٹ ہو جائے گا۔ براہ مہربانی میرا نام عزیر اسعد کی جگہ عزیر اسد لکھا اور پڑھا جائے تاکہ میرے مرحوم نانا جی جنہوں نے یہ نام رکھا تھا انہیں بھی قرار ملے۔ (اچھا... ہم تو عزیر اسعد سے ہی جانتے ہیں... پھر عزیز اسد کس طرح چلا گیا۔ ناقص کو حاضر کیا جائے) تبصرے اور ٹائٹل وغیرہ کو چھوڑ کے ابتدائی صفحات کی زینت بننے والی کہانی آتش زیرپا بہترین تحریر تھی۔ قلم اور گلیری کی محبت قابل ستائش تھی۔ قلم کی محبت اور گلیری کی لعنت سے جہاں بھیڑی کی کنال میں بھیڑیا امریکا کی مزید گندگی بے نقاب ہوئی وہیں وہ ایک دوسرے کو پانے میں کامیاب بھی ہوئے۔ جواری اور آوارہ گرد ٹھیک جا رہی ہیں۔ کاشف زبیر کی تختہ مشق میں تیمور اور شازی کی واپسی ہوئی، زبردست تحریر تھی۔ احمد اقبال صاحب نے بھی ایک رنگ میں بزدل اور صاحب کا دیدار کرایا۔ سوائے ایک چیز کے باقی شمارہ بہترین تھا۔"

ان قارئین کے اسمائے گرامی جن کے محبت نامے شاملِ اشاعت نہ ہو سکے۔

علی رحمان، سعدیہ ضیا، قوال۔ کاشف عبید کاوش، محمد اسد حنا کاشف، حیدرآباد۔ محمد اقبال، کراچی۔ سمیر اعزیز چوہدری، سدرہ زینب حنیف، کراچی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اپنے مفاد میں ہر راہ سے گزر جانے والوں کی داستان خونچکاں... دولت کا لہو ان کے منہ لگ چکا تھا...

درندے

روبینہ رشید

خونخوار درندے صرف
جنگلوں میں ہی نہیں... بھرے پُرے
شہروں کے عالی شان گھروں میں بھی بستے
ہیں... شکاری بمقابلہ شکاری، شکار در شکار...
صرف جنگلی جانوروں کا ہی وصف نہیں، یہ صفتِ خون
ریزی حضرت آدم کے لہو میں بھی بھرپور شدت سے موجزن ہے...
وہ بظاہر ایک قدرداں تھا لیکن شوق کے پردے میں پنہاں نوادرات ہی
اس کا اصل دھندا تھا... سیانے کہہ گئے ہیں کہ کبھی کبھار چکا چوند
روشنی میں بھی منظر صاف نظر نہیں آتا اور بعض اوقات جسے نگاہ حقیقت
سمجھے وہی فریبِ نظر ثابت ہوتا ہے... کچھ یہی حال اس کا بھی تھا... بیش قیمت
اصل نوادرات کی ہوبہو لیکن بے قیمت نقول کی آڑ میں، اس کا کھیل کامیابی سے
جاری تھا لیکن ایک غلطی سے معاملہ الجھا تو پھر جتنا سلجھانے کی کوشش کی...
سلسلہ الجھتا ہی چلا گیا... اور پھر شروع ہوا شائستگی کے لبادے میں چھپے درندے کا
خونی کھیل...

ایک طرف زندگی تو دوسری طرف موت... اس آنکھ مچولی میں محبت بھی دل گرفتہ ٹھہری تھی...

وہ اس گھر سے جلد از جلد دور بھاگ جانا چاہتا تھا۔ سیاہ و سفید سنگ مرمر سے مزین یہ قیمتی اور شاندار مکان کسی کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہو سکتی تھی شاید اس کے حصول کے لیے لوگ کشت و خون سے بھی گریز نہیں کرتے مگر قیصر علی کے لیے اس کی حیثیت ایک ڈراؤنے خواب سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ یہاں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

''ایس پی صاحب!'' اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس کا سیدھا ہاتھ تیزی سے جیب میں ہمیشہ موجود سروس ریوالور کی تلاش میں لپکا مگر اب وہ جیب خالی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ اب وہ ایس پی نہیں رہا تھا اسے پولیس کی ملازمت سے استعفیٰ دیے ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا استعفیٰ اب تک منظور نہیں کیا گیا تھا مگر اس وقت وہ کوئی وضاحت پیش کرنے کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے وہ سامنے کھڑے موورز کمپنی کے سپروائزر کو گھور کر رہ گیا۔

''سر! آپ اوپر کی منزل بھی چیک کرلیں، ہم نے تمام سامان مناسب طریقے سے رکھوا دیا ہے۔ اگر آپ کسی اور چیز کو منتقل کرانا چاہتے ہیں تو بتا دیں ورنہ کام ختم ہو چکا ہے۔'' سپروائزر نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

قیصر تمام ملازمین کو پہلے ہی فارغ کر چکا تھا۔ سامان کو ٹوٹ پھوٹ اور گرد و غبار سے بچا کر محفوظ رکھنے کے لیے اس نے شہر کی بہترین موورز کمپنی کی خدمات حاصل کرلی تھیں۔ یہ لوگ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

اپنے کام کے ماہر تھے پھر بھی انہیں کام نمٹانے میں دو دن لگ گئے تھے۔ قنبر اوپر جانے کے لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا مگر پھر گیٹ سے سفید مرسیڈیز کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گیا۔

"اوہ گاڈ... ایک نیا مسئلہ..." وہ بڑبڑایا۔ یہ اس کی دادو بیگم زینت حیدر علی کی کار تھی اور ظاہر ہے کہ اس وقت ان کی یہاں آمد بے سبب ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ جما انہیں کار سے اترتا دیکھ رہا تھا۔ ستر سال کی عمر میں بھی وہ بہت متحرک تھیں۔

"قنبر!" وہ اس کے قریب پہنچ کر قدرے غصے میں بولیں۔ "یہ سب ہو کیا رہا ہے آخر...؟ میرا خیال تھا کہ میں نے تمہیں قائل کر لیا ہے، آخر اپنے خاندانی گھر کو چھوڑنے کے لیے کوئی مناسب وجہ تو ہونی چاہیے۔"

"خاندان...؟ کیا ہم کبھی بھی یہاں یا کہیں بھی ایک خاندان کی طرح رہے ہیں؟" اس نے کاٹ دار لہجے میں پوچھا۔

"قنبر! اس طرح تم صرف اپنے اور میرے لیے مشکلات کھڑی کر رہے ہو۔ جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا ہے، اسے بھول کر آگے بڑھنا سیکھو... دیکھو میں نے تمہارے پولیس کی ملازمت کے فیصلے کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی مگر اب میں مانتی ہوں کہ تم نے اس طرح خاندان کا نام روشن کیا..."

"میں نے یہ ملازمت اس لیے نہیں کی تھی..."

"ٹھیک ہے، اس وقت تم نے اپنے دادا مرحوم اور پورے خاندان کی سخت مخالفت کے باوجود یہ راستہ اپنایا۔ پھر جب اپنے والدین کے انتقال کے بعد تم دونوں بہن بھائی یہاں آ کر رہے تب بھی مجھے یہ مناسب نہیں لگا تھا مگر تمہارا فیصلہ بالآخر درست نکلا اور میں تمہارے فیصلوں کی عزت کرنے لگی مگر زرناب کے حادثے کے بعد سے تم مجھے مسلسل مایوس کر رہے ہو۔"

"دیکھیے دادو! میں اپنی زندگی کا خود ذمے دار ہوں اور جہاں تک اس گھر کی بات ہے تو میں اور زرناب اسے بیچنے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکے تھے اب... اب وہ بھی جا چکی ہے تو یہ میرا فیصلہ ہے۔" وہ حتی الامکان ملائمت سے بولا۔

"مگر یہ غلط ہے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

غصہ اب قنبر کی کنپٹیوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔

"کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ پا رہیں کہ میں یہاں زندہ نہیں رہ سکتا... مجھے یہاں سے نکلنا ہے۔" وہ پھٹ پڑا۔

"تو تم کچھ عرصے کے لیے میرے پاس آ جاؤ... ہم کتنے عرصے سے ساتھ نہیں رہے۔ میں تمہاری حالت سمجھ سکتی ہوں مگر اب تمہیں سنبھلنا تو ہوگا... زرناب کو گئے ڈیڑھ ماہ سے زیادہ ہو چکا ہے قنبر..."

"میں جانتا ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ یہ بات اس سے زیادہ کون جان سکتا تھا۔ آخر ایک طرح سے وہ بھی تو اس کا قاتل تھا۔ اس کے کندھے جھک سے گئے۔ "آپ کا شکریہ مگر میں نے کچھ اور سوچا ہے، میں آج ایک اپارٹمنٹ دیکھنے جا رہا ہوں۔"

"اپارٹمنٹ؟" وہ گویا ہراساں سی ہو گئیں۔ "اب تم اپارٹمنٹ میں رہو گے؟"

"کم آن دادو... اب یہ کوئی ایسی دردناک بات نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک پُرسکون اور بہترین جگہ ہے۔ مجھے فی الحال تنہائی درکار ہے۔ شاید اس طرح میں خود کو سنبھال پاؤں۔"

"اچھا..." وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ "صرف اس شہر میں تمہارے باپ دادا کے کئی بنگلے ہیں جن کے تم اکیلے وارث ہو اور تم کرائے کے اپارٹمنٹ میں رہنا چاہتے ہو، بہرحال اگر یہ تمہیں سکون دے سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

"شکریہ... آئیے باہر چلیں۔" وہ سپروائزر کو کام سمیٹنے کا اشارہ کر کے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے اس کی نظریں پورچ کی آخری حد پر جم سی گئیں مگر وہ وہاں ایک لمحے سے زیادہ رک نہیں پایا۔ اس کی سماعت میں وہ زوردار دھماکا پوری شدت کے ساتھ گونج اٹھا۔

☆☆☆

گہرے اندھیرے میں یکلخت جیسے کوئی پٹاخا سا پھوٹا تھا پھر ایک تیز چیختی ہوئی آواز اس کی سماعت کے درپے ہو گئی۔ مریم بے حد گہری نیند میں تھی مگر الارم کی ضد بہرحال جیت گئی۔ وہ بستر پر اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا پھر ہوش و حواس کا کنکشن کسی حد تک بحال ہوتے ہی اس نے الارم کا منہ بند کیا۔ چند لمحے اپنی جگہ پر بیٹھی جھومتی رہی اور پھر دوبارہ تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی وہ نیند کی پُرسکون وادی میں اتری بھی نہیں تھی کہ کسی خیال نے اسے چونکایا اور اس نے اٹھ کر بیڈ سائڈ پر رکھی گھڑی کو اٹھا کر دیکھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے انداز میں بستر سے باہر نکل آئی۔ آج اتوار ہونے کے باوجود اس کے کام کا دن تھا۔ اسے آکشن میں خریداری کے لیے جانا تھا۔ اچھی خریداری کے لیے نیلامی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

شروع ہونے سے قدرے پہلے وہاں پہنچنا کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ یہ اس نے کافی عرصے پہلے ہی سیکھ لیا تھا اور ابھی تو اسے فاطمہ کو بھی پک کرنا تھا۔

فاطمہ اس سے صرف ڈیڑھ سال بڑی تھی اور ان دونوں سے چھوٹا حسن تھا۔ فاطمہ کی شادی امی بابا کے چلے جانے سے کافی پہلے ہوگئی تھی۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اکبر اور وہ ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ان کی پسندیدگی کو محبت اور پھر شادی کے فیصلے میں بدلنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ پڑھائی ختم ہوتے ہی ان دونوں کی شادی ہوگئی تھی۔ اب فاطمہ اپنے دو بچوں کی پرورش اور گھرداری کے ساتھ ساتھ مریم کے اینٹیک اسٹور پر جزوقتی کام کرکے اپنا شوق پورا کررہی تھی۔

مریم چند لمحوں میں تیار ہوکر کمرے سے باہر نکل آئی۔ حسن کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر لاؤنج میں ڈائننگ ٹیبل پر موجود کافی پاٹ اور اس کے نیچے دبے کاغذ پر پڑی۔ ”یعنی حسن میاں نکل گئے ہیں پہ۔“ وہ بڑبڑائی۔ کاغذ پر اس کی توقع کے عین مطابق دو جملے لکھے ہوئے تھے۔

”آپی! بہت ضروری کلاس ہے۔ دوپہر تک آجاؤں گا اللہ حافظ۔“

”یہ لڑکا پتا نہیں کب بڑا ہوگا۔“ وہ گاڑی کی چابیاں لے کر باہر نکلتے ہوئے بڑبڑائی۔

حسن بی بی اے کررہا تھا۔ پڑھائی کی مصروفیات کے علاوہ اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کی طویل فہرست اسے سال کے تین سو پینسٹھ دن سخت مصروف رکھتی تھی۔ وہ شروع سے ہی گھر بھر کا لاڈلا تھا اور امی بابا کے جانے کے بعد اسے سنبھالنا سب سے مشکل ثابت ہوا تھا۔

امی بابا کا خیال آتے ہی اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر جم سے گئے۔ بحیثیت مسلمان اس کا ایمان تھا کہ موت برحق ہے اور یہ اختتام نہیں صرف تبدیلی کا عمل ہے۔ اصل زندگی موت کے بعد ہی شروع ہوگی مگر موت کا دوسرا نام جدائی بھی تو ہے۔ اسے اب وہ دن ایسے یاد تھا جیسے آنکھوں کے سامنے کوئی فلم چل رہی ہو۔ وہ اور حسن امی بابا کو ائرپورٹ چھوڑ کر آئے تھے۔ بابا کی میٹنگ تھی اور وہ امی کو ہمیشہ اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔ گھر واپس آکر اس نے اپنے اور حسن کے لیے ناشتا بنایا، تھوڑی دیر گپ شپ کی اور پھر ٹی وی کھولا۔ جہاں سے نشر ہونے والی بریکنگ نیوز ان کی خوشیوں کو یکبارگی لگا گئی۔ امی بابا جس جہاز میں جارہے تھے وہ پہاڑیوں پر گر کر تباہ ہوگیا تھا۔ اس کے بعد کئی گھنٹے، کئی دن، کئی ہفتے پہلے بےیقینی اور بے چینی اور پھر بے تحاشا تکلیف کے اندھیروں میں ڈوب گئے... وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔ یوں دن، مہینے اور سال گزرتے گئے تھے اور رفتہ رفتہ زندگی اپنے معمول پر لوٹ آئی تھی۔

مریم نے بہن بھائی کے مشورے سے گھر فروخت کر دیا تھا اور فاطمہ کے گھر کے قریب گلشن میں ایک دو منزلہ عمارت خرید لی تھی۔ جس کی نچلی منزل پر اس نے اپنا اینٹیک اسٹور قائم کیا تھا جو کامیابی سے چل رہا تھا۔ وہ شروع سے اپنا کاروبار کرنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آرکیالوجی میں ماسٹرز کے بعد اس نے اچھی ملازمتوں کی آفر کے باوجود اپنا اسٹور بنانے کو ہی ترجیح دی۔ اب وہ اپنے شعبے میں خاصی جانی پہچانی جاتی تھی۔ اس عمارت کی اوپری منزل پر دو کشادہ اپارٹمنٹ بنے ہوئے تھے جن میں سے ایک میں ان کی رہائش تھی۔ اور دوسرا اپارٹمنٹ کرائے پر دیا جاتا تھا جس سے اخراجات میں خاصی مدد ہوجاتی تھی۔

مریم چند منٹوں میں فاطمہ کے گھر پہنچ گئی۔ کئی بار ہارن بجانے کے بعد گیٹ پر فاطمہ کا چہرہ نظر آیا۔

”فاطمہ! ہم لیٹ ہورہے ہیں جلدی آؤ۔“ وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بولی۔

پانچ منٹ بعد فاطمہ بھاگتے بھاگتے آئی۔ اس کے بیٹھتے ہی مریم نے گاڑی دوڑا دی۔

لالہ زار میں پنچ لگوری سے آگے یہ ایک خاصا بڑا بنگلا تھا۔ اس کی ایجنسی اینٹیکس کی نیلامی کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ یہاں عموماً عام قسم کے اینٹیکس کی نیلامی ہوتی تھی۔ یہاں ہر مہینے کے پہلے اتوار کو نیلامی ہوتی تھی۔ مریم یہاں سے پہلے بھی کئی بار اشیا خرید چکی تھی۔ ایجنسی میں کافی لوگ موجود تھے۔ ان میں اینٹیکس اسٹورز چلانے والوں کے ساتھ ساتھ انفرادی شوقین خریداروں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ ایجنسی کا بڑا ہال بے شمار چھوٹی بڑی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ مختلف اشیا ڈبوں پر الماریوں میں، میزوں پر سجی ہوئی تھیں۔ اس کے مالک معین الدین حلقے میں بہت اچھی طرح جانے جاتے تھے۔ مریم کو سودے کرنا، چیزیں خریدنا ہمیشہ سے بہت دلچسپ کام لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اسٹور چند سالوں میں اچھی خاصی ساکھ بنا چکا تھا۔ وہ نہایت شوق و ذوق سے ہر چیز دیکھ رہی تھی۔

”فاطمہ یہ دیکھو۔“ مریم نے سنہری سلیپر کی شکل میں بنے پاؤڈر بکس کو پُراشتیاق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''کس قدر زبردست ہے۔''

''اس کے لیے صحیح لفظ عجیب و غریب ہو سکتا ہے مریم۔'' اس نے گویا اس کی تصحیح کی۔

''یار! اس دنیا میں کچھ بیکار نہیں ہے عجیب و غریب اور مضحکہ خیز چیزوں کی بھی ایک جگہ ہوتی ہے۔''

''بالکل۔'' فاطمہ نے ملامت سے کہا۔ ''تمہارا ہنر... میں جانتی ہوں۔ مگر کمال یہ ہے کہ تم ایسی چیزیں بیچ بھی لیتی ہو۔''

''اچھا بس... اب چلو بیٹھتے ہیں۔'' وہ مڑتے ہوئے بولی۔

''ارے... کیا بات ہے، ایک منٹ رکنا...'' اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

وہ ایک پینٹنگ تھی۔ وہ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بائی چوبیس انچ کے لگ بھگ تھی۔ اسے ایک سادہ اور قدرے مضبوط چوڑے فریم میں لگایا گیا تھا۔ کینوس پر رنگوں کی بارش سی کی گئی تھی۔ وہ تجریدی آرٹ کا بہترین نمونہ تھی۔

''تم! اسے الٹا رکھ رہے ہو۔'' مریم نے تصویر کو دیوار کے سہارے کھڑے کرنے والے لڑکے سے کہا۔

''نہیں یہ ایسی ہی ہے۔'' وہ غور سے تصویر کو دیکھ کر بولا۔ ''اصل میں یہ شپمنٹ ابھی ابھی آئی ہے۔''

''اوکے۔'' وہ مسکرائی۔ اسے یہ تصویر پسند آ گئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ یہ پینٹنگ ضرور خریدے گی۔ نیلامی کی کارروائی شروع ہونے لگی تھی۔ مریم تیزی سے بڑھنے کی کوشش میں سامنے سے آتے ہوئے ایک خاصے معمر شخص سے ٹکرا گئی۔

''اوہ معاف کیجیے گا...''

''ارے کوئی بات نہیں۔'' وہ شفقت سے مسکرایا۔ ''تمہاری عمر میں، میں بھی بہت جلدی میں رہا کرتا تھا۔ عجیب بات ہے نا کہ جانے کی عمر میں جب وقت کم رہ جاتا ہے انسان کی رفتار بھی سست پڑ جاتی ہے۔''

''سر! پھر بھی میں بہت معذرت خواہ ہوں... نیلامی شروع ہونے والی ہے۔ آیئے نشست تک چلتے ہیں۔'' مریم کو ان کی شخصیت پسند آئی تھی۔

''بالکل... مگر پہلے تعارف، میں جعفر اسلام ہوں۔ پیشے سے جنگلر رہا ہوں۔ لہٰذا پہلے شوق تھا پھر ریٹائرمنٹ سے کچھ پہلے ہی بزنس بن گیا۔ میری بیوی خدا اسے جنت نصیب کرے اس کا مشورہ تھا۔ اب اس کاروبار سے کئی لوگوں کا روزگار جڑا ہے لہٰذا چلا رہا ہوں۔''

''خوب، میں مریم ہوں گلشن میں اینٹیک شاپ ہے میری۔'' تھوڑی دیر میں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو عرصے سے جانتے ہوں۔ فاطمہ نے ان کی دکان اور گھر کی تفصیلات نوٹ کر لی تھیں۔

واپسی پر مریم کی گاڑی کی ڈکی اور پچھلی سیٹ خریدی ہوئی اشیا سے بھری ہوئی تھیں۔

''آج کچھ زیادہ ہی دیر ہو گئی۔'' فاطمہ نے مریم کے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد کہا۔ ''مریم! مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم نے وہ پینٹنگ خرید لی ہے، اس میں کیا اچھا لگا ہے تمہیں؟ یہ تک سمجھنا مشکل ہے کہ ہے کیا وہ... مجھے نہیں لگتا کہ تم اسے بیچ پاؤ گی... یہ پانچ ہزار روپے ضائع جائیں گے۔''

''بس مجھے وہ بہت اچھی لگی۔ تم دیکھنا یہ بک جائے گی اور یہ بکی تو میں اکبر کو تحفے میں دے دوں گی۔'' وہ شرارت سے مسکرائی۔ ''پھر تم آرام سے بیٹھ کر اسے تکتی رہنا۔''

☆☆☆

وہ شہر کے معروف کاروباری علاقے کی بلند اور مہنگی ترین عمارت تھی۔ اس عمارت کی دسویں منزل شوکت اللہ کے دفتر کے لیے مختص تھی۔ شوکت اللہ اس وقت اپنی روزوڈ کی عالیشان میز پر دونوں پاؤں رکھے سستا رہا تھا۔ اس کی میز کے عین سامنے والی دیوار پر آٹھ ایل سی ڈیز لگی ہوئی تھیں جس میں سے ایک پر سی این این، دوسرے پر مقامی نیوز چینل اور باقی سب اسکرینز پر دفتر کے اندرونی مناظر نظر آ رہے تھے۔ اس کی نظریں اسکرینز پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا شاندار دفتر اس کی امارت اور ذوق کی بہترین عکاسی کرتا تھا۔ قیمتی شیشے سے بنی دو الماریاں دنیا بھر سے آئے قیمتی نوادرات سے بھری ہوئی تھیں۔ شوکت اللہ کی شخصیت بھی اس کے ذوق کے مانند نہایت شاندار تھی۔ اس کا لباس، خوشبو، جوتے ہر چیز انتہائی قیمتی تھی۔ کاروباری دنیا میں اسے بزنس کنگ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، کامیابی اس کی پہچان تھی اور وہ معیار پر سمجھوتا کرنے کا عادی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شوکت اینڈ کو کے ساتھ ساتھ اپنے ملین ڈالرز کی اسمگلنگ کے دھندے میں بھی انتہائی کامیاب تھا بقول خود اس کے اسمگلنگ اب کسی آرٹ سے کم نہیں رہی اور وہ اس آرٹ کے ماہرین میں سے ایک تھا۔

دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''کم اِن۔'' اس کی بھاری تحکمانہ آواز کے کمرے میں گونجتے ہی صفدر عباسی اندر داخل ہوا تھا۔ وہ ایک مختصرالوجود شخص تھا جو شوکت اینڈ کو میں ایگزیکٹیو اسسٹنٹ کے بھاری عہدے پر فائز تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''سر! مجھے افسوس ہے مگر... ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے۔''

''مسئلہ۔'' شوکت اللہ نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر حسبِ معمول ہلکی سی مسکراہٹ تیر رہی تھی مگر اس کی آنکھیں سفاکی سے اپنے مخاطب کو گھور رہی تھیں۔ صفدر، شوکت اللہ کے خوفناک غصے سے اچھی طرح واقف تھا اسی لیے جب وہ بولا تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔

''سر! اسلام آباد سے جو شپمنٹ آنا تھی... وہ...''

''کیا اس میں تاخیر ہو گئی ہے؟''

''نہیں سر... وہ آ تو گئی ہے مگر اس میں وہ نہیں ہے جو آپ نے منگوایا تھا، کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔''

''جو کچھ ہے وہ لے کر آؤ... فوراً۔'' شوکت اللہ غرایا۔

''یس سر۔'' صفدر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

شوکت اللہ نے اس سامان کے لیے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ اسے اس کا صحیح سے انتظار تھا اور اب یہ گڑبڑ... اس نے خود کو پُرسکون رکھنے کے لیے سگار سلگایا۔ جس کسی کی غلطی ہو گی اسے سزا ضرور ملے گی وہ گویا اپنے آپ کو یقین دلا رہا تھا۔

صفدر عباسی چند لمحوں میں واپس آ گیا۔ اس بار اس کے ساتھ ایک باوردی چپراسی بھی تھا جو کارٹ میں ایک کارٹن رکھ کر ساتھ لایا تھا۔ وہ صفدر کا اشارہ پاتے ہی کارٹ وہیں رکھ کر فوراً باہر نکل گیا۔

''صفدر! مجھے دکھاؤ تو اس میں ہے کیا...؟''

اس نے لرزتے ہاتھوں سے کارٹن کھولا۔ اس میں تھرموپول کی محفوظ پیکنگ کو ہٹاتے ہی جو پہلی چیز اس کے ہاتھوں میں آئی وہ ایک خوب صورت ٹی پاٹ تھا۔ شوکت اللہ نے اسے اس کے ہاتھوں سے لے کر دیکھا وہ واقعتا کاریگری کا نمونہ تھا مگر اس کی قیمت سو ڈیڑھ سو ڈالر سے زیادہ نہیں تھی۔ شوکت اللہ نے اسے زمین پر دے مارا۔

''اور...؟'' وہ غرایا۔

صفدر نے ڈبے سے ایک خوب صورت اطالین گلدان نکالا۔ اس کی خاصیت اس کا ہینڈ میڈ ہونا تھا مگر شوکت اللہ کے لیے وہ بیکار تھا۔ اس نے مشتعل انداز میں اسے بھی زمین پر دے مارا۔

''آخر میرا سامان کہاں گیا؟''

''سر! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یقیناً کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔'' صفدر ہکلایا۔

''غلطی...'' شوکت اللہ نے اسے شرربار نگاہوں سے گھورا۔ ''فرحان'' اس نے سوچا۔ فرحان اسلام آباد میں اس کے کاموں کا نگران تھا۔ نوجوان، آگے بڑھنے کا شوقین، لالچی، سفاک مگر وہ بے وقوف نہیں تھا۔ اتنا بے وقوف تو ہرگز نہیں کہ وہ شوکت اللہ کو ڈبل کراس کرے... بہرحال اس سب کا جواب تو اسے ہی دینا تھا۔ ''صفدر فوراً فرحان سے میری بات کرواؤ۔''

''جی سر۔'' وہ تیزی سے میز پر رکھے فون کی طرف بڑھا۔ شوکت اللہ اس دوران میں ڈبے میں موجود باقی اشیا کو باری باری توڑتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

تبریز اس وقت شدت سے چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ آخری کارٹن کچن کی میز پر رکھ کر اس نے تنقیدی نگاہوں سے اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا۔ دو بیڈ روم، لاؤنج، اسٹڈی اور ڈرائنگ روم پر مشتمل یہ خاصا کشادہ اپارٹمنٹ تھا، ہر چیز مالکان کی ذاتی توجہ اور دیکھ بھال کی عکاسی کر رہی تھی۔ سامان اوپر لاتے ہوئے اسے سیڑھیوں کی ریلنگ البتہ بہت کمزور محسوس ہوئی تھی۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ ایک تین سالہ بچے کا وزن بھی نہیں سہار سکتی تھی۔ سیڑھیوں سے اوپر آتے ہی ایک مختصری ہال نما جگہ میں آمنے سامنے دونوں اپارٹمنٹ بنے ہوئے تھے۔ اس کا سارا سامان سیٹ ہو چکا تھا۔ اس کا سابق ساتھی اور پرانا دوست ایس پی آصف لودھی اس کی مدد کے لیے آیا تھا۔ کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ آرام سے اپنے لیے چائے کا گرم کپ تیار کر سکتا تھا۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں الیکٹرک کیتل میں پانی گرم کرنے لگا۔ الجھن اس کے دل و دماغ پر کنڈلی مارے بیٹھی تھی۔ وہ زندگی میں ایک بالکل نئی شروعات کرنا چاہتا تھا۔ پولیس کی ملازمت سے استعفیٰ کے بعد اس کا نئی شروعات کی جانب پہلا قدم تھا۔ اس کے چیف نے استعفیٰ قبول کرنے کے بجائے اس کی طویل چھٹی منظور کر لی تھی مگر تبریز اپنی طرف سے خود کو علیحدہ کر چکا تھا۔ اب وہ پولیس مین نہیں رہا تھا، وہ اپنی زندگی کے چودہ سال اس نوکری کو دے چکا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بہت تھا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ابھی تک اسے سامنے والے اپارٹمنٹ سے ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ ایجنٹ اور پھر اس شخص نے اسے یقین دلایا تھا کہ اسے پُرسکون ماحول ملے گا۔ یہ عمارت کلفٹن کی مصروف شاہراہ کے بالکل نزدیک تھی۔ اسے معلوم تھا کہ نچلی منزل کسی دکان کے لیے مختص ہے مگر اسے اس عام شور سے کوئی سروکار نہیں تھا بس وہ کسی سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ خوب صورت اور وسیع وعریض بنگلے کی جگہ اس اپارٹمنٹ میں رہنا بہرحال ایک ڈرامائی تبدیلی تھی۔ اب وہ زرتاب، محسن قریشی یا کسی کے بارے میں کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چائے کا کپ لے کر لاؤنج میں رکھی آرام کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ اچانک اس نے کوئی آواز سنی۔ وہ اپنی جگہ ساکت سا ہو گیا۔ چند لمحوں میں وہ آواز دروازہ کھلنے، کسی کی ہلکی سی ہنسی اور پھر سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ میں ڈھل گئی۔ قمبر نے سر جھٹکا اور چائے پینے لگا۔

مریم حسبِ عادت گنگناتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اس دوران میں وہ ہینڈ بیگ میں چابیاں بھی تلاش کرتی جارہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ حسن گھر پر نہیں ہے۔ اس کی کچھ دیر پہلے ہی اس سے بات ہوئی تھی۔ اسے گھر لوٹنے میں کم از کم ایک گھنٹا اور لگنا تھا۔ اوپر ہال وے میں قدم رکھتے ہی اسے دوسرے اپارٹمنٹ سے آتی روشنی نظر آئی۔ "اوہ تو نیا کرائے دار آگیا ہے۔" اس نے سوچا۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مریم تھوڑا آگے بڑھی۔ وہ سامنے لاؤنج میں رکھی آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اس کی توجہ ہتھیلی پر بندھی گھڑی نے اپنی جانب مبذول کی تھی۔ وہ یقینی طور پر ایک جینوئن رولیکس تھی۔ لاؤنج میں چار کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل، ایک آرام کرسی، ٹریڈمل اور ویٹ لفٹنگ کا کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ مریم نے اب اس کا جائزہ لیا۔ وہ طویل قامت، کسرتی جسم اور بہترین شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے گھنگریالے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ عین اسی وقت قمبر نے سر اٹھا کر اِدھر دیکھا۔ دروازے پر کھڑی مریم کو دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں سختی سے اسے تک رہی تھیں۔

"آپ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔" مریم معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"تو...؟" وہ دروازے کی طرف آگیا۔

"میں مریم ہوں... سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہوں، آپ کو یہاں خوش آمدید، کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"جی نہیں...؟" قمبر نے یہ کہہ کر کھٹاک سے اس کے منہ پر دروازہ بند کر دیا۔ مریم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے بے یقینی کے عالم میں وہیں کھڑی رہی پھر جھنجلاتی ہوئی اپنے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھی، بیگ کو کرسی پر پٹختے ہوئے وہ فون کی طرف لپکی۔ اسے فی الفور ایجنٹ سے بات کرنا تھی مگر اس کا نمبر مسلسل بند آرہا تھا۔ فون سیٹ کے نیچے رکھے لیز ایگریمنٹ اور اس کی کاپی پر نظر پڑتے ہی اس کا دماغ پھر گھوم گیا، اس نے لیز کی کاپی اٹھائی اور اپارٹمنٹ سے باہر نکلی۔ قمبر کا دروازہ پہلی دستک پر کھل گیا تھا۔

"یہ آپ کے ریکارڈ کے لیے ہے۔" اس نے لیز کی کاپی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سخت انداز میں کہا۔

"مگر یہ آپ کے پاس کیا کر رہی ہے؟" قمبر نے لیز لیتے ہوئے کہا۔ "اس شخص نے یہ آپ کو کیوں دی؟"

"کیونکہ وہ شخص میرا بھائی ہے اور یہ عمارت میری ملکیت ہے۔" وہ سختی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں کرایہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو ادا کرنا ہوتا ہے آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ اس کا چیک میرے دروازے کے نیچے سے سرکا دیا کریں اور... اپنا دروازہ بند رکھا کریں تاکہ آپ خود کو انسانوں سے اچھی طرح محفوظ رکھ سکیں۔" وہ بات ختم کر کے مڑی اور مارچ کرتی ہوئی اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر کے مطمئن انداز میں کمرے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

فرحان کا سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔ اسے اس وقت پریمیم کوریئر سروس کے دفتر کی جگہ فارم ہاؤس پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اسے پیکٹ کی تبدیلی سے متعلق سوالات کا جواب چاہیے تھا اور اسے وہ جواب فوری طور پر درکار تھا کیونکہ شوکت اللہ اس سے کل شام جواب طلبی کر چکا تھا۔ کراچی سے آنے والی کال بہت واضح تھی۔ اسے چوبیس گھنٹوں میں گمشدہ سامان تلاش کرنا تھا یا پھر نتائج کے لیے تیار ہونا تھا۔ نتائج کیا بلکہ کیا کیا ہو سکتا تھا، یہ وہ سمجھ سکتا تھا۔ اس نے گھڑی کی جانب دیکھا اس کے پاس موجود مہلت کے صرف سولہ گھنٹے باقی رہ گئے تھے اور وہ یہاں کرسی پر بیٹھا سپروائزر کا انتظار کرنے پر مجبور تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مسٹر فرحان معاف کیجیے گا، آپ کو انتظار کرنا پڑا... آپ کچھ لینا پسند کریں گے؟" بالآخر سپروائزر کمرے میں آگیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''نہیں... میں نے کراچی میں شوکت اللہ صاحب کے نام ایک کارٹن روانہ کیا تھا مگر انہیں اس کی جگہ کوئی اور پیکٹ ملا ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ پیشہ ورانہ مہارت کا کون سا کمال ہے؟'' اس نے زہر بلے لہجے میں پوچھا۔

''اوہ...'' سپروائزر نے اس کے لہجے پر بوکھلا کر اس سے رسید طلب کی اور اپنا کمپیوٹر آن کیا۔ ''بیدہا... ہم نے بہیں اس کی پیکنگ کی تھی پھر یہ غلطی کیسے ہو گئی؟'' وہ خود حیران تھا۔

''یہی تو سوال ہے۔'' فرحان چڑ کر بولا۔ ''اور اس کا جواب آپ کو دینا ہے۔''

''یہ آرڈر اسٹیشن نمبر تین سے روانہ ہوا تھا، مجھے دیکھنے دیجیے کہ وہاں کس کی ڈیوٹی تھی... صنوبر... میں اسٹاف سے بات کرتا ہوں۔''

''مجھے اس شخص... اس صنوبر سے خود بات کرنی ہے۔'' فرحان غرایا۔

''وہ شخص نہیں خاتون ہے۔'' سپروائزر بولا پھر ریسیور اٹھا کر اس نے کسی کو صنوبر حسین کو اندر بھیجنے کی ہدایت دی۔ صنوبر چھوٹے سے قد کی دبلی پتلی خاتون تھی۔ سارے معاملے کو سن کر وہ گھبرا گئی۔

''میں چیک کرتی ہوں... اصل میں پچھلے دنوں بہت پریشان رہی ہوں، میرا بیٹا بہت بیمار تھا اور مجھے کام کی بھی ہوش نہیں تھی۔''

''مجھے [illegible] ہے، مجھے تو [illegible]''

''میں کوشش کرتی ہوں مگر آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔''

''کر سکتا ہوں اور اگر میرا کام نہ ہوا تو تم اپنی نوکری سے فوری طور پر باہر ہو جاؤ گی اور یہ میرا وعدہ ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولا۔

''پلیز... مجھے نوکری کی شدید ضرورت ہے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو کر بولی۔ ''دیکھیے ہو سکتا ہے کہ مجھ سے انوائس میں غلطی ہو گئی ہو۔ میں ابھی چیک کر لیتی ہوں... مجھے بہت افسوس ہے۔''

''مجھے اس سے زیادہ افسوس ہو گا اگر مجھے اپنے سامان کے بارے میں جلد معلوم نہ ہو سکا تو...'' وہ بولا۔ صنوبر سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ جلد ہی لوٹ آئی تھی۔

''میں نے اس روز کے سارے کاغذات دیکھ لیے ہیں... پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔ اس روز ایک اور اتنا بڑا پیکج کراچی روانہ ہوا تھا۔ انوائس کی غلطی کی وجہ سے ایڈریس بدل گیا تھا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ فرحان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یقیناً آپ کا سامان اس پتے پر چلا گیا ہے۔''

فرحان نے بے صبری سے کاغذ کو دیکھا اس پر ایک پتا تحریر تھا۔ مقیم الدین، بنگلہ نمبر 111، لالہ زار، کراچی، اس نے وہ کاغذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

''پلیز فرحان صاحب! آپ میری شکایت مت کیجیے گا۔'' وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی۔

''میں اس پتے کو چیک کر لوں۔ اس بات کا فیصلہ اس کے بعد ہو گا۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

آج وہ صبح سے ہی کافی مصروف تھے۔ اس وقت بھی اسٹور میں تین گاہک موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو نفیسہ دیکھ رہی تھی۔ نفیسہ، مریم کے پاس اسسٹنٹ اور سیلز گرل کے طور پر عرصے سے کام کر رہی تھی۔

''مریم! تمہارے پاس کوئی اچھے اینٹیکس ڈور اسٹاپرز ہیں؟'' یہ اس کی پرانی گاہک مسز صفدر تھیں۔ وہ کافی دیر سے اسٹور میں موجود تھیں مگر شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ انہیں کیا خریدنا ہے۔

''بالکل موجود ہیں اور یہ زیادہ تر وکٹورین عہد کے ہیں۔''

''میری بھانجی شہلا حال ہی میں اپنے نئے گھر میں شفٹ ہوئی ہے۔ میں اسے کوئی تحفہ دینا چاہتی ہوں۔''

''کیا آپ خاص طور پر انہیں ڈور اسٹاپر ہی دینا چاہتی ہیں یا میں اور چیزیں بھی دکھاؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''اصل میں شہلا بوتیک چلاتی ہے اس نے جو گھر خریدا ہے وہ تھوڑا پرانا ہے وہ جس کمرے میں سلائی اور ڈیزائننگ کا کام کرتی ہے اس کا دروازہ کھلا نہیں رہتا جبکہ اس کا بیٹا بہت شریر ہے ابھی تین سال کا ہوا ہے اور ایک منٹ ٹکا نہیں بیٹھتا۔ وہ چاہتی ہے کہ دروازہ کھلا رہے تاکہ وہ اس پر نظر رکھ سکے۔ میں نے اس کی سالگرہ پر تمہاری دکان سے اسے ایک گلدان خرید کر دیا تھا، وہ اسے بہت پسند آیا تھا۔''

''ہاں، یاد آیا جس پر ستارے، پھول اور مینڈک بنے تھے۔''

''تمہیں یاد ہے اب تک؟'' وہ اسے تعریفی

SCANNED BY DIGESTPK

نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے خود وہ بھی بہت پسند آیا تھا۔" مریم مسکرائی۔

"مجھے خوشی ہے کہ اسے ایک اچھا گھر مل گیا۔"

اسی وقت داخلی دروازے پر کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔ مریم کو اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ نیا کرائے دار تھا۔ مریم نے اسے اندر آتے دیکھا مگر بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔

"اگر شہلا کو وہ پسند آیا تھا تو پھر ان کو شاید یہ بھی پسند آئے گا۔" اس نے اگلے ریک کے اوپر رکھا تانبے سے بنا بڑا سا ہاتھی نما ڈور اسٹاپر نکالا۔ "یہ پی ٹی برنم سے منسلک رہا ہے اور اس کا نام جمبو ہے۔"

"اوہ بہت خوب..." مسز صفدر کو جمبو پہلی نظر میں پسند آ گیا تھا۔ دوسری نظر میں انہوں نے اس کے ساتھ لٹکتے قیمت کے ٹیگ پر غور کیا۔ "یہ بالکل ٹھیک رہے گا۔" وہ اطمینان کی سانس لے کر بولیں۔

"کیا میں اسے گفٹ پیک کر دوں؟"

"ضرور۔" وہ مسکرائیں اور پھر چیزوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئیں۔ اس بار انہیں ایک سوئے ہوئے کتے کا مجسمہ پسند آیا تھا۔ اسے مریم دو دن پہلے ہی لالہ زار کی نیلامی سے خرید کر لائی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں یہ بھی لے لوں... یہ مجھے بہت پسند آیا ہے..." انہوں نے قیمت کے ٹیگ کو پلٹا۔ "میں کارڈ سے پےمنٹ کر سکتی ہوں نا؟"

"جی بالکل... اس میں چند لمحے لگیں گے آپ پلیز تب تک چائے پئیں۔" مریم نے سائڈ ٹیبل پر رکھے چائے کے فلاسک اور بسکٹ کے جار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ان کی دونوں چیزیں لے کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ کو کیا درکار ہے؟ اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے نئے کرائے دار کے قریب سے گزرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

"بالکل! مجھے ایک خاتون کے لیے گفٹ درکار ہے۔"

"تو کچھ پسند آیا...؟"

"ہاں یہ باکس..." قمبر نے لکڑی کا چھوٹا سا بکس پسند کیا تھا۔ اس پر سرخ گلاب انتہائی خوب صورتی اور کاریگری سے بنائے گئے تھے۔

"اوہ، آپ کا ذوق بہت بہترین ہے۔" مریم سراہنے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"شکریہ... بس..."

"مریم سجاد اور آپ؟" اسے یاد آیا کہ کل غصے میں وہ لیز پر اس کا نام دیکھنا بھول گئی تھی۔

"میرا نام قمبر علی ہے۔"

"دیر سے سہی پہلے تعارف کی رسم تو ہوئی۔ یہ بکس 1770 میں بیرکا کی پروڈکٹ ہے۔ یہ شاہ ایڈورڈ کے استعمال میں رہا ہے اور اس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہے۔"

"اس قدر زیادہ...؟" قمبر نے بکس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی ہتھیلی سے بھی چھوٹا تھا۔

"جی، تاریخی اعتبار سے یہ خاصی اہمیت کا حامل ہے۔"

"ہوگا۔" قمبر نے اسے اسی احتیاط سے میز پر واپس رکھ دیا جیسے وہ کوئی بم ہو اور ذرا سی بے احتیاطی سے پھٹ سکتا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ میں پھولوں کا گلدستہ ہی لے جاتا ہوں۔"

"بری چوائس نہیں مگر وہ صرف ایک دن میں ختم ہو جائیں گے۔" مریم کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔ "اگر آپ پسند کریں تو مجھے خاتون کے بارے میں بتائیے۔ اس طرح میں بجٹ کے اندر اچھی چیز لینے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

"وہ میرے دوست کی بیوی ہیں، پیشے کے اعتبار سے اکاؤنٹنٹ اور تین بچوں کی ماں ہیں۔ مجھے انہوں نے کھانے پر مدعو کیا ہے اور اس لیے میں کوئی تحفہ لے کر جانا چاہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"اوکے۔ یعنی تحفے کو زیادہ ذاتی نوعیت کا نہیں ہونا چاہیے۔ آپ انہیں گھر کے حوالے سے کچھ دے سکتے ہیں۔" مریم نے کچھ سوچتے ہوئے دوسرے کمرے کا رخ کیا جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں لکڑی کا خوب صورت جار تھا جسے تانبے میں تراشا گیا تھا۔

"یہ... بسکٹ وغیرہ کے لیے ہے نا؟" قمبر نے پوچھا۔

"جی ہاں... یہ اوک کا ہے اور 1870ء کا بنا ہوا ہے۔ استعمال میں بہترین اور دیکھنے میں قیمتی... اس کی قیمت صرف دو ہزار روپے ہے۔ میں آپ کو پہلی بار خریداری پر دس فیصد ڈسکاؤنٹ دے رہی ہوں۔"

"شکریہ..." اس نے جواب دیا۔

"کیا میں اسے پیک کروا دوں؟"

"بالکل..."

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''امید ہے کہ یہ تحفہ آپ کے دوستوں کو پسند آئے گا۔'' مریم نے رسید اور پیکٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''قمبر خاموشی سے پیکٹ لے کر باہر نکل گیا۔

''عجیب آدمی ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ مسئلہ یہ تھا کہ عجیب چیزیں اسے ہمیشہ سے پرکشش محسوس ہوتی تھیں۔

☆☆☆

فرحان کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ کار کو ائرپورٹ کے پارکنگ لاٹ میں روکتے ہوئے اس نے ڈیش بورڈ پر رکھے بلیک بیری کو اٹھایا۔

''مجھے شوکت اللہ صاحب سے بات کرنی ہے۔'' رابطہ ہوتے ہی وہ بولا۔

''بولو...'' چند لمحے بعد شوکت اللہ کی بھاری آواز سنائی دی۔

''سر! میں نے تمام معلومات حاصل کرلی ہیں، کوریئر سروس کی ایک احمق کلرک نے ہمارا پیکٹ لالہ زار کے ایک پتے پر روانہ کردیا تھا اور ان کا سامان آپ کو موصول ہوگیا۔ میں فوری طور پر کراچی کے لیے نکل رہا ہوں۔''

''اچھا... اور تمہارے اس ''فوری'' کی کیا تعریف ہے؟''

''سر! میں ائرپورٹ پر ہوں، دو گھنٹے میں کراچی میں ہوں گا۔ ائرپورٹ پر کرائے کی گاڑی میری منتظر ہوگی۔''

''ٹھیک ہے، تم جانتے ہو فرحان کہ وہ سب میرے لیے کتنا اہم ہے۔ اسے مجھ تک بہ حفاظت پہنچانا تمہاری ذمے داری ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر یہ کام کرنا ہے کسی بھی طرح، سمجھ رہے ہو نا... کسی بھی قیمت پر۔'' اس کی سرد آواز فرحان کو اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہورہی تھی۔

☆☆☆

چار گھنٹے بعد وہ لالہ زار کے بنگلا نمبر 111 کی ایجنسی میں مقیم الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ مقیم الدین فائل چیک کررہا تھا۔

''یہ دیکھیے... یہ انوائس اور یہ اس روز آنے والے پیکٹ میں موجود سامان کی لسٹ... آپ دیکھیے کیا یہی آپ کا پیکٹ تھا، اصل میں جب یہ پیکٹ پہنچا نیلامی شروع ہوچکی تھی۔ ہنگامی طور پر وہ سامان بھی اس میں شامل کردیا گیا تھا۔'' مقیم الدین نے فائل سے لسٹ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

فرحان نے اپنے پاس موجود لسٹ نکال کر سامان چیک کرنا شروع کیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ پرانے زمانے کے قصے کہانیوں کے کرداروں کے مانند پہلے ہنسنے اور پھر رونے پر مجبور ہوگیا۔ وہاں تمام چیزیں موجود تھیں۔ تجریدی آرٹ کی پینٹنگ، جاپانکا کا سوتے ہوئے کتے کا مجسمہ، موروں سے سجا گلدان، کانسی کا عقاب، کرسٹل کا طوطا اور مجسمہ آزادی کی خوب صورت نقل... مگر مایوس کن بات یہ تھی کہ ان میں سے کوئی چیز مقیم الدین کی ملکیت میں موجود نہیں تھی۔ وہ تمام کی تمام چیزیں نیلامی میں بک چکی تھیں۔

اس کی دوسری جیب میں ان اصل نادر اور قیمتی ترین چیزوں کی لسٹ تھی جو ان کم قیمت آئٹمز کے اندر نہایت فنکاری اور مہارت سے چھپائی گئی تھیں۔ انہیں عام طریقے سے اس لیے بھجوایا گیا تھا کہ کسی کو ان پر ذرا بھی شک نہ ہو پائے۔ یہ کام بڑی آسانی اور کامیابی کے ساتھ عرصے سے جاری تھا۔

''اس روز نیلامی بہت کامیاب رہی تھی۔ میں آپ کی پریشانی سمجھ سکتا ہوں مگر ہمارے علم میں کچھ نہیں تھا پھر سوچنے سمجھنے کا وقت بھی نہیں ملا۔ ایسا اکثر ہوتا رہا ہے کہ کوریئرز وقت پر ملتے ہیں مگر ایسی غلطی پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ بہرحال، میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کروں گا۔ میں آپ کو اس روز فروخت ہونے والی اشیا کی تفصیل، خریداروں کے ناموں کی لسٹ اور ان کے پتے فراہم کردیتا ہوں آپ ان سے مل کر بات کرلیں۔ شاید آپ کا مسئلہ حل ہوجائے۔'' مقیم الدین ہمدردی سے اس کی جانب دیکھ کر بولے۔ ''ہمارا سامان شاید آپ کے پاس پہنچا ہوگا آپ ہمیں وہ واپس بھجوا دیں ہم آپ کے سامان کی قیمت آپ کو دے دیں گے۔''

فرحان جانتا تھا کہ یہ سب کتنا مشکل ثابت ہوسکتا تھا اس طرح اسے کئی دن بلکہ ہفتے بھی لگ سکتا تھا اور شوکت اللہ اتنا انتظار کرنے والا نہیں تھا مگر اب وہ یہی کرسکتا تھا۔

بیس منٹ بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے سامنے امید کی ایک کرن موجود تھی۔ ان اشیا کے خریداروں میں سے ایک کی دکان اور گھر یہیں لالہ زار میں موجود تھا۔ اگر وہ وہاں سے چھ میں سے ایک چیز حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو شاید شوکت اللہ کا غصہ کچھ کم ہوجاتا اور اسے مزید وقت مل سکتا تھا۔ اس نے لسٹ میں سب سے اوپر لکھے اس نام کو دہرایا ''جعفر اسلام'' اس نے موروں سے سجا وہ گلدان نیلامی سے پانچ ہزار روپوں میں خریدا تھا وہ اسے اس کی دگنی قیمت دے سکتا تھا، یقیناً وہ تیار ہوجائے گا۔ یہ سوچ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آئی مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

جعفر اسلام کے اسٹور کے سامنے پہنچ کر اس کی مسکراہٹ دم توڑ گئی تھی، اس کی دکان بند تھی۔ اس نے لکڑی اور شیشے کے بنے دروازے کے ناب کو گھمانے کی کوشش کی مگر وہ مضبوطی سے بند تھا۔ انتہائی مایوسی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اسے معلوم تھا کہ شوکت اللہ کو فوری نتیجہ درکار تھا۔ وہ اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران اس نے ایک بوڑھے جوڑے کو وہاں سے گزرتے دیکھا، اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ جو وہ نہیں چاہتا تھا وہی ہو رہا تھا۔ ان کے وہاں سے جاتے ہی وہ اپنی کار کے پاس پہنچا۔ گلوو کمپارٹمنٹ میں رکھے ٹول بکس سے اسکرو ڈرائیور نکالا اور دکان کی جانب بڑھا۔ ملگجا اندھیرا اس کی ڈھال بنتا جا رہا تھا۔ اسے اس دکان میں کسی سیکیورٹی سسٹم کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اسکرو ڈرائیور کی مدد سے وہ ایک منٹ میں دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا اور تیزی سے اندر داخل ہو کر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔ اس چوری کو ڈکیتی کی عام واردات ظاہر کرنے کے لیے اس نے معمولی سی توڑ پھوڑ ضروری سمجھی ساتھ ہی چھوٹی موٹی چیزیں اپنی جیبوں میں بھرنا شروع کر دیں۔ کاؤنٹر کے سیدھے ہاتھ والی الماری پر وہ موجود تھا جو اسے درکار تھا۔ موروں والا وہ گلدان دیکھ کر اس نے اطمینان بھری گہری سانس لی۔ ''وہ مارا'' وہ دل ہی دل میں بولا اور گلدان کو اٹھا لیا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ ساکت سا ہو گیا دکان کے فرش پر روشنی اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

''میں پولیس کو فون کر چکا ہوں۔'' وہ بوڑھا آدمی نیچے اترتے ہوئے زور سے بولا۔

فرحان پسینے میں ڈوب گیا۔ آہٹ سنتے ہی وہ صوفے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ غالباً دکان کا مالک دکان کے اوپر ہی رہائش پذیر تھا۔ دکان میں آوازیں سن کر وہ نیچے اترا تھا اور اس سے برا یہ ہوا تھا کہ وہ پولیس کو فون کرتا ہوا آیا تھا۔ کاش وہ خاموشی سے اپنا کام کر لیتا مگر اب پچھتاوے کا وقت نہیں تھا اس سے غلطی ہوئی تھی مگر اس سے بڑی غلطی اس بوڑھے سے نیچے آ کر ہوئی تھی۔ اس نے سوچا۔

اس نے موروں والے گلدان کو فٹ بال کے مانند اپنے ایک بازو میں اٹھایا اور تیزی سے جعفر اسلام کی جانب بڑھا۔ جعفر اسلام کے ہاتھوں میں گولف کلب تھا جسے وہ ہتھیار کے طور پر ساتھ لایا تھا۔ فرحان کو دیکھتے ہی اس نے کلب کو گھمایا۔ فرحان کے ہونٹوں پر اسے دیکھ کر ایک سفاک مسکراہٹ ابھری۔ اس نے کلب کو درمیان سے پکڑ کر وحشیانہ انداز میں دھکا دیا۔ جعفر اسلام اچھل کر زمین پہ گر پڑا۔ فرحان نے کلب کو اوپر اٹھایا اور پوری قوت سے زمین پر گرے جعفر اسلام کے سر پر دے مارا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ اسے ذرا سی آواز نکالنے کی بھی مہلت نہیں مل پائی تھی۔ وہاں سے بھاگنے سے پہلے فرحان اس کی موت کا یقین کرنا نہیں بھولا تھا۔ جب پولیس کے سائرن کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی وہ کئی گلیاں آگے پہنچ چکا تھا۔

سڑک پر نکلتے ہی اس نے شوکت اللہ کو فون کیا اور اپنی کامیابی کی خبر سنائی۔

''مکمل تفصیل درکار ہے فرحان۔'' وہ متاثر ہوئے بغیر بولا۔

''جی سر۔'' اس نے مقیم الدین بلسٹ اور پھر جعفر اسلام تک پہنچنے کی داستان سنا ڈالی۔ ''اس دوران معمولی سی دشواری پیش آئی تھی سر... وہ دکاندار مر چکا ہے۔''

''اوہ... پھر میرے خیال میں تم نے مقیم الدین کا بندوبست بھی کر دیا ہوگا؟''

''اس کا بندوبست...؟'' فرحان سمجھ نہیں پایا تھا۔

''احمق انسان... وہ تمہیں اس حادثے سے جوڑ سکتا ہے... ہے کہ نہیں؟ اور تم تک پہنچنے کا مطلب ہے مجھ تک پہنچنے کی راہ ملنا اور میں یہ کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اس راستے کو فوراً بند کرو۔ اس کے بعد میرا سامان لے کر دفتر پہنچو...'' وہ غرایا اور فون بند کر دیا۔

اب فرحان کی کار کا رخ مقیم الدین کے بنگلے کی جانب تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا... گولی چلانے میں ویسے بھی کتنا وقت لگتا ہے۔ وہ جیب میں پڑے ریوالور پر ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔

☆☆☆

کیا تمہیں یہ نہیں لگ رہا پرویز کہ تم اپنی حد سے باہر نکل رہے ہو۔'' مریم کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

''تم اتنا ناراض کیوں ہو رہی ہو؟ کیا کسی کو پسند کرنا کوئی جرم ہے؟''

''پسند کرنا بالکل جرم نہیں ہے لیکن کسی پر خود کو اس طرح مسلط کرنا جرم ہی ہے۔''

''ہم کزنز ہیں اور تمہیں کبھی نہ کبھی شادی کرنا ہی ہے تو پھر مجھ میں کیا برائی ہے؟'' وہ صوفے سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

"کوئی ایک نہیں، حماقت، لالچ اور جہالت کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں تم میں، مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ اتنی تفصیلات میں جاؤں۔" اس کی برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔ پرویز اس کی پھوپی کا بیٹا تھا۔ بابا کی زندگی میں بھی پھوپی ایک بار اس کا رشتہ لے کر آئی تھیں مگر بابا کو پرویز پسند نہیں تھا اس لیے بہانے سے منع کر دیا تھا۔ پرویز کوئی کام دھام نہیں کرتا تھا بس باپ دادا کی جائداد پر مزے کرنے کی عادت اب فطرت بن گئی تھی۔ لڑکیوں سے دوستی کرنا، دوستی یاری اور تھوڑی بہت بدمعاشی اس کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ اکلوتا بیٹا ہونے کی بنا پر وہ پھوپی کا انتہائی لاڈلا تھا اور اس لاڈلے پن کا وہ خوب فائدہ اٹھایا کرتا۔ مریم کے بابا جی کے انتقال کے بعد سے وہ کئی بار مریم سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے کی کوشش کر چکا تھا مگر ہر بار منہ کی کھا کر بھی بدمزہ نہیں ہوتا تھا۔ آج وہ کافی عرصے بعد آیا تھا مگر بالآخر ہوا وہی تھا جو پہلے کئی بار ہو چکا تھا۔

"اور تم خود کیا ہو؟ کون جانے کیا کچھ کرتی پھرتی ہو تبھی تو شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ تم جیسی عورتیں پیار محبت کی زبان نہیں سمجھتیں۔ تمہارا کوئی اور بندوبست کرنا پڑے گا۔" وہ غصے میں بھنا گیا۔ "یہ سب تمہارے ماں باپ کی غلط تربیت کا نتیجہ ہے۔"

"تم ذلیل انسان، تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے امی بابا کے بارے میں کچھ بولنے کی۔" مریم غصے میں پاگل ہو گئی تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کا ہاتھ بلند ہوا اور پرویز کے چہرے پر نشان ثبت کر گیا۔ اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور چلائی۔ "نکل جاؤ میرے گھر سے۔"

یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا تھا کہ پرویز ششدر رہ گیا۔ وہ لمحے وہ اپنے سرخ گال پر ہاتھ رکھے کھڑا رہا پھر تیزی سے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مریم اندر جانے کے لیے مڑی تو اس کی نظر سامنے اپنے دروازے پر کھڑے قمبر پر پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"آپ نے کوئی لطیفہ سنا ہے؟" وہ اسے گھور کر بولی۔ اس کا لہجہ ابھی تیز تھا مگر آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی صاف جھلک رہی تھی۔

"نہیں... لیکن جس طرح آپ نے اسے نکالا، وہ مجھے پسند آیا۔"

"وہ کیوں؟"

"پتا نہیں، شاید اس کے سوٹ کا رنگ مجھے اچھا نہیں لگا۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "آپ نے اس دن مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کچھ درکار تو نہیں، یاد ہے؟"

"جی ہاں تو پھر..."

"تو مجھے ذرا دیر سے سہی مگر اب اس کا جواب سمجھ میں آیا ہے۔"

مریم کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"چائے...؟" وہ اس کی فرمائش پر حیرت زدہ رہ گئی پھر کندھے اچکا کر بولی۔

"او کے آیئے۔" چائے بننے کے دوران وہ قمبر کو پرویز کے بارے میں تمام تفصیلات مع اپنے تاثرات سے مطلع کر چکی تھی۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" چائے پیتے ہوئے اسے خیال آیا۔

"آپ کے بہنوئی نے مجھ سے میری تمام تفصیلات طلب کی تھیں اور غالباً کچھ ریفرنسز بھی لیے تھے۔"

"مگر میں ان سے اب تک بات نہیں کر پائی... گزر بسر کے لیے کچھ تو کرتے ہوں گے نا آپ؟"

"میں اس طرف سے بے پروا ہوں، گزر بسر کے لیے کافی کچھ ہے میرے پاس۔" وہ مسکرایا۔

"پھر وقت کیسے گزارتے ہیں؟"

"آرام کرتے ہوئے... فی الحال... ہاں یہ آپ کی ریٹنگ بہت کمزور ہے سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اسے ٹھیک کر دوں۔"

"آپ کریں گے۔" مریم نے اسے بے یقینی سے گھورا۔

"ہاں کیوں نہیں... اب اتنا بھی ناکارہ نہیں ہوں میں۔" وہ مسکرایا۔ "چائے کا شکریہ... اور آپ کے لیے ایک مفت مشورہ ہے دروازے کو اندر سے لاک رکھیے آپ کا وہ کزن دھمکیاں دے کر گیا ہے۔"

"وہ... پاگل ہے۔" مریم بے پروائی سے بولی۔

"ہماری تربیت یہ کہتی ہے کہ کسی کو بھی ہلکا نہیں لینا چاہیے آپ ٹی وی پر وہ پروگرام نہیں دیکھتیں 'جرم کی دستک۔" وہ مسکرا دیا۔ "آگے آپ کی مرضی ہے۔"

قمبر کے جانے کے بعد مریم کو احساس ہوا کہ اس نے کتنی خوب صورتی سے بغیر کچھ جتائے اسے مشغلے میں مدد دی تھی۔

شام کو وہ فاطمہ کے گھر ڈنر پر مدعو تھی۔ اکبر کو دیکھتے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ہی اسے قیصر کا خیال آیا۔

"ارے وہ... ڈیشنگ آدمی ہے نا وہ اسپیشل فورس کا ایس ایس پی رہا ہے... رہا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ استعفیٰ دے چکا ہے۔ میں نے اس سے ریفرنسز مانگے تھے اور اس کے چیف کو فون بھی کیا تھا انہوں نے بتایا کہ اس کا استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا ہے اور وہ اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھا۔"

"مگر اس نے استعفیٰ کیوں دیا ہے؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"یہ اس کا کوئی ذاتی معاملہ ہے..." اکبر نے جواب دیا۔ "اس پر بات نہیں ہو سکی بس انہوں نے یہ بتایا کہ وہ ان کے بہترین لوگوں میں سے ہے۔"

"چلو... یہ اچھا ہے اس سے مجھے اطمینان ہوا ہے۔" فاطمہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ مریم اس دوران بالکل خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

فرحان کو اس بڑے سے عالیشان دفتر کے استقبالیہ پر بیٹھے بیس منٹ سے زیادہ ہو گئے تھے۔ عام زندگی میں وہ اتنا انتظار کرنے کا عادی نہیں تھا مگر یہاں معاملہ اس کے بھی باس شوکت اللہ کا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ خوف زدہ بھی تھا۔ مقیم الدین کا معاملہ وہ نمٹا کر آیا تھا اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوئی تھی۔ فرحان وہاں پہنچا تو وہ دفتر میں اکیلا ہی تھا اور غالباً گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فرحان کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اس بے چارے بوڑھے کے منہ سے ہلکی سی آواز تک نہیں نکلی تھی۔ سر پہ لگنے والی گولی اسے معاملے کو سمجھنے سے پہلے ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر کر گئی تھی۔ فرحان کو اصل فکر یہ تھی کہ جو گلدان وہ لایا ہے وہ وہی ہو جو شوکت اللہ کو درکار تھا ورنہ اس کا انجام بہت برا ہو سکتا تھا۔

"فرحان صاحب..." ریسپشنسٹ کی آواز اسے خیالات کی دنیا سے باہر نکال لائی۔ "سر! آپ کو بلا رہے ہیں؟"

"جی۔" وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ گلدان ایک شاپر میں لپٹا اس کے بازو سے لگا ہوا تھا۔ شوکت اللہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"مسٹر فرحان! حالات قابو میں ہیں؟"

"جی سر... سب ٹھیک ہے۔" وہ مؤدبانہ انداز میں گلدان شاپر سے نکال کر اس کی میز پر رکھتا ہوا بولا۔

"گڈ... اور تم میرے لیے صرف یہ لا سکے ہو؟" اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔

"سر! میرے پاس بقیہ چیزوں کی لسٹ بھی ہے اور ان کے خریداروں کی تفصیل بھی۔ میں نے سوچا ہے کہ میں ان سے یہ اشیا خرید کر..."

"تم نے سوچا..." شوکت اللہ نرم لہجے میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "اگر تم سوچ سکتے تو میرا سامان آج یہاں اس میز پر میرے پاس ہوتا۔ خیر مجھے یقین ہے کہ تم اپنی ذمے داری پوری کرو گے۔" اس نے گلدان اٹھا کر اسے الٹ کر دیکھا۔ "اچھا تمہیں ہے کیا خیال ہے تمہارا...؟"

"جی سر! بہت مہارت سے بنایا گیا ہے۔" اس نے کہا مگر اس کی آواز گلدان ٹوٹنے کی آواز میں دب گئی۔ شوکت اللہ نے میز پر رکھی ماربل کی ایش ٹرے سے گلدان کے نچلے حصے پر ضرب لگائی۔ گلدان دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کی تہ سے سیلڈ پلاسٹک میں لپٹا ایک لفافہ برآمد ہوا۔ شوکت اللہ نے اسے آہستگی سے کھولا، فرحان کو اس میں سنہرے سگریٹ لائٹر جیسی کوئی چیز نظر آئی' اس پر بہت سارے چمکدار نگینے لگے ہوئے تھے۔

"واہ... کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟" شوکت اللہ اسے ہتھیلی پر رکھ کر پُراشتیاق نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"شاید نہیں سر..."

"یہ اینٹی ہے۔" وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا پھر اس نے اس کی ایک جانب بنے ہیروں کے جھمکے کو دبایا تو وہ چھوٹا سا بکس کھل گیا۔ "اس میں چھوٹا سنی کیورسیٹ یا سوئیاں پن وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ یہ خالص سونے کا ہے اور یہ سارے نگینے یاقوت، فیروزہ اور ہیرے ہیں۔ اس کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ نپولین کا جوزفائن کے لیے آخری تحفہ تھا۔"

فرحان منہ کھولے سن رہا تھا۔

"اس وقت میں بہت خوش ہوں کہ یہ میرے ہاتھ میں ہے مگر یہ مجھے میرے باقی سامان کی یاد دلا رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے حصول اور تیاری میں پورا ایک سال لگا اور ہزار خطروں کے باوجود انہیں یہاں لے آیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ میں آنے کے بعد یہ خزانہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ مسٹر فرحان! مجھے اپنی تمام چیزیں جلد از جلد درکار ہیں۔ میں تمہیں اس کے لیے چار دن کی مہلت دیتا ہوں۔ یاد رکھنا پانچواں دن تمہارا آخری دن ہو گا۔ مجھے میری تمام چیزیں درکار ہیں... کسی بھی قیمت

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں ستمبر 2014ء

ماہنامہ سرگزشت

کا ایک معرکتہ الآرا
خاص نمبر

خطا نمبر

خطائے اوّل
انسانی تاریخ کی پہلی خطا، ایک سیر حاصل تحریر

خطائے سیاست
سیاست دانوں کی خطائیں جس نے نقشہ بدل دیا

سائنسی خطائیں
سائنس کی وہ خطائیں جنہیں سچ سمجھا جاتا تھا

فحش خطا
پروفیومو اس لڑکی سے خطا کی اور امریکا و یورپ کی اہم شخصیات منہ چھپانے لگیں

خطائے ہوا باز
یونان کے ساتھ پوری دنیا میں ہلچل مچا دینے والی کتھا

گزشتہ تمام خاص
شماروں سے اہم شمارہ

اس کے علاوہ
بہت سی خطا کی حیرت انگیز، دلچسپ اور دہلا دینے والی
کتھائیں۔ سچ بیانیاں، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں

نزدیکی بک اسٹال پر آج ہی اپنا شمارہ مختص کرا لیں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

پر... کیسے؟''

''جی سر۔'' فرحان کے منہ سے بمشکل دو لفظ نکل پائے تھے۔

فرحان کے جانے کے بعد شوکت اللہ کافی دیر تک انٹیکی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے فرحان کو اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل سچ تھا مگر ایک بات اس نے اسے ابھی نہیں بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ صرف یہ چھوٹا سا مجسمہ اسے پینتیس لاکھ روپے کا منافع دینے والا تھا۔

☆☆☆

فنیچر ریفنگ کا سامان لے آیا تھا اور اس وقت وہ اسے ہی ٹھیک کر رہا تھا۔ اسے شروع سے لکڑی کے کام میں دلچسپی تھی۔ اسے یاد تھا کہ شاید دو سال پہلے ہی اس نے بنگلے کے عقب میں موجود سرونٹ کوارٹر میں ورکشاپ بنانے کے بارے میں سوچا بھی تھا مگر وہ ابراہیم گروپ کے کیس کی شروعات سے پہلے کی بات تھی۔ اس کیس سے جو اس کی زندگی کا مقصد بن گیا تھا اور جن تحقیقات کی قیمت زرتاب نے چکائی تھی۔ یکلخت سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا جس سے وہ چھپتا پھر رہا تھا جسے وہ بھلا دینا چاہتا تھا۔

وہ سلور مرسیڈیز سیلون جو کار پورچ کے آخری حصے میں کھڑی تھی۔

زرتاب جو اس کی اکلوتی بہن تھی۔ اور وہ فرودوار دھما کا جواب بھی اس کی سماعت میں گونج رہا تھا۔

اسے امید تھی کہ زرتاب کو اگنیشن میں چابی گھمانے کے بعد کچھ محسوس نہیں ہوا ہوگا۔ وہ آگ سے بہت ڈرتی تھی اور اس بم نے اس سمیت گاڑی کی ہر چیز کو جلا کر خاک کر دیا تھا۔

اچانک وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس کا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اب وہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس نے گویا خود کو یقین دلایا۔ زرتاب مر چکی تھی اور کسی صورت واپس نہیں آ سکتی تھی۔ ابراہیم بھی مر چکا تھا۔ اس نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے مارا تھا اور اب وہ اسے دوبارہ قتل نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خود ویسا ہی تھا جیسا اس نے چاہا تھا... تنہا اور اکیلا...

☆☆☆

فرحان بہت خوش تھا۔ بالآخر روٹھی ہوئی قسمت مانتی نظر آ رہی تھی۔ وہ شوکت اللہ کی پانچ چیزوں میں سے تین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ مجسمہ آزادی کانسی کا

خطاب اسے لسٹ میں موجود دکان کے پتے سے بہ آسانی مل گئے تھے جبکہ طوطا اسے تین گنا قیمت پر ایک گاہک سے دوبارہ خریدنا پڑا تھا۔ اب صرف تجریدی آرٹ کا وہ نمونہ اور سوتے ہوئے بچے کا مجسمہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کی معلومات کے مطابق یہ دونوں چیزیں مریم آرٹ اسٹور نے خریدی تھیں اور اب وہ وہیں جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شوکت اللہ کے لیے پانچوں چیزیں نہایت اہم تھیں خصوصاً وہ پینٹنگ... اس کے مطابق وہ اس پوری کنسائمنٹ میں سب سے قیمتی آئٹم تھا۔ وہ تین بج کر پینتیس منٹ پر مریم کے اسٹور میں داخل ہوا تھا۔ کاؤنٹر پر نفیسہ سامان سمیٹ رہی تھی۔

''خوش آمدید۔'' وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ''آپ نے ہمیں عین وقت پر پکڑ لیا ہے۔ ہم آج چار بجے اسٹور بند کر رہے ہیں۔''

''پھر تو مجھ جیسے گاہکوں پر تمہیں بہت غصہ آتا ہوگا؟'' اس نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔

''نہیں نہیں، گاہک کا آنا تو خوشی کی بات ہوتی ہے۔'' وہ پورچ میں کھڑی عالیشان کار کو دیکھ چکی تھی۔ چھٹی سے پہلے تگڑی سیل کی امید نے اسے خوش کر دیا تھا۔

''کیا آپ کو کوئی خاص چیز درکار ہے سر؟''

''ہاں، اصل میں، میں کئی ہفتوں بعد گھر واپس جا رہا ہوں اور میری خالہ کو جانوروں کے مجسمے جمع کرنے کا شوق ہے خصوصاً وہ کتوں کے مجسموں کی شائق ہیں۔''

''پھر تو میرے پاس آپ کے لیے ایک بہترین چیز موجود ہے میں آپ کو دکھاتی ہوں۔'' نفیسہ لپک کر کاؤنٹر سے باہر نکلی اور سامنے رکھی الماری کی نچلی دراز سے سنہرے کام سے سجا سیاہ رنگ کا کتا نکالا۔ وہ ان کی دکان کے چند مہنگے ترین آئٹمز میں سے ایک تھا۔

''میرا خیال ہے کہ ان کا ذوق اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔'' وہ اسے دیکھ کر بولا۔

''وہ ٹھیک ہے پھر میں آپ کو کرسٹل میں ایک اعلیٰ چیز دکھاتی ہوں۔''

''آپ پلاسٹر آف پیرس اور چائنا میں بھی کچھ خاص ہو تو نکالیے اور اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اسٹور کا ایک چکر لگا لوں، شاید مجھے کچھ پسند آ جائے۔''

''بالکل آپ آرام سے دیکھیے۔''

فرحان نے وہاں کرسٹل، لکڑی، ماربل، کانسی حتیٰ کہ چاندی کے کتے بھی دیکھ لیے مگر اسے سوتے ہوئے کتے کا وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

مجسمہ نظر نہیں آیا۔ وہ پینٹنگز کو بھی گھور گھور کر تھک گیا۔ وہاں درجنوں پینٹنگز تھیں مگر ان میں چوڑے فریم والی وہ پینٹنگ موجود نہیں تھی۔ اس کا موڈ خراب ہو رہا تھا۔

"یہ دیکھیے سر!" نفیسہ بولی یہ ایک خوب صورت بڑے کتے اور تین ننھے پپیز کا مجسمہ تھا۔ "یہ آپ کی خالہ کو یقیناً پسند آئے گا۔" فرحان نے بمشکل مسکرا کر اسے دیکھا۔ قیمت کا ٹیگ انیس ہزار روپے طلب کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس منحوس مجسمے کو اس بے وقوف لڑکی کے سر پر دے مارے مگر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے، میں یہ لے لیتا ہوں۔" اس نے جیب سے کریڈٹ کارڈ نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اصل میں میری خالہ کو ایک خاص مجسمے کی تلاش تھی۔ ان کی کسی دوست نے ذکر کیا تھا بس اب انہیں یہ درکار ہے۔ اس مجسمے میں ایک بڑا سا سفید کتا سوتا ہوا دکھایا گیا ہے۔"

"اوہ، اوہ... آپ تھوڑا لیٹ ہو گئے۔" نفیسہ کارڈ استعمال کرنے کے بعد مجسمہ پیک کرتے ہوئے بولی۔ "ہمارے پاس بالکل ایسا ہی پیس اسی ہفتے آیا تھا مگر وہ کل بک گیا۔"

"بک گیا، اف کاش میں اسے خرید سکتا۔" وہ اپنی مایوسی کو چھپا نہیں پا رہا تھا۔

"مگر جو آپ نے خریدا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے آپ یقین کیجیے۔" نفیسہ نے سچائی سے کہا۔

"یقیناً آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی، آپ کے پاس کچھ اچھی پینٹنگز ہیں؟"

"جی ہمارے پاس کافی اچھا اسٹاک ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں۔"

"نہیں مجھے ماڈرن آرٹ درکار ہے تجریدی..."

"اوہ آئی ایم سوری... ہمارے پاس ایسی کوئی پینٹنگ نہیں ہے ماڈرن آرٹ ہم کم ہی رکھتے ہیں جیسے انہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے ویسے ہی ان کا بکنا بھی رسکی بزنس ہے۔"

جب تک وہ اس کی رسید بنا کر لائی فرحان کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے سوچ میں ڈوبا کھڑا رہا، اس وقت دن کی روشنی اور دکان میں موجود دوسرے گاہک اس کے راستے کی رکاوٹ تھے ورنہ وہ اس باتونی سیلز گرل کے سر پر پستول رکھ کر اس سے اس مجسمے کے خریدار کا پتا لے لیتا، اسے یقین تھا کہ پینٹنگ کے بارے میں وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ پینٹنگ یقیناً اسی اسٹور کے کسی حصے میں موجود تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی اندرونی کمرے یا گودام میں... نفیسہ کو آتا دیکھ کر وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ لیجیے سر رسید... یقیناً یہ مجسمہ آپ کی خالہ کو بہت پسند آئے گا۔" وہ مسکرائی۔

فرحان وہاں سے نکل آیا۔ اسے اب کھانا کھانا تھا پھر شام گہری ہونے کا انتظار کرنا تھا جب یہ دکان خالی ہوتی اور چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا جاتا پھر اسے یہیں واپس آنا تھا۔

☆☆☆

مریم کے گھر کا فون اچانک ڈیڈ ہو گیا تھا۔

"صبح تو بالکل ٹھیک تھا پتا نہیں کیا ہو گیا اسے۔" وہ بڑبڑائی۔ فون خراب ہونے کا مطلب نیٹ کا بند ہو جانا تھا اور اسے ایک ضروری ای میل کرنی تھی۔ اس نے تبریز کے دروازے پر دستک دی۔ اسے یقین تھا کہ وہ انتہائی سڑے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔ وہ غالباً ٹریڈمل پر دوڑ رہا تھا۔ پسینا اس کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔

"فرمائیے..."

"میرا فون اچانک ڈیڈ ہو گیا ہے، کیا میں آپ کے فون سے کمپلین کر سکتی ہوں۔"

"ضرور..." وہ سرد مہری سے بولا اور اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"ویسے کیا آپ فون کرنے کے لیے ہمیشہ اتنا تیار ہوتی ہیں۔"

مریم اس وقت نیلے رنگ کے خوب صورت انارکلی سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک چمک رہی تھی، کانوں میں ہیرے کے جھمکے تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں کاجل کی لہریوں کے ساتھ بہت پرکشش لگ رہی تھیں۔

"میں تھوڑی دیر پہلے اپنی بہن کے گھر سے آئی ہوں۔" وہ جھلا کر بولی۔ "کیا اب میں فون کر لوں...؟" اس نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اوہ یہ بھی ڈیڈ ہے... خدا جانے کیا مسئلہ ہوا ہے۔ دونوں فون ایک ساتھ ڈیڈ ہو گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"مگر ابھی دس منٹ پہلے تو یہ ٹھیک تھا۔" تبریز بولا۔

"خیر دیکھتے ہیں آپ اپنی ورزش جاری رکھیے..." وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''یہ… یہ کیسی آواز ہے؟'' وہ آنکھیں سکیڑ کر آواز کی جانب متوجہ ہوئی۔

''کوئی نیچے دکان میں ہے۔'' قمبر ٹریڈمل سے اترتا ہوا بولا۔ ''اس طرف نیچے سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں۔''

''مگر ہم تو چار بجے دکان بند کر چکے ہیں۔'' وہ چند لمحے اپنی جگہ ساکت سی کھڑی رہی پھر دروازے کی جانب لپکی۔

''کہاں جارہی ہیں آپ…؟'' قمبر نے اسے روک لیا۔

''نیچے… یقیناً کسی نے الارم کا تار کاٹ دیا ہے تبھی وہ دکان میں آیا ہوگا۔''

''آپ خاموشی سے یہاں بیٹھیے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آرام کرسی کی جانب دھکیلتے ہوئے بولا پھر وہ اپنے کمرے کی طرف گیا، واپسی پر اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور تھا۔

''یہ… یہ…''

''ہاں، یہ لائسنس شدہ ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو یہیں رہنا ہے دروازہ بند کر لیں… آپ کو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

اوپر ہال سے ایک سیڑھی دکان کے اندر موجود گودام تک اسٹور میں کھلتی تھی۔ وہ اسی سیڑھی سے نیچے اترا تھا۔ اسٹور کے دروازے کو آہستگی سے کھولتے ہوئے اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ فائل کیبنٹ کے بند ہونے کی آواز تھی۔ اسی وقت عقب سے آنے والی ہلکی سی سرسراہٹ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ وہ مڑا اور ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ مریم اس سے تین سیڑھیاں پیچھے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا۔ قمبر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا مگر وہ اپنی جگہ جمی کھڑی رہی۔ اندر سے آنے والی آہٹ پر قمبر دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ گودام میں کوئی نہیں تھا۔ وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا اور گرتے گرتے بچا… بچنے کی کوشش میں اس کا ہاتھ ایک فریم کو لگا جو جھٹکے سے دھاکے سے زمین بوس ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد دو چیزیں ایک ساتھ ہوئی تھیں۔ دونوں کمروں کے درمیانی دروازے سے ایک ہاتھ نمودار ہوا تھا جس میں سائلنسر لگا ریوالور موجود تھا۔ کمرے میں ٹھک کی ہلکی سی آواز گونجی تھی۔ قمبر اسے دیکھتے ہی ایک چھلانگ مار کر دوسری طرف گرا۔ اس کا سر کسی بھاری چیز سے ٹکرایا اور کئی چیزیں اس پر آگری تھیں۔ مریم پورے منظر کو سمجھ نہیں پائی تھی مگر ریوالور اور پھر قمبر کو گرتے دیکھ کر اس نے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ شاید اس کی چیخ و پکار نے ریوالور بردار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ قمبر سامان کو دھکیل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور بیرونی کمرے کی جانب لپکا۔ اسٹور کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا مگر بھاگتے قدموں کی آواز دو لمحے بعد ہی طاقتور انجن کی غراہٹ میں تبدیل ہوگئی تھی، وہ جو کوئی بھی تھا ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ قمبر بیرونی دروازہ بند کر کے اندر پلٹا۔

''اوہ آپ بہت زخمی ہیں…'' مریم اس کے قریب آکر بولی۔

قمبر کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ گرتے ہوئے اس کا سر اور چہرہ بہت ساری چیزوں سے ٹکرایا تھا اور یہ اسی کا شاخسانہ تھا۔

''آپ کا انٹیک سامان واقعی ہتھیاروں سے کم نہیں۔'' قمبر نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگا کر نقصانات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی پھر اس کی نظر اس ڈنڈے پر پڑی جو اب تک مریم کے ہاتھ میں تھا۔ ''اور آپ اس ڈنڈے سے کیا کرنے والی تھیں؟''

''یہ… میں نے سوچا کہ اگر آپ کی اور چور کی ہاتھا پائی ہوگئی اور اس نے آپ پر قابو پالیا تو میں پیچھے سے آکر اس کے سر پر اسے گھما کر ماروں گی۔''

''شاباش… گڈ تھنکنگ، کیا بات ہے آپ کی پلاننگ کی۔'' اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی جس کے نتیجے میں اسے کراہنا پڑا۔

''آیئے میں دوا لگا دوں۔'' وہ خفیف سا ہو کر بولی۔

''ارے… اب ایسی بھی چوٹ نہیں… میں دیکھ لوں گا۔'' وہ باہر کی جانب جائزہ لیتا ہوا بولا۔

''ویسے کیا آپ نے سیکیورٹی سسٹم کے بارے میں کچھ سن رکھا ہے۔''

''میں نے ایک الارم لگوایا ہوا ہے۔''

''بیکار… بچوں کا کھلونا ہے یہ… اس نے اسے شاید چند سیکنڈ میں ناکارہ بنا دیا ہوگا۔ فون کا تار اس نے احتیاطی تدبیر کے طور پر کاٹ دیا تھا۔''

''وہ عجیب سی آواز کیا تھی جو آپ کی دیوار کی طرف دیوانہ وار چھلانگ سے پہلے سنائی دی تھی؟'' مریم کو یاد آیا۔

''وہ گولی کی آواز تھی۔'' قمبر نے سادگی سے کہا۔

''گولی…؟'' مریم اب دہشت زدہ ہوئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''میں نے ایک لمحے کے لیے ریوالور تو دیکھا تھا مگر آواز تو نہیں آئی۔''

''اس نے سائلنسر لگا رکھا تھا۔''

''سائلنسر، جیسے گینگسٹر فلموں میں ہوتا ہے۔ اس نے آپ پر گولی چلائی تھی... شکر ہے...'' وہ الٹ پلٹ بولے جا رہی تھی۔

''مجھ پر گولی چلانے کا شکر...؟'' قبیر نے اسے گھورا۔

''میرا مطلب ہے اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو کچھ نہیں ہوا۔'' وہ گڑبڑا گئی۔

''آپ کا موبائل کہاں ہے؟'' قبیر نے اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''اوپر... کیا میں لے آؤں؟''

''پلیز اگر ممکن ہو...''

مریم اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ واپسی میں اس کے ہاتھ میں موبائل کے ساتھ فرسٹ ایڈ بکس بھی تھا۔ قبیر نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر آصف لودھی کا نمبر ملایا۔

''یار آصف! یہاں ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے، کوئی اپارٹمنٹ کے نیچے اسٹور میں گھسا تھا۔''

''کیا کیا چوری ہوا ہے؟'' آصف نے استفسار کیا۔

''ابھی معلوم نہیں، اس نے مجھ پر دو فائر بھی کیے تھے، پستول پر سائلنسر لگا ہوا تھا یعنی کوئی پرانا کھلاڑی ہے۔''

''اوہ... تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟''

''نہیں۔'' اس نے ناک کو انگلی کی پور سے چھوتے ہوئے کہا۔ خون اب بند ہو چکا تھا۔ ''اس کی کار کہیں قریب ہی کھڑی تھی اور انجن کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بڑی گاڑی تھی۔''

''اوکے میں پہنچ رہا ہوں۔''

''شکریہ۔'' وہ فون بند کر کے مریم کی جانب متوجہ ہوا، اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

''پریشان مت ہوں۔ کیا آپ پولیس کے پہنچنے سے پہلے ایک جائزہ لے سکتی ہیں تاکہ پتا چل سکے کہ کیا کچھ چوری ہوا ہے؟''

''ضرور۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

قبیر نے اسٹور روم میں نظر گھمائی، یہاں بہت سارا سامان موجود تھا مگر اسے صفائی اور ترتیب سے رکھا گیا تھا۔ کارٹن، دیواروں پر لگے شیلفس، الماریاں بھی سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ اس سے ملحقہ کمرے میں مریم کا دفتر تھا۔ یہاں بھی کافی سامان موجود تھا۔

''کچھ چوری نہیں ہوا ہے۔'' حیران پریشان مریم تھوڑی دیر میں لوٹ آئی تھی۔

''اتنی جلدی... آپ یقین سے کہہ سکتی ہیں؟ آپ نے صحیح طرح سے دیکھ لیا ہے؟''

''جی، مجھے اپنی چیزوں کے بارے میں معلوم ہے، شاید وہ آپ کے پیچھے آ جانے سے گھبرا گیا تھا۔''

''اور کیش...؟''

''ہم روز کی آمدنی بینک بھیج دیتے ہیں یہاں صرف ایک ہزار روپے چھوٹے نوٹوں یا سکوں کی شکل میں رکھے جاتے ہیں اور وہ بھی موجود ہیں۔'' وہ بولی پھر اس نے دفتر میں رکھی فائل کیبنٹ کو کھولا۔

''اوہ...'' اس کے منہ سے عجیب سی آواز برآمد ہوئی۔

''اس کیبنٹ میں گڑبڑ ہوئی ہے۔''

''یعنی وہ جو کوئی تھا اسے ان فائلز میں سے کسی چیز کی ضرورت تھی۔'' قبیر کو یاد آیا کہ اس نے فائل کیبنٹ کی آواز سنی تھی۔

''مگر یہاں تو عام سے کاغذات، رسیدیں وغیرہ ہی ہیں، یہ کسی کے کیا کام آ سکتے ہیں؟'' مریم خود اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ جو آپ کا کزن تھا جو آپ کو برے نتائج کی دھمکی دے کر گیا تھا؟''

''نہیں نہیں، وہ پاگل ضرور ہے مگر ایسا کام نہیں کر سکتا۔''

''پھر بھی مجھے اس کی پوری تفصیل درکار ہوگی۔''

''ضرور... آپ اس پر اپنے پولیسانہ طریقہ کار سے تھوڑا رعب بھی ڈال دیجیے گا۔''

''میں اب پولیس میں نہیں ہوں۔''

مریم کہنا چاہتی تھی کہ وہ دل سے، دماغ سے، انداز سے طور طریقے سے صرف اور صرف ایک سچا پولیس مین ہی نظر آ رہا ہے مگر وہ چپ رہی۔

''شکریہ۔'' وہ جب بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''اب یہ کس لیے؟'' قبیر اسے سوالیہ انداز میں دیکھ کر بولا۔

''آپ نے آج میری جان بچائی ہے۔ ورنہ شاید وہ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

سائیلنسر لگا ریوالور مجھے ختم کر چکا ہوتا۔"

"مگر جب میں آپ کو یہ کہہ کر آیا تھا کہ آپ کو نیچے نہیں آنا ہے تو پھر آپ آئی ہی کیوں تھیں؟" قنبر کو گویا یاد آگیا۔

"آپ نہیں تم۔" مریم کو پہلی بار اس کا بگڑنا برا نہیں لگا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"

"میں آپ کی مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ فورسز کی زبان میں کور دے رہی تھی۔" اس بار وہ مسکرائی۔

"تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ یہ کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا خاص طور پر میرے لیے..."

"وہ کیوں؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"وہ ڈنڈا ٹھیک سر پر پڑتا یہ ضروری تو نہیں تھا... اور خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ کسی احمق خاتون کے ہاتھ میں ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس ہیروانہ چھلانگ کے نتائج آپ کی ذہنی صحت کے لیے زیادہ بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ بہرحال، میں چائے تیار کر رہی ہوں اس وقت اس کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں آصف لودھی موبائل کے ساتھ پہنچ گیا تھا۔ عمومی کارروائی کے بعد دیگر لوگ باہر چلے گئے جبکہ قنبر نے آصف کو روک لیا تھا۔ مریم کو وہ خاصا پسند آیا تھا اس کا نقش کھلا چہرہ، نرم انداز گفتگو اور مسکراتی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس میں فوراً دوست بنا لینے کی صلاحیت موجود ہے۔

اس نے باتوں ہی باتوں میں مریم کا بیان لے لیا۔

"نہیں، دکان سے کوئی چیز غائب نہیں ہوئی ہے۔"

نہیں، فائل کیبنٹ میں کوئی قیمتی کاغذ نہیں تھا۔

نہیں، اسے دکان میں کسی پُراسرار آدمی کی آمد یاد نہیں تھی۔

دشمن؟ اس سوال پر مریم باقاعدہ ہنس پڑی۔ "ہم عام سے لوگ ہیں اے ایس پی صاحب! ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔"

"اور وہ کزن صاحب۔" قنبر بولا۔

"پلیز! وہ صرف ایک احمق انسان ہے۔"

مگر اس کے باوجود آصف نے اس کا نام پتا نوٹ کر لیا تھا۔

"مریم صاحبہ ان سے ایک دو سوال کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح شک دور ہو جائے گا۔" وہ اپنی نوٹ بک بند کرتا ہوا بولا۔ "آخر میں، میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے یہ کوکیز بہت زبردست ہیں۔"

"شکریہ... یہ میں نے خود بنائے ہیں... آپ کے بچے ہیں؟"

"تین۔" آصف مسکرایا اور جیب سے والٹ نکال کر مریم کو ان کی تصویر دکھانے لگا... قنبر نے بے بسی کے عالم میں چھت کو تکتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ کھانا اور بچے یہ دونوں چیزیں آصف کی کمزوری تھیں۔

"یہ میری بڑی بیٹی آصفہ... فاؤنڈیشن میں تیسری جماعت میں پڑھتی ہے۔"

"اوہ میری بھانجی ایلیا بھی اسی اسکول میں تیسری میں ہے یقیناً یہ دونوں دوست ہوں گی۔"

"آپ کہیں ایلیا اکبر کی بات تو نہیں کر رہیں؟"

"ہاں ہاں وہی..."

"ارے وہ تو درجنوں بار ہمارے گھر پر آ چکی ہے۔ وہ ہم سے ایک گلی پیچھے رہتے ہیں، اس کی امی اور میری وائف میں اچھی دوستی ہے۔"

"اس کی امی میری بہن ہیں۔" وہ بولی اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

"کیا میں جا کر سو جاؤں؟" قنبر نے جل کر پوچھا۔

"آصف پلیز! مجھے بتائیے کہ کیا یہ شخص ہمیشہ ہی ایسے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتا ہے یا مجھے ہی کوئی خاص تجربہ ہوا ہے؟" مریم نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ عادت ہے۔" آصف اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔ "مگر جس طرح کریلا صحت کے لیے بہترین ہے ویسے قنبر اسپیشل فورس کا بہترین آفیسر ہے اس کی یہاں موجودگی کا صرف ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ تمہیں بالکل بے فکر رہنا چاہیے۔"

"شکریہ... میں بچوں کے لیے کچھ کوکیز لا رہی ہوں لے کر جائیے گا۔"

قنبر، آصف کو چھوڑنے باہر تک آیا تھا۔

"زبردست خاتون ہیں یہ... تمہارے پاس وقت ہے آج کل چھٹیوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے میری بھابی بنا دو۔" وہ فرمائشی انداز میں بولا۔

"آصف! ہوش میں آ جاؤ... یہ سوچو کہ کوئی شخص سائیلنسر لگے پستول کو لے کر کسی دکان میں صرف بے مصرف کاغذات ڈھونڈنے کے لیے کیوں گھسے گا؟"

"ملین ڈالر کا سوال ہے۔" آصف مسکرایا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''آخر کوئی اس پرانے سامان کی دکان کی فائلز میں کیا ڈھونڈ رہا تھا؟''

''ٹھیک ہے۔'' آصف کار کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ ''آپ خود کو فورس سے باہر نکال سکتے ہیں مگر خود میں موجود فورس کو نہیں نکال سکتے جناب قمبر علی صاحب! اس ذاتی دلچسپی کی وجہ تمہاری پولیسانہ طبیعت ہے یا تمہاری لینڈ لارڈ؟ سوال یہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''اگر کوئی مجھ پر گولیاں چلاتا ہے تو مجھے اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لینا ہی چاہیے۔'' قمبر نے اسے گھورا۔

''کچھ بھی کہو... سچ یہ ہے باس کہ ہم سب تمہاری کمی بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں... فورس کو تمہاری ضرورت ہے۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس معاملے میں جیسے ہی کچھ معلوم ہوتا ہے میں بتاتا ہوں۔''

وہ اندر آیا تو مریم کو وہیں کرسی پر بیٹھے پایا، اس کی آنکھوں میں تشویش ہلکورے لے رہی تھی اور چہرہ قدرے پیلا پڑا ہوا تھا۔ قمبر نے اندر داخل ہو کر بیرونی دروازے کو مقفل کیا۔

''تمہیں اتنا متفکر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، آصف بہت جلد اسے پکڑ لے گا۔''

''مجھے معلوم ہے مگر ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک سوال آیا ہے۔'' وہ بولی۔ ''کیا آپ کے خیال میں وہ واپس آ سکتا ہے؟''

قمبر نے ایک لمحے کے لیے اس کو غور سے دیکھا پھر کندھے اچکا کر بولا۔ ''مجھے نہیں معلوم مگر ہو سکتا ہے۔''

''زبردست۔'' مریم نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ ''ظاہر ہے کہ کوئی اس معاملے میں کیا کہہ سکتا ہے۔''

''مگر میں نے یہ بھی کہا ہے کہ آصف بہترین آفیسر ہے اور میں یہاں ہوں لہٰذا ڈونٹ وری... اب آرام کرنا چاہیے۔'' وہ اوپر جاتے ہوئے اندرونی دروازے کو بھی ڈبل لاک کرنا نہیں بھولا تھا۔

''اپنا دروازہ بند کر لینا۔'' اس کے دروازے کے لاک کی آواز سن کر وہ اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک چھوٹے سے خوب صورت ٹاؤن ہاؤس کا لیونگ روم تھا۔ سجاوٹ کا انداز مالک کے ذوق کی عکاسی کر رہا تھا، مسز صفدر صوفے پر نیم دراز ٹیلی وژن پر اپنا پسندیدہ شو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس تھا۔ وہ سونے سے قبل پستے والا دودھ ضرور لیا کرتی تھیں۔

''آ جاؤ قمبر ڈیئر... شو بہت اچھا جا رہا ہے۔'' انہوں نے اپنے پیچھے ہلکی سی آہٹ پا کر اپنی بھانجی سے کہا۔

جواب میں ایک سلگتا ہوا شعلہ ان کے جسم میں گھس گیا تھا۔ کرسٹل کا نازک گلاس ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر سامنے رکھی کافی ٹیبل سے ٹکراتا ہوا چھنا کے سے نیچے جا گرا۔ درد کی شدت نے انہیں مفلوج سا کر دیا تھا۔ پھر ایک سخت کھردری مردانہ آواز ان کی سماعت میں گونجی۔

''سوتے ہوئے شیر کا وہ مجسمہ کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ مجسمہ؟'' اور پھر وہ کچھ سننے کے قابل نہیں رہی تھیں۔

☆☆☆

آدھی رات کے بعد فرحان اپنے ہوٹل میں داخل ہوا تھا اس کے ہاتھوں میں کئی ڈبے تھے آج کا دن اس کے حساب سے کامیاب گیا تھا، اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا۔ اسے اس دکان سے مجسمے کے خریدار کا پتا مل گیا تھا اگر وہ عورت اور مرد بیچ نہ آ جاتے تو وہ شاید اس پینٹنگ کو تلاش کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا۔ اس کی چلائی ہوئی گولیاں کسی کو لگی بھی تھیں یا نہیں یہ اس کے علم میں نہیں تھا مگر اسے اس کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ اس کا پستول لائسنس یافتہ نہیں تھا اور ان گولیوں سے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا اب اس کے پاس کانسی کا عقاب، مجسمۂ آزادی کی نقل اور سنہرے طوطے کے ساتھ ساتھ چائنا ڈاگ بھی آ چکا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مسکرایا... اب وہ بقیہ رات آرام سے سو سکتا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ساڑھے نو بجے کے قریب جب قمبر نے مریم کا دروازہ کھٹکھٹایا تو جس آخری ترین بات کا وہ تصور کر سکتا تھا وہ جواب میں آنے والی مردانہ آواز تھی۔ ''ایک منٹ... آ رہا ہوں۔'' دروازہ جواب کے فوراً بعد کھل گیا تھا۔ اس کے سامنے ایک بیس بائیس سال کا لڑکا کھڑا تھا۔ یقینی طور پر وہ گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس نے چادر کو دھوتی کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ ''اگر آپ کچھ بیچنے آئے ہیں تو میری دعا ہے کہ وہ گرما گرم کافی ہو۔'' وہ اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

قمبر بھی چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ 'آخر یہ عورت کیا کرتی پھر رہی ہے پہلے وہ جنگلی کزن اور اب یہ کالج کا لڑکا...' اس نے سوچا۔

''مریم...'' بالآخر وہ بولا۔ ''کیا میں مریم صاحبہ سے مل سکتا ہوں۔''

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''جی... جی۔'' حسن نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''مریم کہاں ہے؟'' اس بار وہ قدرے تختی سے بولا۔

حسن کے جواب دینے سے قبل ہی وہ کمرے سے برآمد ہو گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈرائر اور دوسرے میں برش تھا۔

''اوہ قمبر... صبح بخیر۔''

''صبح بخیر، کیا میں ایک منٹ کے لیے بات کر سکتا ہوں؟''

''بالکل... ارے آپ حسن سے ملے؟'' اس نے پوچھا پھر خود ہی بولی۔ ''یہ جو چادر کا ٹوگا بنائے گھوم رہا ہے یہ میرا چھوٹا بھائی حسن ہے اور حسن یہ جو شخص شیو بنانا بھول گیا ہے، یہ قمبر ہے ہمارے نئے پڑوسی...''

''بھائی۔'' قمبر کو یہ سن کر خود اپنے دل میں اتر آنے والے اطمینان پر غصہ آ رہا تھا۔

''اوکے... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔'' حسن گرم جوشی سے بولا۔ ''تو آپ ہیں وہ بہادر سابق پولیس مین جس نے کل رات چوروں کو مار بھگایا۔ آپی کا خیال رکھنے کا بہت شکریہ... آپ پلیز مجھے پانچ منٹ دیجیے میں انسان بن کر آتا ہوں۔''

''یہ تو مشکل ہے حسن۔'' مریم اسے چپت لگا کر بولی۔

''پلیز آپ بیٹھیے قمبر... حسن میرا چھوٹا بھائی ہے۔''

''چلو یہ بہت اچھا ہے ورنہ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ تنہا رہتی ہیں، میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ آج ایک شخص دوپہر تک آئے گا وہ ایک نیا اور طاقتور سیکیورٹی سسٹم لگا دے گا میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ اپنے کام کا ماہر ہے اس لیے آپ بے فکر رہیے۔''

''اوہ شکریہ... اگر آپ انہیں بلانے سے قبل مجھے بتا دیتے۔'' اسے برسوں سے اپنے فیصلے خود کرنے کی عادت تھی۔

''میری اس سے رات ہی بات ہو گئی تھی... آپ کو محفوظ تالوں کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں... مگر آپ کی اس مہربانی پر میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے حیران ہونا چاہیے، متاثر ہونا چاہیے یا برا ماننا چاہیے۔''

''میں ہارڈ ویئر سے اس کا مطلوبہ سامان لے آؤں گا اور فکر مت کرنا... اس کا بل تمہیں مل جائے گا۔'' وہ اس کی تقریر کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

اس کے انداز پر مریم کو ہنسی آ گئی۔ ''ٹھیک ہے جناب... آپ کو اجازت ہے ہماری اس ننھی سی دنیا کو محفوظ بنا دیجیے۔'' وہ شاہانہ انداز میں بولی۔ ''مگر اس سے پہلے ناشتا ضرور کر لیجیے سب تیار ہے۔''

''مگر...''

''نو اگر مگر... سر!'' وہ مسکرائی۔ حسن بھی اتنی دیر میں نہا کر آ گیا تھا۔

''تو ناشتا تیار ہے... میں ٹی وی کھول لیتا ہوں۔ دو دن سے خبریں تک نہیں سن پایا ہوں۔''

''رات والے واقعے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے قمبر بھائی... اب کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا؟'' حسن کافی نکالتے ہوئے بولا۔

''جب کوئی مجھ پر گولیاں چلاتا ہے تو وہ میرے لیے پریشانی کی بات ہی ہوتی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''گولیاں... کیا مطلب؟'' حسن ششدر رہ گیا۔

''بلٹ... پستول، گولی، فائرنگ۔'' قمبر کافی کا گھونٹ لے کر بولا۔

''مگر مجھے آپی نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' وہ یکدم پریشان ہو گیا۔

''اب سب ٹھیک ہو چکا ہے حسن۔'' مریم نے بولنا چاہا۔

''پھر بھی آپی...'' اس نے اسے گھورا۔ ''آپ بتائیے سر۔'' اب وہ قمبر کی طرف متوجہ تھا۔ قمبر نے مختصر الفاظ میں اسے پوری تفصیل سنا دی۔ وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

''تو یہ سب ہوا ہے کوئی تالے توڑ کر اندر گھسا، قالین میں کچھ ڈھونڈا۔ گولیاں چلائیں اور فرار ہو گیا مگر کیوں؟''

''پولیس اس کا جواب ڈھونڈ رہی ہے اور فکر مت کرو مریم محفوظ ہے۔''

''آپ کس فورس میں تھے؟''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اب میں پولیس میں نہیں ہوں۔''

''مگر...'' اچانک اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ ''قمبر علی... نام ذہن میں گونج رہا ہے ایس ایس پی قمبر علی... اسپیشل فورس آپ نے ابراہیم بلو کو اڑا دیا تھا۔'' اسے اب اخبار کی سرخی بھی یاد آ گئی تھی۔ ''کروڑپتی ایس ایس پی نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

نشیات کے بادشاہ کو اڑا دیا۔" وہ اسے غور سے دیکھنے لگا پھر احترام سے بولا۔ "اب واقعی فکر نہیں ہے جس نے ابراہیم بلو جیسے بارسوخ اور خطرناک مجرم کو نہ چھوڑا ہو اس کی موجودگی میں میری بہن واقعی محفوظ ہے۔"

"حسن تمہارا موبائل بج رہا ہے۔" مریم کمرے سے باہر آتے ہوئے بولی۔ وہ قیصر سے معذرت کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تم نے اسے پوری بات کیوں نہیں بتائی تھی؟"

"میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دراصل ہمارے خاندان میں ڈراپنگ ہونے کے کافی جراثیم پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنا کالج وغیرہ چھوڑ کر گھر بیٹھ جائے گا اور مجھے کام کے لیے بھی مسئلہ ہو جائے گا۔" وہ مسکرائی۔ حسن اب تک دوسرے کمرے میں فون پر مصروف تھا۔

"وہ تو فون پر لگا ہے، میں ٹی وی بند ہی کر دیتی ہوں۔" وہ بٹن دبانے ہی والی تھی جب اسکرین پر نیوز بلیٹن کا آغاز ہوا۔ نیوز کاسٹر کے پیچھے بنے باکس میں مسز صفدر کی تصویر دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔

"ابھی تک اس ٹریجڈی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں مل سکی ہیں۔ ماضی کی مشہور گلوکارہ مسز صفدر ہمدانی اب بھی کومے کی حالت میں ہیں۔ کل رات ان کے گھر چوری کی واردات میں نامعلوم ملزمان انکل اور ان کی بھانجی کو گولیاں مار کر فرار ہو گئے تھے ان کی بھانجی مس فیروزہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئیں جبکہ مسز صفدر کو بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا۔" نیوز کاسٹر واقعے کی تفصیل بیان کر رہا تھا۔

"او خدایا... یہ تو مسز صفدر ہیں، میری کلائنٹ ہیں۔ ابھی پرسوں تو یہ دکان پر آئی تھیں۔" مریم بری طرح کانپ رہی تھی۔

"پلیز خود کو سنبھالو۔" قیصر اسے کندھے سے پکڑ کر کرسی تک لے آیا۔ "ہر بات دل پر نہیں لی جاتی، یہ افسوسناک ہے مگر تمہیں اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے۔"

"میں اسی لیے خبریں نہیں دیکھتی مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا جب بھی کسی قتل کی خبر سنتی ہوں تو میرے ذہن میں خون، خواب سرتے ہوئے بچے آ جاتے ہیں۔ ہر ایک کی فیملی ہوتی ہے ایک شخص کی موت کا مطلب نہ جانے کتنے افراد کی تباہی ہوتا ہے۔" وہ لرز کر بولی۔ "خیر... میں آج جلدی دکان پر چلی جاتی ہوں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے... میں بھی چلتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا۔ حسن واپس آیا تب تک مریم جانے کی تیاری کر چکی تھی۔

"تم نے مجھ سے ہر بات چھپائی ہے آپی۔" اس نے آ کر بہن کو گھورا۔ "تم نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ ہمارا کرایہ دار مشہور پولیس ایس ایس پی ہے جس نے ابراہیم بلو کے گینگ کا صفایا کیا تھا۔"

"ابراہیم بلو... یہ کون ہے؟"

"آپی! تم کون سی دنیا میں رہتی ہو۔ وہ نشیات کا بہت بڑا ریکٹ چلا رہا تھا۔ لوگوں کو قتل کرنا، بم سے اڑا دینا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ اتنا بارسوخ تھا کہ پولیس ڈپارٹمنٹ اس سے گھبراتا تھا۔ ایس ایس پی قیصر علی نے اسے نہ صرف بری طرح مار ڈالا تھا بلکہ اس کے گینگ کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔"

"او... اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

"اس کو اس پر میڈل بھی ملا تھا اور وہ صدارتی تمغے کے لیے بھی نامزد کیا گیا ہے۔ چند مہینے پہلے اخبار اس کے ذکر سے بھرے پڑے تھے مگر تم تو اخبار پڑھتی ہی نہیں ہو... سیٹھ محمد علی کا پوتا ہونے کی بنا پر اسے بے حد کوریج ملی تھی۔"

"سیٹھ محمد علی... وہ تو بہت دولت مند خاندان ہے۔"

"وہی... ان کی بہت ساری جائدادیں ہیں۔"

"پھر وہ... ہمارے اس دو بیڈ روم کے اپارٹمنٹ میں کیوں رہ رہا ہے؟" مریم نے پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ کروڑپتی پولیس مین کچھ وقت سب سے الگ رہنا چاہتا ہے جب سے اس کی بہن کار بم کے حادثے میں مری ہے..."

"رکو... تم نے کیا کہا... اس کی بہن..."

"ہاں، کہا جاتا ہے کہ ابراہیم بلو نے اسے ڈرانے کے لیے اس کی بہن کو بم دھماکے میں اڑا دیا تھا..."

"او گاڈ... وہ واقعی مشکلوں سے گزر کر آیا ہے۔"

"صرف یہی نہیں... میں نے ان دنوں کئی آرٹیکل پڑھے تھے اس کی بہن طلاق لے چکی تھی۔ ماں باپ میں بھی نہیں بنی، دولت کے علاوہ اس کے بچپن میں غالباً کوئی خوشی نہیں تھی۔ اب پتا نہیں یہ سب سچ ہے کہ اخبار والوں نے کہانیاں بنائی ہیں۔" حسن بولا۔

"پھر تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ اکیلا رہنا چاہتا ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "اچھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

میں دکان پر جا رہی ہوں، تم آرام کرلو۔"

"اپنی حفاظ رکھنا۔" وہ دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

قنبر کو واپس آتے آتے چار بج گئے تھے۔ اسٹور معمول کے مطابق کھلا ہوا تھا۔ سکیورٹی سسٹم کے متعلق معلومات کے لیے وہ سیدھا دکان میں چلا گیا۔ مریم اندر اپنے آفس میں موجود تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا، مریم نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اُس کے گال سفید ہو رہے تھے۔ نیلی آنکھیں متورم اور آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"کوئی بری خبر..." اس نے پوچھا۔ جب مریم نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "مریم کیا ہوا ہے؟" اس نے جواب میں صرف سر ہلایا مگر اس کوشش میں آنکھوں میں رکا ایک آنسو رخسار تک پہنچ گیا۔

"کیا میں تمہاری اسسٹنٹ یا حسن کو بلا لاؤں، تم کیا محسوس کر رہی ہو؟" وہ پریشان ہو گیا۔

"نہیں۔" مریم نے ہونٹ دبا کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اتوار کو ہم نیلامی کے لیے لاہ زار گئے تھے وہیں ہماری ملاقات ایک صاحب سے ہوئی تھی وہ بالکل بابا جیسے لگے تھے مجھے، ان کا نام جعفر اسلام تھا۔ میں نے ابھی ان کو فون کیا تھا، ان کے پوتے سے بات ہوئی، وہ مر چکے ہیں۔ انہیں دو دن پہلے ان کے اسٹور پر چوری کی ایک واردات میں قتل کر دیا گیا۔"

"اوہ!"

"پتا نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ایک کے بعد ایک واردات ہو رہی ہے۔" اس کے لیے یہ جھٹکا شدید تھا۔

"کیا قاتل پکڑا گیا؟"

"نہیں، مجھے تفصیلات کا علم نہیں ہے... یہ بہت مشکل ہے... فورس میں لوگ مسلسل اس دباؤ کو اس کیفیت کو کیسے برداشت کرتے ہیں؟" اس نے بے اختیار قنبر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اس کی اس بے اختیاری نے دونوں کو حیران کر دیا۔

"وہ چیزوں کو سولجر کی طرح نہیں لیتے مریم۔"

"تو کیا تمہاری فورس کو چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ تم چیزوں کو سولجر کی طرح لینے لگے تھے؟" اس کی ذہنی رو اس کی طرف بھٹک گئی۔

"شاید۔" وہ پہلے اس کے سوال پر حیران رہ گیا پھر اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

"مگر یہ کوئی منطقی وجہ تو نہیں ہے۔"

"میرے خیال میں یہ وجہ کافی تھی..."

"تھی... یعنی اب یہ سوچ بدل گئی ہے...؟"

"میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا مریم..." وہ کھڑا ہو گیا۔

"اوکے۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور اسے کمرے سے نکلتا دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بات کرے گا، پھر کبھی، کسی اور وقت... کسی اور جگہ... مگر کرے گا ضرور...

☆☆☆

رات کے دس بج رہے تھے۔ فرحان کی گاڑی تیسری مرتبہ مریم کی دکان کے سامنے سے گزری۔ اس کا ارادہ بارہ بجے کے بعد دکان میں گھسنے کا تھا۔ اسے اس کے اسٹور روم میں اس منحوس پینٹنگ کو تلاش کرنا تھا۔ اس کے پاس اس کام کو ختم کرنے کے لیے صرف دو دن کا وقت بچا تھا۔ تیسری بار اس نے بغور بلڈنگ اور پارکنگ ایریا کا جائزہ لیا وہاں کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ دکان تو خیر بند ہی تھی مگر عمارت کی بھی زیادہ تر بیرونی روشنیاں جل رہی تھیں یعنی اس وقت نیچے یا اوپر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے پلان میں تبدیلی کا فیصلہ کیا اب وہ اسی وقت دکان میں داخل ہونے کا سوچ رہا تھا۔

نیا سکیورٹی سسٹم اس کے لیے سخت چیلنج ثابت ہوا۔ اسے اندر داخل ہونے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت لگ گیا۔ اسٹور روم میں گزرے پندرہ منٹ اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھے کہ وہ پینٹنگ وہاں نہیں ہے۔ وہ بہت الجھا ہوا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پوری دکان کو تلپٹ کر کے رکھ دے مگر وہ خود پر قابو پا کر نہایت احتیاط سے تلاشی لیتا رہا۔ آخر میں اس نے اسٹور کا ایک چکر لگایا۔ اس بار وہ کئی قیمتی چیزیں اپنی جیب میں ڈالتا گیا تھا جس میں کتے کا وہ قیمتی مجسمہ بھی شامل تھا جو پہلے دن اس سیلز گرل نے اسے بیچنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں سے ناکامی کے بعد وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ اوپر جانے والے دروازے کا تالا کھلا ہوا تھا۔ ہال وے میں داخل ہو کر وہ چند لمحوں تک دیوار سے چپکا کچھ سننے کی کوشش کرتا رہا، وہاں مکمل خاموشی تھی۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، گفتگو کوئی آواز نہیں تھی۔ وہ آگے بڑھا۔ اگلے تیس منٹ میں وہ قنبر کے اپارٹمنٹ میں تھا۔ اس اپارٹمنٹ کی تلاشی چند لمحوں میں ختم ہو گئی۔ وہاں ہر چیز اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

جگہ پر تھی۔ پورے اپارٹمنٹ میں کوئی پینٹنگ نہیں تھی۔ اگلے دو منٹ میں وہ مریم کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو چکا تھا۔ یہاں رنگارنگ سامان، ڈیکوریشن پیس کی بھرمار تھی مگر کافی دیر کی تگ و دو کے بعد فرحان کو مایوسی ہی ہوئی۔ وہ پینٹنگ یہاں بھی نہیں تھی۔ وہ مریم کی خواب گاہ میں تھا جب اسے نیچے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے پاس بالکل وقت نہیں بچا تھا۔ آنے والا اب سیڑھیوں پر تھا اور وہ ایک منٹ میں گھر میں داخل ہو سکتا تھا۔ وہ لپک کر الماری میں گھس گیا۔ رنگارنگ کپڑوں کے ہینگرز کے پیچھے وہ غائب ہو گیا۔ مریم دکان سے سیدھی فاطمہ کے گھر چلی گئی تھی۔ حسن کو آج ایک اہم اسائنمنٹ تیار کرنا تھا اس وجہ سے تھوڑی دیر سے آنے والا تھا۔ یہ معلوم ہوتے ہی فاطمہ اسے ساتھ لے جانے پر بضد ہو گئی۔ وہاں بچوں کے ساتھ واقعی اس کا وقت بہت اچھا گزرا تھا مگر اب وہ تھک گئی تھی۔ وہ لاؤنج کی لائٹ آن کر کے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی۔ پہلے اس نے نہانے کا ارادہ کیا مگر پھر تھکن نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ اس نے کرسی پر رکھے نائٹ سوٹ کو اٹھایا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ الماری میں چھپا فرحان دروازے کی جھری سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس منظر نے اس کے اس مداخلت سے پیدا ہونے والے غصے کو ٹھنڈا کر دیا۔ ''زبردست'' اس نے داد دی۔۔۔ اب اس کا پلان بدلتا جا رہا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کے بستر میں جانے کے بعد۔۔۔ باہر آ جائے گا۔ اس کی پستول اس قتالۂ عالم کو پینٹنگ کا پتا بتانے پر رضامند کر لے گی اور پولیس کے بعد اس کا کچھ وقت اچھا بھی گزر جائے گا۔

عین اس وقت جب وہ بستر کی طرف بڑھ رہی تھی، دروازے پر زوردار دستک سنائی دی، مریم چونک گئی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکلی۔۔۔ حسن کے پاس تو چابی تھی پھر یہ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ الماری میں چھپے فرحان کے لیے یہ مایوسی اور غصے کی انتہا تھی۔۔۔ اس کا کوئی پلان پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔

''کون۔۔۔ قیصر؟'' وہ دروازہ کھولتے ہوئے تھوڑا سا ہچکچائی۔

''دروازہ کھولو۔'' قیصر کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

''میں ڈر گئی تھی۔۔۔'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔ قیصر کے چہرے پر شدید غصہ تھا۔

''تم نے کیا سوچ کر یہ کیا۔۔۔؟'' وہ غرایا۔

''میں تو سونے جا رہی تھی۔۔۔'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''فضول بات کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی میرے سامان کو چھیڑتا ہے تو مجھے اس کا پتا لگ جاتا ہے۔۔۔ تم کیا تلاش کر رہی تھیں؟''

''یہ کیا بکواس ہے؟ میں کیا اور کہاں ڈھونڈ رہی تھی؟''

''اوہ۔۔۔ اوکے۔'' اس نے مریم کا ہاتھ پکڑا اور اسے فوراً گھسیٹتا ہوا اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا۔ ''لو اب تمہیں جتنی تلاشی لینی ہے لے لو۔۔۔ ڈھونڈو کیا چاہیے ہے تمہیں؟''

''تم پاگل ہو گئے ہو مسٹر قیصر علی۔'' اسے اب شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس دوران ان دونوں میں سے کسی نے مریم کے دروازے سے آہستگی سے باہر نکلتے فرحان کو نہیں دیکھا۔

''مریم! تمہارا کیا خیال تھا کہ مجھے پتا نہیں چلے گا مگر میں نے چھوڑ دو سامان اسپیشل فورس چلائی ہے۔''

''مگر میں نے یہ نہیں کیا ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''جھوٹ مت بولو۔۔۔ اور یہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولا۔

''بس اب بہت ہو گیا۔'' معاملہ واقعی اس کی برداشت کی حد سے باہر ہو گیا تھا۔ ''تم جا کر میری گاڑی کا بونٹ چیک کرو مسٹر پولیس مین وہ ابھی تک گرم ہوگا۔ میں خود زیادہ سے زیادہ چھ یا سات منٹ پہلے آئی ہوں۔ فاطمہ کا نمبر لو اور اس سے پوچھو کہ میں اس کے گھر سے کتنی دیر پہلے نکلی ہوں اور میں نے تمہارے اپارٹمنٹ میں قدم بھی نہیں رکھا ہے، سمجھ میں آیا؟'' اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دروازے کی جانب بڑھی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''مریم۔۔۔! میری بات سنو۔'' قیصر نے اسے روکنا چاہا۔

''مجھ سے دور رہنا۔۔۔ مجھے تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنی ہے۔'' وہ زور سے چلائی اور دوڑتی ہوئی اپنے اپارٹمنٹ میں گھس گئی۔

قیصر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا، وہ غلط نہیں تھا۔ یقینی طور پر کوئی اس کے گھر میں داخل ہوا تھا، اس کی کتابیں اپنی جگہ سے ہلی ہوئی تھیں۔ اس کے ریوالور کو کسی نے اٹھایا تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

مگر وہ... مریم نہیں تھی۔

اس نے پشیمانی سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ کیا کیا اس نے... شاید یہ ہفتوں کا غصہ تھا۔ آج وہ پوری شام وکیل اور اکاؤنٹنٹ کے ساتھ الجھنوں میں گزار کر آیا تھا پھر یہاں آ کر جو اس نے محسوس کیا، اس نے اس کے غصے کو مہمیز کر دیا اور اب... اس نے افسوس سے ہاتھ ملے... یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آخر اس نے ایک گہری سانس لی اور مریم کے دروازے کی جانب بڑھا۔

''مریم! پلیز دروازہ کھولو... مجھے افسوس ہے، پلیز مجھ سے بات کرو۔'' اندر سے جواب میں چھائی گہری خاموشی اس کے لیے امتحان ثابت ہو رہی تھی۔ کافی دیر بعد اس نے دروازے کو پکڑ کر گھمایا تو وہ کھلتا چلا گیا وہ پھر دروازہ لاک کرنا بھول گئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ اسے نظر آئی تھی، وہ آرام کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔

''پلیز! مجھے معاف کر دو۔'' قنبر آہستگی سے بولا۔

''یہاں سے چلے جاؤ۔''

''چلا جاؤں گا مگر پلیز... میں اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوں۔''

''کیوں... تمہیں یہ خیال آیا ہی کیسے کہ میں نے یہ کیا ہوگا۔ تم نے کیا سمجھ کر یہ بات کی؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''تمہیں حق ہے ناراضی کا... یہ میری غلطی ہے۔''

''مگر کیوں؟ مجھے اس بات کا جواب چاہیے۔''

وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس کے گلے میں کچھ اٹک سا رہا تھا مگر اسے اس سوال کا جواب دینا ہی تھا۔

''ابراہیم کے لوگ زرتاب کے قتل سے چند روز پہلے میرے گھر میں گھسے تھے۔ انہوں نے وہاں سے کچھ نہیں چرایا تھا وہ صرف مجھے بے بسی کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ جب جہاں جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ آج جب میں گھر آیا تو وہی سب کچھ میرے ذہن میں تازہ ہو گیا... میں سمجھا شاید یہ تم ہو... میرے بارے میں جاننے کے لیے شاید یہ کر رہی ہو اور میں خود پر قابو نہیں پا سکا...'' وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا مریم کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ بھول جائے... مگر جب وہ بولی تو اپنی آواز اسے خود بھی اجنبی لگ رہی تھی۔

''کل رات اور آج مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ شاید میری زندگی میں وہ لمحہ آ گیا ہے جب دل پورے یقین سے کسی پر اعتبار کر لیتا ہے... مگر اب مجھے وہ سب غلط لگ رہا ہے، اعتماد ہر تعلق کی پہلی سیڑھی اور بنیاد ہوتی ہے اور تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتے...''

''ایسا نہیں ہے... مگر...''

''ایسا ہی ہے کم از کم اس وقت تو یہی لگ رہا ہے۔'' وہ قطعی انداز میں بولی۔ ''اور اب میں سونا چاہتی ہوں۔''

''اوکے، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہ گھر چھوڑ دوں؟''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اب تم ٹھیک ہو؟'' مریم نے جواب میں سر ہلایا۔

''اوکے... دروازہ بند کر لو اور لاک کرنا مت بھولنا۔'' وہ یہ کہہ کر سیدھا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اسے صبح اسٹور میں اپنی میز پر پھولوں کا ایک خوب صورت گلدستہ ملا جس پر لگے کارڈ پر کسی کا نام نہیں تھا صرف سوری لکھا تھا۔ وہ اس سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اس نے رات فیصلہ کر لیا تھا۔ قنبر علی... کتنا ہی عجیب اور پُرکشش کیوں نہ ہو اس کے لیے وہ صرف ایک کرائے دار ہے۔ وہ کسی کو بھی خود کو اس طرح خوف زدہ اور دکھی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی اور درجن بھر پھول کسی پر شک کرنے کا ازالہ یقیناً نہیں کر سکتے۔ وہ صبح سے خود کو مسلسل مصروف رکھے ہوئے تھی۔

''مریم! کیا تم نے وہ قیمتی ڈاگ کا مجسمہ کہیں رکھا ہے؟'' نفیسہ نے اس سے پوچھا تب بھی وہ اپنے مستقل گاہکوں کو نئی لسٹ کے بارے میں ای میل کر رہی تھی۔

''نہیں... میں نے تو کئی دن سے اسٹاک کو اِدھر اُدھر نہیں کیا۔''

''وہ مجھے اپنی جگہ پر نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''تم فاطمہ سے پوچھو۔''

''میں پوچھ چکی ہوں اور خود اپنے طور پر جائزہ بھی لے چکی ہوں۔''

''ارے، چلو میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''میں نے اسے پرسوں ایک کسٹمر کو دکھایا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ کل تک یہیں تھا۔'' نفیسہ نے کہا۔

چند منٹ میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کئی قیمتی اشیا غائب ہیں۔ نفیسہ بہت شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ چیزیں شاپ لفٹنگ کی نذر ہو گئی ہیں۔

''اب اس کا حل تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اسٹور میں کیمرے لگوا لیں یا پھر ہر چیز کو بند الماری میں رکھیں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

مریم بولی۔ ”بہر حال، میں انشورنس کمپنی کو خبر کرتی ہوں۔ اس وقت کے لیے ہی ہم انہیں پریمیم دیتے ہیں اور خبیہ تم اتنی پریشان مت ہو...“

☆☆☆

قمبر کے لیے اپنے ہیڈ کوارٹر جانا ایک مشکل فیصلہ تھا۔ اس نے یہاں ان گنت شب و روز گزارے تھے۔ وہ آصف سے کہیں باہر بھی مل سکتا تھا مگر شاید اس طرح وہ اپنی سزا کو مزید سخت بنانا چاہتا تھا پھر فرار بہتر حل کبھی نہیں ہوتا یہ وہ جانتا تھا۔ وہاں سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی آوازیں، چائے کی خوشبو، سگریٹ کی مہک، ٹیلی فون کی گھنٹیاں، گفتگو کی تیز ہلکی آوازیں۔

”اوہ... قمبر صاحب!“ اسے سب سے پہلے انسپکٹر امجد نے دیکھا۔ ”کیسے ہیں آپ...؟“

”بالکل ٹھیک اور تم...؟“ قمبر مسکرایا۔ ”کیسا جا رہا ہے سب؟“

”ٹھیک ہے مگر آپ کے بغیر یہاں کام کا لطف نہیں رہا ہے اسپیشل فورس بھی کلرکوں کا دفتر بن گئی ہے۔“ وہ منہ بنا کر بولا۔

”کیا مطلب...؟“

”کاغذی کارروائیاں اب ترجیحات کی لسٹ پر سب سے پہلے آتی ہیں۔ آپ جمشید صاحب کو جانتے ہیں وہ اسی کام کے بادشاہ ہیں... قاعدے... ریگولیشن... چاہے اس میں مجرم اطمینان کیوں نہ پہنچ جائے۔“ وہ مسکرایا۔

اس دوران میں کئی لوگ وہاں آگئے تھے۔ وہ سب اس سے مل کر خوش تھے، اس کی واپسی کے خواہش مند تھے۔ وہ ایک ایک سے مل رہا تھا، ہنس رہا تھا، سوالات کے جواب دے رہا تھا پھر اس نے امجد سے آصف لودھی کے بارے میں پوچھا۔

”وہ اپنے کمرے میں ہیں سر۔“ امجد نے جواب دیا۔ وہ سیدھا اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ آصف فون پر کسی سے الجھ رہا تھا۔ اس نے قمبر کو دیکھا تو فون بند کر دیا۔

”خوش آمدید قمبر... پلیز بیٹھو۔“ آصف کسی معاملے میں الجھا ہوا تھا اور قمبر دخل دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں اب یہ اس کا حق بھی نہیں تھا پھر بھی وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

”یار! کیا یہ جمشید چیزیں خراب کر رہا ہے؟“ اس نے اپنی جگہ کام کرنے والے ایس ایس پی کے بارے میں پوچھا۔

”اس کا میرے پاس ایک ہی جواب ہے قمبر... واپس آجاؤ یار... ہم نے اپنی اس فورس کا ایک نام بنایا ہے، یہ اس کی ساکھ کا سوال ہے۔“ اس کے جواب پر قمبر کی آنکھیں جھک گئیں۔

”آصف میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں اپنے غصے پر قابو رکھنے میں ایک بار ناکام ہو چکا ہوں... کہیں یہ بیج مجھ سے کوئی اور غلطی نہ کرا دے۔“ وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”میں تم سے کچھ بات کرنے آیا تھا، کل رات کوئی میرے گھر میں گھسا تھا۔“

”اوہ... چوری کے لیے؟“

”نہیں، کسی نے صرف تلاشی لی ہے، میں سارا دن باہر تھا، رات گئے واپس آیا تو یہ دیکھا، میں سمجھا شاید مریم نے تجسس میں یہ سب کیا ہے۔“

”پھر... تم نے اس پر کوئی سختی تو نہیں کی؟“

”نہیں، صرف پوچھا تھا مگر وہ... ناراض ہو گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر وہ نہیں تھی تو پھر کون تھا وہ...“

”شاید وہی... مگر کیا تم نے سکیورٹی سسٹم نہیں بدلا ہے۔“

”بدل دیا تھا... مگر یہ کوئی ماہر آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ابراہیم گروپ کا چکر ہو... بدلہ لینا چاہتے ہوں۔“

”وہ اس قابل تو نہیں تھا کہ کوئی اس کا انتقام لے۔ ایسے لوگوں کے دوست صرف ان کی زندگیوں میں ہی ان سے وفادار ہوتے ہیں پھر بھی...“ وہ کچھ سوچ کر بولا۔ ”اگر یہ معاملہ ہوتا تو وہ شاید بڑا حملہ کرتے بہر حال میں اس بلڈنگ کی نگرانی کرواتا ہوں۔“

”شکریہ... اگر کسی کو مجھ سے کوئی مسئلہ ہے تو میں نہیں چاہتا کہ اس کا نقصان مریم کو پہنچے۔“

”میں سمجھتا ہوں باس۔“ آصف نے آنکھیں جھپکائیں۔ قمبر جواب میں مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

واپسی پر اس نے اوپر جانے کے بجائے اسٹور کا رخ کیا۔ شام ہو چکی تھی مگر مریم اپنی ڈیسک پر موجود تھی۔

”مجھے تمہیں کچھ دینا ہے۔“ اس نے ایک پیکٹ اس کی میز پر رکھا۔

”یہ کیا ہے؟“ مریم نے پیکٹ کھول کر دیکھا۔ اس میں شیشے کے خوب صورت باکس میں چھوٹا سا ٹیڈی بیئر موجود تھا جس کے گلے میں سوری کے الفاظ کا ہار پڑا ہوا تھا، وہ ہلکے سے مسکرائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پھولوں کا گلدستہ، یہ کیوٹ ٹیڈی اس شک کا افسوس کم کر سکتے ہیں جو تم نے مجھ پر کیا ہے؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"پتا نہیں مگر کچھ کرنا کچھ نہ کرنے سے تو بہتر ہے۔" وہ مسکرایا۔ "مجھے شاعری سے کبھی ذرا بھی لگاؤ نہیں رہا مگر پھر وہ جو مرزا غالب نے کہا ہے نا کہ ہمت مرداں مدد خدا تو..."

"وہ مرزا غالب نے نہیں علامہ اقبال نے کہا ہے۔" مریم نے اسے گھورا۔

"اوہو... سیاق و سباق کا حوالہ ہمیشہ میرے لیے مسائل کھڑے کرتا ہے اسی لیے تو میں تمہید کا قائل نہیں ہوں... "وہ ایک لمحے رک کر وہ پھر بولا۔ "کیا ہم کل رات کو بھول سکتے ہیں؟"

"ہوسکتا ہے لیکن میری شرطوں پہ..."

"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔" وہ تابعداری سے بولا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں کہ تمہارے لیے کسی دوسرے کی بات ماننا اور اس پر چلنا سب سے مشکل کام ہوسکتا ہے... اس لیے اس اسپرٹ کو سراہنا پڑے گا۔" وہ مسکرائی۔ "پھر آج مجھ میں بھی زیادہ بحث کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ خاصا مشکل دن رہا ہے آج کا..."

"کیوں؟ کیا ہوا ہے آج؟" قمبر کی حسیات گویا جاگ اٹھیں۔

"شاپ لفٹنگ۔ ہماری کئی اہم چیزیں غائب ہیں جبکہ نفیسہ کا خیال ہے کہ کل تک سب موجود تھا ویسے سب کچھ انشورڈ ہے۔"

"بات انشورنس کی نہیں ہے۔" قمبر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تمہاری کئی چیزیں غائب ہیں اور کل کوئی میرے گھر میں گھسا تھا۔" وہ اس کے چہرے پر شکوک ابھرتے دیکھ کر بولا۔ "یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میری بداخلاقی کو جواز مل سکے، کوئی رات میرے گھر میں گھسا تھا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"مگر ہم نے تو نیا سیکیورٹی سسٹم بھی لگوا لیا ہے۔"

"ہاں، مگر دنیا کے سب سے بہترین سسٹم کی موجودگی میں بھی جرائم ہوتے ہیں۔" وہ اپنی نشست سے کھڑا ہوگیا۔ "آؤ میں اندرونی سیڑھیاں چیک کرنا چاہتا ہوں... چابیاں کہاں...؟"

"وہ میں نے تالا تو لگایا ہی نہیں ہے۔" جواب میں وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ "دراصل میں نے سوچا کہ باہر پوری سیکیورٹی کا سسٹم موجود ہے۔"

وہ اندر بنے اسٹور سے ہوتے ہوئے اوپر ہال وے میں اور پھر مریم کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچے۔ ہمیشہ کی طرح اس کا دروازہ بھی لاک نہیں تھا۔ قمبر نے مڑ کر اسے تنبیہی انداز میں گھورا۔

"حسن گیا ہے آخر میں... میں تو صبح جلدی اسٹور پہ آگئی تھی۔" اس نے گڑبڑا کر صفائی پیش کی۔

اندر داخل ہو کر قمبر نے گہری نظروں سے لاؤنج کا جائزہ لیا۔ "وہ تجریدی آرٹ کا نمونہ کہاں گیا جو یہاں صوفے پہ رکھا تھا۔"

"وہ... میں نے اکبر کو دے دیا ہے۔"

"او کے... اور زیورات وغیرہ چیک کرو۔" مریم نے الماری چیک کی اور وہیں سے پکاری۔ "یہاں سب ٹھیک ہے آئی ایم سوری ایس ایس پی صاحب... میرے پاس رپورٹ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"تم مجھے اسٹور سے غائب ہونے والی اشیا کی لسٹ دے دینا... میں آصف سے کہہ کر چیک کراتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، یوں بھی انشورنس کے لیے مجھے رپورٹ تو کرنا ہی ہے۔"

"اور اب آخری بات..." وہ اس کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "وہ جو تم نے کل کہا تھا، وہ سچ تھا..."

"کیا...؟"

"وہی کہ کچھ محسوس کرنے کے لیے سالوں کی رفاقت ضروری نہیں ہے اور اگر تم مجھ سے صحیح معنوں میں کل رات کا بدلہ لینا چاہو تو اس کے لیے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"کرتی ہوں۔" مریم نے فوراً جواب دیا۔ وہ مسکرا دیا۔

"اب تم کیا کر رہی ہو، میرا مطلب ہے کیا ہم ڈنر ساتھ کریں۔"

"نہیں آج میری ایلیا اور علی کے ساتھ ڈنر ہے، ہم ایک ڈراؤنی فلم دیکھنے والے ہیں۔" وہ ہنسی۔

"گڈ... حالانکہ انہیں اس کے لیے کسی پکچر ہاؤس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بالکل... مگر ابھی وہ اتنی زیادہ ہارر فلمیں نہیں دیکھ پاتے نا۔" وہ اس کی جانب اشارہ کرکے کھل کے مسکرائی۔

"ٹھیک ہے پھر میں بھی آج اپنے وکیل سے مل آتا ہوں۔"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

قیصر کے جانے کے بعد بھی وہ لاؤنج میں بیٹھی مسکراتی رہی۔ خوشی بھی روشنی کی طرح ہوتی ہے جہاں جہاں پہنچتی ہے سب کچھ جگمگا کر رکھ دیتی ہے۔ کب کا پڑھا جملہ اسے آج ٹھیک طرح سے سمجھ میں آیا تھا۔

☆☆☆

فرحان اس شاندار ہوٹل کے آرام دہ کمرے اور وہاں موجود سہولتوں سے یقیناً لطف اندوز ہو سکتا تھا اگر وہ اس پینٹنگ کو یا اس کے بارے میں معلومات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا... وہ تقریباً کامیاب ہو ہی گیا تھا اگر وہ منحوس شخص وہاں ٹپک نہ پڑتا۔ اس نے ایک ہاتھ کا مکا دوسری ہتھیلی پر مارتے ہوئے سوچا، وہ شوکت اللہ کو ادھوری رپورٹ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ پینٹنگ اس کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے پاس ابھی دو دن تھے۔ اسے یقین تھا کہ ان دو دنوں میں وہ اپنا کام مکمل کرے گا۔ وہ اب تک اس بات پر حیرت زدہ تھا کہ اتنی احتیاط کے باوجود اس آدمی کو فرحان کے اس کے گھر میں گھسنے اور تلاشی لینے کے بارے میں اس قدر جلد کیسے معلوم ہو گیا... یہ اور بات ہے کہ اس کا سارا شک اس عورت پر تھا۔ عورت کا خیال آتے ہی اسے وہ منظر یاد آ گیا۔ خیر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گویا اپنے آپ سے بولا۔ جو کچھ ہوا تھا، اس سے فرحان کے منصوبے پر کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

وہ آج وہی کچھ کرنے والا تھا جو کل نہیں ہو پایا تھا۔ ٹھنڈ آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ فرحان رات کے دس بجے کے قریب مریم کے اسٹور کے پاس پہنچ گیا تھا مگر عمارت سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی پولیس کار دیکھ کر اس کا دماغ گھوم گیا۔ یہ مسئلہ اس کے ذہن یا پلان میں نہیں تھا مگر اب اسے اس کا حل بھی نکالنا تھا۔ وہ علاقے میں گھومتا رہا، اس کا ذہن پلاننگ میں مصروف تھا، دس منٹ بعد وہ دوبارہ عمارت کے قریب پہنچا۔ اب وہ طے کر چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے پولیس کار کے قریب گاڑی روکی، اور پولیس کار کی طرف چل پڑا۔

"جی فرمائیے۔" اندر موجود انسپکٹر نے شیشہ اتار کر اس کی طرف دیکھا۔

"اصل میں مجھے اس ایڈریس کی تلاش ہے، کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔" وہ کھڑکی کے قریب آ کر مسکرایا۔

"دکھائیے ایڈریس... ہمارا تو کام ہی پبلک کی مدد کرنا ہے۔"

"شکریہ آفیسر..." اس نے اپنا ایک ہاتھ کھڑکی پر رکھا اور مسکراتے ہوئے جیب سے پستول نکال کر آفیسر کے سینے پر رکھ دی۔ ان کی نظریں بمشکل ایک لمحے کے لیے ملی تھیں پھر پٹ پٹ کی دو مختصر سی آوازیں آئیں، پولیس افسر کے جسم کو جھٹکا سا لگا اور وہ سیٹ پر ڈھے گیا۔ فرحان نے اطمینان سے اس کی نبض دیکھی، اسے ساکت پا کر مسکرایا۔ اس نے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا۔ پولیس آفیسر کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے سیدھا بٹھا دیا، کھڑکی کے شیشے کو بند کر کے وہ باہر نکل آیا۔ اسے نشانات کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں پر دستانے موجود تھے۔ وہ پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

☆☆☆

مریم تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ ایلیا اور رفی کے ساتھ اس کی شام بہت اچھی گزری تھی۔ وہ لوگ اسے روکنا چاہ رہے تھے مگر وہ گھر لوٹ آئی تھی اسے سوچنے کے لیے تنہائی اور سکون درکار تھا۔ اصل میں وہ کئی سالوں سے اکیلے رہ رہے تھے پھر حسن کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا تھا۔ اس ساری پریکٹس نے اسے اکیلے رہنے کا عادی بنا دیا تھا۔ آج رات کے لیے اسے خاموشی، چائے کی گرم کیتلی اور اچھی سی کتاب درکار تھی۔ اپارٹمنٹ میں داخل ہو کر اس نے بیگ اور ہاتھ کا سامان ٹیبل پر رکھا لاؤنج کی لائٹ جلائی اور کچن میں داخل ہوئی۔ وہ چائے تیار کر کے کچن سے نکلی تو حیران رہ گئی۔ لاؤنج کی لائٹ بجھی ہوئی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے لائٹ جلائی تھی۔ وہ ابھی ہوئی سی لاؤنج کے درمیان کھڑی تھی اچانک اس کے پیچھے کچن کی لائٹ بند ہو گئی۔

اس کی سانس رک سی گئی۔ خوف کی انگلیاں اس کے بدن پر سرسرانے لگیں۔ وہ اپنی جگہ بھی کسی انہونی کے ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے کانوں میں اس کے اپنے دل کی آواز ڈرم کے مانند بج رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سر پر مارا۔ "میں بھی بس... شاید بلب فیوز ہوا ہے..." وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ایک بھاری سا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا، وہ کچھ سوچ پائی، اس سے قبل ہی کسی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

"ذرا بھی آواز نہ نکلے ورنہ تم جانتی ہو نا کہ گولی لگنے میں کتنی دیر لگتی ہے۔" وہ اس کی گردن پر پستول رکھتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں بولا۔ "کیا تم چاہتی ہو کہ میں اسے استعمال کروں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اس نے بمشکل نفی میں گردن ہلائی...

''میں بھی نہیں چاہتا، تم مجھے پسند آئی ہو... کل میں نے تمہیں کپڑے بدلتے دیکھا تھا... اس وقت میں تمہارے کمرے کی الماری میں تھا اس لیے پورا منظر ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا... مگر دیکھو میں کل کا کام آج پورا کرنے پہنچ گیا ہوں۔'' وہ کمینگی سے بولا۔ مریم کی آنکھوں میں غصے، ضبط اور بے عزتی کے احساس سے آنسو بھر آئے۔

''میں ہاتھ ہٹا رہا ہوں اگر تم چیخیں چلائیں تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' چہرے سے دباؤ ہٹتے ہی مریم نے ہونٹوں کو بھینچ کر گہری سانس لی، وہ پوری کانپ رہی تھی۔

''اب پہلے بزنس...'' وہ اسے سفاکی سے گھورتا ہوا بولا۔ ''مجھے اس تصویر کے بارے میں بتاؤ؟'' وہ پستول کو اس کی پیشانی کے درمیان رکھ کر بولا۔ ''پھر میں اسے جیب میں رکھ لوں گا۔''

''تصویر...'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ''تم جو تصویر مانگو گے میں دے دوں گی مگر اس پستول کو ہٹا لو... خوف کے عالم میں، میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی۔'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''او کے... تم صرف یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے؟'' فرحان پستول دوسرے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔ اس کا یہ اشارہ اسے لے ڈوبا، مریم نے اپنا گھٹنا پوری طاقت سے اس کے پیٹ کے نیچے مارا اور اسے دھکا دیتے ہوئے دروازے کی جانب بھاگی۔ یہ اس کا گھر تھا اور اسے اندھیرے میں سمت کی بالکل صحیح پہچان تھی۔ فرحان درد کی شدت سے دہرا ہو گیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر زمین پر جا گرا تھا۔ مریم نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے پستول کے گرنے اور فرحان کی گالیاں دینے کی آواز سنی۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ سیڑھیوں کی طرف بھاگتے ہوئے وہ دو بار گرتے گرتے بچی۔ وہ سیڑھیوں والے دروازے تک پہنچ گئی تھی کہ فرحان نے اسے پکڑ لیا۔

''اب معاملات اتنے آرام سے نہیں چلیں گے۔'' وہ اس کی گردن کو اپنے بازو میں جکڑتے ہوئے بولا۔ اس کی سخت گرفت نے مریم کے لیے سانس لینا دوبھر کر دیا۔ وہ اسے اسی انداز میں گھسیٹتا ہوا تاریک اپارٹمنٹ کی جانب لے جا رہا تھا۔ مریم سانس لینے اور خود کو بچانے کے لیے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اس کے حلق سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اسی لمحے ان دونوں نے سیڑھیوں پر کسی کے چڑھنے کی آواز سنی۔

''او... کاش یہ قمبر ہو... حسن نہ ہو۔'' مریم کے دل نے دعا کی۔

فرحان اسے جکڑے ہوئے دیوار سے جا لگا اسی وقت دروازہ کھلا اور قمبر داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

''اسے نیچے پھینک دو۔'' فرحان پھنکارا۔ ''ورنہ اس عورت کی کمر پر رکھا پستول چل جائے گا۔''

قمبر کو اندھیرے کی وجہ سے چہرے تو صاف نظر نہیں آ رہے تھے مگر وہ مریم کی گردن کو اس کرانڈیل شخص کے بازوؤں میں پھنسے اور اسے سانس لینے کے لیے جدوجہد کرتا محسوس کر سکتا تھا۔ وہ ایک لمحہ کھڑا سوچتا رہا پھر اس نے جھک کر پستول زمین پر ڈالا اور اسے آہستگی سے آگے کی طرف دھکیل دیا۔ اب پستول اس کے اور مریم کے درمیان زمین پر پڑا تھا۔ فرحان کو پستول اٹھانے کے لیے آگے آنا پڑا۔ وہ مریم کو اپنی ڈھال بنائے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ پستول کے قریب آ کر وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکا اس دوران مریم کے گلے پر اس کی گرفت برائے نام رہ گئی تھی قمبر کو اسی لمحے کا انتظار تھا مگر پہل اس بار مریم نے دکھایا۔

''اس کے پاس پستول نہیں ہے۔'' وہ تیز تیز سانسوں کے درمیان چلائی اور اس نے زمین پر رکھے پستول کو پیر مار کر آگے دھکیل دیا۔ قمبر نے اس کے ساتھ ہی فرحان پر چھلانگ لگائی۔ اس اچھل کود میں فرحان مریم کو چھوڑ کر سیڑھیوں کی جانب لپکا۔ قمبر بھی اس کے پیچھے دوڑا اور وہ دونوں آپس میں الجھتے ہوئے ریلنگ سے جا ٹکرائے، ان کی ٹکر نے ریلنگ کو ڈھیلا کر دیا تھا۔ قمبر کی اسے پکڑنے کی کوشش میں ریلنگ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ کر بکھر گئی اور وہ دونوں نیچے لڑھک گئے۔ ان کے نیچے گرتے ہی مریم بھی پستول کی تلاش میں سیڑھیوں پر آ گئی۔ اسے اس نیم اندھیرے میں پستول تو نظر نہیں آیا لیکن نیچے کی روشنی میں اس نے فرحان کو ریلنگ کے ایک مڑے ٹکڑے کو اٹھا کر نیچے گرے قمبر پر حملہ کرتے دیکھ لیا، وہ تیزی سے نیچے آئی اور کچھ سوچے سمجھے بغیر فرحان کے بازو کو اپنے دانتوں کی گرفت میں لے لیا۔ اس اچانک افتاد نے فرحان کو گڑبڑا دیا، ریلنگ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے قمبر پر گرا۔ جب تک وہ مریم کو خود سے دور کر پاتا، اس نے اس کے بازو سے خون نکال دیا تھا۔ فرحان نے مڑ کر اسے زور سے دھکا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ سیڑھیوں کے کونے میں جا کر گری۔ اسے خود نہیں معلوم ہوا کہ اس کا سر کس چیز سے ٹکرایا جو آخری منظر

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اس نے دیکھا، وہ فرحان کے پیچھے کھڑے قمبر کا چہرہ تھا جس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر درد کا تیز احساس اس پر حاوی ہو گیا اور منظر دھندلا ہوتے ہوتے اس کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

مریم کو ہوش آیا تو سب کچھ آنکھوں کے سامنے ڈولتا محسوس ہو رہا تھا۔ سر میں کافی درد تھا اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

''نہیں... آنکھیں کھولو مریم...'' قمبر کی آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

اسے کمرا اب بھی جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سر کے پچھلے حصے کو چھونے کی کوشش کی جواب میں اس کے ہونٹوں سے سسکی نکل گئی۔

''یہ... یہ کتنی انگلیاں ہیں؟'' قمبر نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا۔

''دو... کیا ہم ڈاکٹر ڈاکٹر کھیل رہے ہیں؟'' اس نے کمزور سے لہجے میں پوچھا۔

''شکر ہے۔'' وہ بولا۔ اسے اطمینان ہوا تھا کہ سر کی چوٹ نے کوئی شدید اثر نہیں ڈالا تھا۔ اس کی نظر اور گفتگو بالکل ٹھیک تھی۔ اطمینان ہوتے ہی اس کا غصہ عود کر آیا تھا۔

''تم یہ کر کیا رہی تھیں... کس نے کہا تھا اس کے اتنے قریب جانے کے لیے؟'' اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

''ارے... میں مدد کر رہی تھی...'' اسے سب یاد آ رہا تھا۔

''اچھا مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟''

مریم نے اسے پورا واقعہ سنا دیا پھر دھیرے سے بولی۔ ''کل تم بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے، اگرچہ کہ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا مگر وہ پوری بلڈنگ کی تلاشی لے چکا تھا۔ اس نے خود بتایا کہ کل اس نے مجھے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اگر تم نہ آ جاتے تو...'' وہ ہچکچا کر خاموش ہو گئی۔ اس کا چہرہ خوف، شرم اور غصے کے تاثرات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''وہ آج بھی پہلے سے گھر میں چھپا بیٹھا تھا...''

وہ دو منٹ کے لیے بالکل خاموش ہو گئی پھر بولی۔

''وہ تو میں نے یہ سیلف ڈیفنس کورس تین ماہ پہلے ہی کیا ہے جس میں سکھایا گیا تھا کہ ایسی کسی صورتِ حال میں کہاں اور کس طرح مارنا چاہیے۔'' وہ جوش میں اٹھنے لگی مگر درد نے اسے پھر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا گھر میں ڈسپرین موجود ہے؟'' قمبر نے پوچھا۔

''ہاں، باتھ روم میں میڈیسن کی الماری میں۔'' وہ بولی۔

قمبر نے اسے دو گولیاں پانی میں گھول کر پلائیں اسی دوران دروازے کی گھنٹی بجی۔ یہ اے ایس پی آصف لودھی تھا۔

''اوہ آصف، اسپیشل فورس نے کیسے جوان رکھنا شروع کر دیے ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے مجرم دندناتے ہوئے کسی بھی گھر میں گھس جاتے ہیں؟'' وہ غصے سے بولا۔

''سجاد ہمارے بہترین بندوں میں سے ایک تھا۔''

آصف لودھی کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اس نے صوفے پر لیٹی مریم کو دیکھا۔

مریم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ''اس نے اسے گولی مار دی... ہے نا؟ اف خدا... ایک شخص میری حفاظت کے لیے باہر موجود تھا اور اب وہ مر چکا ہے۔'' وہ صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

''مریم جب کوئی شخص فورس جوائن کرتا ہے تو اسے ان خطرات کا علم ہوتا ہے۔'' قمبر نے دھیرے سے کہا۔

''مگر بہرحال یہ سب اتنا آسان نہیں ہے آپ لوگوں کے اعصاب یہ سب کیسے برداشت کر لیتے ہیں۔'' اسی دوران حسن بھی آ گیا تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے سب کے لیے کافی بھی بنائی۔ آصف لودھی کو مریم کا بیان درکار تھا۔

''وہ مجھ سے کوئی تصویر مانگ رہا تھا۔'' مریم اسے تمام تفصیل بتاتے ہوئے بولی۔

''تصویر...؟'' قمبر اور آصف ایک ساتھ چونکے۔

''کس طرح کی تصویر؟'' آصف نے پوچھا۔

''معلوم نہیں... اس وقت میں اس پر زیادہ توجہ نہیں دے پائی تھی۔'' اس نے کہا۔

''قمبر کیا تم اسے دیکھ پائے تھے؟''

''ہاں... اس کا قد چھ فٹ کے قریب تھا۔ اچھا خاصا ہینڈسم بندہ تھا۔ اس کے بال اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ دیکھنے میں وہ کوئی بزنس ایگزیکٹیو لگ رہا تھا۔''

''تم دونوں کو کل کچھ دیر کے لیے ہیڈ آفس آنا ہوگا ہم کمپیوٹر پر کچھ تصویریں دیکھ کر اس کی شناخت کریں گے۔'' آصف لودھی نے جاتے جاتے کہا۔

آصف کے جانے کے کچھ دیر بعد قمبر بھی چلا گیا۔

''یہ سب بہت خطرناک ہے آپی...'' اس لڑکے نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

حسن کو بہت متاثر کیا تھا۔ ”اب میں اس وقت تک یونیورسٹی یا کہیں بھی نہیں جاؤں گا جب تک وہ شخص پکڑا نہیں جاتا۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا، حسن تم اتنی فکر مت کرو۔“ اس نے اس کا سر سہلایا۔ حقیقت میں تو وہ اس کی خیر موجودگی پر خدا کی شکر گزار تھی۔ اگر وہ اس وقت گھر پر ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔

صبح اس کی آنکھ کافی کی خوشبو سے کھلی تھی حسن اس کے لیے ناشتا بنا کر لایا تھا۔

”تم بھی یہیں لے آؤ اپنا ناشتا۔“ اس نے کہا۔

”وہ تو میں لایا ہی ہوں۔“ وہ ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولا۔ وہ بیٹھنے ہی لگا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

”یہ سو فیصد قمبر بھائی ہیں۔“ حسن نے کہا۔ ”میں دروازہ کھول کر ان کے لیے بھی کافی لے آتا ہوں۔“

آنے والا واقعی قمبر ہی تھا۔ ”کیا حال ہے؟“ اس نے حسن سے کافی کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”میں یہ کہنے آیا تھا کہ ساڑھے گیارہ تک نکلیں گے۔ تم پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کے لیے خود کو بہتر پا رہی ہو؟“

”ہاں... سر اور کندھے میں تھوڑا سا درد ہے مگر میں پہلے سے بہت بہتر ہوں۔“ وہ بولی۔

”گڈ... تو پھر میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“ وہ کافی پی کر رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

فرحان بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔

وہ تمام رات نہیں سو پایا تھا۔ اسے بہت جلد کچھ کرنا تھا۔ پولیس والے کا قتل ایک مسئلہ بن سکتا تھا مگر اصل الجھن یہ تھی کہ ان دونوں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا اور اب وہ اسے شناخت کر سکتے تھے۔ اسے اب فوری طور پر انڈر گراؤنڈ ہونا تھا... کم از کم چھ ماہ تک۔ تب تک تحقیقات کا پہیا ٹھنڈا ہو کر تھمنے لگتا۔ اس کے لیے اس کے پاس ٹھیک ٹھاک پیسا بھی تھا اور دبئی میں سکون سے رہنے کے لیے جگہ بھی... مگر اس سب میں ایک ہی رکاوٹ تھی... شوکت اللہ...

فرحان نے سامنے میز پر پڑے اس کے باقی سامان پر نظر ڈالی۔ وہ ایک قطار میں رکھے اداس اور نظر انداز کیے ہوئے کھلونوں کے مانند لگ رہے تھے۔ اگر شوکت اللہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو چھ میں سے پانچ چیزوں کے حاصل ہو جانے کو کامیابی گردانتا مگر اس کے لیے وہ پینٹنگ بہت اہم تھی اور وہ پوری کوشش کے باوجود اسے حاصل نہیں کر پایا تھا۔

اب اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کی ایک آنکھ سیاہ ہو رہی تھی، ہونٹ پھٹ گیا تھا، جسم پر جا بجا چوٹیں لگی ہوئی تھیں۔ مریم کے کاٹنے ہوئے بازو میں شدید درد تھا۔ جیسے ہی حالات بہتر ہوں گے، وہ اس کو دیز کلرک اور ان دونوں مرد و عورت کو زندہ نہیں چھوڑے گا اس نے فیصلہ کیا۔

سوال یہ نہیں تھا کہ وہ کیا کیا کرے گا سوال یہ تھا کہ ابھی وہ کیا کرے۔ اسے شوکت اللہ سے بات کرنا ہی ہوگی۔ وہ اس کا سامان اس تک پہنچا دے گا اور اسے بتائے گا کہ پینٹنگ کے حصول کے لیے اس نے کتنی محنت کی ہے اور اب بھی وہ اپنے خرچ پر کسی اور کو یہ کام سونپ دے گا۔ تاکہ کچھ تاخیر سے سہی مگر شوکت اللہ کو اس کی پینٹنگ مل جائے گی...

بس یہ ٹھیک ہے، اس نے فیصلہ کیا اور فون اٹھا لیا۔

☆☆☆

”میرا خیال ہے کہ اس کا چہرہ تھوڑا لمبا تھا۔“ مریم اور قمبر پولیس اسپیشل فورس کے ہیڈ کوارٹر میں کمپیوٹر پر اس حملہ آور کا حلیہ بناتے ہوئے اسکیچ بنوا رہے تھے۔ ”آنکھیں تھوڑی بڑی تھیں۔“ مریم بولی۔ ”ہونٹوں اور ناک کو تھوڑا پتلا کرو... آنکھیں تھوڑی گہری... ٹھوڑی کو نیچے سے چپٹا۔“ قمبر اس کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ ”اب رنگت کو بھی تھوڑا گہرا کرو... ہونٹ کا خم باریک کرو۔“ کمپیوٹر کی اسکرین کو تکتی مریم کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ اب اس حملہ آور کا مکمل چہرہ صاف طور پر سامنے اسکرین پر نظر آ رہا تھا۔

”یہ... یہ وہی ہے۔“ وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

”ہمیں اس کا پرنٹ آؤٹ دو اور مجھے ای میل بھی کر دو۔“ آصف لودھی نے آپریٹر کو ہدایت دی۔ ”ہم اتنے میں اسے اپنے ریکارڈ میں چیک کراتے ہیں۔“

”مجھے بھی ایک کاپی درکار ہے تاکہ فاطمہ اور نفیسہ کو دکھا سکوں۔“ مریم بولی۔ ”اگر وہ دکان پر یا آس پاس منڈلاتے تو وہ اسے پہچان سکتیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ آصف بولا۔ ”مل جائے گی، تم دونوں میرے کمرے میں چلو... چائے آ گئی ہوگی۔“

”جب تک وہ پکڑا نہیں جاتا، میں نے ایک موبائل کی ڈیوٹی تمہارے گھر کے پاس لگا دی ہے۔“ آصف نے چائے پیتے ہوئے مریم کو بتایا۔

”مگر میں کسی اور کی جان خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔“

”مریم! اس وقت ساری فورس وہاں جانا چاہتی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہے۔ وہ شخص ہمارے آفیسر کا قاتل ہے ایک پولیس والے کو مارا ہے اس نے... جو بلٹ سجاد کے سینے سے نکلی ہیں وہ اور تمہارے گھر میں ملنے والی گولیاں ایک ہی پستول سے چلائی گئی ہیں۔"

"یہ تم نے بہترین کام کیا ہے۔" قمبر گفتگو میں شامل ہوا۔

"مگر تم کب کرو گے؟" آصف نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "یہاں فورس کو اس وقت تمہارے جیسے لیڈر کی ضرورت ہے قمبر... اس وقت یہاں سوال کا لیول گھٹنوں کے برابر ہے۔"

قمبر جواب میں خاموش رہا۔ اس کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ دروازے تک پہنچ کر مڑی۔ مسکرائی اور بولی۔ "آصف! شاید تمہارے سوال کا جواب اسے جلد ہی مل جائے۔" پھر وہ باہر نکل گئی۔

"آج قدرے زیادہ گرمی ہے۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد بولی۔

"مریم پلیز، میں اس وقت بات کرنے کے موڈ یا حالت میں نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ آصف نے تمہیں لاجواب کر دیا ہے مگر بات اس نے ٹھیک کی ہے۔"

"برائے مہربانی مجھے مت بتاؤ کہ کیا غلط ہے اور کیا ٹھیک... اور خاموش رہو ورنہ غائب ہو جاؤ۔" وہ غرایا۔

"ناممکن... تم گھر سے مجھے اپنی ذمے داری پر لائے ہو... اور میں کبھی بھی مس انڈیا نہیں رہی کہ غائب ہو سکوں۔" وہ چہکی۔

"تو تم خاموش نہیں رہو گی... یہ سب تمہارا مسئلہ نہیں ہے مریم..."

"کیوں نہیں ہے؟ آصف تمہارا دوست ہے وہ اس لیے پریشان ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تمہیں اس کی بات اس لیے بری لگی ہے کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ وہ یا کوئی اور تمہارا خیال کرے اس سے تم پر ذمے داری کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور پھر تمہارے مفروضات خود تمہیں مطمئن نہیں کر پاتے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ قمبر اسے گھورتا رہا۔

"میرے پاس استعفیٰ دینے کی وجوہات تھیں اور وہ ابھی بھی موجود ہیں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ نا کہ وہ وجہ کیا ہے؟"

قمبر نے ایک جھٹکے سے گاڑی روک دی۔ وہ گھر پہنچ گئے تھے۔ مریم دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑ لیا۔ مریم کے چہرے پر جمی اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری نظر آ رہی تھیں۔ "کیا تم جانتی ہو کہ میں نے فورس کیوں چھوڑ دی؟" اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "مجھے ابراہیم کو نہیں مارنا چاہیے تھا، میں اسے بہ آسانی گرفتار بھی کر سکتا تھا مگر میں معاملات کو اس حد تک لے گیا جہاں ہم میں سے کوئی ایک ہی زندہ بچ سکتا تھا اور اتفاق سے میں بچ گیا۔ میں نے فورس کی نوکری کو اپنے ذاتی انتقام کے لیے استعمال کیا... سمجھیں تم..."

"تو یہ انسانی جبلت ہے اور دوسرے وہ درجنوں افراد کا قاتل تھا۔ منشیات کا زہر پھیلا کام کرتا تھا وہ۔" مریم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "دوسری بات یہ ہے کہ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا، بے عیب ذات صرف خدا کی ہے قمبر اور اب جب تم اپنی کمزوری سمجھ چکے ہو اور اس پر شرمندہ بھی ہو تو یقیناً آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تم میرے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

مریم نے ایک گہری سانس لی پھر بولی۔ "اگرچہ کہ یہ لائنز ہمیشہ ہیرو ہی بولتا آیا ہے مگر ہماری الٹی کہانی میں انہیں بھی میرے حصے میں لکھ دیا گیا ہے... سیدھی سی بات ہے ایس ایس پی قمبر علی... میں جانتی ہوں کہ یہ ملازمت نہ تمہاری ضرورت ہے اور نہ مجبوری... یہ تمہارا شوق ہے اور تم اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے۔ یہ میں اس لیے جانتی ہوں کہ میری کامن سینس بہت اچھی ہے ہمیشہ سے... اور یہ کہ مجھے تمہاری پروا ہے بہت پروا..."

"میرا سوال اب بھی وہی ہے... کیوں؟" اس کی آنکھیں مریم کے چہرے پر جمی تھیں۔

"کیونکہ مجھے ہمیشہ سے عجیب و غریب چیزیں اچھی لگتی ہیں، کیا کروں یہ میری مجبوری ہے۔" وہ مسکرا کر بولی اور تیزی سے گاڑی سے نکل کر آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

شوکت اللہ کا گھر کسی عالیشان محل سے کم نہیں تھا۔ اس کا ہر کمرا بہترین اور قیمتی فرنیچر سے مزین تھا۔ دیواروں پر قیمتی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ اس کے دفتر کی طرح یہاں بھی ہر کمرے میں کیمرے لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے بیڈ روم میں موجود تھا۔ اس کے بیڈ کے سامنے والی دیوار پر ایک بہت بڑی ایل سی ڈی اسکرین لگی ہوئی تھی۔ اس نے ریموٹ پر کوئی بٹن دبایا تو اسکرین پر کچن کا منظر نظر آنے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لگا۔ اس کا پاور پلی اس کی پسندیدہ چکن سلاد تیار کر رہا تھا۔ شوکت اللہ نے دوسرا بٹن دبایا۔ اب اس کے سامنے ڈرائنگ روم کا منظر تھا۔ فرحان ایک بڑے سے صوفے میں دھنسا نظر آرہا تھا اس کے ہاتھ میں تازہ جوس کا گلاس تھا وہ کبھی اپنی ٹائی ٹھیک کررہا تھا تو کبھی سوچ میں ڈوب جاتا، شوکت اللہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ خاصا نروس اور پریشان لگ رہا تھا۔ شوکت اللہ کے حساب سے یہ اچھی بات تھی۔ بالآخر اس نے ڈرائنگ روم میں جانے کا ارادہ کیا۔ وہ اسے زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہتا تھا آخر وہ اس کی دی گئی مہلت سے چوبیس گھنٹے پہلے ہی واپس آگیا تھا۔

☆☆☆

فرحان کو مسلسل یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ ''ویسے اس میں غلط بھی کیا ہے۔'' وہ خود پر ہنسا۔ اس کمرے میں اتنی پینٹنگز اور مجسمے تھے کہ بلامبالغہ درجنوں آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ شوکت اللہ کا ڈرائنگ روم کسی میوزیم سے کم نہیں تھا۔ اس نے اٹھ کر ایک پینٹنگ کو قریب سے دیکھنے کے بارے میں سوچا ہی تھا کہ شوکت اللہ کمرے میں داخل ہوا، وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''فرحان تمہیں زیادہ دیر انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟''

''نہیں سر... میں یہاں کی ڈیکوریشن اور پینٹنگ کو سراہ رہا تھا۔ یہ سب خواب جتنا دلکش ہے۔'' وہ بولا۔

''ابھی لنچ کے بعد میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں گا۔'' شوکت اللہ فاخرانہ انداز میں بولا۔ ''یہ تمہارے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ کیا کوئی حادثہ ہوا ہے؟''

''جی سر...'' وہ بولا۔ مریم کے ہاتھوں کا تصور کر کے اس کا تازہ چہرہ اترا۔ ''میں اصل میں آپ کا کام جلد از جلد کرنا چاہ...'' دروازے پر ہلکی سی دستک نے اس کی بات کاٹ دی۔

''یہ منصور صاحب ہوں گے، میں نے ان کو بلایا تھا تاکہ وہ تمام چیزوں کو دیکھنے میں ہماری مدد کریں اور اب میں انتظار نہیں کر پا رہا ہوں، میری چیزیں غالباً لائبریری میں رکھی گئی ہیں... آیئے وہیں چلتے ہیں۔'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

لائبریری میں اصلی چمڑے اور گلابوں کی ملی جلی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ وہاں دو لمبے گل دانوں میں مختلف رنگوں کے گلابوں کے بڑے گلدستے رکھے گئے تھے لائبریری میں سیکڑوں کتابیں موجود تھیں جنہیں قیمتی لکڑیوں کی الماری نما شیلفس میں رکھا گیا تھا۔ وہیں بڑی سی میز پر فرحان کے لائے ہوئے چاروں ڈبے موجود تھے۔ شوکت اللہ کی ہدایت پر ایک چھوٹی ہتھوڑی، چاقو اور روئی کی ٹوکری بھی وہاں موجود تھی۔ شوکت اللہ نے سب سے پہلے طلائی طوطے کو ڈبے سے نکالا اور نفاست سے ہتھوڑی کی ضرب لگائی۔ طوطا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ چند لمحوں میں اس کے ہاتھ میں مخمل کا ایک بنوا نما پیکٹ آگیا تھا اس پیکٹ میں قیمتی سیفائر سے سجا بروچ تھا اس کے درمیان ہیروں سے انگریزی حرف M کندہ تھا۔

''یہ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری کی ملکیت تھی۔'' وہ بولا۔ اس کے بعد اس نے مجسمۂ آزادی کی نقل میں سے ایک خوب صورت منی ایچر گل دان برآمد کیا جو کرسٹل کا بنا ہوا تھا اور خوب دمک رہا تھا۔ کانسی کے عقاب کو صفائی سے دو حصے کرنے کے بعد اندر سے پیکنگ میں ایک چھوٹا سا ڈبا نکلا۔ یہ ڈبا روز ووڈ کا بنا ہوا تھا جو اس کی قیمت کے اندازے کے لیے کافی تھا مگر اس کی اصل اہمیت اس کے اوپر بنی تصویر کی وجہ سے تھی اس پر امپیریل پیلس کی تصویر کندہ کی گئی تھی۔

''یہ زار روس کی ملکیت تھی اور اب یہ میرا ہے۔'' شوکت اللہ بہت خوش تھا۔ فرحان کو اپنی بات کہنے کے لیے یہ وقت مناسب لگا تھا مگر شوکت اللہ نے اسے روک دیا۔

''گفتگو سے پہلے کام مکمل کرنا ضروری ہے۔'' اب اس کے ہاتھ میں جاپانی ڈاگ کا مجسمہ تھا۔ اس میں سے سونے کی بلی برآمد ہوئی۔

''بتایا جاتا ہے کہ یہ بلی سیزر کی طرف سے قلوپطرہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔'' شوکت اللہ بولا۔ ''اب تم سمجھے کہ یہ کنسائنمنٹ کس قدر قیمتی تھا مگر ابھی سب سے قیمتی چیز باقی ہے اور وہ ہے... پینٹنگ... وہ کہاں رکھی ہے؟''

''او وہ میں یہی بتانا چاہ رہا تھا سر... اس میں تھوڑا سا مسئلہ ہے۔'' فرحان بولا۔

''مسئلہ...؟'' شوکت اللہ نے اسے گھورا۔

''جی سر! میں یہی بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت میں وہ نہیں لا سکا ہوں۔'' پھر اس نے مختصراً تین بار مریم کی دکان میں گھسنے کی اپنی کوشش اور تمام واقعات کی تفصیل بتائی۔

''اب اس وقت میرا وہاں جانا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ میری ذمے داری ہے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے خرچ پر کسی اور کو یہ ذمے داری دے کر وہ پینٹنگ آپ تک پہنچاؤں گا سر... بس اس میں کچھ وقت لگے گا ایک ڈیڑھ ماہ کا وقت...''

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"ایک ڈیڑھ ماہ..." شوکت اللہ بڑبڑایا۔ "تم نے کہا کہ تم سے ایک پولیس والا بھی قتل ہو گیا ہے؟"

"جی، مگر یہ ضروری تھا... وہ عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔"

"مگر کیوں...؟"

"شاید اس عورت نے پولیس پروٹیکشن لے لی تھی۔"

"اچھا۔" شوکت اللہ چند لمحے سوچتا رہا پھر جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا، پھر وہ بولا۔ "خیر چلیے ہم لنچ کرتے ہیں۔"

لنچ بہت اچھے ماحول میں کیا گیا۔ شوکت اللہ فرحان کو بہت اہمیت دے رہا تھا۔ فرحان کے ذہن پر چھائی پریشانیوں کی دھند چھٹ چکی تھی صرف صفدر بالکل خاموش تھا۔ لنچ، پھر گرین ٹی سے فارغ ہو کر شوکت اللہ کھڑا ہو گیا۔

"صفدر! تم یہیں رکو... مجھے فرحان سے کام کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے، کیوں... فرحان تھوڑی چہل قدمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ضرور سر، اس قدر پُرلطف کھانے کے بعد چہل قدمی لازم ہے۔" وہ دونوں وسیع و عریض لاؤنج سے گزر کر لان میں آ گئے۔ لان کے گرد پھلوں اور پھولوں کے بے شمار درخت اور پودے تھے۔ چنبیلی اور گلابوں کی خوشبو ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

"اب تمہارا پلان کیا ہے فرحان...؟" تھوڑا آگے جا کر شوکت اللہ نے پوچھا۔

"جی میں کسی کو اس عورت کے پیچھے لگاؤں گا تا کہ وہ اس سے اس پینٹنگ کے بارے میں معلوم کر سکے۔"

"اور پھر؟"

"پھر وہ اسے ختم کر دے گا۔ سر میں یہ کر لیتا مگر ابھی میرا انڈر گراؤنڈ ہونا ضروری ہے مگر آپ فکر نہ کریں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو مجھے مسائل پسند نہیں ہیں اور تمہیں اب انڈر گراؤنڈ ہو ہی جانا چاہیے۔" شوکت اللہ نے یہ کہہ کر اچانک جیب سے ریوالور نکالا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ اسی طرح برقرار تھی۔ "تم خوش قسمت ہو کیونکہ جس ریوالور سے تم پر گولی چلائی جا رہی ہے اس کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔" اس نے فرحان کے دل کا نشانہ لیا۔ دھماکے کی آواز نے درختوں پر بیٹھے پرندوں کو سہما دیا تھا۔ موت نے فرحان کی آنکھوں میں بے یقینی اور خوف کو منجمد کر دیا تھا۔ وہ زمین پر منہ کے بل ہی گرا تھا اور اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ شوکت اللہ نے ریوالور دوبارہ جیب میں رکھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا لاؤنج میں داخل ہوا۔

"صفدر..." اس کی آواز پر صفدر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔ اس نے فائر کی آواز سن لی تھی۔

"فرحان صاحب کا انتظام کر دو۔" صفدر نے شیشے کے دروازے سے باہر دیکھا۔

"بہتر سر۔"

"اور ہاں... کل ذرا اس مس مریم کے بارے میں معلوم کرواؤ، مجھے لگتا ہے کہ اب یہ کام ہمیں خود ہی کرنا پڑے گا۔ وہ پینٹنگ ہمیں جلد از جلد درکار ہے اس کی حفاظت ہمیں ہی کرنی ہے ناں...؟"

"جی سر... پورے دس لاکھ ڈالرز..." وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"اکبر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔" یہ فاطمہ کی اکبر سے پہلی باضابطہ ملاقات تھی۔

"اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ مسکرایا۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ کا انتخاب کر کے اکبر نے اپنی زندگی میں دوسرا اچھا کام کیا ہے۔"

"دوسرا۔" اکبر سمجھ نہیں پایا۔

"ہاں... پہلا تو ان سے شادی تھا ناں۔" اکبر بولا۔

"یہ عورتیں پہلے تو ان کی عقل اور پھر اوپر سے بیوی... بھئی مجھے تو تم پر رشک آتا ہے۔" اکبر ان دونوں کی نوک جھونک پر ہنستا رہا۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ مریم اور حسن میرے پاس آ جائیں مگر مریم بھی ٹھیک ہی کہتی ہے کہ یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ خدا جانے آگے کیا ہوگا، اب تک وہ شخص پکڑا نہیں گیا ہے۔" فاطمہ پریشان تھی۔

"وہ پکڑا جائے گا، آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"وہ کیسے...؟ مطلب آپ اتنے پُریقین کیوں ہیں؟"

"ایسے کہ اب اس کا اسکیچ تیار کر لیا گیا ہے۔ اگر اس کا کوئی ریکارڈ ہوا تو وہ بہ آسانی پکڑ میں آ جائے گا ورنہ اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔"

"آصف اس اسکیچ کو مجھے میل کر دیں گے پھر تم اور نفیسہ بھی دیکھ لینا تا کہ اگر وہ اس طرف آئے تو تم لوگ اسے پہچان سکو۔" مریم بولی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''مجھے تو یہ سب کچھ کسی جاسوسی فلم کی طرح لگ رہا ہے اللہ سب خیر کرے اور وہ پکڑا جائے۔'' فاطمہ کاؤنٹر کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ وہ پولیس ہیڈکوارٹر سے سیدھے اسٹور آئے تھے۔ اکبر اور فاطمہ وہیں ان کے منتظر تھے۔

''مریم میں باہر جا رہا ہوں، تم اسٹور پر ہی ہو؟'' تقبیر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں اور آج حسن بھی گھر پر ہی ہے۔''

''گڈ۔'' تقبیر کے جانے کے بعد اکبر بھی نکل گیا۔ کچھ دیر بعد فاطمہ پھر آفس میں آگئی۔

''مریم یہ نیا کرائے دار بہت اچھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں شرافت اور خلوص ہے۔'' فاطمہ نے بات شروع کی۔ وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ ''تم کچھ کہو گی نہیں؟''

''کیا کہوں؟'' وہ ہنس دی۔

''پہلے تو میں جب کسی کے بارے میں اس قسم کی بات کرتی تھی تو تمہیں پتنگے لگ جاتے تھے۔ اس بار یہ خاموشی... یعنی اسٹوری کیا ہے؟''

''فاطمہ اکبر صاحبہ! کیا آپ کام کی طرف توجہ دیں گی؟'' مریم دکان میں گاہک کو داخل ہوتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔

''ضرور مریم صاحبہ مگر یہ بات ابھی ادھوری ہے۔''

''آپ مریم ہیں۔'' وہ عورت ابھی ابھی اسٹور میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی گوری رنگت پر کٹے ہوئے بال جچ رہے تھے۔

''جی... فرمائیے۔'' وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

''میں شہلا ہوں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اوہ... مسز صفدر کی بھانجی ہیں آپ... پلیز بیٹھیے کیسی ہیں وہ اب...''

''اب وہ کومے سے باہر ہیں مگر ان کی حالت ابھی بھی زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ ''میں یہاں قریب ہی آئی تھی۔ آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں آپ نے اسپتال میں آنٹی کے لیے گل دستے بھجوائے اور آپ کے کئی فون بھی آئے تھے۔''

''وہ میری کلائنٹ ہیں۔ مجھے بہت افسوس ہوا ان کے حادثے کی خبر دیکھ کر... اس حادثے سے ایک دن پہلے ہی وہ یہاں آئی تھیں اور انہوں نے خاص آپ کے نئے گھر کے لیے وہ تحفے بھی خریدے تھے۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔'' مریم بولی۔

''ہاں مجھے اور میری خالہ زاد بہن فیروزہ کو انہوں نے ہی پالا تھا۔ اس حادثے میں اس کی جان چلی گئی۔'' وہ افسردہ ہو کر بولی۔ ''ویسے کیا خریدا تھا آنٹی نے میرے لیے؟'' شہلا نے بھیگی آنکھوں سے پوچھا۔

''ایک بڑا ڈوراسا پاٹ... کانسی کا تھا... مجسمہ''

''ہاں ہاں وہ مجھے ان کے لیونگ روم میں سے مل گیا ہے اور...''

''اور ایک چائنا کا ڈاگ تھا، بہت کیوٹ سا مجسمہ تھا۔''

''وہ نہیں ملا، ہوسکتا ہے کہ وہاں ہونے والی توڑ پھوڑ میں وہ ٹوٹ گیا ہو... ایسے لوگوں کو پھانسی ہونی چاہیے جو معمولی چیزوں کے لیے کسی کا خون بہانے سے بھی نہیں چوکتے۔'' شہلا نفرت سے بولی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چلی گئی تھی۔

مریم نے اس کے جانے کے بعد اپنا لیپ ٹاپ کھولا، اسے آصف کی ای میل کا انتظار تھا اور میل آ گئی تھی۔ اس نے اس شخص کا اسکیچ ڈیسک ٹاپ پر ڈاؤن لوڈ کیا اور پھر فاطمہ اور نفیسہ کو آواز دی۔

''ارے یہ...'' نفیسہ اسکرین دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ ''مریم یہ تم نے اس کسٹمر کی تصویر کیوں لگا رکھی ہے۔''

''وہ تین دن پہلے جس روز ہم نے چار بجے دکان بند کی تھی، میں نے اسے ایک مجسمہ بھی بیچا تھا۔''

مریم کا دل گویا اس کے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔

''کیا اس نے نقد ادائیگی کی تھی؟''

''نہیں... کارڈ تھا اس کے پاس۔''

''پلیز مجھے اس کی رسید اور تفصیلات نکال دو۔''

''ابھی نکالتی ہوں۔ اس کا نام عمران یا اسی جیسا تھا۔'' وہ کندھے اچکا کر بولی اور کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

''فرحان... فرحان خان۔'' آصف لودھی نے تقبیر کے سامنے ایک کاغذ رکھ دیا۔ ''نام فرحان خان، ٹی الحال مقیم اسلام آباد۔ پولیس میں باقاعدہ ریکارڈ موجود ہے کئی ڈکیتیوں اور چوریوں میں موث رہا ہے۔ ایک بار منشیات کے دھندے کے چکر میں بھی پکڑا گیا تھا۔ عدم ثبوت کی وجہ سے بری ہو گیا، پچھلے پانچ سال سے اس کا ریکارڈ صاف ہے۔ یہ سب مجھے آج صبح ہی موصول ہوا ہے۔''

''میں سوچ رہا ہوں کہ اسلام آباد کا چکر لگا لوں۔'' تقبیر بولا۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تم اسے فوراً پکڑنا چاہتے ہو...

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہم سے بھی پہلے۔" آصف مسکرایا۔ "مریم واقعی بہت اچھی ہے۔ ڈیئر باس...."

"شٹ اپ ایس پی۔" قمبر بھی مسکرایا اور باہر نکل گیا۔ قمبر کی کار گویا سڑک پر رینگ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے مریم کو یہ بتانا چاہیے یا نہیں، اصولاً تو اسے سب جاننے کا حق تھا مگر اسے معلوم تھا کہ پھر وہ ہر معاملے میں دخل دینے کی کوشش بھی کرے گی اور اس کی یہ مداخلت پولیس کے کام کو مشکل ہی بنائے گی۔ اسے صرف مریم کے خیال سے اس کیس میں دلچسپی ہے اس نے خود کو اپنی صفائی پیش کی مگر کیا واقعی ایسا تھا؟ اس نے سر جھٹکا.... زندگی میں پہلی بار وہ کسی کے لیے کچھ محسوس کر رہا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور ذہنی ارتکاز کے لیے ٹریڈمل پر کھڑا ہی ہوا تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔ "قمبر مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔" مریم اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا....؟" اس نے اسے گھورا۔

"جب میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا معلوم کیا ہے تو تم اپنے اس چہچے پن پر خود ہی شرمندہ ہو جاؤ گے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ "نفیسہ نے اس آدمی کو پہچان لیا ہے۔ وہ دو دن پہلے دکان پر آیا تھا اس نے ایک مجسمہ خریدا تھا اور کارڈ سے ادائیگی کی تھی اور اس کا نام...."

"فرحان خان ہے، اس کا آخری پتا جو معلوم ہوا ہے وہ اسلام آباد کا ہے۔" قمبر اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"اوہ۔" مریم کا منہ لٹک گیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا اور اگر ہو بھی گیا تھا تو میری جاسوسانہ صلاحیتوں کے اعتراف میں چپ ہو کے نہیں سن سکتے تھے؟"

"تم اصل میں جیمز بانڈ ہو مریم مگر پولیس والے زیادہ تیز کام کرتے ہیں.... اگر کرنا چاہیں تو...." وہ گویا اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں اگر کرنا چاہیں تو ورنہ یہاں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں اور کیس حل تو کیا شروع بھی نہیں ہوتا۔" مریم جل کے بولی۔

"تم تمام باتیں چھوڑو میں نفیسہ سے بات کرنا چاہتا ہوں، کیا وہ نیچے ہے؟"

"نہیں.... مگر اس کی کیا ضرورت ہے میں اس سے تمام تفصیلات معلوم کر چکی ہوں۔"

"مگر اور بہت کچھ پوچھنا ہے مجھے، ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ اور کہا ہو، پوچھا ہو اور نفیسہ بھول گئی ہو۔" وہ چند لمحوں میں تیار ہو گیا۔

نفیسہ کینٹ کے علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ وہ دونوں جب اس کے گھر پہنچے تو اسے گھر آئے صرف آدھا گھنٹا ہی ہوا تھا وہ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"سب خیریت ہے نا؟" وہ ان کے بیٹھنے کے بعد بولی۔

"بالکل خیریت ہے نفیسہ! قمبر کو تم سے اس کسٹمر کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

"اس نے کیا خریدا تھا؟" قمبر سیدھا مطلب کی بات پر آ گیا۔

"اس نے ایک بڑے سے کتے اور تین چہرے والا مجسمہ خریدا تھا۔ اس نے قیمت پر ذرا بھی بحث نہیں کی حالانکہ وہ خاصا مہنگا پیس تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی خالہ کے لیے اسے خرید رہا ہے جو جانوروں کے مجسمے جمع کرتی ہیں۔"

"جانوروں کے مجسمے...." قمبر نے دہرایا۔

"اس نے کہا تھا کہ وہ خاص طور پر کتوں کے مجسمے جمع کرتی ہیں اور ہاں.... یاد آیا، اصل میں اسے بالکل ویسا مجسمہ چاہیے تھا جیسا ہم نے ایک روز پہلے بیچا تھا وہ جو چاتا ڈاگ تھا نا جو تم لالہ زار کی نیلامی سے خرید کر لائی تھیں۔ اس نے اس کی پوری تفصیل بتائی تھی اس پر میں نے اسے بتایا کہ ہمارے پاس اتفاق سے بالکل ایسا مجسمہ تھا مگر بک چکا ہے۔"

مریم کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ کچھ ہی دیر بیٹھ کر باہر نکل آئے.... قمبر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا مریم....؟" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی بولا۔

"وہی مجسمہ میں نے مسز مسعود کو بیچا تھا قمبر.... اسے یہ بات معلوم ہوئی اور اسی رات ان کے گھر پر حملہ ہوا۔" وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

"اگر ایسا ہے بھی تو اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔" قمبر نے اسے تسلی دی۔ "خود کو سنبھالو۔" راستے میں قمبر نے فون کر کے آصف لودھی کو سب بتایا تھا۔ اس کے بعد اس نے گاڑی کا رخ اس اسپتال کی جانب موڑ دیا جہاں مسز مسعود داخل تھیں۔

☆☆☆

"صرف ایک چاتا ڈاگ کے لیے.... اس نے ایک عورت کو قتل اور دوسری کو شدید زخمی کر دیا.... مجھے یقین نہیں آتا۔" مریم بہت الجھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں مسز مسعود سے ملاقات کے بعد آصف لودھی کے دفتر میں بیٹھے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' آصف نے کہا۔ ''تمہارے فون کے بعد میں نے ضروری کارروائی کی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسز صفدر اور ان کی بھانجی کو لگنے والی گولیاں بھی اسی پستول سے چلائی گئی ہیں جس سے سجاد کو مارا گیا تھا اور جو تمہاری دکان سے برآمد ہوئی تھیں۔''

''مگر وہ کوئی قیمتی چیز نہیں تھی میں نے بھی اسے صرف اس لیے خریدا تھا کہ وہ اینٹیک اور بہت کیوٹ تھا۔''

''تم نے اسے نیلامی میں خریدا تھا نا؟'' قمبر کچھ سوچ کر بولا۔ ''کہاں سے خریدا تھا؟''

''لالہ زار سے۔''

''اور اگلے دن تم نے اسے بیچ دیا، اگلے روز وہ آیا... اسی رات وہ تمہاری دکان میں گھسا اور یقینی طور پر تمہاری فائلز سے مسز صفدر کی رسید نکال ان کا پتا حاصل کیا۔ اس رات ان کے گھر واردات ہوئی مگر اس کے بعد وہ واپس یہاں آیا... کیوں؟ یعنی اسے کچھ اور بھی چاہیے... تم نے اس نیلامی سے اور کیا کیا خریدا تھا مریم...؟''

''کافی چیزیں... میں تمہیں لسٹ نکال دوں گی۔''

''اس چائنا لاگ سے پہلے اور بعد میں...؟''

''اس سے پہلے... سرہانا کا مگ جو 1900 کا بنا ہوا تھا اور اس کے بعد وہ تجریدی آرٹ کا نمونہ... چھوٹی فریم میں رنگوں کی بارش...'' وہ بولتے بولتے رک گئی، بے اختیار اس کا ہاتھ منہ پر آ گیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''کیا ہوا؟'' قمبر نے اس کا بازو پکڑ کر پوچھا۔

''ایک تصویر...'' وہ خوف زدہ انداز میں بولی۔

''وہ جو مانگ رہا تھا، وہ کوئی تصویر یا فوٹوگراف نہیں تھا، پینٹنگ تھی ایک پینٹنگ۔''

''جو تم نے اکبر کو تحفے میں دے دی تھی؟'' قمبر نے پوچھا۔

''ہاں۔'' مریم نے بمشکل سر ہلایا۔ اس کے ساتھ ہی قمبر اور آصف نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر وہ تینوں وہاں سے نکل گئے۔ ان کی منزل فاطمہ کا گھر تھا۔ انہوں نے وہاں سے وہ پینٹنگ اٹھائی اور گھر کا رخ کیا۔ آصف نے اس کام کے لیے اسٹور کے بجائے مریم کے گھر کا انتخاب کیا تھا وہاں خاموشی بھی تھی اور زیادہ جگہ بھی... قمبر نے احتیاط سے پینٹنگ کا فریم اتار لیا... اور اس کی بھرپور تلاشی لی۔

''اس میں کچھ نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کینوس پلائی وڈ پر چپکا ہوا ہے، مجھے کوئی اسکروڈرائیور یا چاقو ملے گا؟'' مریم نے اس کی ڈیمانڈ پوری کر دی۔

''تمہارا خیال ہے کہ اس صاف ستھرے کینوس کے پیچھے کچھ چپکا ہوا ہوگا... منشیات یا ہیرے؟''

''چیک کر لیتے ہیں۔'' قمبر بولا۔ ''آخر کینوس کو اس پر لگانے کا تردد کیوں کیا گیا ہے۔'' مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا... قمبر نے مایوسی سے سر ہلایا۔

''کچھ نہ کچھ تو ہے اس پینٹنگ میں... مگر کیا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''کینوس کا پچھلا حصہ بہت پرانا محسوس ہو رہا ہے۔'' مریم اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ ''ورنہ یہ پینٹنگ اتنی پرانی نہیں ہے اور نہ ہی اسکی قیمتی ہے، لگتا ہے کہ مصور نے پرانا کینوس استعمال کیا ہے۔''

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ لوگ قیمتی پینٹنگ پر ایک خاص محلول کے رنگوں سے پینٹ کر کے اسے اسمگل کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔'' قمبر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ کسی نے کسی پرانے ماسٹر پیس پر نئی پینٹنگ بنائی ہے... اب کون جیمز بانڈ بن رہا ہے۔'' مریم کو ہنسی آ گئی مگر قمبر غور سے رنگوں کی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں یہ پینٹ ہٹا کر دیکھنا ہوگا۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

''او کے... پھر میرے پاس کچھ ہے۔'' مریم بولی۔ ''دو منٹ رکو۔'' وہ تیزی سے اسٹور روم سے ایک بوتل نکال کر لائی تھی۔ ساتھ ہی ایک بڑا کپڑا اور کچھ کپڑے کے ٹکڑے بھی ساتھ لائی تھی۔

''اس سے کیا ہوگا؟''

''میرے ایک کسٹمر سے ایک قیمتی پینٹنگ پر رنگ گر گئے تھے تب ہم نے یہ محلول منگوایا تھا۔ تمہیں بہت محتاط ہو کر چھوٹے دائروں میں رنگ اتارنا ہوگا۔'' اس نے محلول کپڑے کے ٹکڑے پر لگا کر قمبر کی جانب بڑھایا۔ وہ آہستگی سے چھوٹے چھوٹے دائروں کی شکل میں محلول مل رہا تھا۔ پہلے اس نے مصور کے دستخط کو مٹایا اور پھر نیلے رنگوں کی لکیروں کو... نیچے سے دوسرے رنگ واضح ہو رہے تھے۔

''اس کے نیچے کچھ اور ہے۔'' وہ چلایا... تھوڑی دیر میں وہ آدھی تصویر صاف کر چکا تھا۔

''اوہ... یہ کیا ہے؟'' مریم حیرت زدہ رہ گئی۔

''یہ... یہ مونٹ کا ماسٹر پیس ہے... اوہ میرے خدا... یہ مونٹ کی قیمتی ترین تصویر ہے... یہ یہاں کیسے آ گئی۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کی قیمت لاکھوں ڈالرز سے کم نہیں ہوگی اور میں نے اسے صرف پانچ ہزار روپے میں خریدا ہے۔"

"یہ کوئی بڑا ریکٹ معلوم ہوتا ہے ایس پی۔" تعبیر نے کہا۔ "تم جمشید کی معلومات میں سب لے آؤ۔"

"ہاں مگر وہ کل ہوگا... اب اس سے کل ہی ملاقات ہوگی۔"

"ٹھیک ہے... میں آج ہی لالہ زار میں اس آکشن ہاؤس کو دیکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں دفتر جا رہا ہوں کوئی اہم بات ہو تو مجھے ضرور بتانا۔" آصف کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"ہم کیا فوراً چل رہے ہیں؟" آصف کے جانے کے بعد مریم نے پوچھا۔

"میں اکیلا جا رہا ہوں۔" تعبیر فوراً بولا۔

"مگر میں چلنا چاہتی ہوں ساتھ اور پھر تمہیں کیا معلوم کہاں جانا ہے۔"

"میں معلوم کرلوں گا... مریم یہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"اگر تم ساتھ نہیں لے کر گئے تو میرے پاس دوسرا راستہ موجود ہے۔ میں اپنی گاڑی میں آجاؤں گی۔"

"مجھے تم سے ملنے سے پہلے دردِ سر کا صحیح مطلب معلوم نہیں تھا۔" وہ جل کر بولا۔

"یعنی میں ساتھ چل سکتی ہوں... شکریہ۔" مریم جواب میں اطمینان سے بولی۔

☆☆☆

وہ آکشن ہاؤس کے لیے مخصوص ایجنسی میں پہنچے۔ کار پارکنگ میں ایک بڑی پک اپ پہلے سے موجود تھی۔

"لگتا ہے کہ نیا سامان آیا ہے۔" مریم اسے دیکھ کر بولی۔

"مریم تمہیں اِدھر اُدھر نہیں ہونا ہے۔ میرے ساتھ آنے کا مطلب میرے قاعدے سے چلنا ہے۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔

"بالکل اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے خاموش رہنا ہے، سوالات تم خود کرو گے... یہاں کس قدر خاموشی ہے۔ اصل میں عظیم الدین صاحب خاصے کنجوس مشہور ہیں۔ مستقل طور پر ان کے پاس صرف دو افراد کا اسٹاف ہے۔"

"دفتر کس طرف ہے؟" تعبیر نے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں دائیں جانب کے ایک کمرے میں ان کا دفتر

انوکھا بانکپن آپ بیتیوں جگ بیتیوں کا بے مثال مجموعہ

ماہنامہ سرگزشت

شمارہ اگست 2014ء
کی جھلکیاں

نشانِ حیدر
جرأت و بہادری کے پیکر کے حالاتِ زندگی

واخانی خان
ایک بہادر قبیلے کی سرگزشت جو وادیوں میں چکرا تا رہتا ہے

مدرٹریسا دوم
شوبز کی دنیا میں جادو جگانے والی انسان دوست کا تذکرہ

اُمید پرست
اس مصنفہ کے حالاتِ زندگی جس نے لوگوں کو جینا سکھایا

آخری راستہ
ایک بے بس لڑکی کی داستانِ جنوں

لہو کی گردش تیز کر دینے والی طویل داستان "سراب"
فلمی دنیا کی کہی ان کہی داستان "فلمی الف لیلہ"
اور بہت سے دلچسپ
واقعات، سچے قصے، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں

آج ہی نزدیکی بک اسٹال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں

خاص شمارہ ہر شمارہ خاص شمارہ ہر شمارہ خاص شمارہ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہے۔" دفتر خالی تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے سے ایک خاتون آتی نظر آئی۔ وہ دبلی پتلی سی تھی۔ آنکھوں پر قدرے بڑے فریم کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

"جی فرمائیے۔" اس کی آواز شخصیت کے مقابلے میں حیرت انگیز حد تک جوان تھی۔

"ہمیں مقیم الدین صاحب سے ملنا ہے، کیا آج وہ تشریف نہیں لائے؟" مریم نے خالی دفتر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ اس سوال نے اس خاتون کی آنکھوں کو ڈبڈبا دیا۔ اس سے پہلے کہ قمبر کچھ کہہ پاتا، مریم اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لے گئی اور کرسی پر بٹھا دیا۔

"کیا میں آپ کے لیے پانی لاؤں؟"

"نہیں نہیں۔" وہ اتنی دیر میں خود کو سنبھال چکی تھی۔

"میں رفیعہ ہوں مقیم صاحب کی اسسٹنٹ... آپ کو شاید علم نہیں ہے۔ مقیم صاحب کا قتل ہو گیا ہے۔"

"او خدا۔" مریم نے کرسی کو مضبوطی سے تھام لیا۔

تین دن پہلے... میں نے خود انہیں یہاں اس میز پر دیکھا تھا۔ ان کا سر اور چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو گئی۔

"پولیس کو کسی پر شک ہے؟"

"نہیں، اب تک مقصد ہی سمجھ میں نہیں آیا۔ یہاں سے بھی کچھ چوری نہیں ہوا ہے اور آپ...؟"

"میرا نام قمبر علی ہے اور یہ مریم ہیں انٹیک ڈیلر... اصل میں پچھلے آکشن میں انہوں نے یہاں سے کچھ چیزیں خریدی تھیں ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ لاٹ کہاں سے آئی تھی، یہ بہت ضروری ہے اور ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔"

"او کے، ویسے یہ کام کرتے نہیں ہیں مگر میں مس مریم کے لیے یہ کر رہی ہوں... آپ کو لاٹ نمبر یاد ہے مریم۔"

"جی ایف 15 اور ایف 18۔" مریم دھیرے سے بولی۔ اسے کچھ اور یاد آ رہا تھا۔

"یہ لاٹ اسلام آباد سے آئی تھی۔ کسی چودھری صاحب کا کلیکشن تھا مگر اس میں وہ گلدان نہیں تھی۔ آکشن والے دن ہی یہ لاٹ آئی تھی اور فوراً ہی شامل کر دی گئی تھی۔ ہاں مریم آپ نے دو چیزیں خریدے تھے۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر فون کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ ان سے معذرت کر کے چند لمحوں کے لیے کمرے سے باہر چلی گئی۔ قمبر نے اس کے جانے کے بعد وہ فائل اٹھائی اور جو کاغذ اسے درکار تھا، وہ نکال کر جیب میں رکھ لیا۔

"یہ کیا کیا...؟ بہت بری بات ہے۔" مریم نے اسے ٹوکا۔

"اس وقت ہمارے لیے وقت بچانا بہت ضروری ہے، ہم کاپی کرا کر انہیں اصل واپس بھیج دیں گے... آؤ چلو۔"

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ دو لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "جعفر اسلام صاحب نے بھی اسی لاٹ سے ایک گلدان خریدا تھا۔"

"وہ انٹیک ڈیلر جس کا چوری کی واردات میں قتل ہو گیا تھا۔" قمبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ان کی دکان تمہیں قریب میں ہے نا؟"

"ہاں۔"

"تو اب ہم وہیں چل رہے ہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"مگر میں پہلے اپنے اسٹور پر فون کرنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ فاطمہ اور نفیسہ وہاں ٹھہریں... دکان بند رہنی چاہیے۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

انہیں جعفر اسلام کے اسٹور پر زیادہ وقت نہیں لگا۔ ان کا بیٹا ان کی موت پر لندن سے آیا تھا۔ اس سے مختصر سی گفتگو میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے وحشیانہ قتل اور توڑ پھوڑ کے علاوہ وہاں سے آکشن میں خریدا گیا وہ گلدان بھی غائب تھا۔ واپسی کے سفر میں مریم بالکل خاموش رہی تھی۔ وہ اس وقت چونکی جب قمبر نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے باہر روکی۔

وہ دونوں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے۔ مریم بیٹھنے کے بجائے فریش ہونے چلی گئی اور قمبر نے کھانا آرڈر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے آصف کو کال ملائی۔ کال پہلی ہی گھنٹی پر ریسیو کر لی گئی۔

"تمہیں وہاں کچھ ملا...؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں... ایک اور لاش... بلکہ اس مسئلے سے جڑے دو مردہ لوگ۔" اس نے اسے اب تک کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے مقیم الدین کے دفتر سے اس کا ریکارڈ ملا ہے جس کے مطابق وہ لاٹ کسی احمد جواد نے اسلام آباد سے بھیجی ہے۔ فرحان خان کا گھر بھی وہیں ہے سوچ رہا ہوں کہ کل صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد چلا جاؤں۔ تیز ترین کارروائی کے لیے یہ ضروری ہے۔"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رِزیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

SCANNED BY DIGESTPK

"جمشید صاحب نے بالآخر اپنے آفیسر کی ہلاکت کا نوٹس لے لیا ہے۔"

"شکر ہے، ہم فرحان خان کو اس کی گود میں ڈال دیں گے۔"

"اگر ہم اسے ڈھونڈ پائے، لگ رہا ہے کہ وہ انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہے۔"

"ہم اسے زمین کے نیچے سے بھی کھود لائیں گے۔" وہ جوش سے بولا۔ "میں کل تمہیں کال کروں گا۔"

آصف لودھی بہت خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا پسندیدہ ایس ایس پی واپس لوٹ رہا ہے۔

مریم کو ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں نے کافی پُرسکون کر دیا تھا۔ وہ میز پر لوٹ کر آئی تو اس کا دماغ بھی ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"آئی ایم سوری، مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں صرف میری وجہ سے آئے ہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"مجھے بھوک لگ رہی تھی اور بس یہی وجہ ہے۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔"

"وہ تمہیں چھو بھی نہیں سکتا یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ اب ہم کیا کریں گے؟"

"ہم کل صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ہم اس لیے کہ تمہیں اپنے تعاقب میں آتا دیکھنے اور کسی اچانک آفت میں پڑنے سے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔"

مریم جواب میں مسکراتی رہی۔

☆☆☆

اسلام آباد ائرپورٹ کے باہر ایک گاڑی ان کی منتظر تھی۔ قمبر نے چابیاں لے کر ڈرائیور کو روانہ کر دیا تھا۔ مریم خاموشی سے سب دیکھتی رہی۔

"کیا یہ گاڑی کرائے کی ہے؟" بالآخر اس نے پوچھ لیا۔

"نہیں... یہاں میرے دادا کا ایک گھر ہے وہیں سے منگوائی ہے۔" قمبر نے کہا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہتا۔

اسلام آباد ہمیشہ سے مریم کو بہت اچھا لگتا تھا مگر امی بابا کے بعد وہ بہت کم یہاں آئی تھی۔ ائرپورٹ سے سیدھے ای۔ الیف 10 کی طرف نکلے۔ فرحان کا اپارٹمنٹ وہیں ایک معروف بلڈنگ کی دوسری منزل پر تھا۔ اپارٹمنٹ کے نیچے پارکنگ ایریا موجود تھا۔ قمبر نے گاڑی کھڑی کی اور بولا۔

"میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔"

"کیوں... میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں... اور ضد بالکل نہیں... ہاں آنکھیں کھلی رکھنا اور شیشے، دروازے لاک... سمجھ میں آئی بات۔" وہ بولا۔

اسے اوپر گئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ مریم نے باہر نکلنے اور اس کی تلاش میں جانے کے بارے میں سوچنا شروع کیا ہی تھا وہ اسے واپس آتا نظر آیا۔

"کیا ہوا؟" اس کے بیٹھتے ہی اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"بلڈنگ کا منیجر کافی بحث و تمحیص کے بعد مجھے اس کے فلیٹ میں لے گیا تھا۔"

"پھر کیا ملا؟ وہ کہاں ہے؟"

"وہاں برانڈڈ سوٹ، جوتے، پرفیومز، بہترین فرنیچر ملا۔ کافی لیٹر پیڈز ملے ہیں ایک کمپنی کے جس کا نام ایس کے انٹرپرائزز ہے، اس کا ہیڈ آفس کراچی میں ہے کافی کاغذات ملے جن کے مطابق وہ اس کمپنی کے نمائندے کے طور پر یہاں کام کر رہا تھا اس کے فون پر آنسرنگ مشین لگی ہوئی ہے جس میں اس کی ماں اور اس کی دوست کے کافی پیغامات ہیں۔ وہ ایک ہفتے سے گھر نہیں آیا۔" قمبر گاڑی کو سڑک پر موڑتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کراچی میں ہی ہے۔" مریم پریشانی سے بولی۔ "اب؟"

"اب ہم اس آدمی کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے یہ سامان لالہ زار کے آکشن ہاؤس کو روانہ کیا گیا تھا۔" دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ کاغذ میں موجود پتے پر پہنچ گئے تھے۔

"یہاں تم ساتھ چلنا چاہو گی؟" قمبر نے پوچھا۔

"بالکل۔" وہ اس سے پہلے گاڑی سے اتر گئی۔

"مگر اصول پر چلنا ہوگا۔" قمبر نے اسے خبردار کیا۔

"بالکل، ساری بات تم کرو گے مجھے معلوم ہے۔" اس نے سر ہلایا۔

احمد جواد کا دفتر دو چھوٹے کیبن اور پیچھے بنے ایک لمبے سے گودام پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں ایک نوجوان بیٹھا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ قمبر نے اس سے احمد جواد کے بارے میں دریافت کیا۔

"میں بلاتا ہوں جی۔" وہ اٹھ کر اندر گیا اور فوراً

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

واپس آ گیا۔

''وہ آ رہے ہیں، آپ تشریف رکھیے۔'' چند لمحوں بعد اندر سے ایک ادھیڑ عمر شخص برآمد ہوا۔ اس کی ناک کی پھننگ پر عینک ٹکی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ اس نے پرانی سی جینز اور ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

''جی فرمایئے...'' وہ ان دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ احمد جواد ہیں؟'' قمبر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی، میں ہی ہوں اور آپ...؟''

''میں قمبر علی ہوں اور یہ مس مریم ہیں کیا آپ مقیم الدین صاحب سے واقف ہیں؟''

''جی ہاں...'' اس کے چہرے پر تاسف کے تاثرات آ گئے۔ ''اس کے ساتھ بہت برا ہوا۔''

''آپ نے پچھلے ہفتے انہیں ایک کوریئر بھیجا تھا؟''

''جی ہاں، کسے معلوم تھا کہ وہ اسے بھیجے جانے والا آخری سامان ہوگا۔ ہم سالوں سے ساتھ کام کر رہے ہیں... تھے۔''

''اس سامان میں ایک پینٹنگ بھی تھی۔ ہم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں؟''

''پینٹنگ؟'' اس نے حیرت سے عینک کو ناک پر جمایا۔ ''میں نے کوئی پینٹنگ نہیں بھیجی۔''

''تجریدی آرٹ کا نمونہ... رنگوں کی بارش۔'' مریم نے پوچھا۔

''نہیں بی بی میں نے کوئی پینٹنگ نہیں بھیجی۔ تجریدی آرٹ کو تو میں ہاتھ بھی نہیں لگاتا، اس میں نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔''

''آپ کے پاس اس کوریئر میں بھیجے گئے سامان کی لسٹ ہے؟'' قمبر نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''ظاہر ہے... میں دکھاتا ہوں۔'' وہ اندر غائب ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں دو فائلیں تھیں ایک کا رنگ پیلا تھا اور دوسری کا لال... ''یہ میرا اکاؤنٹ سسٹم ہے۔'' وہ فخریہ انداز میں بولا۔ ''اس پیلی فائل میں اس سامان کی لسٹ ہے جو میں نے خریدا تھا۔ یہ دیکھیے... منظور حسین، بنگلہ نمبر 225، ایف 5 اور اس لسٹ میں کوئی پینٹنگ نہیں ہے۔'' اس نے لسٹ قمبر کے سامنے رکھ دی۔ اس میں جاننا! آگ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ مگ دان تھا جس کے لیے جعفر اسلام کی جان گئی۔ قمبر نے تیزی سے لسٹ پڑھی۔

''اور یہ سرخ فائل آکشن والوں کو بھیجے گئے سامان کی رسیدیں ہیں اور یہ دیکھیے۔'' اس نے سب سے اوپر والی رسید پر انگلی رکھی۔ ''یہی آخری کوریئر تھا جو مقیم الدین کو بھیجا تھا اس میں بھی کوئی پینٹنگ نہیں ہے، لگتا ہے کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ مرحوم مقیم تھوڑا بے پروا آدمی تھا۔''

☆☆☆

''وہ غلط کہہ رہا ہے مقیم صاحب بے پروا نہیں تھے اور جس روز آکشن ہو رہا تھا میرے سامنے وہ لاٹ آئی تھی۔'' مریم باہر آتے ہی بولی۔

''ہم...'' قمبر کی آنکھیں سوچتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ ''اس کا بھیجا ہوا کوئی بھی آئٹم اس کوریئر میں نہیں تھا جو وہاں پہنچا... یہ بتاؤ مریم اگر تم سونٹ جیسی قیمتی تصویر اسمگل کرتیں تو کیا کرتیں، کیا اسے کسی آکشن ہاؤس میں بھیجتیں؟''

''ہرگز نہیں...'' یک دم اس کی آنکھیں چمکیں۔ ''درست ہے یہ گڑبڑ ہوئی ہے... کہیں سامان بدلا گیا ہے۔''

''ہاں... جو رسید ہمیں مقیم الدین کے دفتر سے ملی وہ اور جو ان صاحب نے دکھائی دونوں ہی پریمیم کوریئر سروس سے متعلق ہیں۔'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''میرا ذہن ایک ہی نتیجے پر پہنچ رہا ہے جعفر ہاشد اور وہ یہ ہے کہ دو مختلف کوریئر غلط پتوں پر پہنچ گئے ہیں اور یہ گڑبڑ یقیناً کوریئر سروس کے آفس میں ہوئی ہے۔''

''یعنی...''

''یعنی ہم پریمیم کوریئر سروس کے دفتر جا رہے ہیں۔''

☆☆☆

''اوہ گاڈ پھر وہی مسئلہ۔'' سپروائزر طارق مسعود ان کی بات سن کر بڑبڑایا۔ ''کیا آپ رسید دیں گے؟''

''کیا کوئی مسئلہ پہلے بھی ہو چکا ہے؟'' قمبر نے پوچھا۔

''اصل میں اسی تاریخ میں ایک کوریئر غلط ایڈریس پر پہنچ گیا تھا۔ وہ صاحب بہت زیادہ پریشان تھے اور انہوں نے کافی شور شرابہ بھی کیا تھا۔'' وہ شرمندگی سے بولا۔

''فرحان... ہے نا؟ فرحان خان۔'' مریم نے عام سے انداز میں پوچھا۔

''جی... جی آپ جانتی ہیں انہیں؟''

''جی ہاں، ہم مل چکے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''عجیب اتفاق ہے۔'' اس نے اپنے کمپیوٹر پر تفصیلات دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا لیپ ٹاپ سائڈ ٹیبل پر رکھا تھا جس کی وجہ سے قنبر مانیٹر پر تمام تفصیلات کو بہ آسانی دیکھ رہا تھا۔

''اب دیکھیے کہ ایسا سالوں میں کبھی ہوتا ہے۔ یہ دو کوریئر ایک ہی دن روانہ ہوئے، صنوبر کی غلطی سے ایڈریس بدل گئے۔ اب آپ دونوں مل گئے ہیں۔ کیا میں مسٹر فرحان کو مطلع کر دوں کہ ان کا سامان آپ کے پاس ہے اور آپ کا ان کے پاس...''

''نہیں ہم خود بات کرلیں گے۔''

''شکریہ۔'' اس کے سر سے گویا مصیبت ٹل گئی۔ ''ہم آپ دونوں کے اخراجات واپس کرنے کے ذمے دار ہیں۔''

اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد کوریڈور میں آگے جا کر قنبر باہر جانے کے بجائے اندر کی جانب مڑ گیا۔

''کہاں جا رہے ہیں ہم؟'' مریم نے پوچھا۔

''بتاتا ہوں۔'' قنبر نے جواب دیا اور برابر سے گزرنے والے لڑکے سے پوچھا۔ ''صنوبر حسین کہاں بیٹھتے ہیں؟''

''صنوبر... سامنے اسٹیشن 3 پر...''

''تم کیا کرنے والے ہو؟'' مریم نے سرگوشی کی۔

''پلیز صرف دیکھو۔''

کچھ دیر بعد وہ کوریئر سروس کے دفتر سے نکلے تو سب کچھ صاف ہو چکا تھا۔ صنوبر نے انہیں اپنی کہانی سنا دی تھی۔ الو نمبر بدلنے سے سارا مسئلہ پیدا ہوا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ مجھے بھی پولیس جوائن کر لینی چاہیے۔'' مریم گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فخریہ انداز میں بولی۔

''جو تم کر رہی ہو وہی بہتر ہے تمہارے لیے...''

''تم کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ میں نے اچھا کام کیا۔''

''تم نے اچھا کام کیا اور اب تم ریٹائر ہو رہی ہو۔'' وہ مسکرایا۔

''قنبر، اب فرحان کو تلاش کرنا باقی ہے۔'' وہ اس کی طرف سے جیسے مایوس ہو کر بہ آواز بلند سوچ رہی تھی۔

''وہ پولیس پر چھوڑ دو، ہم چار بجے کی فلائٹ سے واپس جا رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

وہ فوراً کراچی پہنچنا چاہتا تھا۔ سپروائزر کے کمپیوٹر اسکرین پر اس نے وہ پتا دیکھا تھا جہاں نجم الدین کا کوریئر غلطی سے چلا گیا تھا اور وہ پتا مسعود عباسی... شوکت اللہ ایجنڈ کو کا تھا۔

☆☆☆

صبح سے قنبر کہیں غائب تھا۔ آصف لودھی کے مشورے سے انہوں نے مریم کا اسٹور کھلے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کل شام گئے واپس آ گئے تھے۔ اسی وقت سے اسے قنبر کی سرگرمیاں مشکوک سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ وہ دوپہر ڈھلے واپس آیا تو اس کی خیریت معلوم کرنے سیدھا اسٹور آ گیا تھا۔

''مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' بالآخر وہ پوچھ ہی بیٹھی۔

''تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے؟''

''کیونکہ تم اور آصف کچھ کھچڑی پکا رہے ہو اور مجھے اس سب سے علیحدہ رکھنا چاہتے ہو۔ کوئی بات نہیں مجھے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟''

''بس... یہ میرا بزنس سیکرٹ ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''اور ویسے بھی شاید تمہیں اب تک معلوم نہ ہو سکا ہو مگر سچ یہ کہ تم مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکتے، مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔'' وہ شرارت سے بولی۔

جواب میں وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ چند دنوں میں ہی وہ اس کے اس قدر قریب آ گئی تھی جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ سب ہو رہا تھا اور کمال کی بات یہ ہے کہ اسے خود اس سب پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

''تم اتنے عجیب کیوں ہو آخر؟'' وہ اس کے گھورنے سے تنگ آ کر بولی۔

''کیا تم واقعی جاننا چاہتی ہو؟'' اس نے عجیب طریقے سے پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو پھر چلو میرے ساتھ۔'' وہ سخت لہجے میں بولا۔ ''میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ اس بڑے سے بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ سفید و سیاہ سنگ مرمر سے بنا یہ خوب صورت بنگلا درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ چوکیدار نے قنبر کی گاڑی دیکھ کر فوراً گیٹ کھول دیا۔ سرخ اینٹوں سے بنی روش اور خوب صورت لان نے مریم کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ رنگا رنگ پھولوں سے سجے پودے بتا رہے تھے کہ ان کا بہت اچھی طرح خیال رکھا جا رہا ہے۔

وہ دونوں پورچ میں کار سے اترے تھے۔ قنبر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

خاموشی سے گھر کو دیکھ رہا تھا۔

''تم یہاں پلے بڑھے ہو؟'' بالآخر مریم نے خاموشی کی چادر کو توڑا۔

''ہاں...'' تعبیر نے آگے بڑھ کر چھوٹے سے برآمدے کے آگے بنے لکڑی کے بڑے سے دروازے کو کھولا، گھر اندر سے انتہائی عالیشان تھا۔

''تم اسے بیچنا چاہتے ہو؟'' وہ پسندیدگی سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہاں... آؤ میں تمہیں گھر دکھاؤں۔'' اس کے چہرے پر چھائے ایسے تاثرات تھے کہ مریم نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہ ضروری نہیں ہے تعبیر...''

''آؤ اوپر۔'' اس نے اوپری منزل پر پہنچ کر ایک دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ ''یہ میری امی کا کمرا تھا میرے ڈیڈی کا کمرا نچلی منزل پر تھا۔ تمہیں معلوم ہے وہ ایک منزل پر بھی ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھے۔''

''اور تمہارا؟''

''یہ...'' اس نے لابی میں بنے تیسرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ مریم نے اس کمرے کا دروازہ کھولا، یہ کافی بڑا اور روشن بیڈ روم تھا۔ لمبی لمبی کھڑکیوں سے نیچے لان نظر آ رہا تھا۔ بیڈ روم کے ساتھ چھوٹا سا ٹیرس تھا۔

''پہلے اس کے نیچے ایک درخت ہوتا تھا اور میں اس کی شاخوں سے اتر کر دوستوں میں چلا جاتا تھا۔ ایک رات ایک نوکر نے دیکھ لیا اور میرے ڈیڈی کو بتا دیا۔ انہوں نے اگلے روز اس درخت کو کٹوا دیا۔ میرے کمرے میں آئے دروازہ بند کر کے مجھے بہت مارا۔ میری عمر اس وقت چودہ سال تھی۔ اس کے بعد ہی میں نے ویٹ لفٹنگ شروع کی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مجھے مار نہیں سکے گا مگر پھر مجھے بورڈنگ ہاؤس بھیج دیا گیا۔''

''اور تمہاری امی...؟'' مریم نے آہستگی سے پوچھا۔

''وہ غصے میں، دباؤ میں، ٹینشن میں چیزیں پھینکنے اور توڑنے کی عادی تھیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ پر تانبے کا گلدان کھینچ مارا تھا۔ میرے سر سے خون نکل آیا تھا۔''

''اور تمہاری بہن...؟'' مریم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''چھوٹی تھی وہ... اس ماحول میں نیم پاگل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اسے کسی ہر چیز کی اجازت دیتے اور کسی سب باتوں پر پابندی لگا دیتے۔ ایک دن دوستوں کی دعوت میں شرکت تو دوسرے دن کمرے میں قید... اپنے ماں باپ کے اختلافات کی سزا ہم دونوں نے بھگتی۔ میری امی، ڈیڈی سے کئی سال بڑی تھیں۔ ڈیڈی کسی اور سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر خاندان میں شادی ان دونوں کی مجبوری تھی، سو انہوں نے رشتہ جوڑ لیا مگر بنا یا نبھا نہیں سکے۔ زرناب بھی بعد میں بورڈنگ ہاؤس چلی گئی تھی۔ امی ڈیڈی کے جانے کے بعد ہم دونوں نے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا اور ہم خوش بھی تھے۔ میں ابراہیم گروپ کے خلاف تحقیقات کر رہا تھا۔ اس روز اتوار تھا، میں اتوار کو دیر تک سوتا تھا۔ زرناب ہر اتوار کو گیارہ بجے دادا کے بنائے ہوئے یتیم خانے جاتی تھی، وہ اس کی ڈیوٹی تھی۔ میری آنکھ موبائل کی گھنٹی سے کھلی تھی۔ فون پر کوئی تھا جو مجھے بتا رہا تھا کہ آج میری بہن کی زندگی کا آخری دن ہے۔ میں اسے بکواس ہی سمجھا تھا مگر پھر اس نے کہا کہ گیارہ بج رہے ہیں اور وہ گھر سے جا رہی ہے۔ اگر میں اسے بچا سکتا ہوں تو بچا لوں۔ میں فون پھینک کر باہر بھاگا مگر میرے باہر نکلنے تک وہ گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ اس نے غالباً گاڑی کی چابی لگانے کے ساتھ میری آواز سنی اور میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور سوال تھا اور اسی لمحے وہ دھماکا ہوا۔ میری آنکھوں کے سامنے صرف آگ کے شعلے تھے۔ میں تعبیر علی، پولیس کی اسپیشل کمانڈو فورس کا ایس ایس پی، کمانڈر... خود اپنی بہن کو نہیں بچا سکا۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ جاتی سوال کرتی آنکھیں اندھیرے میں کھو گئیں۔'' اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

''تم نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی تعبیر۔'' مریم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''پوری کوشش کی تھی۔''

''مگر میں اسے بچا تو نہیں پایا۔'' وہ بمشکل بول پایا۔ ''اور اب مجھے اس احساس کے ساتھ جینا ہے۔'' وہ دونوں لان میں رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''تمہیں... میں یہ سب بتانا چاہتا تھا۔''

''میں جانتی ہوں کہ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔'' کافی دیر بعد مریم بولی۔ ''تم مجھے یہ خالی، سرد مہر مکان دکھانا چاہتے تھے اور یہ جتانا چاہتے تھے کہ اس گھر کی طرح تمہارے پاس بھی مجھے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے کوئی جذبہ... کوئی احساس نہیں۔''

''یہ گھر بنے میں ایک ہارا ہوا انسان ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

"تم ہو نہیں... صرف ایسا کہنا چاہتے ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ محبت منطق کو نہیں مانتی... میں نے شاید تمہیں احساس دلایا کہ تمہارے اور میرے درمیان کچھ ہو رہا ہے تو تم ایسے پریشان ہو گئے جیسے کسی نے تمہارے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو... ایسا ہی ہے نا مگر مزے کی بات ایک اور ہے کہ یہ سب سمجھنے کے باوجود میرا دل ایک ہی بات کہہ رہا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں کی اور خود میں بھی تم سے کبھی نہ کہتی مگر تمہاری اس بند باندھنے والی کوشش نے مجھے یہ کہنے کی طاقت دے دی ہے، میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں۔" اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ "اب اس بات کو میری نظر سے دیکھنے کی کوشش کرو، یہ محبت ایک تحفہ ہے تمہارے لیے... میں اس کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں مانگ رہی... محبت بھی نہیں اور ایسا نہیں کہ میں یہ چاہتی نہیں... چاہتی تو ہوں مگر توقع نہیں کرتی..." اس نے قمبر کی آنکھوں میں دیکھا اور نرمی سے بولی۔ "اور عقل کی بات یہ ہے کہ اس سودے میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے۔"

"تم بہت اچھی ہو مریم... سچ بات یہ ہے کہ تمہیں زیادہ بہتر ساتھی ملنا چاہیے۔"

"میرے لیے وہ بہترین ہے، جو میں چاہتی ہوں۔" وہ ہنس رہی تھی مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

☆☆☆

اس کی سوچوں کی پٹری پر خیالات کی ٹرین فل اسپیڈ میں دوڑ رہی تھی۔ مریم کو گھر چھوڑ کر وہ پولیس ہیڈ کوارٹر چلا آیا تھا۔ آصف اور اسے آج اپنی حکمتِ عملی طے کرنا تھی مگر اس کا ذہن مریم کے الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔

"جناب ایس ایس پی صاحب! کہاں کھوئے ہوئے ہیں آپ؟" آصف نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"نہیں یار بس یہی سب سوچ رہا تھا... میرے حساب سے ہمیں صفدر کو چھوڑ کر اس کے باس شوکت اللہ سے بات کرنا چاہیے۔"

"وہ کافی بااثر آدمی ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے اس پر ہاتھ ڈالنا مشکلات کو جنم دے سکتا ہے۔"

"ہوں... یہ تو ہے مگر اس سے ملنا ضرور پڑے گا۔ میری چھٹی حس اشارہ دے رہی ہے کہ وہ اس معاملے میں موجود ہے۔"

"مجھے ایک اور ضروری بات کرنی ہے، ڈیپارٹمنٹ اس کیس میں تمہارے بغیر بمشکل کچھ کر پائے گا مگر

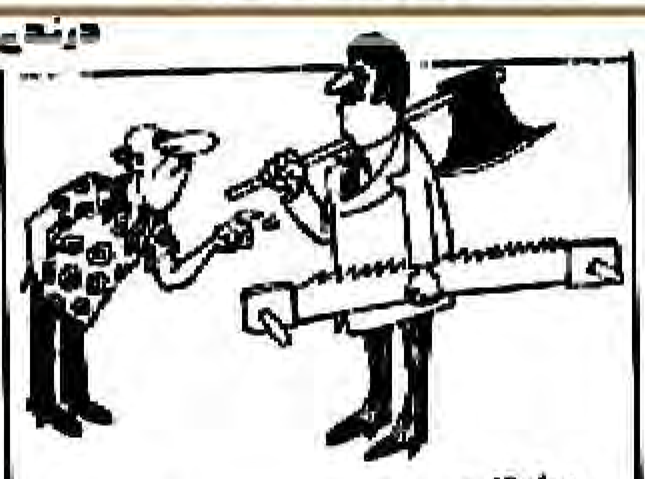

درخت کاٹنے جارہے ہو؟
نہیں یار، ناشتہ کرنے جارہا ہوں۔ اس سے ذرا پہلے ڈبل روٹی کاٹوں گا

جمشید صاحب کو کچھ اعتراضات ہیں۔"

"اعتراضات؟" قمبر نے پوچھا۔

"کافی ایس پی جی وہ تمہاری کرسی پر بیٹھا ہے، تمہاری واپسی اس کے لیے تو خطرے کا سگنل ہے... میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ قمبر اب اس چیز کو مزید لمبا مت کھینچو... واپس آجاؤ یار... مجھے معلوم ہے کہ آج تمہاری ڈی آئی جی سے ملاقات ہے۔ تمہاری زبردستی کی چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں، پلیز مجھے بتاؤ کہ تم کب واپس آرہے ہو؟"

"ابھی میں یہ نہیں کہہ سکتا، ہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔" قمبر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"ہُرّے..." آصف اپنی کرسی پر اچھل پڑا۔ "میں جمشید کو یہ خبر خود دوں گا پلیز مجھے بتانے دو... اور پھر اس کا چہرہ دیکھوں گا... آج تو تو نے مجھے خوش کر دیا۔" خوشی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

☆☆☆

مریم اس وقت بالکل خوش نہیں تھی۔ وہ سخت نظروں سے قمبر اور آصف لودھی کو گھور رہی تھی۔

"آخر مجھ سے کیا چھپایا جارہا ہے؟ یہ میرا کیس ہے اور میرا حق ہے کہ مجھے اس کی تفصیلات کا علم ہو۔" وہ سختی سے بولی۔

"میں کل فرحان خان کے باس سے ملنے کا پروگرام بنارہا ہوں۔" بالآخر قمبر بولا۔

"صفدر...؟" مریم نے پوچھا۔ "اس کے نام سے ہی کوریئر آیا تھا۔"

"نہیں... شوکت اللہ... یہ صفدر کا باس ہے اور میرا خیال ہے کہ اس ڈرامے کا ڈائریکٹر وہی ہے۔ بظاہر وہ امپورٹ ایکسپورٹ کا ایک بڑا کاروبار چلاتا ہے۔ آصف کا خیال ہے کہ اسے بغیر کسی ثبوت کے چھیڑنا خطرناک ہوگا مگر

SCANNED BY DIGESTPK

ہمیں کہیں سے ابتدا تو کرنی ہی ہے۔"

"درست... مگر ہو سکتا ہے کہ اسے فرحان خان کے معاملات کا علم نہ ہو۔" مریم بولی۔ اس کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"تم زیادہ مت سوچو مریم۔" تقبیر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "تمہارا سوچنا دوسروں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میرے پاس ایک پلان ہے۔" وہ چند لمحوں بعد ڈرامائی انداز میں بولی۔

"بس اسی کا ڈر تھا۔" تقبیر کراہا۔

"جو شخص شوکت اللہ سے ملے گا، وہ تم نہیں۔" وہ اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "میں ہوں گی۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ تم ان معاملات سے دور رہو گی۔"

"ذرا سوچو اس طرح اسے شک بھی نہیں ہوگا۔ اس کے ملازم کی گڑبڑ کی شکار تو میں ہوئی ہوں۔ وہ میرے گھر میں گھسا، مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اب میں اس کی شکایت لے کر اس کے باس کے پاس جا رہی ہوں۔ وہ پینٹنگس کا شوقین ہے جیسا کہ تم نے بتایا اور یہی میرا کاروبار ہے۔ لگے لوک یہ بے چاری مظلوم لڑکی اس کی ہمدردی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔"

"یہاں ڈراما ریہرسل نہیں ہو رہی ہے مریم۔ اگر وہ اصل آدمی ہے تو وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ ڈراما آسان نہیں ہوگا۔ اس جیسا چالاک آدمی لمحے بھر میں معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔"

"تمہیں مجھ پر یا میری صلاحیتوں پر اعتبار نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے۔" مریم کی آواز بھیگ چلی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"یہ اعتبار کی بات نہیں ہے مریم۔ خطرہ بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں..." وہ یک دم رو پڑی۔ "کیا میں کچھ نہیں کر سکتی؟ کس قدر برا لگتا ہے جب کوئی آپ کی ذات کی نفی کرے۔" اچانک آنسو اس کے گالوں تک بہہ آئے تھے۔

"پلیز رونا بند کرو... میرا ہرگز یہ مطلب نہیں یہ تم اچھی طرح جانتی ہو اصل بات صرف یہ ہے کہ میں تمہیں کسی طور بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا، اگر اسے شک ہو گیا تو بڑا مسئلہ ہو سکتا ہے۔" تقبیر اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"مطلب میری پرفارمنس زبردست تھی... ہے نا؟ یقین کرو کہ آپ کے مسٹر شوکت اللہ وہی دیکھیں اور سمجھ پائیں گے جو ہم انہیں دکھانا چاہیں گے۔"

تقبیر کو مریم پر سخت غصہ آ رہا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ یہ کر سکتی تھی اور شاید یہی زیادہ بہتر پلان تھا۔

☆☆☆

دن معمول کے مطابق شروع ہوا تھا۔ وہ کام میں مصروف تھی فاطمہ کی آواز پردہ کا ڈنر سے آفس میں آئی۔

"تمہارا فون ہے مریم..." اس نے ریسیور اٹھایا۔

"مجھے مریم صاحب سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے ایک قدرے پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

"جی میں بول رہی ہوں۔"

"مس مریم میں شکیل فیصل بول رہا ہوں۔ میں آپ کو ایک پینٹنگ کے سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں، آپ نے وہ... آکشن ہاؤس سے خریدی ہے۔"

مریم کی ریسیور پر گرفت سخت ہو گئی۔

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"مجھے اصل میں تجریدی آرٹ اور خصوصاً علیفی کی تصاویر بہت پسند ہیں۔ میں اپنی گھریلو مصروفیات کی وجہ سے اس نیلامی میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ اب مجھے یہ جان کر تھوڑا اطمینان ہوا ہے کہ اسے کسی شائق یا پرستار نے نہیں، ایک آرٹ ڈیلر نے خریدا ہے۔"

"ویسے میں بھی تصاویر جمع کرتی ہوں مگر اگر آفر اچھی ہو تو میں اس پر ضرور غور کروں گی، اگر آپ پینٹنگ دیکھنا اور اس پر بات کرنا چاہتے ہیں تو ہم اگلے ہفتے مل سکتے ہیں۔ اس دوران میں میرا اشیڈول خاصا ٹائٹ ہے۔"

"جی... جی یہ بہتر رہے گا... ہم کس دن مل سکتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم جمعرات کو دو بجے مل سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے... پھر جمعرات کو ملاقات ہوتی ہے۔" صفدر عباسی نے بات ختم کر کے ریسیور رکھتے ہوئے ماتھے پر آنے والے پسینے کو پونچھا۔ اب اسے مریم سے وہ پینٹنگ حاصل کرنا تھی اور وہ یہ جانتا تھا کہ کسی بھی غلطی کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔

مریم ریسیور رکھ کر چند لمحوں تک اسے گھورتی رہی پھر اس نے تقبیر کا موبائل نمبر ملایا۔ وہ تھوڑی دیر میں اس کے سامنے تھا۔

"اس نے رابطہ کیا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر بغیر کسی تمہید

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کے بولی۔

''کس نے...؟''

''شاید فرحان خان نے... مگر اس نے اپنا نام شکیل فیصل بتایا ہے وہ پینٹنگ خریدنا چاہتا ہے۔'' اس نے تمام تفصیل بتائی۔

''آخر تم نے مجھ سے بات کیے بغیر اس سے ملاقات کا وقت کیوں طے کرلیا؟''

''مجھے کچھ تو کہنا تھا قمبر...'' وہ بولی۔ ''منع کرنے کی صورت میں اسے شک ہوسکتا تھا، میں پینٹنگ کے بارے میں معلومات کرچکی ہوں اس نام کا کوئی مصور ہے ہی نہیں تو کوئی کیسے اس کا پرستار ہوسکتا ہے۔ اسے موت کی پینٹنگ چاہیے۔''

''اوکے... جمعرات کو اسے دیکھ لیں گے تمہیں کل ہی شوکت اللہ سے ملنا ہوگا۔''

''یعنی میں یہ کام کروں گی۔'' وہ اچھل پڑی۔ ''تم مان گئے۔''

''آصف کے خیال میں یہ زیادہ بہتر پلان ہے۔''

''تم دیکھنا سب ٹھیک ہوگا... ہم اس سے کس طرح ملیں گے؟''

''اس کے لیے تم اسے آج فون کرو گی اور وہ کہو گی جو تمہیں بتایا جائے گا۔''

☆☆☆

شوکت اللہ کے دفتر میں اپنی میز پر بیٹھا صفدر عباسی ٹیلی فون کے ریسیور کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس نے بھوت دیکھ لیا ہو اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے ''ہولڈ آن'' کہہ کر ریسیور رکھا ایک بٹن پش کیا اور تیزی سے شوکت اللہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

''سر لائن نو پہ مس مریم ہیں... وہ آپ سے بات کرنے کی منتظر ہیں۔''

''اچھا۔'' شوکت اللہ نے اس کی جانب دیکھا۔ ''دلچسپ بہت دلچسپ۔'' صفدر بے چینی سے انگلیاں مروڑ رہا تھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ وہ بہت نروس ہے۔ ''سر! صبح جب میں نے ان سے بات کی تھی تب تو سب ٹھیک تھا۔ انہوں نے مجھے ملاقات کا وقت بھی دے دیا ہے اور میں نے انہیں آپ سے اپنے تعلق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونے دیا۔'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''بیٹھ جاؤ صفدر...'' شوکت اللہ مسکرایا اور اس نے ریسیور اٹھالیا۔ ''یس مس مریم! شوکت اللہ بول رہا ہوں۔''

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ اس دوران اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جمی رہی۔ ''مجھے افسوس ہے مگر میں آپ کی بات سمجھ نہیں پارہا ہوں، آپ میرے ایک اسٹاف ممبر فرحان خان کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں... اچھا... مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حوالے سے آپ کی مدد کر پاؤں گا یا نہیں، ہمیں جو کچھ ان کے بارے میں معلوم تھا، وہ ہم پولیس کو بتا چکے ہیں... وہ کئی دنوں سے غائب ہیں... جی جی مجھے آپ سے ملاقات کرکے خوشی ہوگی... کب ملنا چاہتی ہیں آپ؟ کل؟ یہ تھوڑا شارٹ نوٹس ہے میں اپنے اسسٹنٹ کو فون دیتا ہوں وہ آپ کو وقت بتا دیں گے۔'' شوکت اللہ نے ہولڈ کا بٹن دبایا اور صفدر کو دیکھ کر بولا۔

''اسے کل شام چار بجے کا وقت دے دو۔''

''جی سر...'' صفدر نے ریسیور اٹھالیا۔ ''مس مریم! جی میں صفدر عباسی بول رہا ہوں۔ شوکت اللہ صاحب کا ایگزیکٹو اسسٹنٹ... کل ان کے پاس چار بجے کچھ وقت ہے... جی ٹھیک ہے آپ کے پاس ایڈریس موجود ہے بہترین... ہم کل آپ کے منتظر رہیں گے۔''

''زبردست...'' شوکت اللہ خوش نظر آرہا تھا۔ ''صفدر! کل لنچ کے بعد میری ساری مصروفیات کینسل کر دو۔ میں مس مریم کو پوری توجہ دینا چاہتا ہوں۔''

☆☆☆

''کل چار بجے...'' مریم نے ریسیور رکھتے ہوئے قمبر کی جانب دیکھا۔ وہ قدرے الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

''گڈ... کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو؟'' وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ ابھی میں نے شکیل فیصل سے بات کی ہے۔''

''شوکت اللہ...؟''

''نہیں۔'' وہ بمشکل مسکرائی۔ ''اس کا اسسٹنٹ... صفدر...''

☆☆☆

مریم شوکت اللہ کے دفتر کی شان و شوکت کو گہری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ دولت و ذوق کا ایسا امتزاج کبھی کبھی دیکھنے کو ملتا ہے اس نے سوچا۔ شوکت اللہ نادر اشیا اور تصاویر کا دلدادہ محسوس ہورہا تھا۔ اس کا یہ شوق گفتگو کو آگے بڑھانے کے لیے بہترین بنیاد ثابت ہوسکتا تھا۔

اگر یہ شخص مجرم نہ ہوتو وہ اس کا اچھا کلائنٹ بن سکتا تھا مگر اگر اس سب کے پیچھے وہی ہوا... اس سوچ نے اسے تھوڑا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

نروس کر دیا۔ اس نے بالوں کو ہاتھ سے برش کیا، گرتے ہوئے دوپٹے کو سنبھالا اور گھڑی پر نظر ڈالی' چار بج کر دس منٹ ہو رہے تھے اسے اور کتنا انتظار کرنا تھا۔

"زبردست!" شوکت اللہ اپنے کمرے میں لگی اسکرین پر مریم کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اس کے تصور سے زیادہ خوب صورت تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی نگاہیں بار بار دیواروں پر لگی قیمتی تصاویر اور لیمپس اور مجسموں کی جانب جا رہی تھیں۔ شوکت اللہ کو اس سے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

بالآخر اس نے ریسپشنسٹ کے لیے بٹن دبایا اور مریم کو اندر بھیجنے کو کہا۔

"سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" ریسپشنسٹ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی شوکت اللہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں، مجھے اندازہ ہے کہ آپ مصروف ہوں گے۔"

اس پر شوکت اللہ کا پہلا تاثر ایک مضبوط اور اچھی شخصیت کا پڑا تھا۔

"آپ کیا لیں گی... چائے... کافی یا کوئی جوس...؟"

"کافی بہتر رہے گی۔" وہ مسکرائی۔

"جی مس مریم! آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھیں؟" کافی آنے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"جی..." اس کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ "پتا نہیں آپ کیا سمجھ رہے ہوں گے مگر میں اس قدر پریشان ہوں کہ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ سے بات کر لوں شاید آپ میری مدد کر سکیں۔"

"یقیناً مجھ سے جو ہو گا میں کروں گا آپ اطمینان سے بتایئے کہ آپ کو کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔ کیا یہ فرحان خان سے متعلق ہے؟ کیا وہ آپ کا دوست رہا ہے؟ آپ جانتی ہیں اسے؟"

"نہیں۔" اس کی آنکھیں خوف سے بھر گئیں۔ "میں اسے بالکل نہیں جانتی، میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آپ اس کے بارے میں کتنا جانتے ہیں؟"

"میں؟" اس نے ایک لمحہ سوچا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے کافی ملازمین کو ذاتی طور پر نہیں جانتا۔"

"وہ کافی دنوں سے آپ کے ساتھ کام کر رہا ہے۔"

"چھ سال... میں نے اس سارے معاملے کے بعد اس کی فائل منگوا کر پڑھی ہے۔ وہ ایک محنتی ورکر رہا ہے اور ان سالوں میں ہمارے سسٹم کے مطابق ترقی کرتے ہوئے برانچ منیجر کے عہدے پر پہنچا۔ میری شاید ایک بار اس سے ایک راؤنڈ ٹیبل میں ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ وہ کہاں غائب ہے۔ اسے اتنا غیر ذمے دار نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"میرا خیال ہے۔ میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"کیا؟" شوکت اللہ نے اسے چونک کر دیکھا۔

"وہ یہیں کراچی میں ہے اور کسی غیر قانونی کام کے چکر میں ہے۔"

"کیا... او میرے خدا!"

"جی... آئی ایم سوری مگر یہی سچ ہے۔" اس نے شوکت اللہ کو تمام واقعات بتائے۔ "میں نہیں سمجھ سکی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ "مگر میں بہت خوف زدہ ہوں۔"

"مجھے بہت دکھ ہوا ہے، میں آپ کی تکلیف سمجھ سکتا ہوں۔" وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا مگر اس کا ذہن اتنی ہی تیزی سے واقعات کی جمع تفریق کر رہا تھا۔ فرحان نے اسے یہ سب نہیں بتایا تھا اگر وہ زندہ ہوتا تو یقیناً اس کے لیے بڑی مشکل بن سکتا تھا۔

"میں اس حملے کو نہیں بھول سکتی اور نہ ہی اس کی فضول باتوں کو... میں نے پولیس کو رپورٹ کی ہے اس کا اسکیچ بھی بنوایا ہے مگر اس کے باوجود میری جان خطرے میں ہے۔" ایک آنسو اس کے گال پر آ گرا۔

"اوہ... اوہ مس مریم۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مریم کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھا۔ "میں خود پریشان ہو گیا ہوں۔ ہمارا ایک اسٹاف ممبر عورتوں کو خوف زدہ کرتا پھر رہا ہے، قتل کی وارداتوں میں ملوث ہے لگتا ہے کہ فرحان خان کے معاملے میں ہمارے ایچ آر ڈیپارٹمنٹ سے بڑی غلطی ہو گئی ہے آپ پلیز مجھے بتایئے کہ میں آپ کی کیسے مدد کر سکتا ہوں؟"

"مجھے خود نہیں معلوم... میں نے سوچا کہ اگر وہ آپ سے رابطہ کرے تو..."

"بالکل! یقین رکھیں میں خود اسے پولیس کے حوالے کر دوں گا بلکہ میں اپنے سیکیورٹی ڈیپارٹمنٹ کو بھی اس کام پر لگاتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب وہ آپ کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ذرا بھی تنگ نہیں کر سکے گا۔"

"بہت شکریہ... آپ بہت اچھے انسان ہیں شوکت اللہ صاحب۔"

"شوکت۔" وہ مسکرایا۔ "میرے دوست میرا نام لیتے ہیں۔"

"شوکت۔" وہ بھی جواباً مسکرائی۔ "مجھے یقین تھا کہ یہاں آنا فائدہ مند رہے گا، بہت اطمینان ہوا ہے مجھے... اب اجازت دیجیے۔"

"ٹھیک ہے مگر ایک شرط پر..."

"شرط؟"

"جی... آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ میرے گھر پر کھائیں گی۔"

"ارے نہیں، پلیز یہ تکلف نہ کریں۔"

"کوئی تکلف نہیں... ایک تو شاید اس طرح آپ کی پریشانی کچھ کم ہو جائے، دوسرے میں کچھ نادر چیزیں آپ کو دکھا کر آپ کی ماہرانہ رائے بھی جاننا چاہتا ہوں، میں آپ کو اپنا کلیکشن بھی دکھانا چاہتا ہوں اور یقین کیجیے کہ آپ اسے دیکھ کر مایوس نہیں ہوں گی۔"

"وہ تو میں آپ کے دفتر میں موجود اشیا کو دیکھ کر ہی اندازہ کر سکتی ہوں... یہ گھوڑے کا سر... تین ڈائی نسٹی سے ہے نا؟"

"بالکل۔" وہ مسکرایا۔ "بس تو طے ہو گیا آپ آج میرے گھر پر مدعو ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ڈرائیور کو بھیج دوں؟"

"اگر آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں تو ضرور... مگر ڈرائیور کے تکلف کی ضرورت نہیں، آپ ایڈریس دے دیجیے، میں خود ہی آ جاؤں گی۔"

☆☆☆

"مگر میں نہیں سمجھتا کہ تنہا اس کے گھر جانا محفوظ رہے گا۔" قمبر اس کی ساری بات سننے کے بعد بولا۔

"میں نے بھی یہ سوچا ہے مگر ہماری اس ملاقات کا مقصد ہی اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا ہے قمبر... ہے کہ نہیں، تو پھر یہ اس کے لیے بہترین موقع ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مجھے وہ خاصا بہتر اور شریف آدمی لگا ہے۔"

"مگر مجھے یہ بہتر نہیں لگ رہا ہے۔"

"وہ اس لیے کہ تم مریم کے بارے میں فکرمند ہو مگر وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ یہ اس کے بارے میں جاننے کا اچھا موقع ہے۔" آصف بولا۔ "مریم! کیا وہاں صفدر عباسی سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں، میں نے اس کے بارے میں ریسپشنسٹ سے پوچھا تھا مگر وہ کسی کام سے گیا ہوا تھا؟"

"ظاہر ہے اگر اسے تم سے شکیل فیصل بن کر ملنا ہے تو آج اسے غائب ہی ہونا تھا۔" قمبر نے کہا۔

"یہی سوچ کر میں نے ایک گارڈ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس نام کا ایک شخص میرے والد کا دوست رہا ہے اور لمبا چوڑا سفید بالوں والا شخص ہے، اس نے بتایا کہ صفدر عباسی چھوٹے قد کا دبلا پتلا اور قدرے گنجا آدمی ہے۔"

"خوب جیمز بانڈ۔" قمبر مسکرایا۔

"پھر قمبر! کیا پلان ہے؟" آصف نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے... مس جیمز بانڈ شام کو ڈنر پر جائیں گی مگر اس کے پاس اسپائی ریکارڈر آن رہے گا تاکہ ہم وہاں ہونے والی گفتگو سن سکیں۔ تم اور میں ایک کار میں وہیں قریب رہیں گے اگر ذرا بھی خطرہ محسوس ہو گا تو ہم اندر داخل ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" آصف اور مریم ایک ساتھ بولے۔

☆☆☆

مریم کو یقین تھا کہ دفتر کی طرح شوکت اللہ کا گھر بھی شاندار ہو گا مگر اس کا محل دیکھ کر اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ یوں تو اس علاقے کا ہر گھر بڑا اور خوب صورت ہی تھا مگر شوکت اللہ کا گھر اسٹیٹ آف دی آرٹ تھا۔ دروازہ یونیفارم میں ملبوس ملازم نے کھولا۔ اس نے اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا مگر مریم کے لیے وہاں بہت کچھ موجود تھا۔

شوکت اللہ جب کمرے میں داخل ہوا تب وہ میز پر رکھے جاپانی منی ایچر کلیکشن کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا یہ آپ کو پسند آیا...؟" وہ اس کی آواز پر چونکی۔

"بہت زبردست... آپ کے اس کمرے میں آ کر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں ایلس ہوں اور ونڈر لینڈ کے بہترین حصے میں پہنچ گئی ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ آپ کو یہ سب اچھا لگا، اگر آپ پسند کریں تو میں ڈنر سے پہلے آپ کو اپنا کلیکشن دکھانے لے چلوں؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور۔" وہ کھڑی ہو گئی۔ شوکت اللہ نے اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھنے کو جگہ دی مگر چہ۔ یہ مہمان نوازی کا انداز تھا مگر مریم کو اس کے ہاتھ کے لمس سے عجیب سی الجھن کا احساس ہوا۔ شوکت اللہ نے اسے پورا گھر دکھایا۔ اس کے بعد وہ لائبریری میں داخل ہوئے۔

''آپ بیٹھیے۔'' وہ اس کے لیے کرسی نکالتے ہوئے بولا۔ ''کیسا لگا آپ کو میرا گھر؟''

''گریٹ! آپ نے اسے انتہائی اعلیٰ میوزیم کی طرح سجا رکھا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ شاید ہمارے ملک کے کئی میوزیمز میں بھی اتنی قیمتی اور نادر چیزیں نہیں ہوں گی۔'' وہ سچائی سے بولی۔

''شکریہ اب میں آپ کو کچھ خاص الخاص چیزیں دکھا رہا ہوں۔'' اس نے دراز سے یاقوت اور سفائر جڑا بروچ نکالا۔ ''یہ دیکھیے اس کی خوب صورتی، مہارت اور کاری گری...'' وہ اسے ہتھیلی پر رکھ کر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔

''یہ وکٹورین عہد کا کام ہے۔''

''آپ کی اسی مہارت نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ یہ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری کی ملکیت تھی۔ میں سوچتا ہوں کہ شاید یہ اسے اپنی گرفتاری کے وقت بھی پہنے ہوئے ہو۔'' مریم بروچ پر دلچسپی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

''تاریخ کا سحر کبھی ختم نہیں ہوتا۔''

''اور یہ...'' اب شوکت اللہ کے ہاتھ میں انگل شدہ انگوٹھی تھی۔

''یہ ایک اور بدنصیب ملکہ کی ملکیت تھی۔ نپولین کا یہ ملکہ جوزیفائن کے لیے آخری تحفہ تھا۔''

''آپ کے کلیکشن میں اداس کہانیاں زیادہ ہیں۔''

''غم چیزوں کو زیادہ پراثر اور یادگار بنا تا ہے، چلیے اب ڈنر کرتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ذوق بہترین ہے اور میں نے کسی ایک شخص کے پاس اتنا زبردست اور قیمتی کلیکشن نہیں دیکھا۔'' شوکت اللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جگمگا رہی تھی۔

کھانے کی میز بہت پرشکوہ تھی، شوکت اللہ ہر چیز اسے خود پیش کر رہا تھا۔

''مجھے اپنی دکان کے بارے میں بتائیے یقیناً چیزیں خریدنا اور بیچنا آپ کے لیے پرلطف ثابت ہوتا ہوگا، میرا اندازہ ہے مریم! کہ آپ بہت بہادر ہیں۔'' اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ مریم کے پیٹ میں تتلیاں اڑنے لگیں مگر وہ بظاہر بے پروائی سے بولی۔

''اگرچہ یہ ماننا اچھا نہیں لگ رہا ہے مگر سچ یہ ہے کہ میں بہت جلدی ڈر جاتی ہوں۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے آخر آپ یہاں آئیں، مجھ سے ملیں، یہ کم جرأت کا کام تو نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ فرحان خان میرے حکم پر یہ سب کر رہا ہو۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔ اس بار مریم کا خوف حقیقی تھا، اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ شوکت اللہ اس کی جانب دیکھ کر ہنس پڑا۔ ''میں نے آپ کو ڈرا دیا... معافی چاہتا ہوں، میں صرف آپ کی تعریف کر رہا تھا۔'' اس کی تیز متلاشی نظریں مریم پر جمی ہوئی تھیں۔ مریم یہاں سے فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی۔

کھانے سے فراغت کے بعد وہ کھڑی ہو گئی۔

''بہت اچھا وقت گزرا، میں آپ کی شکر گزار ہوں۔''

''یو ویلکم... آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ فرحان اب آپ کو پریشان نہیں کر سکے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔'' شوکت اللہ مسکرایا۔ ''اور مریم! ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔''

☆☆☆

قمبر اور آصف اس کے ساتھ ہی گھر پہنچے تھے۔ اپارٹمنٹ میں حسن ان سب کا منتظر تھا۔

''کیسا رہا...؟''

''زبردست...'' وہ مسکرائی۔ ''سب کچھ بہترین رہا بقول تمہارے نمبر سے بھی اوپر...''

''ویسے تم نے بہت اعتماد سے بات کی۔'' آصف مسکرایا۔

''یعنی اب میں جاسوس بن سکتی ہوں۔'' وہ شوخی سے بولی۔

''بس بھائی... اس ایک دن کی جاسوسی کے بعد آپ ریٹائر ہو رہی ہیں۔'' قمبر بولا۔

''لوگ جلتے ہیں یہاں۔'' وہ آصف کو دیکھ کر مصنوعی افسوس سے بولی۔

''دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ کیا کرتا ہے۔'' قمبر بولا۔

اسی وقت آصف کا فون بجا، وہ چند لمحے فون پر بات کرتا رہا تھا۔ اس کے سنجیدہ تاثرات نے سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے کال بند کر کے قمبر کی جانب دیکھا۔

''گلی پہاڑی کے علاقے سے تین روز قبل ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔ شکر پڑیاں اور دوسرے ٹیسٹ کے بعد وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لاش شناخت ہوگئی ہے۔ اب ہم فرحان خان کی تلاش بند کر سکتے ہیں وہ مر چکا ہے۔"

مریم اس دوران میں بالکل خاموش رہی۔ اس کے کانوں میں شوکت اللہ کی آواز گونج رہی تھی۔ "اب وہ تمہیں بھی پریشان نہیں کر سکے گا..." واقعی وہ نہیں کر سکتا تھا مگر... سوال یہ تھا کہ کیا اسے یہ معلوم تھا...؟

☆☆☆

قیصر دوپہر سے پہلے ہی واپس آ گیا تھا۔ مریم اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا معلوم ہوا؟ کیا وہ فرحان خان ہی ہے؟"

"ہاں... وہ وہی ہے، تصاویر میں اس کا چہرہ بھی پہچانا جا رہا ہے۔ اس کے جسم پر کوئی شناختی چیز موجود نہیں تھی مگر یہ چوری چکاری کا معاملہ بالکل نہیں تھا کیونکہ اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ کچھ خاص معلوم نہیں ہو سکا۔ اسے تین دن قبل قتل کیا گیا ہے موت کی وجہ سینے میں لگنے والی گولی بنی ہے۔ چہرے اور کندھے کے زخم تو میری اور اس کی لڑائی کے دوران لگے تھے۔"

"یعنی مرتے وقت اس نے کوئی جدوجہد نہیں کی؟"

"ہاں، کمال یہ ہے کہ اس نے مرنے سے ذرا پہلے نہایت ہی بہترین کھانا کھایا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے معدے سے چھوٹے چمک دار سفید پتھر اور پھولوں کے نیلے رنگ کے مخصوص بیج بھی برآمد ہوئے ہیں جو شاید مرنے سے پہلے زمین پر گرنے کی وجہ سے اس کے منہ میں چلے گئے ہوں گے۔"

"سفید پتھر..." مریم کچھ سوچنے کے انداز میں بولی۔ یک دم اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "قیصر! میں نے ایسے پتھر شوکت اللہ کے باغ کی روش پر دیکھے تھے... ہاں وہاں ایسے پتھر موجود تھے۔" وہ اچھل ہی پڑی۔

"او کے مریم، تمہارا مشاہدہ بہت اچھا ہے مگر اب تم پرسکون ہو جاؤ... ہمیں اس معاملے کی چھان بین کرنا ہوگی۔" اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

ان سے کافی دور ایک بلند عمارت کی دسویں منزل پر بنے شوکت اللہ اینڈ کو کے دفتر میں بیٹھا صفدر عباس بھی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی پر تقریباً اچھل پڑا۔

"ہیلو... سر..." یہ انٹرنل ایکسٹینشن تھا۔

"صفدر اندر آؤ۔" شوکت اللہ نے سرد لہجے میں کہا اور لائن بے جان ہو گئی۔

"تمہیں میرے ساتھ کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟" اس کے اندر آنے پر شوکت اللہ نے اسی انداز میں پوچھا۔

"آٹھ سال سر۔" اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

"آٹھ سال۔" شوکت اللہ نے اپنی انگلیاں چٹخاتے ہوئے سر ہلایا۔ "میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا، صفدر ان آٹھ برسوں میں تم نے ہمیشہ بہترین کام کیا ہے۔"

"شکریہ سر... میری کوشش یہی رہی ہے کہ میں بہترین کام کروں۔"

"مجھے یقین ہے تب ہی تو میں آج اتنا مایوس ہوا ہوں۔ کیا تم نے آج کا اخبار پڑھا؟"

"نہیں سر... میں نہیں پڑھ پایا۔"

"اخبار پڑھنا ضروری ہوتا ہے صفدر! خیر یہ دیکھو۔" اس نے اس کے سامنے اخبار پٹختے ہوئے کہا۔ صفدر نے کانپتے ہاتھوں سے اخبار اٹھایا۔ ایک چھوٹی سی خبر کے گرد سرخ دائرہ بنا ہوا تھا جس میں سرخی چمک رہی تھی "لاش برآمد۔"

"میں تم سے بہتر کام کی توقع کرتا ہوں۔ اب یقیناً وہ لاش شناخت کر لی جائے گی اور مجھے بے تکے سوالات کے جواب دینے پڑیں گے۔ میں تو خیر ان سے نمٹ ہی لوں گا مگر یہ ساری مشکل تمہاری نالائقی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔"

"سر... میں بہت شرمندہ ہوں، بہت شرمندہ..."

"خیر، جو ہوا سو ہوا مگر مجھے امید ہے کہ مریم والے معاملے میں تم بہتر نتائج دے سکو گے اور وہ پینٹنگ جلد میرے ہاتھوں میں ہوگی۔"

"یقیناً سر۔" صفدر اس کی اجازت پا کر لرزتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

شوکت اللہ اسے باہر جاتا دیکھتا رہا۔ 'اسے صفدر پر نظر رکھنی ہوگی۔' اس نے افسوس سے سوچا۔ 'گہری نظر اگر فرحان کے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے تو پھر اسے اپنے فرمانبردار صفدر کی قربانی دینی ہی پڑے گی... افسوسناک مگر مجبوری...' اس نے کندھے جھٹکے اور کھڑکی سے باہر کا نظارہ کرنے لگا۔

☆☆☆

مریم آج دکان سے قاعدے کے گھر آ گئی تھی۔ آج ایلیا نے اسے خصوصی طور پر اپنی کوکنگ پارٹی میں بلایا تھا۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کی تین سہیلیوں کے ساتھ مریم بھی پاستا تیار کروانے اور ہنسنے ہنسانے میں ساری الجھنوں کو بھول گئی۔ شام ہوتے ہی سب بچیاں اپنے گھر چلی گئی تھیں صرف آصف کی بیٹی رہ گئی تھی۔

"شائستہ اسے اسپتال سے واپسی میں پک کرے گی۔" فاطمہ نے بتایا۔ "بہت اچھی عورت ہے۔"

"آصف بھی بہت اچھا ہے۔" مریم نے کہا۔ "آج اچھا ہے ان کی بیگم سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

مریم واقعی اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ مریم سے اس طرح ملی تھی جیسے اسے برسوں سے جانتی ہو۔

"آصف سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے، مجھے تو لگتا ہے کہ میں تمہیں بہت عرصے سے جانتی ہوں، یہ جو مسائل ہیں یہ انشاء اللہ جلد حل ہو جائیں گے تم فکر مت کرنا... ویسے قمبر بھائی نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے... ہے نا؟"

"کون سا فیصلہ؟"

"قمبر بھائی کا واپس آنے کا فیصلہ... شکر ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر واپس آ رہے ہیں۔ آصف تو اتنا خوش ہے کہ پوچھو مت۔ اصل میں ڈیپارٹمنٹ کو قمبر بھائی کی اور قمبر بھائی کو ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ اب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مریم کے تاثرات دیکھ کر یک دم خاموش ہو گئی۔ "شاید میں زیادہ ہی بول رہی ہوں، آصف ٹھیک کہتا ہے کہ میں بھی باتوں کی ٹرین چلا دیتی ہوں، اصل میں جب آصف نے مجھے بتایا تو میں نے سمجھ لیا کہ تمہیں بھی معلوم ہوگا۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"نہیں، قمبر نے ذکر نہیں کیا۔" مریم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کب سے معلوم ہے؟"

"کل سے، میرے خیال سے وہ تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہا ہوگا اور میں نے یہ غلطی کر دی..."

"نہیں نہیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے بہرحال یہ سن کر قمبر کے لیے خوشی ہوئی..."

مریم اس کے تھوڑی دیر بعد ہی وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

قمبر کافی سے زیادہ پریشان تھا... رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ اور حسن ہال وے میں کھڑے تھے۔ اب تک مریم گھر نہیں پہنچی تھی۔ اس کا فون ریسیو نہیں ہو رہا تھا۔

"میں فاطمہ باجی کے گھر سے ہو کر آتا ہوں۔" حسن بہت پریشان تھا۔ "شاید انہیں معلوم ہو کہ وہ وہاں سے کہاں گئی ہیں۔ وہ سو چکی ہوں گی اور فون پر بہت پریشان ہو جائیں گی۔"

اس کے جانے کے بعد قمبر چند لمحے سوچتا رہا اور اس نے آصف سے بات کر کے مریم کی تلاش کا فیصلہ کیا۔ اس نے فون نکالا ہی تھا کہ اسے اوپری دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تو وہ دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ کیا وقت ہو رہا ہے؟"

"ہاں۔" وہ اندر آتے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھ پر کرفیو لگا ہوا ہے۔"

"ایک منٹ... اس وقت ذاتی باتوں پر مت جاؤ، تمہیں معلوم ہے کہ تم ٹارگٹ پر ہو، ایسے میں بغیر کچھ بتائے اتنی دیر تک غائب رہنا خیر ذہنے داری کی علامت ہے؟"

"میں اپنے کاموں کی خود ذمے دار ہوں اور تم دیکھ سکتے ہو کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم تھیں کہاں؟"

"میں اپنی مرضی سے تھی جہاں بھی تھی... تنہا، لانگ ڈرائیو پر گئی تھی۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہیں ذرا بھی خیال نہیں کہ ہم سب کتنے پریشان تھے۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دینے والا تھا۔ حسن، فاطمہ کے گھر تمہارے بارے میں پوچھنے گیا ہے۔"

"اسے کیوں پریشان کیا..." وہ الجھ کر بولی اور فون ملا کر حسن کو اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگی۔ قمبر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر بولی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں... ویسے میں تمہاری واپسی کی خبر سے خوش ہوں۔"

"ابھی وہ فائنل نہیں ہوا ہے۔" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"جیسے بھی ہوا ہو مسئلہ وہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تم نے نہیں بتایا۔" وہ روانی میں بول گئی۔

"تو تم ناراض ہو؟" اس نے اپنی حماقت پر خود کو دل ہی دل میں کوستے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں ناراض نہیں ہوں، میں مایوس ہوں۔ مایوس اور افسردہ، یہ تمہاری زندگی کا بڑا فیصلہ تھا اور تم نے مجھے شریک کرنا تو ایک طرف بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔"

"یہ ایسے نہیں تھا مریم پلیز..."

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"یہ ایسے ہی ہے تمہارے لیے میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"تم جانتی ہو یہ جھوٹ ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" الفاظ منہ سے نکلتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"میرا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"تمہارا وہی مطلب ہے قمبر... تم اپنے فیصلے خود کرتے ہو۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم نے میری چاہت کو نہ اپنانے کا فیصلہ کیا اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں مگر تم نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔ تم پہلے شخص ہو جس نے میرا دل توڑا ہے۔"

"پلیز مریم خدا کے لیے میری بات سمجھو۔"

"میں سمجھ رہی ہوں برسوں کے بعد تم اس کیس کو حل کر ہی لو گے اس کے بعد تمہیں میری ضرورت نہیں رہے گی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ "اب جب سب کچھ سامنے آ گیا ہے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سب کے بعد میں کچھ دنوں کے لیے دکان بند کر کے کہیں چلی جاؤں گی۔ اس دوران کوئی دوسری جگہ تلاش کر لینا تا کہ میں واپس آؤں تو ہمارا سامنا نہ ہو۔"

"تم ہوش میں نہیں ہو۔"

"میں بھی چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" اب بات اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی۔ "جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا تم فکر نہ کرو۔ اس کیس کے ختم ہوتے ہی تمہیں میری شکل نظر نہیں آئے گی اور اس کے لیے تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ یہ کہہ کر اس کے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا۔ اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ ایک اور دھماکے نے اس کی زندگی کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

☆☆☆

"تم دونوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے آج..." آصف نے قمبر کے وین میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"آواز ٹھیک آ رہی ہے؟" قمبر نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

"صاف اور واضح۔" آصف بولا۔ انہوں نے مریم کی دکان میں ساؤنڈ سسٹم اور ریکارڈر لگا دیا تھا اب انہیں صفدر عباسی یا فیصل شکیل کی آمد کا انتظار تھا۔ "اتنی صاف اور واضح کہ تم دونوں کو اجنبیوں کی طرح بات کرتے سنا جا سکتا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں اس وقت اسے پروفیسر پر بھیجر کے بجائے کسی اچھے جملے کی ضرورت نہیں تھی؟"

"تھوڑا پیچھے لو..." قمبر نے وین کو اس انداز میں کھڑا کروایا تھا جہاں سے وہ دکان کے دروازے پر نظر رکھ سکے۔

"نہیں، یونٹ ون کالنگ۔" وین میں موجود وائرلیس پر آواز آئی۔ "مطلوبہ جیسے کا آدمی ٹیکسی سے دو بلاک دور اترا ہے اور اب وہ اس طرف آ رہا ہے۔"

"شو ٹائم۔" آصف مسکرایا۔ قمبر نے اس سے پہلے مریم کا فون ملا دیا۔

"مریم وہ پہنچنے والا ہے۔ ہم سامنے ہیں۔"

"اوکے، یہاں سب تیار ہیں۔"

"خیال رکھنا مریم..."

"فکر مت کرو۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ انہوں نے صفدر عباسی کو چند لمحوں بعد دکان میں داخل ہوتے دیکھا۔

"میں فیصل شکیل ہوں۔ مجھے مریم صاحبہ سے ملنا ہے۔"

"میں مریم ہوں۔" وہ مسکرائی۔ "میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" اس نے آگے بڑھ کر شیشے کے دروازے پر لگی اوپن کی تختی الٹ دی تھی۔ "آپ کیا لیں گے؟"

"چائے بہتر رہے گی۔" وہ مسکرایا۔ "آپ کی دکان بہت شاندار ہے۔"

"شکریہ۔ مجھے اپنے اردگرد خوب صورت چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ تو آپ کو تجریدی آرٹ میں دلچسپی ہے؟"

"بالکل... اور میں نئے اور ابھرتے ہوئے آرٹسٹوں کا کام جمع کرتا ہوں جیسے یہ بلینگی... کیا میں وہ پینٹنگ دیکھ سکتا ہوں؟"

"بالکل..." وہ مسکرائی۔ قمبر نے اس پینٹنگ کی نقل تیار کروا کر اس کی دکان پر رکھوا دی تھی۔ مریم اندر سے پینٹنگ لے آئی۔ صفدر نے اسے دیکھ کر گہری سانس لی تھی۔ پینٹنگ موجود تھی، یہ احساس اس کے لیے کسی جان بچانے والی دوا سے زیادہ خوش کن تھا۔

"اوہ مجھے یہی درکار تھی۔ بہت خوب صورت... مس مریم! آپ نے اس کی کیا قیمت رکھی ہے؟"

"میں اسے پانچ کروڑ روپے میں بیچنا چاہوں گی۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں؟"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"نہیں... میں مذاق نہیں کر رہی... آپ اتنا حیرت زدہ کیوں ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کو صاف صاف بات کر لینی چاہیے۔" وہ بولی۔ "یہ طے ہے کہ آپ آرٹ پینٹنگ یا تجریدی آرٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بلیکی نام کا کوئی مصور نہیں ہے۔"

"یعنی... تم... تم... سب کچھ جانتی ہو؟"

"ظاہر ہے، میں نے اسے خریدا تھا۔"

"مگر وہ ایک غلطی تھی... تو تم... سب جانتی ہو، مونث کے بارے میں، تم فرحان کے ساتھ ملی ہوئی تھیں..." وہ غصے سے پاگل سا ہو رہا تھا۔ "میں خوامخواہ افسوس کر رہا تھا کہ وہ اس طرح مارا گیا۔"

"تو تم نے اسے مارا تھا؟" وہ سرگوشیانہ انداز میں بولی۔ "اس تصویر کے لیے...؟"

مگر صفدر کچھ نہیں سن رہا تھا۔ "اب مجھے سارا کچرا صاف کرنا ہوگا... ٹھیک ہے تم قیمت مناسب کرو ہم دے دیں گے ورنہ دوسرا راستہ بھی موجود ہے۔"

وہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ مریم بھی اس کے ساتھ ہی اٹھی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ جیب سے ریوالور نکال پاتا، دو پولیس والے دکان میں گھس آئے تھے۔

"رک جاؤ۔" صفدر عباسی نے ایک لمحے کے لیے اپنی جانب اٹھی بندوقوں کی طرف دیکھا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

مریم پولیس والوں کو صفدر عباسی کو ساتھ لے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر خود اس کے پیر بھی کانپنے لگے تھے۔

قمبر اور آصف ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

"تم ٹھیک ہو؟" قمبر نے اس سے پوچھا۔

"ہاں..." اس نے اطمینان کی سانس لی۔ "اب آخر یہ مسئلہ حل ہوا۔"

"اس کا فیصلہ صفدر سے تحقیقات کے بعد ہو سکے گا۔ ابھی ہمیں محتاط رہنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تو یوں بھی اب جا کر سونے ہی والی ہوں۔" وہ مسکرائی۔

"تم کیس ختم ہونے کے خیال سے بہت خوش ہو؟" قمبر نے عجیب انداز میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف، مایوسی اور پتا نہیں کیا کیا تھا۔ مریم جواب میں کچھ نہیں کہہ پائی۔

☆☆☆

وہ ان سب کے جانے کے بعد دکان کو نفیسہ کے حوالے کر کے اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں آ گئی۔ نہ جانے کتنی دیر وہ سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف گئی۔ چائے کا کپ تیار کر کے باہر نکلی ہی تھی کہ سامنے آرام کرسی پر شوکت اللہ کو نیم دراز دیکھ کر وہیں ساکت ہو گئی۔

"تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے مریم..." وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"تم اندر کیسے آئے؟" دونوں ہی آپ سے تم پر آ گئے تھے۔

"آج سارا دن ہی عجیب گزرا ہے... ہے نا؟" وہ مسکرایا۔ "اصل میں مجھے پہلے ہی سے شک تھا کہ صفدر اس معاملے کو ٹھیک طور پر حل نہیں کر پائے گا۔"

"تو تم نے فرحان خان کو بھیجا تھا؟"

"یہ ایک لمبی اور تکلیف دہ کہانی ہے مگر مجھے تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔" وہ آرام سے بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے دنیا کے مختلف ممالک میں پھیلے اپنے نیٹ ورک کے بارے میں بتایا، کس طرح وہ منتخب چیزوں کو حاصل کرتے ہیں، کس طرح انہیں اسمگل کر کے ان کے گاہکوں تک پہنچایا جاتا ہے جب وہ فرحان خان کے ذکر پر آیا تو اس نے گہری سانس لی۔

"تم ایک بہت اچھی اداکارہ ہو، جب تم میرے دفتر آئیں میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ تم اور فرحان ملے ہوئے ہو۔"

"کیا؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ "تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں اس کے ساتھ ہوں جو میں نے تمہارے آفس میں کہا تھا وہ سچ ہے، وہ یہاں گھسا تھا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا، میری دکان میں گولیاں چلائی تھیں۔"

"مجھے لگتا ہے کہ تم نے اسے بھی دھوکا دیا تھا اور اس کے مقابلے میں کسی اور کو شامل کر لیا تھا تبھی وہ میرے پاس آیا تھا اور جب وہ واپس نہیں آیا تو تم خود میرے پاس آ گئیں۔ میں نے تم پر تقریباً یقین کر لیا تھا مگر میرے دل میں شک تھا کہ تم پولیس کے ساتھ مل کر کوئی جال بن رہی ہو اور افسوس... وہ سچ ثابت ہوا۔"

"وہ صفدر عباسی کو لے گئے ہیں اور اب تک وہ انہیں تمہارے بارے میں بتا چکا ہوگا۔" خوف اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا مگر وہ ہمت سے بولی۔

شوکت اللہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کندھے اچکا کر بولا۔

"ہو سکتا ہے مگر اتنی جلدی وہ زبان نہیں کھولے گا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

شاید اب تک وہ کسی جان لیوا حادثے کا شکار ہو چکا ہو، میں اس کا بندوبست کر چکا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ پولیس نے میری اصل پینٹنگ کہاں رکھی ہے؟''

''یہ مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟'' وہ واقعی حیران رہ گئی۔

''جھوٹ مت بولو پلیز... میں چاہتا نہیں تھا مگر شاید فوری نتائج کے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے۔'' اس نے جیب سے ایک منقش ریوالور نکالا۔

''مریم! میری پینٹنگ کہاں ہے؟''

''مجھے... مجھے واقعی نہیں معلوم۔''

بازو میں یکلخت گھس جانے والے شعلے نے مریم کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ دیوار کے پاس جا کر گری تھی۔ اسے تکلیف کی شدت کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اسے گولی ماردی ہے۔

''تم چند لمحے سوچ لو اتنی دیر میں تمہاری چیزیں دیکھتا ہوں۔''

وہ اسے خون میں نہاتا چھوڑ کر آرام سے وہاں موجود اینٹیکس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''ہاں کچھ یاد آیا؟'' وہ پانچ منٹ بعد پھر اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔ ''پینٹنگ کے بارے میں؟'' اس کے بازو سے خون اب تک بہہ رہا تھا۔ اس کے دانت بج رہے تھے۔ اسے شدید سردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بولنا چاہ رہی تھی مگر الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''پولیس... پولیس اسے لے گئی۔'' وہ بمشکل بولی۔ سر اس کے گرد گھوم رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تمہیں سچ بولنے کے لیے کوئی اور وجہ بھی چاہیے۔'' اس نے اپنی بیلٹ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''مریم وہ پینٹنگ کہاں ہے؟''

مریم سن ہوتے دماغ کے ساتھ اس کے ہاتھ میں لٹکتی بیلٹ اور برابر میں رکھے پستول کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''تو ہم اب مریم کی طرف جا رہے ہیں؟'' آصف گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''اس کے لیے کئی خوش خبریاں ہیں۔ اصل مجرم کے خلاف ثبوت اور بیان دونوں مل گئے ہیں کل بڑا مگرمچھ بھی پکڑا جائے گا۔ اسے حکومت کی طرف سے خاص انعام ملے گا اور ایک بڑی ٹرافی اسے قمبر علی صاحب کی شکل میں ملنے والی ہے۔''

''وہ مجھ سے ناراض ہے۔''

''میں جانتا ہوں، دیکھ رہا ہوں تم دونوں کو... مگر اس سے کیا یار... پیار وہ کرتی ہے تم سے، پھر منانے میں کتنی دیر لگتی ہے۔'' وہ ہنسا۔

''اتنا آسان نہیں ہے...''

''مشکل بھی نہیں ہے، میں ہوں نا۔''

وہ دونوں اب سیڑھیاں چڑھ رہے تھے جب انہیں ہلکی ہلکی چیخوں کی آواز سنائی دی۔ لمحے بھر میں گن ان کے ہاتھوں میں تھی اور وہ آہستگی سے اوپر پہنچ گئے تھے۔

مریم کے دروازے کے پاس پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور ایک ساتھ دروازے پر لات ماری، دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا۔ ان کے سامنے شوکت اللہ کھڑا تھا اس کے ایک ہاتھ میں بیلٹ تھا اور دوسرے میں پستول۔ زمین پر مریم بے ہوش پڑی تھی اور اس کے اردگرد خون ہی خون تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا، دو پولیس گن ایک ساتھ گرجیں، 9 ایم ایم کے دو بلٹس شوکت اللہ کے سینے میں جا گھسے تھے۔

''مریم... مریم...'' قمبر تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا مگر اردگرد پھیلا خون اور اس کا سفید چہرہ اسے دہشت زدہ کر رہا تھا۔

''یہ لو...'' آصف نے ایک تولیا اس کی جانب بڑھایا۔ ''ایمبولینس راستے میں ہے۔ یہاں اندر حسن بھی بے ہوش پڑا ہے، پتا نہیں یہ کب سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔''

وہ اس کے ساتھ ایمبولینس میں اسپتال پہنچا۔ حسن کو گھر میں ہی ہوش آ گیا تھا۔

وہ پوری رات ان سب کے لیے بہت بڑا امتحان ثابت ہوئی تھی۔ قمبر زندگی میں پہلی بار آنسوؤں سے رویا تھا۔ اس نے اللہ کے حضور بہت شدت کے ساتھ صرف ایک دعا مانگی تھی، وہ مریم کو کھونا نہیں چاہتا تھا اور صبح اذان کے ساتھ ہی مریم کو ہوش آ گیا۔ ڈاکٹرز کی اجازت پا کر وہ سب سے پہلے اندر گیا تھا۔ مریم اسے دیکھ کر پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''تو تم نے مجھے پھر بچا لیا...''

''ہاں اپنے لیے۔'' وہ بھی مسکرایا۔

''سوچنا پڑے گا۔''

''جی بھر کر سوچو... بلکہ ہم مل کر سوچیں گے، میرے اسی کمرے میں جہاں پہلے میں کبھی خوش نہیں رہا۔''

جواب میں مریم کی مسکراہٹ نے گویا اسے دوسری زندگی دے دی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

دوستانہ چہرے

سلیم انور

ہر چہرے کے پیچھے کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ہوتی ہے... جو بڑی خوفناک ہوتی ہے... ایک ایسے شخص کی الجھن... جو مسلسل اپنے اردگرد ایسے چہروں کو دیکھتا تھا... جنہیں وہ جانتا نہیں تھا... مگر وہ انہیں دوستانہ چہروں سے منسوب کرتا تھا...

بے وفائی اور دغابازی کے خمیر سے گندھی مختصر کتھا.....

"وہ دوستانہ چہرے ہیں۔" میں نے وضاحت کی۔ مارگریٹ اور میری شادی کو سولہ برس ہو چکے تھے اور مجھے اس سے بات کر کے سکون محسوس ہوتا تھا، موضوع سے قطع نظر۔

"جون! اگر میں ایک سائیکولوجسٹ نہ ہوتی تب بھی خیالی چہروں کا دکھائی دینا صحت مندی کی نشانی نہیں ہے... چاہے وہ دوستانہ ہوں یا کوئی اور..." مارگریٹ اپنی کرسی سے اٹھ کر ایک مرتبہ پھر کمرے میں ٹہلنے لگی پھر میرے پاس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

''مجھے حیرانی نہیں ہوئی۔ تم جتنے طویل گھنٹوں تک کام کرتے ہو اور پھر تمہارا ایذا رساں باس جو پریشر نہ صرف تم پر بلکہ جتنے سیلز اسٹاف پر ڈالتا ہے... تو اگر تمہارے ساتھیوں کو بھی چیزیں دکھائی دینے لگیں تو مجھے کوئی شاک نہیں پہنچے گا؟'' مارگریٹ نے فکرمندی سے کہا۔

''حد سے زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت ان کی موجودگی سے مجھے خاصا اطمینان رہتا ہے۔ بس میں یہ اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' میں نے وضاحت کی۔

''تمہیں مدد کی ضرورت ہے جون' تمہیں واقعی مدد چاہیے۔ میں تمہارے لیے ڈاکٹر فیلوز سے اپائنٹ منٹ لے لیتی ہوں۔ میں ہر روز اس کے ساتھ کام کرتی ہوں۔ وہ بہت قابل سائیکاٹرسٹ ہے۔''

''میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔'' میں نے جرح کی۔

مارگریٹ پلٹ کر مجھ سے چمٹ گئی۔ ''پلیز، میری خاطر۔''

میں نے ہچکچاتے ہوئے اس کی بات مان لی۔

صبح میں مارگریٹ کے ہمراہ اسپتال روانہ ہو گیا۔ گاڑی وہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ مجھے رات بھر ٹھیک نیند نہیں آئی تھی۔ وہ دوستانہ چہرے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش میں مضطرب تھے۔ کاش میں ان کی بات سمجھ سکتا تو خود کو زیادہ مطمئن محسوس کرتا۔

''ڈاکٹر فیلوز۔'' مارگریٹ نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے شوہر ہیں، جون۔''

''جون۔'' ڈاکٹر فیلوز نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

مجھے وہ شخص پسند نہیں آیا۔ اس کے ہاتھ ملانے میں نہ وہ گرم جوشی تھی اور نہ ہی دوستانہ پن۔

''مارگریٹ نے مجھے تمہاری پرابلم کے بارے میں بتایا ہے۔ جہاں تک مدد کر سکتا ہوں، وہ کروں گا۔''

''پرابلم؟'' میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر فیلوز نے یا تو میری بات نہیں سنی یا پھر جان بوجھ کر مجھے نظرانداز کر دیا۔ ''اگر تم میرے ساتھ آؤ تو ہم تمہارا چیک اپ کر لیتے ہیں۔''

میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک بہت لمبا سا ہال تھا جس کے آخر میں ڈبل دروازے دکھائی دے رہے تھے۔ میں ابھی ان دروازوں سے گزر کر اگلے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ میرے عقب میں وہ دونوں دروازے ایک جھٹکے سے بند ہو گئے۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے بلند آواز سے کہا۔

میں نے پلٹ کر ان دروازوں کو کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ مجھ سے کھل نہیں سکے۔ ''تم لوگوں نے مجھے یہاں اندر بند کیوں کر دیا ہے؟''

میں نے اپنی رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا لیکن کسی نے میری ایک نہیں سنی۔

مجھے اپنے عقب میں وہ لوگ دکھائی دیے۔ سفید کوٹ میں ملبوس ان آدمیوں نے مجھ پر چڑھائی کر دی۔ جلد ہی میں پشت کے بل لیٹا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ پیر مارنا شروع کر دیے۔ میں جتنی کوشش کر رہا تھا، ان لوگوں کی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

''تم میرے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟'' میں چیخنے لگا۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟ میری بیوی کہاں ہے؟ مارگریٹ کہاں ہے؟''

انھوں نے میرے بازوؤں کو مضبوطی سے میرے سینے سے جکڑ رکھا تھا۔ میری ٹانگیں بھی حرکت نہیں کر سکتی تھیں۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا تو مجھے وہ دوستانہ چہرے دکھائی دیے لیکن وہ کوئی مدد کرنے سے قاصر تھے۔ وہ سب غیر یقینی نگاہوں سے جو کچھ ہو رہا تھا، اسے دیکھ رہے تھے۔

اب دیگر لوگوں نے مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا لیکن کیا ان لوگوں کو یہ نظر نہیں آ رہا تھا؟ کیا ان میں ہمدردی بالکل بھی نہیں تھی؟

میں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس دوران میں میرے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ پھر مجھ پر چاقو کا وار کیا گیا۔ ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ۔ میرا جسم اب یوں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ میرے وجود سے منسلک نہیں ہے۔ وہ اب ان سفید کوٹ والوں کی ملکیت ہے۔

مجھ پر ایک بار پھر چاقو سے وار کیا گیا اور پھر میرا ذہن اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

اپنے ہوش و حواس کے آخری لمحات میں، میں نے ان دوستانہ چہروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھے۔ مجھے یہ جان کر اطمینان اور خوشی محسوس ہوئی کہ وہ کم از کم فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ دوسرے آپ کے بارے میں رائے اس بات سے قائم کرتے ہیں کہ آپ کن لوگوں میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ میں اس بات پر اعتبار کرتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ میں جس کمرے میں ہوں، وہ مشترک طور پر استعمال کرنے کا کمرا ہے۔ اس کمرے میں لوگوں کا جمگھٹا سا ہے۔ کچھ لوگ بے قابو انداز میں رو رہے ہیں جبکہ دیگر بظاہر بلاوجہ ہنس رہے ہیں۔

میں کمرے کی بہت سی کھڑکیوں میں سے ایک کی طرف بڑھ جاتا ہوں۔ میرے پیر تھک چکے ہیں اور ہر قدم بڑی مشکل سے اٹھا پا رہا ہوں۔ میں باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن یہ ناممکن دکھائی دے رہا ہے۔ ہر کھڑکی کے اندر اور باہر کی جانب بھاری آہنی رکاوٹیں لگی ہوئی ہیں۔

میں کھڑکی سے پلٹتے ہوئے سوچتا ہوں کہ مارگریٹ مجھ سے ملنے کے لیے کیوں نہیں آئی؟ تب مجھے ایک شناسا منظر دکھائی دیتا ہے۔

یہ دوستانہ چہرے ہیں۔ ان کی تعداد تو کم ہے لیکن ان کے وجود سے مجھے تسکین محسوس ہو رہی ہے۔ یہاں آنے کے بعد سے اب تک میں پہلی بار مسکرانے کے قابل ہوا ہوں۔

وقت گزر رہا ہے۔ میں نے اپنے اطراف کے ماحول کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب میں اپنا زیادہ تر وقت ٹی وی دیکھنے میں گزارتا ہوں۔ گو میں آپ کو یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ میں کیا دیکھتا ہوں۔ وہ دوستانہ چہرے مجھے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ میں خود کو بے حد تنہا محسوس کرتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ ان کے بغیر میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔

مارگریٹ کو مجھ سے ملنے کے لیے آنا چاہیے تھا لیکن وہ آج تک ملنے نہیں آئی۔ وہ سفید کوٹ والے مجھے نہیں بتاتے کہ وہ کیوں نہیں آئی۔

دو سال تین ماہ ستائیس دن چار گھنٹے اور سولہ منٹ۔

یہ وہ عرصہ ہے جس دوران میں، میں قیدی رہا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں اب شفایاب اور تندرست ہو گیا ہوں۔ لیکن مجھے کس بیماری سے شفا ملی تھی؟ اس بارے میں مجھے کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ بس یہ کہا گیا کہ ڈاکٹر فیلوز سے ملاقات کے بعد مجھے جانے کی اجازت مل جائے گی۔

''گڈ مارننگ جون۔'' ڈاکٹر فیلوز نے کہا جب میں اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ ''میں قیاس کر سکتا ہوں تمہیں بتا دیا گیا ہوگا کہ ہم آج تمہیں ڈسچارج کر رہے ہیں؟''

''مجھے بتا دیا گیا ہے۔ کیا مارگریٹ مجھے لینے کے لیے یہاں آئے گی؟'' میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

لڑکی: "I love you"

لڑکا: "I love you too"

لڑکی...... ''کتنا پیار کرتے ہو مجھ سے؟''

لڑکا: ''اتنا ہی جتنا تم مجھ سے کرتی ہو۔''

لڑکی: ''اس کا مطلب کہ تم بھی ٹائم پاس کر رہے ہو؟''

☆☆☆

بیوی نے شوہر کے گال پر مچھر بیٹھے دیکھا تو تھپڑ مار کر مچھر کو مار دیا۔

شوہر تھپڑ کھا کر غصے سے بولا۔ ''کیوں مارا؟''

بیوی۔ ''مجھے پسند نہیں کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی اور تمہارا خون پیے۔''

☆☆☆

''بیٹا دو بستر کیوں لگا رہے ہو؟''

بیٹا۔ ''ابا جی، گھر میں مہمان آ رہے ہیں، امی نے کہا ہے کہ میرے بھائی اور اپنے ماموں کے لیے بستر لگا دو۔''

سردار نے کہا۔ ''بیٹا! ایک اور لگا لے میرا سالا بھی تو آ رہا ہے۔''

☆☆☆

لڑکی۔ ''میری امی کو تم بہت پسند آئے ہو۔''

سردار (شرماتے ہوئے) ''کچھ بھی ہو ہم شادی تم سے ہی کرے گا۔ خالہ کو بولو ہم کو بھول جائے۔''

☆☆☆

شوہر بیوی سے۔ ''بیگم اب تم ہی اس گھر کو جنت بنا سکتی ہو؟''

بیوی خوش ہوتے ہوئے۔ ''وہ کیسے؟''

''شوہر ــــ'' چند دن میکے میں گزار کے۔''

محمد قدرت اللہ نیازی، بکلیم ٹاؤن، خانیوال

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ڈاکٹر فیلوز نے جواب دینے سے قبل اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ ”میں بتادوں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے جون۔ تمہاری بیوی نے ایک سال قبل تمہیں طلاق دے دی تھی اور اس نے دوسری شادی کرلی ہے۔“

میرا اندر سے دل چاہا کہ میں اس ڈاکٹر کے دفتر کو تہس نہس کردوں لیکن میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ملے گی' سو میں نے اپنی سی پوری کوشش کرڈالی کہ خود کو قابو میں رکھوں۔

”مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی گئی۔۔۔ ڈاکٹر فیلوز؟“

”اس وقت میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اس معاملے کو ہینڈل کرسکو گے لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ تمہارا ریسپانس اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کی میں توقع کررہا تھا۔“

پھر ڈاکٹر فیلوز نے مجھے ایک کاغذ تھمادیا جس پر تین پتے لکھے ہوئے تھے۔

”تمہیں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا جون۔ پہلا پتا شہر کے وسط میں واقع ایک شیلٹر ہوم کا ہے جہاں بے گھر لوگوں کو پناہ دی جاتی ہے۔ تم وہاں آج رات قیام کرسکتے ہو۔ دوسرا پتا سوشل سروسز والوں کا ہے، وہ ایک مناسب رہائش کی تلاش میں تمہاری معاونت کرسکتے ہیں۔ آخری پتا ایک فری کلینک کا ہے۔ وہاں تمہیں اپنے فالو اپ ٹریٹمنٹ اور دواؤں کے لیے ہفتے میں دو بار جانا ہوگا۔“

ڈاکٹر فیلوز نے مجھے ایک اور کاغذ تھمادیا اور کہا کہ مجھے اس کاغذ پر لازمی دستخط کرنا ہوں گے جو اس بات کی رسید ہوگی کہ مجھے تمام ہدایات دی جاچکی ہیں۔

”جون! تم یہ بات ذہن نشین کرلو کہ اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہیں کیا تو انتظامی امور کے بااختیار لوگ تمہیں اٹھالیں گے اور تمہیں واپس اسپتال پہنچادیں گے۔“

”میں سمجھ گیا ہوں، ڈاکٹر فیلوز۔“ میں نے جواب دیا پھر اس کاغذ پر دستخط کرکے ڈاکٹر کو واپس کردیا۔

ڈاکٹر فیلوز نے وہ کاغذ میری فائل کے اندر رکھ دیا اور مجھے گولیوں کی ایک شیشی تھمادی جو میرے کلینک رپورٹ کرنے کے وقت تک کے لیے کافی تھیں۔ پھر وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ اب ایک آخری رکاوٹ میرے سامنے تھی۔

ایک سفید کوٹ والے شخص نے دروازے کا تالا کھولا اور میں باہر دھوپ میں نکل آیا۔

اب میں آزاد تھا اور اپنی ذاتی زندگی کا کنٹرول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے ڈاکٹر فیلوز کی دی ہوئی دوا اس کوڑے دان میں پھینک دی جو مجھے سب سے پہلے دکھائی دیا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے مجھے یہ احساس ہونا شروع ہوگیا کہ میں اپنے پرانے روپ میں آگیا ہوں۔ نہ صرف وہ دوستانہ چہرے پلٹ آئے تھے بلکہ اب مجھ میں یہ سمجھنے کی صلاحیت بھی آگئی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ جن ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے تھے اور اس بات کی تصدیق کرتے تھے جس کا مجھے شبہ تھا۔۔۔ تو میں اپنے اندر کھولتی ہوئی غصے کی آگ کو بمشکل تمام قابو کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ کم از کم وقتی طور پر ہی سہی۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ گھر کے عقبی دروازے کی جو کنجی میں ٹول شیڈ کے نیچے چھپا کر رکھتا تھا، وہ اب بھی کام کررہی تھی۔

میں کچن کے راستے گھر میں داخل ہوگیا۔ میں کچن میں صرف اتنی دیر ٹھہرا کہ کیبنٹ کی ایک دراز سے اپنا مطلوبہ ہتھیار اٹھالیا۔ پھر دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھتا ہوا بیڈ روم تک جا پہنچا۔ میں نے آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور بیڈ کی سائڈ پر جا پہنچا۔

پھر میں نے برف توڑنے کا نوک دار سُوا سر سے اوپر بلند کیا اور پوری قوت سے مارگریٹ کے بے وفا دل میں گہرائی تک اتار دیا۔ پھر پھرتی سے اس شخص کے پاس پہنچ گیا جو مارگریٹ کے برابر میں لیٹا ہوا تھا۔

مارگریٹ کے نئے شوہر نے عین اس وقت آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا جب برف توڑنے والے سُوئے کی تیز دھار نوک اس کے سینے کے آرپار ہورہی تھی۔

مجھے اس بات سے زبردست خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر فیلوز نے اپنے آپ کو قتل ہوتے خود ہی دیکھ لیا۔

☆☆☆

میں اسپتال واپس آگیا ہوں۔ حقیقت میں یہ مارگریٹ کی بے وفائی کی ایک چھوٹی سی قیمت ہے جو مجھے ادا کرنی پڑی ہے۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ سفید کوٹ والے جو کھیل کھیلتے ہیں، وہ کس طرح کھیلا جاتا ہے۔ لہٰذا مجھے یہاں رہنے میں خاصا سکون محسوس ہوتا ہے۔

البتہ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ دوستانہ چہرے اب میری زندگی سے مکمل طور پر دھندلا کیوں گئے ہیں۔

مجھے ان کی کمی یقیناً محسوس ہوگی۔

میرے دوستانہ چہرے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کفارہ

محنت آزاد

سائنسی تحقیق کہتی ہے کہ موسمی تغیرات انسان کی ذہنی... جسمانی کیفیات کو تہ و بالا کر دیتی ہیں... بدلتے ماحول اور موسموں سے منسلک عوامل کا ردِعمل... ہر شخص اس کی لپیٹ میں آ رہا تھا... جانے اماں کی تلاش انہیں دربدر بھٹکا رہی تھی...

سمندری شور میں موت کے قدموں کی آہٹیں... مغرب سے درآمد ایک پُراثر تحریر

پولیس افسر جارج اُس کٹے انسانی پاؤں کے بارے میں بتا رہا تھا جو آج صبح پولیس اسٹیشن آتے ہوئے اُس نے راستے میں ایک طرف پڑا دیکھا تھا لیکن سراغ رساں یوریکا کیلی برین اس کی بات پر ذرا بھی دھیان نہیں دے رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس تازہ ترین مسئلے سے تو وہ دور رہی ورنہ تو مسئلہ خواہ کیسا ہو، سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی کے دامن سے آ کر الجھتا جاتا ہے۔

میراسوتا حال ہی میں ایک بار پھر زبردست قدرتی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آفت سے دوچار ہوا تھا۔ چند روز پہلے آنے والے بدترین سمندری طوفان اور بارشوں کا سلسلہ تھمے کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ امدادی اداروں کی سرگرمیاں جاری تھیں جن میں پولیس بھی اپنی حد تک شامل تھی۔ تباہی بہت بڑی تھی۔ اب تک مرنے والوں کی صحیح تعداد کے حتمی اعداد و شمار بھی مرتب نہیں کیے جاسکے تھے۔ پانی میں ڈوبے گھروں سے بدستور لاشیں مل رہی تھیں۔ بہت سارے لوگ جڑ سے اکھڑ کر گرنے والے درختوں تلے دب کر مارے گئے تھے۔ بہت سارے ایسے تھے جو بچنے کے لیے باہر بھاگے مگر طوفانی ہوا کے تندوتیز تھپیڑوں سے اڑتی کرسی میزوں سے ٹکرا کر مارے گئے۔ کرسی میز کا ہوا میں اڑنا کیا معنی رکھتا ہے یہاں تو گھروں کی چھتیں تک اڑ گئی تھیں۔ کئی لاشیں اس بری حالت میں ٹکڑوں میں بٹی ملیں کہ شناخت تک ناممکن ہو چکی تھی۔ ایسے میں جارج کو کسی انسانی پاؤں کا کٹا پنجہ ملنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سیراسوٹا پولیس ڈپارٹمنٹ جن حالات سے نمٹ رہا تھا، اس میں بہت سی غیر معمولی باتیں بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھی تھیں۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ سیراسوٹا گزشتہ کئی دہائیوں سے بدترین سمندری طوفانوں کا متواتر شکار رہا تھا۔ حالت یہ تھی کہ آفات کے مارے سیراسوٹا کے مکینوں کی بڑی تعداد یہاں سے نقل مکانی کر چکی تھی۔

سیراسوٹا کو بیسویں صدی کے آخر میں اس وقت شہرت ملنا شروع ہوئی جب ایک معروف امریکی اداکارہ نے یہاں اپنا گھر خریدا۔ اس کے بعد جب یہاں کے نیلگوں ساحل کی بھوری ریت پر بچھے کارپٹ پر غسلِ آفتابی کی سنسنی خیز تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں تو بے تحاشا دولت کو ٹھکانے لگانے کے نئے راستے تلاش کرنے والوں کو ایک اور راستہ مل گیا۔ یوں اکیسویں صدی کے اوائل تک سیراسوٹا اپنے خوشگوار موسم، نیلگوں سمندر اور بھوری ریت کے ساحل پر کھڑے ناریل کے اونچے اونچے درختوں کے سبب پورے امریکا کے دولتیوں میں گرمائی سیرگاہ کے طور پر مشہور ہو چکا تھا۔

اکیسویں صدی کے پہلے تین عشروں تک تو حالات ٹھیک ٹھاک رہے۔ چھوٹے سے اس جزیرے پہ عیش و عشرت اور دولت کی چہل پہل، دونوں... مہربان تھیں مگر اچانک حالات بدلنے لگے۔ آہستہ آہستہ سمندر کی سطح بلند ہونے لگی۔ جہاں کبھی ناریل کے درختوں کے جھنڈ تھے، اب وہاں سمندری موجوں کا راج تھا۔ بات یہاں تک رہتی تو شاید سیراسوٹا پر کچھ خاص اثر نہیں پڑتا لیکن رفتہ رفتہ یہاں ہوا اور سمندری طوفانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابتدا میں تو سب اسے عام بات سمجھے لیکن جب طوفانوں کا سلسلہ بڑھا تو اس نے موسمیاتی ماہرین کی توجہ بھی حاصل کی۔ سائنس دانوں کے مطابق یہ عالمی موسمیاتی تبدیلیوں کا اثر تھا۔ الاسکا کے گلیشیرز کے پگھلنے سے سمندری سطح تیزی سے بلند ہو رہی تھی۔ عالمی درجہ حرارت کے سبب طوفانوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ ان کی پیش گوئی تھی کہ حالات یونہی رہے تو بائیسویں صدی کے شروع ہونے پر امریکی نقشے میں سیراسوٹا کہیں نہیں ملے گا۔ یہ تب تک سمندر برد ہو چکا ہوگا۔

سائنس دانوں کی پیش گوئی ایک طرف لیکن سیراسوٹا کے عام شہریوں پر ابتدا میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا لیکن آئے دن کے طوفانوں سے یقین ہو چکا تھا کہ جیسا وہ کہہ رہے ہیں شاید ایسا ہی ہو۔ کب تک یہاں کے مکین ان آفات کا سامنا کرتے۔ آخر تنگ آ کر نقل مکانی شروع ہو گئی۔ ابتدا میں سیراسوٹا چھوڑ کر جانے والے فائدے میں رہے۔ ان کے گھر فروخت ہو گئے لیکن یہ سلسلہ بہت دیر تک نہ چلا۔ بڑی تعداد میں مکینوں کی نقل مکانی اخبارات کی زینت بنی تو سیاحوں نے بھی یہاں کا رخ چھوڑ دیا۔ مقامی لوگوں کو جب گھر کے خریدار نہ ملے تو وہ اپنی جائداد ایک دوسرے کے حوالے کر کے کہیں اور کا رخ کرنے لگے۔ امید تھی کہ شاید کبھی حالات بدل جائیں مگر سائنس دانوں کو یقین تھا کہ شاید ایسا نہ ہو۔

تیزی سے نقل مکانی کے سبب اب سیراسوٹا میں صرف چند سو لوگ ہی باقی بچے تھے۔ ان میں بھی زیادہ تر وہ تھے جو زیادہ عمر کے باعث یا تو نقل مکانی کی سکت نہیں رکھتے تھے یا اس کے لیے ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ نوریکا بھی اس وقت پولیس اسٹیشن میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھی۔ اس نے کچھ رقم پس انداز بھی کر رکھی تھی۔ حالیہ طوفان کے بعد اسے یقین ہو چکا تھا کہ اب یہ جزیرہ کبھی آباد نہیں ہوگا۔ جارج اپنی کہانی سنانے میں مگن تھا لیکن وہ کچھ اور ہی سوچے جا رہی تھی۔

"یہ لو..." جارج نے میز تھپ تھپا کر کافی کا مگ اس کے سامنے رکھا تو وہ بھی اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی۔

"شکریہ..." اس نے مسکرا کر جارج کی طرف دیکھا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''تو ہوا یہ تھا...'' جارج نے ایک بار پھر اپنا وہی قصہ شروع کیا جو وہ کافی دیر سے اپنی سینئر افسر کو سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کیا ہوا تھا...'' یوریکا کی پوری توجہ اس بار جارج کی طرف تھی۔

''بات یہ ہے کہ...'' جارج نے نئے سرے سے ایک بار پھر پورا قصہ تمام تر جزئیات سمیت اپنی سینئر افسر کو سنانا شروع کیا۔

☆☆☆

صبح کا وقت تھا۔ جارج حسبِ معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی پر آ رہا تھا۔ اس کا گھر پولیس اسٹیشن سے لگ بھگ دو کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ جزیرے پر حالیہ طوفان کے بعد پیٹرول کی بھی قلت تھی۔ اسی لیے اس نے بھی کار کا استعمال تقریباً بند کر دیا تھا۔ اس صبح بھی وہ مختلف شارٹ کٹ سے ہوتا ہوا آ رہا تھا۔ درختوں کے ایک جھنڈ سے گزرتا ہوا جب وہ چھوٹی سڑک پر پہنچا تو ارد گرد دیکھتے ہوئے اس کی نظر ایک حیرت انگیز شے پر پڑی۔ وہ چونک گیا۔ یہ خون میں لتھڑا انسانی پاؤں کا پنجہ تھا جو ایک درخت کی جڑوں کے ساتھ پڑا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اطراف میں نظر ڈالی۔ اسے پرانی ترپال کا ایک ٹکڑا نظر آیا۔ وہ آگے بڑھا اور اسے اٹھا کر پنجے کو ڈھانپ دیا۔ وہ پنجہ ڈھانپ کر کھڑا ہوا تو چند قدم کی دوری پر ایک عورت کھڑی تھی۔ نیلے لباس میں ملبوس، اکہرے جسم کی عورت شاید وہ پنجہ دیکھ چکی تھی، اسی لیے اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ جارج نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی عمر کا اندازہ نہ کر سکا لیکن پھر بھی وہ ساٹھ ستر برس کی ضرور ہوگی لیکن دیکھنے میں چالیس پینتالیس سے اوپر کی نہیں لگتی تھی۔ ''پریشان مت ہوں۔'' اس نے مسکرا کر بوڑھی عورت کا خوف دور کرنے کی کوشش کی۔ ''اتنی بڑی آفت کے بعد اس طرح کے حالات کا پیش آنا یقینی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے ترپال کی طرف اشارہ کیا۔

''اوکے...'' اس نے اپنی گھبراہٹ اور خوف پر کسی حد تک قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''تباہی تو اب ہم سب کا مقدر بن چکی ہے۔'' شاید وہ یہ کہہ کر اپنے خوف پر قابو پانا چاہتی تھی۔ ''تم پولیس میں ہو نا...'' اس نے غور سے جارج کے یونیفارم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں...'' اس نے سر ہلایا اور خوش دلی سے تعارف کرایا۔ ''سیر اسوٹا پولیس ڈپارٹمنٹ ہیڈکوارٹر۔''

''اوہ...'' وہ مسکرائی۔

''کوئی مسئلہ...'' جارج نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''دراصل میں پولیس اسٹیشن ہی جا رہی تھی۔''

''لیکن کیوں...'' جارج نے قطع کلامی کی۔

''مجھے ایک رپورٹ درج کرانی ہے۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

جارج اُس وقت ڈیوٹی پر تھا۔ ''کیا شکایت ہے؟''

''مجھے چوری کی رپورٹ درج کرانی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے سانس لی۔ ''میرے گھر سے کچھ سامان چوری کر لیا گیا ہے۔''

''چوری...'' جارج نے خود کلامی کی۔ جارج نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ ''جو حالات ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اب چوری کی رپورٹ درج کرانے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔''

''کیا...'' بوڑھی عورت جلے کٹے لہجے میں غرائی۔

جارج نے جواب دینے کے بجائے چاروں طرف دیکھا۔ حالیہ طوفان کے بعد جس طرح پورے علاقے میں تباہی پھیلی تھی، اُس کے بعد چوری کی رپورٹ درج کرنا نہایت مضحکہ خیز بات ہوتی۔ چاروں طرف لوگوں کے گھروں کا سامان پھیلا ہوا تھا۔ قیمت اور بے قیمت، یہ بات کسی کے نزدیک اہم نہ تھی۔ جب جان کے لالے پڑے ہوں تو دنیا کون کرے اسی لیے وہ عورت کی حوصلہ شکنی کر رہا تھا۔ ویسے بھی ان دنوں پولیس کو بحالی اور امدادی کاموں سے فرصت ہی کہاں تھی جو چوری کی رپورٹ درج کر کے، چوروں کی تلاش میں دن رات ایک کرتی پھرے۔

''مسٹر پولیس افسر...'' خاموش دیکھ کر بوڑھی عورت نے اس کی توجہ اپنی طرف کی۔

''کہیے...'' جارج نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ چوری کے سامان کی تفصیل ہے۔'' اس نے ایک کاغذ آگے بڑھایا۔ یہ فہرست ایک پمفلٹ کے پیچھے لکھی گئی تھی۔ گئے وقتوں میں لوگ اپنے گھریلو سامان کی خرید و فروخت کے لیے اس طرح کے پمفلٹ لکھ کر چھپواتے اور مقامی اخبار فروش کے ذریعے، گھروں میں تقسیم کرا دیتے تھے۔

جارج نے فہرست لی۔ اسی دوران ہوا کا ایک تیز جھونکا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

آیا اور پنجے پر سے ترپال کا ٹکڑا اُڑ کر دور جا گرا۔ وہ پیچھے ہٹا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں کاغذ پکڑ رکھا تھا جبکہ بائیں ہاتھ سے ترپال کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ اسے ڈھانپنے لگا۔

''میرے خیال میں ان چیزوں کی چوری کو تو بہ آسانی نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔'' وہ اٹھا اور عورت کے قریب آ کر کہنے لگا۔

یہ سن کر اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔

وہ گڑبڑا گیا۔ ''ویسے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود تمہارے گھر والوں میں سے کسی نے یہ چیزیں اِدھر اُدھر رکھ دی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے چاروں طرف طائرانہ نظر ڈالی۔

''افراتفری میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔''

''لیکن یہ میرا قانونی حق ہے کہ...''

''جانتا ہوں محترمہ...'' جارج نے مہذبانہ انداز میں کہا۔ ''فہرست آپ دے چکی ہیں۔ میں پولیس اسٹیشن پہنچتے ہی رپورٹ درج کراؤں گا۔ ہو سکے تو آج کسی وقت پولیس اسٹیشن کا چکر لگا لینا۔ جو بھی پیشرفت ہوگی، اس سے آگاہ کر دیا جائے گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''ویسے بھی اس وقت مجھے ایک دو ضروری کام نمٹانے ہیں، جب تک وہ کر لیتی ہوں۔''

''بہت بہتر...'' جارج مسکرایا۔

وہ عورت جانے کے لیے مڑی لیکن دو قدم آگے چل کر ہی رک گئی۔ ''تم مجھے فون مت کرنا۔ میں خود ہی آ جاؤں گی۔ میرے گھر کا فون ٹھیک نہیں ہے۔''

''لیکن اس کاغذ پر تو آپ کا نمبر...'' جارج منمنایا۔

''وہ تو میں نے یونہی لکھ دیا تھا ورنہ فون تو کافی دنوں سے خراب ہے۔''

''جانتا ہوں۔'' جارج حسب عادت مسکرایا۔ ''پولیس اسٹیشن کا بھی کوئی ایک فون کام نہیں کر رہا۔ لگتا ہے سیراسوٹا کے فون ٹھیک ہونے میں بھی کئی ہفتے لگ جائیں گے۔''

بوڑھی عورت مسکرائی۔ ''یاد رکھنا، چور پکڑا جائے یا نہیں مگر میرا سامان ضرور واپس ملنا چاہیے۔''

''پوری کوشش کریں گے۔''

''ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مڑی اور تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

یوریکا بڑے غور سے سن رہی تھی۔ پورا قصہ سنانے کے بعد جارج نے گہری سانس لی اور پھر لمحہ بھر توقف کے بعد کہنے لگا۔ ''حیرت یہ ہے کہ میں اس عورت کو پہچان نہ سکا۔ لگتا ہے کمبخت کو اپنے گھر کی ہر چیز یاد تھی۔''

''ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔'' پہلی بار یوریکا نے مداخلت کی۔ اس کی دلچسپی صرف اس بات سے پیدا ہوئی کہ آخر وہ عورت کون تھی۔

''او کے...'' جارج نے تابعداری سے کہا۔ ''دُبلی پتلی، جسامت دیکھ کر عمر کا درست اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ چالیس سے لے کر ستر سال کے درمیان کی ضرور ہو سکتی تھی۔ ڈارک براؤن بال، قد لمبا، چہرہ تخروطی اور جھریوں سے پاک، ناک بھی کچھ چھوٹی سی تھی۔''

''ایک منٹ...'' یوریکا نے ٹوکا۔ وہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگی۔ ''جینی... مسز جینی ہیرس... مجھے یاد آ گیا۔'' اس نے اچھلتے ہوئے کہا۔

''مسز جینی ہیرس...'' جارج نے دہرایا۔

''ہاں...'' یوریکا نے ہنکارا بھر کر کہنا شروع کیا۔ ''پورے قصبے میں یہی ایک عورت ہے، جسے اپنے گھر کے تمام تر سامان کی تفصیل نہ صرف منہ زبانی یاد ہے بلکہ وہ یہ تک بتا سکتی ہے کہ اس نے کون سی چیز کہاں رکھی تھی۔'' یہ کہہ کر اس نے گہری سانس لی اور جارج کی طرف دیکھا۔ ''بڑے غضب کی یادداشت ہے اس بڑھیا کی۔''

''تم اسے جانتی ہو؟'' جارج کی آنکھوں سے حیرت جھلک رہی تھی۔

یوریکا نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ ''ہاں''۔

جارج اپنا دایاں ہاتھ پھیلا کر لکیروں کو نہایت انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ ''مسز جینی ہیرس...'' اس نے منہ ہی منہ میں یہ نام دُہرایا۔ ''کسی ضدی خاندان کی عورت لگتی ہے۔ نظر نہیں آتا کہ یہ رپورٹ درج کرائے اور چور پکڑوائے بنا سکون سے بیٹھے گی۔'' وہ اپنی ہتھیلی دیکھتے ہوئے اس طرح بڑبڑا رہا تھا جیسے یہ ہاتھ کی لکیروں میں لکھا ہے۔

یوریکا بظاہر لاتعلق بیٹھی تھی لیکن اس کے ذہن میں مسز ہیرس کی تصویر گھوم رہی تھی۔ پندرہ برس پہلے یوریکا نے پولیس فورس جوائن کی تھی، اس کے فوراً بعد مسز ہیرس نے محکمہ تعلیم کو قبل از وقت ریٹائرمنٹ کی درخواست دی، جسے منظور کر لیا گیا۔ وہ اسکول ٹیچر تھی۔ ملازمت چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ سیراسوٹا سے انڈیانا منتقل ہونا چاہتی تھی۔ جہاں ان کا اکلوتا بیٹا رہتا تھا۔ وہ دونوں زندگی کا باقی وقت بیٹے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

کے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنا گھر بھی فروخت کرنے کی تیاری مکمل کرلی تھی۔

اُن دنوں بھی سیرا سوٹا طوفانوں کی زد میں تھا۔ آئے دن کے طوفانوں اور سیلابوں کے باعث پھیلنے والی تباہی نے اُس جزیرے پر جائداد کی قیمتوں کو آسمان سے زمین پر لا پٹخا تھا۔ ایسے میں چند ہی خریدار ہوں گے جنہیں یہاں پر مکانات خریدنے میں دلچسپی ہو سکتی تھی ورنہ خراب موسمی حالات کے سبب کوئی بھی یہاں پراپرٹی خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اتفاق سے مسز ہیرس کا گھر ایسی جگہ تھا جسے طوفانوں سے کچھ خاص خطرہ لاحق نہ تھا مگر سیرا سوٹا۔۔۔ یہ نام ہی بدنام ہو چکا تھا۔

مسز جینی ہیرس کو واقعی اپنے گھر سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ مجبوری کے عالم میں اسے فروخت کرنا چاہتی تھیں لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا۔ گھر کے ایک حصے کو پارلر میں بدل دیا اور عورتوں کی مہندی کو تیار کرنے کا کام کرنے لگی۔ یوریکا نے اس گھر کے بارے میں بہت باتیں سن رکھی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ مسز ہیرس نے گھر کو نہایت عمدہ طریقے سے سجا سنوار رکھا ہے لیکن اسے ذاتی طور پر اندر سے یہ گھر دیکھنے کا کبھی موقع نہ مل سکا تھا۔ ویسے بھی وہ جینی ہیرس کو صرف جانتی تھی لیکن نہ تو وہ کبھی اس کی ٹیچر رہی تھیں نہ ہی ان سے یوریکا کے کوئی قریبی مراسم یا علیک سلیک تھی۔

مسز ہیرس نے جب سے تزئین کے لیے مہندی کی تیاری کا پارلر کھولا تھا تب سے اس کا شوہر جان ڈی ہیرس بہت پریشان تھا۔ وہ کئی بار اپنے قریبی دوستوں سے یہ شکایت کر چکا تھا کہ جہاں مہندی کو تیار کیا جاتا ہو، اس گھر میں رہنا سہنا، کھانا پینا اور نہانا دھونا اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ اسے یہ بھی شکایت تھی کہ اب وہ راتوں کو ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکتا۔ جہاں آنکھ لگتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بیڈ ہلا رہا ہو۔ یوں وہ خوف کے مارے کچی نیند سے جاگ اٹھتا اور پھر پوری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی۔ اُس وقت علاقے میں یہ بھی افواہیں گردش میں تھیں کہ مسز ہیرس نے اپنے شوہر کا منہ بند کرانے کی لاکھ کوششیں کیں، انہیں نئی کار خریدنے کے لیے رقم کا لالچ بھی دیا مگر وہ بھی اڑیل تھے، ہر بات پہ ان کا سر انکار میں ہی ہلتا تھا۔ البتہ زبان بدستور چلتی جارہی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ علاقے کی آبادی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ خریدار نہیں تھے۔ لوگ طوفانوں سے تنگ آکر اپنے بھرے پُرے گھر ویسے ہی چھوڑ کر جانے لگے تھے۔ ایسے میں مسز ہیرس کے پاس ایک موقع تھا۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر کسی بھی خالی گھر کو ٹھکانا بنا سکتے تھے۔ خود ان کے ہمسائے میں کئی خالی گھر تھے، جن میں سے بعض کی چابیاں گھر والے خبر گیری کی خاطر خود ان کے حوالے کر گئے تھے۔ جس طرح سیرا سوٹا میں جائداد کی ویلیو گری تھی، اس کے باعث یقین نہ تھا کہ یہاں کے خالی گھروں کے مالکان کو مستقبل قریب میں کوئی خریدار مل سکتا۔ ایسے میں مسز ہیرس بڑے آرام سے اپنے شب و روز بتا سکتے تھے۔

مسز ہیرس نے جس خواب کی تعبیر پانے کے لیے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی تھی، وہ تو انہیں نہ مل سکی مگر گھر بیچنے کی امید کا دامن بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ برسوں گزر جانے کے باوجود ان کے گھر کے سامنے 'برائے فروخت' کا بڑا سا بورڈ اب بھی لٹک رہا تھا۔ مسز ہیرس کا کہنا تھا کہ اس نے گھر کو اس طرح تیار کر رکھا ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک نظر دیکھے تو اس کے دل کو بھا جائے مگر وہاں خریدار ہی کہاں تھا۔ گھر فروخت کیے بغیر وہ بھی اٹھ کر جانے کو تیار نہ تھی۔ جائداد کی قیمت بیٹے کی محبت پر غالب آچکی تھی۔

یوریکا کی یادداشت اچھی تھی لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس جوڑے کو لگ بھگ بھول چکی تھی لیکن جب جارج نے پنچ ملنے کا قصہ شروع کیا تو بیٹھے بٹھائے وہ اور اُن کی کہانی اس کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ کئی ہفتوں پہلے، طوفان آنے سے پہلے وہ ایک پارٹی میں شریک تھی۔ جہاں اس نے قصبے کے ایک پرانے مکین سے سنا تھا کہ اس نے کچھ دنوں پہلے مسز ہیرس کو گھر کے باہر دیکھا لیکن ان سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ مسز ہیرس نے برسوں پہلے ہی گھر سے باہر نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ وہ جوڑا خود کو باقی دنیا سے لگ بھگ علیحدہ کر چکا تھا۔ یوریکا جانتی تھی کہ ان کے یہاں رہنے کی صرف ایک وجہ ہے: گھر کے ممکنہ خریدار کا انتظار۔

اس نے پہلے تو بہت سنا تھا مگر تب اور آج کے حالات میں بہت فرق تھا۔ ہو سکتا ہے طوفان کے بعد ایسا نہ ہو مگر پھر بھی مسز ہیرس کی شہرت تھی کہ انہوں نے اپنے گھر کو بہت اچھی طرح رکھا ہوا تھا لیکن گزشتہ برسوں کے دوران طوفانوں کے سبب یہاں سہولیات زندگی کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ حالیہ طوفان کے باعث اب نہ تو علاقے میں بجلی تھی اور نہ ہی پینے کا صاف پانی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا طوفان کے بعد بھی ان کے گھر کی حالت ویسی ہی ہوگی۔

SCANNED BY DIGESTPK
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

مسز ہیرس نے انٹرنیٹ پر بھی گھر کی فروخت کے لیے اشتہار دے رکھا تھا۔ انہوں نے جائداد کی خرید وفروخت کرنے والی ایک ویب سائٹ پر گھر کے بیرونی مناظر کی بہت خوبصورت تصویریں اپ لوڈ کررکھی تھیں لیکن اسے یقین نہ تھا کہ اب ان کے گھر کی بیرونی حالت کم از کم اس تصویر جیسی ہوگی۔ حالیہ طوفان کی شدت بہت زیادہ تھی۔ یوریکا سوچ رہی تھی طوفان نے تو گھروں کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ ضروری نہیں تھا کہ مسز ہیرس کا گھر بھی صحیح سلامت ہو۔ یہی دیکھنے کے لیے اس نے مسز ہیرس سے ملنے کے لیے اُن کے ہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی اب اسے ایک بہانہ مل چکا تھا۔ دوسرا یہ کہ آج وہ کام کرنے کے موڈ میں بھی نہیں تھی۔ ''جارج...'' اس نے پکارا۔

وہ رپورٹ تیار کررہا تھا، گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''مسز ہیرس نے چوری ہونے والے سامان کی جو فہرست دی ہے، وہ کہاں ہے؟''

جارج نے بنا کچھ کہے ایک بڑا سا پوسٹر اس کی طرف بڑھایا جس کی زرد پشت پر نیلی سیاہی سے سامان کی تفصیلات درج تھیں۔ دراصل یہ انہی میں سے ایک پوسٹر تھا، جسے مسز ہیرس نے 'گھر برائے فروخت' کی سرخی کے ساتھ لکھ کر چھپوایا اور برسوں پہلے اخبار فروش لڑکے کے ذریعے تقسیم کرایا تھا۔

''میں چلتی ہوں۔'' اس نے بیگ اٹھا کر کندھے پر لٹکایا۔ پوسٹر اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''کافی دیر بعد واپسی ہوگی... بائے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ نکل گئی۔ جارج سوالیہ نگاہیں لیے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

یوریکا دروازے سے نکل رہی تھی کہ سامنے سے ایک عورت آتی دکھائی دی۔ وہ رک گئی۔

''پولیس افسر جارج ہیکر سے ملنا ہے، کہاں ملیں گے؟'' قریب آکر اس نے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

لمحہ بھر کے لیے یوریکا نے اسے غور سے دیکھا۔

''مسز جینی ہیرس...'' اس نے پہچاننے کی کوشش کی۔

''جی ہاں...'' اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

''سراغ رساں یوریکا...'' اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ ''جارج نے شکایت درج کرلی ہے اور میں تمہارے گھر جانے کے لیے ہی نکلی تھی۔''

''اوہ...'' اس نے ہونٹ سکیڑے۔ ''مسٹر جارج ذمے دار افسر ہیں۔'' مسز ہیرس کے لہجے سے اس بات کا قطعی اندازہ نہیں ہورہا تھا کہ ایک غیراہم واقعے کی تحقیقات کے لیے ایک سراغ رساں اور سینئر پولیس افسر اس کے گھر کیوں جارہی ہے۔

''چلیے...'' یوریکا نے ہاتھ سے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ سامنے ہی اس کی جیپ کھڑی تھی لیکن طوفان کے باعث علاقے میں پیٹرول کی بھی قلت تھی۔ وہ ایندھن بچانے کے لیے پیدل جانا چاہتی تھی۔ ''گھر زیادہ دور تو نہیں۔''

''نہیں...'' مسز ہیرس نے جواب دیا۔

وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگیں، جہاں مسز ہیرس کی شکایت کے مطابق چوری ہوئی تھی... یوریکا کو اندازہ تھا پولیس اسٹیشن سے اُس کے گھر تک کا فاصلہ ڈیڑھ کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔ آسمان بادلوں سے صاف تھا اور چمکتے سورج کی دھوپ خاصی تیز تھی۔ وہ دونوں درختوں کے سائے تلے خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

یوریکا کی عمر تیس کے... قریب تھی۔ اس عمر میں پیدل چلنا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر جینی... عمر رسیدہ ہونے کے باوجود وہ پولیس اسٹیشن تک پیدل پہنچی اور فوراً واپس بھی چل پڑی مگر اس کے باوجود اس کے چہرے پر تھکن کے کوئی آثار نہ تھے۔ ''اس عمر میں بھی آپ خاصی چاق چوبند اور خوبصورت ہیں۔'' یوریکا نے چلتے چلتے کہا۔

مسز ہیرس نے مسکرا کر اسے دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

''چوروں کے بارے میں مسٹر ہیرس کا کیا کہنا ہے؟'' یوریکا نے ایک اور سوال کیا۔

''ان دنوں وہ کسی بڑے کام میں مصروف ہیں اس لیے میں نے چوری کا بتا کر انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' مسز ہیرس نے شائستگی سے کہا۔

یوریکا یہ سن کر چونکی مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مسٹر ہیرس جیسا موٹا آدمی جو نارمل سائز کے تابوت سے بھی بڑے وجود کا مالک ہے، جس کی ناک اور ہونٹ کسی موروثی بیماری کے باعث اتنے پھیل چکے کہ نارمل انسانوں کی طرح کھانا پینا ممکن نہ رہا، وہ شخص جس کے علاج معالجے پر اٹھنے والے اخراجات میراسوٹا کے تمام لوگوں سے زیادہ ہیں، وہ ایسا کون سا بڑا کام کرنے لگا، جس سے اُس کی بیوی یہ سمجھ رہی تھی کہ اپنے ہی گھر میں چوری کی خبر سے اُس کے کام میں خلل پڑ سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے مسز ہیرس کی طرف دیکھا۔ ''حیرت ہے مجھے، جان ہیرس اس عمر میں بڑا کام

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کرنے جارہے ہیں حالانکہ طوفان کے بعد...“

”ارے ایسی بھی کچھ خاص بات نہیں۔“ مسز ہیرس نے چونک کر قطع کلامی کی۔ ”ان سے کہاں کوئی کام وام ہوتا ہے۔“

یوریکا نے حیرت بھری نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ ”ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ...“

”وہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اُن سے کہا تھا لیکن وہ ذرا مجھ سے مختلف اور حساس طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے رپورٹ درج کرانے سے منع کردیا تھا۔“

یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے گھورا۔ ”لیکن کیوں؟“

”وہ پولیس والوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔“ مسز ہیرس نے کہنا شروع کیا۔ ”میں نے گول مول بات کرکے عندیہ لینا چاہا مگر اُن کی رائے تھی کہ جو گیا سو گیا۔ پولیس والے ویسے ہی ان دنوں مشکل میں ہیں۔ اگر کوئی جاکر چوری کی رپورٹ درج کرائے گا تو اس کا مطلب اُن پر مزید بوجھ لادنا ہے۔ یہ وقت اس طرح کی باتوں کے لیے مناسب نہیں۔“ اس نے یوریکا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ”میں سمجھ گئی کہ اس معاملے میں اُن سے بات کرنا بے مقصد ہوگا۔“ یہ کہہ کر لمحہ بھر توقف کیا۔ ”میری درخواست ہے کہ تم بھی ان سے اس حوالے سے کوئی بات نہ کرنا۔“

یوریکا نے اسے گھورا۔

مسز ہیرس سٹپٹا گئی.... جلدی سے کہنے لگی۔ ”دراصل میں اپنے شوہر کو پریشان دیکھنا نہیں چاہتی۔“

یوریکا ہنس پڑی۔ ”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں، قانون ہر وقت اپنے شہریوں کی مدد کے لیے تیار ہے۔“

اسے یاد آیا کہ مسز ہیرس کا بھی قالینوں کا ایک اسٹور تھا۔ لیکن مدتوں پہلے قصبے کا وہ آخری اسٹور بھی بند ہوچکا۔ میاں بیوی نے کاروبار چلانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن نہ جانے کیوں ایک بار جب ڈوبا تو پھر وہ کاروبار دوبارہ سر نہ اٹھاسکا۔ ”اب واقعی وہ کوئی کام کاج نہیں کرتے۔“ اس نے مسز ہیرس کی طرف دیکھے بنا پوچھا۔

”نہیں... کافی عرصے سے گھر پر ہی بیٹھے ہیں۔“

”تو تم... چاہتی ہو کہ وہ کام کریں۔“ یوریکا نے وقت گزاری کے لیے بات سے بات نکالی۔

”شاید...“

”وہ کوئی کام نہیں کرتے اس لیے یہ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ سے مختلف ہیں۔“ یوریکا کا لہجہ دوستی اور شرارتی تھا۔

مسز ہیرس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ ”شاید ایسا ہی ہو۔“

یوریکا بھی مسکرادی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بھی شاید دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد جوڑا ہے۔ شوہر کو کچھ کرنے کی کوئی فکر نہ تھی اور بیوی تھی کہ گھر سے غیر اہم اور معمولی چیزوں کی چوری کی رپورٹ درج کرانے کے لیے چلچلاتی دھوپ میں پیدل چلتی ہوئی پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ لگاتار طوفانوں سے تنگ آکر جہاں لوگ اپنے قیمتی اور پُرآسائش گھروں کو کھنڈر بننے کے لیے خالی چھوڑ چھوڑ کر، صرف اپنی جان بچا کر جارہے ہوں، وہیں یہ مکان نہ بکنے کے باعث اپنے اکلوتے بیٹے کے پاس جانے کو بھی تیار نہیں۔ ”واقعی یہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔“ یہ سوچ کر وہ مسکرادی۔

مسز ہیرس چونکی۔ ”خیریت... تم آپ ہی آپ مسکرائے جارہی ہو۔“

”کافی عرصہ ہوچکا مسٹر ہیرس کو نہیں دیکھا۔“ یوریکا نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں... اب وہ کم ہی گھر سے نکلتے ہیں۔“ مسز ہیرس نے جواب دیا۔ ”شکر ہے کہ اب طبیعت ذرا بہتر ہے ورنہ چند ماہ پہلے تک تو شدید بیمار تھے۔ کئی ماہ تک تو بستر سے اٹھنا محال ہوچکا تھا۔“

”اب بھی تمہارے بیٹے کو اٹلانٹا میں ہی رہنا پسند ہے؟“ یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کچھ کہہ نہیں سکتی۔“ مسز ہیرس کے لہجے سے افسردگی عیاں تھی۔ ”کافی عرصہ پہلے رابطہ ہوا تھا لیکن...“ بات ادھوری چھوڑ کے لمحہ بھر توقف کیا۔ ”لگتا ہے اب وہ بھی رابطے میں رہنا نہیں چاہتا۔“

یوریکا نے اس کے لہجے میں پوشیدہ افسردگی کو بھانپ لیا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اس بے اعتنائی کا اصل ذمے دار کون ہے؟ مسز ہیرس یا اس کا بیٹا۔ کئی برس پہلے ریٹائرمنٹ لینے کے باوجود بھی وہ صرف گھر نہ بکنے کی وجہ سے بیٹے کے پاس نہ جاسکیں تو پھر برسوں کی دوری سے اجنبیت کا احساس پیدا ہونا لازمی تھا۔ دوری رفتہ رفتہ محبت کی گرمجوشی کو سرد کردیتی ہے۔ ”ویسے یہ بتائیں کہ گھر سے کیا کیا چیزیں چوری ہوئی ہیں؟“ یوریکا نے اس کی افسردگی ختم کرنے کے لیے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔

”وہ سب کچھ میں نے تفصیل سے لکھ کر کاغذ جارج کو دے دیا تھا۔“

”ہاں ٹھیک ہے، وہ کاغذ میں نے دیکھ لیا تھا لیکن پھر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

بس... بس یونہی۔" یوریکا نے بات بنائی۔

"مجھے ایک ایک چیز یاد ہے۔"

یوریکا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو نا ایک تو ہے پائن ایپل کی شکل کا ایک ڈیکوریشن پیس... وہ باہر سے وہ زرد ہے لیکن جب اس کے اوپری سرے کا ڈھکن اتارو تو اندرونی سطح کا رنگ سنہرا ہے۔ دراصل یہ پانی کا ایک جگ ہے۔"

"ہاں ہاں... میں سمجھ گئی۔" وہ چوری کے سامان کی تفصیلات پڑھ چکی تھی، اب تفصیل سے جزئیات سننے کی اس میں ہمت نہ تھی۔ ویسے بھی دھوپ میں چلتے رہنے سے وہ پسینا پسینا ہو چکی تھی۔ "تو چوری ہونے والے سامان میں ایک پانی کا جگ ہے۔" دراصل وہ یہ بحث ہی ختم کرنا چاہتی تھی۔

"وہ صرف ایک جگ ہی نہیں۔" مسز ہیرس نے جلدی سے کہا۔ "وہ آرٹ کا ایک شاندار نمونہ تھا اور بیچتی تو بہت مہنگا بکتا۔" دراصل وہ یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جو سامان چوری ہوا، وہ پولیس کے لیے غیر اہم ہو سکتا ہے مگر اس کی اصل قدر و قیمت صرف وہی جانتی ہے۔

بیش قیمت لیکن کیسے؟ اس کی بات سن کر یوریکا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ میراسوٹا میں لوگ کہاں باتی بچتے تھے کہ مسز ہیرس تو وہ جگ بیچنے کے لیے گاہک مل پاتے۔ اگر اس کے گھر میں اتنی ہی بیش قیمت چیزیں تھیں تو اس نے چوروں سے بچنے کے لیے اطراف میں باڑ کیوں نہ لگوائی۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے سوالات جنم لے رہے تھے۔ اس نے مسز ہیرس کی طرف دیکھا مگر اپنے ذہن میں اٹھنے والے ان سوالوں کے بجائے پوچھا۔ "جب تم نے چوری سے متعلق مسٹر ہیرس کو بتایا ہی نہیں تو پھر یہ کیسے طے کر لیا کہ وہ رپورٹ درج نہیں کرانے دیں گے۔ عمومی رائے ایک طرف، جب معاملہ اپنے گھر کا ہو تو انسان کی رائے بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

مسز ہیرس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سیدھی چلتی جا رہی تھی۔

"یہ چوری ہونے والا جگ کیا کھیتوں کو نہلانے یا کسی اور کام کے لیے استعمال ہوتا تھا؟" یوریکا کو جواب نہ ملا تو اس نے ایک بار پھر گفتگو کا رخ اس کے پسندیدہ موضوع 'مال مسروقہ' کی طرف موڑ دیا۔

مسز ہیرس نے اس کی طرف خالی نگاہوں سے دیکھا مگر خاموش رہی۔

یوریکا نے ایک اور سوال کیا۔ "سامان ایک ہی واردات میں چوری ہوا یا ہر روز... میرا مطلب ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے؟"

اس کی طرف سے ایک بار پھر کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا۔

"کیا چند گھر سے غائب ہے؟" یوریکا نے ایک اور سوال کر دیا۔

"تفصیل ساری لکھ تو دی ہے مگر پھر بھی بتانے دیتی ہوں۔" اس بار مسز ہیرس کا لہجہ شکایتی تھا۔ "ہاتھ سے بنا ایک چھوٹا کمبل۔" اس نے لمحہ بھر توقف کر کے یوریکا کی طرف دیکھا۔ "اس کا شمار بھی نوادرات میں کیا جا سکتا ہے۔"

"تو کیا یہ بھی بہت قیمتی تھا؟" یوریکا نے لقمہ دیا۔

"شاید اتنا زیادہ تو نہیں مگر تھا بہت خوبصورت۔" یہ کہہ کر مسز ہیرس نے اس کی طرف دیکھا۔ "سمجھ رہی ہو نا۔"

یوریکا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ اتنا خوبصورت تھا کہ نوادرات کا کوئی شوقین اسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا کہ بہت قیمتی ہوگا۔ ویسے اصل قیمت کا اندازہ مارکیٹ میں ہی لگایا جا سکتا ہے لیکن اب یہاں کیا باقی بچا ہے۔" مسز ہیرس نے اطراف پر تاسف بھری نگاہ ڈالی۔ اس وقت وہ میراسوٹا کے اس علاقے سے گزر رہی تھیں جہاں کبھی بڑی چہل پہل ہوتی تھی۔ شہر کے معروف تجارتی مراکز میں سے یہ بھی ایک تھا مگر اب اس کی حالت بھی دگرگوں ہو چکی تھی۔ "ویسے ایک بات ہے۔"

یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ نوادرات نیویارک جیسے شہر لے جائے جاتے تو تب ہی ان کی اصل قیمت کا پتا چلتا، شاید وہ میری سوچ سے بھی کہیں زیادہ دام پاتے۔" یہ کہہ کر وہ افسردہ انداز میں ہنس پڑی۔

یوریکا تو ہمیشہ سے ہی مسز ہیرس کو پاگل سمجھتی تھی لیکن طویل عرصے کے بعد آج اس سے مل کر، اتنے قریب سے دیکھ کر اسے لگا کہ وہ پاگل پن کی حدوں سے نکل کر جنون کی سرحد میں بہت آگے تک جا چکی تھی۔ ایسے میں کہ جب عمر کی نقدی گھٹ رہی ہو، انسان کے پاس جو کچھ ہے، اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے لیکن ایک وہ تھی۔ جس معاشرے میں بوڑھے والدین کو جوان اولادیں اولڈ ایج ہوم میں چھوڑ جاتی ہوں، اس کا بیٹا خود اس کی راہ تک رہا تھا مگر اس نے گھر نہ بکنے کے چکر میں کئی سال گنوا دیے اور اب کہہ رہی تھی کہ بیٹے نے بھی رابطے بہت کم کر دیے۔ اس کے دماغ میں ایک پرانی کہاوت گھوم رہی تھی۔ "غیر معمولی حالات میں جنونی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روڈنل پاگل پن سے کم نہیں۔ جن بیش قیمت اشیا کی چوری کو لے کر وہ پریشان تھی، شاید کسی اور کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی مگر یہ تو اپنے جنون کے ہاتھوں ماری ماری پھر رہی تھی۔ اس نے مسز ہیرس کی طرف دیکھا۔ ''تو چوری ہونے والے سامان کی فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے ایک چھوٹا کمبل، اس کے علاوہ۔'' یہ کہہ کر یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اس کے علاوہ...'' اس نے شہادت کی انگلی سے کنپٹی دبائی۔ ''بجلی کا ایک تار بھی ہے۔''

یوریکا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ ''تار...''

''ہاں... وہ لیونگ روم میں رکھے دو ٹیبل لیمپ میں سے ایک کا تھا۔''

''تار کو لیمپ سے کھینچ کر نکالا جاسکتا ہے؟''

''عام طور پر ایسا نہیں ہوتا مگر اس لیمپ میں یہ خاصیت تھی۔'' مسز ہیرس نے وضاحت کی۔ ''عام طور پر دن میں تار نکال کر دراز میں رکھ دیتی تھی۔'' یہ کہہ کر اس نے گہری سانس لی۔ ''جب سے یہ تار چوری ہوا ہے رات کو صرف ایک ہی لیمپ روشن رہتا ہے۔ اس سے پورے لیونگ روم کا تاثر ہی خراب ہو چکا۔'' یہ کہہ کر اس نے برا سا منہ بنایا۔

''شاید برا مان گئی ہو۔'' یوریکا نے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''میں نے سامان کی فہرست دے دی ہے۔ بہتر ہوگا کہ اسے غور سے پڑھ لو۔'' اس کے لہجے سے ناراضی عیاں تھی۔

''اوہ...'' یوریکا نے ہونٹ سکیڑے۔ ''مشورے کا شکریہ۔''

اس کے بعد دونوں کے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوئی۔ آخر دیڑھ کلومیٹر کا راستہ کٹا۔ اب وہ اس پہاڑی نما ٹیلے پر چڑھ رہی تھیں جس کے کنارے پر ہیرس ہاؤس تھا۔ حالیہ طوفان سے علاقے میں بدترین تباہی پھیلی تھی مگر بلندی پر ہونے کے سبب اس گھر کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔ سیراسوٹا میں پراپرٹی کے حالات خراب نہ ہوتے تو واقعی یہ گھر بیش قیمت ٹھہرتا۔ چڑھائی چڑھتے ہوئے وہ بل کھاتے راستے پر آگے بڑھ رہی تھیں۔ یہ گھر اس زاویے پر واقع تھا کہ جہاں سے تین سو ساٹھ ڈگری کے زاویے پر تقریباً پورا شہر، سمندر اور ساحل صاف نظر آتا تھا۔

ہیرس ہاؤس کے اطراف کوئی باڑ نہ تھی۔ برآمدے تک پہنچنے سے پہلے لان تھا۔ جس کے درمیان تین فٹ کی راہ داری تھی، جس پر سرخ بجری بچھائی گئی تھی۔ اس کے دونوں جانب میکسیکو کے سدا بہار پھولوں والے پودوں کی قطار تھی، جن میں سرخ نارنجی، اودے اور زرد رنگ کے بڑے بڑے پھول ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ وہ برآمدے میں پہنچے۔ داخلی دروازے کا ہینڈل گلابی رنگت کا تھا۔ یوریکا نے ان رنگوں سے اندازہ لگایا کہ بوڑھی مسز ہیرس کی توانائی اور حوصلہ، دونوں جوان ہیں۔

دن کا وقت تھا، لیکن سورج کا رخ بدل جانے کے باعث اندر کافی تاریکی تھی۔ وہ زیادہ ٹھنڈا ابھی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد یوریکا کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ اسی دوران مسز ہیرس نے پردے کھینچ کر کھڑکیاں کھول دی تھیں۔ وہ لیونگ روم میں تھیں۔ ایک طرف براؤن چمڑے کا کاؤچ رکھی تھی۔ اس کی مخالف سمت میں صوفے تھے۔ صوفے کے دونوں طرف کمرے کے دو کونوں میں بڑے بڑے لیمپ رکھے تھے۔ ان کے سامنے والی دیوار کے ساتھ ٹی وی تھا۔ اس کے انتہائی بغل میں فریج تھا، جس کے برابر مارٹل کا کاؤنٹر تھا۔ اس پر ایک بڑے سے پیالے میں سیب، انگور اور کیلے رکھے تھے۔ یوریکا گہری نگاہوں سے لیونگ روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ بہت پہلے اس نے کلیوں سے مسز ہیرس کے سلیقے کا ذکر سنا تھا لیکن آج پہلی بار وہ اس کے گھر کو اندر سے دیکھ رہی تھی۔ آرائش میں سادگی اور وقار دونوں نمایاں تھے۔ ہر شے قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھی اور فریج کے پاس پہنچی اور سیب کو انگلی سے چھوا۔ وہ پلاسٹک کے تھے، کھانے کے نہیں صرف دکھانے کے۔ اس نے منہ سے کچھ نہ کہا اور کاؤچ کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کافی پرانی تھی اور اس کا چمڑا کئی جگہ سے مسک چکا تھا۔ ''بہت عمدہ، اچھا ذوق ہے...'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

مسز ہیرس یہ سن کر مسکرائی۔ ''بس! کوشش کی ہے۔'' اس کا لہجہ دل تھا۔

''چور یہ ٹی وی کیوں چھوڑ گیا۔'' یوریکا نے انگلی سے اشارہ کیا۔

''یہ خراب ہے، چلتا وتا نہیں، بس ڈیکوریشن پیس ہی ہے۔''

''یہ بات چور کیسے جانتا تھا؟'' یوریکا نے پولیس کے خالص انداز میں اپنے شک کا اظہار کیا۔

مسز ہیرس نے سُنی ان سنی کردی۔ یہ اس کی پرانی

SCANNED BY DIGESTPK
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

عادت تھی، جواب نہ دینا ہو تو یہ ظاہر کرتی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

یوریکا نے سامنے نظر ڈالی۔ فریج کے ساتھ بنے کاؤنٹر کے اوپر والے ریک میں قیمتی مشروبات کی کئی بوتلیں رکھی تھیں۔ ''چور نے ان میں سے کوئی بوتل بھی نہیں اٹھائی۔'' اس نے ریک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں کہا۔

مسز ہیرس ہنس پڑی۔ ''صرف یہ بوتلیں اصلی ہیں ورنہ ان کے اندر صرف رنگین پانی بھرا ہے اور کچھ نہیں۔''

''کیا تم مجھے بے وقوف بنا سکتی ہو؟'' یہ سنتے ہی اس کے دماغ کا فیوز اڑ گیا تھا۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ بوتلوں کے کارک کھولے نہیں گئے تھے۔

''مجھے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' مسز ہیرس نے بھی خرنت ترشی سے جواب دیا۔

''او کے...'' یوریکا نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور چاروں طرف دیکھا۔ کمرے میں زیادہ فرنیچر نہیں تھا اور جو تھا وہ بھی کافی بڑے سائز کا۔ ''کیا تم مجھے گھر کو ایک نظر دیکھنے کی اجازت دو گی۔'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے مسز ہیرس کو گھورا۔

یہ سن کر مسز ہیرس نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''مگر ایسا کس لیے، کیا ضرورت ہے اس کی؟''

اس کا سوال نظر انداز کر کے یوریکا اپنی جگہ سے اٹھی۔ برابر میں بیڈ روم تھا۔ باتھ روم میں صابن اور تولیہ پڑا تھا۔ طوفان کے باعث اس گرم علاقے میں مچھروں کی بہتات ہو چکی تھی مگر بیڈ روم میں بستر پر مچھر دانی نہ تھی۔ یہ اس کے لیے حیرانی کی بات تھی۔ مسز ہیرس اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ بنا مچھر دانی کے کیسے سو جاتی ہو؟''

''ہم یہاں نہیں سوتے۔''

''مطلب... تو پھر کہاں سوتی ہو؟''

''برابر والے گھر میں۔'' مسز ہیرس نے جواب دیا۔ ''ہمسائے یہاں سے جا چکے اور گھر کی دیکھ بھال ہمارے سپرد کر گئے تھے۔''

''تو تم... دونوں وہیں سوتے ہو؟''

مسز ہیرس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو تم دونوں اکٹھے یہاں پر رہتے نہیں ہو؟''

''یقیناً نہیں۔''

اب تک یوریکا نے ساری کہانی جارج یا مسز ہیرس کی زبانی سنی تھی۔ اب وہ اس کے شوہر سے مل کر یہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر وہ اس سارے معاملے میں کس حد تک باخبر ہے۔ چند لمحوں تک وہ ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر اس کی طرف مڑی۔ ''میں مسٹر ہیرس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر چلا گیا۔ چند لمحے توقف کیا اور بولی۔ ''لیکن کیوں؟''

''ضروری ہے۔''

''لیکن وہ یہاں نہیں رہتے۔''

''جہاں رہتے ہیں، میں وہیں چلی جاتی ہوں۔''

''میں...'' مسز ہیرس نے اس کا لفظ دہرایا۔ ''میں سے کیا مراد ہے؟''

''میں اُن سے اکیلی جا کر ملوں گی اور تم.....'' یہ کہہ کر اس نے مسز ہیرس کو گھورا۔ ''میرے پیچھے ہرگز نہیں آنا۔''

''کیا مطلب...'' وہ چونکی۔ ''میں ضرور چلوں گی۔''

''ہرگز نہیں...'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

''تم جانتی ہو کہ وہ...''

''جانتی ہوں...'' یوریکا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت وہ وہاں ہیں کے جہاں دوستوں کے پارلر سے خوفزدہ ہو کر اپنا زیادہ تر وقت گزارتے ہیں۔''

باہر نکلتے ہی یوریکا نے سورج کی طرف دیکھا۔ تپش بڑھ رہی تھی۔ بادلوں کی ٹکڑیاں ابھی آسمان پر تیرتی نظر آ رہی تھیں۔ اس جوڑے نے علاقے میں خاصی نیک نامی کمائی تھی۔ جب یہاں سے لوگوں نے نقل مکانی شروع کی تو کئی ہمسائے اپنے گھر کی دیکھ بھال ان کے سپرد کر گئے تھے۔ اسی لیے مسٹر ہیرس اب بیوی سے علیحدہ، قریب کے ایک گھر میں اکیلے رہ رہے تھے۔ مسز ہیرس کا پارلر اس گھر سے لگ بھگ پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ گھر سے نکلتے ہوئے یوریکا نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس کے پاس ابھی کافی وقت تھا۔

راہداری سے نکلتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو رکی اور لان کے دونوں حصوں پر نظر ڈالی۔ پھول دار پودوں کی قطار سے پیچھے ایک جگہ اسے گھاس ادھڑی ادھڑی محسوس ہوئی۔ اس پر دھبے بھی تھے۔ واضح طور پر تو اسے یقین نہ تھا مگر وہ دھبے خون کے بھی ہو سکتے تھے۔ اس کا دماغ پوری تیزی سے چل رہا تھا۔ وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے سر کو جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔

چلتے چلتے اس نے جیب سے وہ پرچہ نکالا، جس پر مسز

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہیریں نے تفصیلات درج کی تھیں۔ جگ، کمبل، دو عدد سفید چادر، لیپ کا تار... اسے یہ سب چیزیں غیر اہم لگیں۔ وہ سوچ رہی تھی اگر کسی کو اس طرح کے سامان کی ضرورت تھی، تو یہ چیزیں یہاں کے بہت سارے خالی گھروں میں سے، کسی ایک میں بھی مل سکتی تھیں، اس کے لیے چوری کرنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ اگرچہ اس نے مسز ہیریں کا یہ خیال تو رد کر دیا تھا کہ گمشدہ اشیا قیمتی تھیں تاہم وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کسی خاص مقصد کے لیے یہ تمام سامان چوری کیا گیا تھا۔

تار... گلا گھونٹا جاسکتا تھا، کمبل اور چادر... لاش لپیٹ کر دفنانے کے لیے مگر جگ... خون کے دھبے دھونے کے لیے اس کا استعمال ممکن ہے لیکن اگر کسی کا گلا گھونٹا جائے تو پھر خون کیسے نکلے گا۔ جو حالات تھے، ان میں کسی چور کو یہ چیزیں چرانے کی ضرورت نہ تھی البتہ کوئی گھر کا فرد یہ کام ضرور کرسکتا تھا لیکن گھر کا آدمی اپنے گھر میں کیوں چوری کرے گا اور وہ بھی تب، جب پورے گھر میں صرف دو افراد ہی ہوں اور ان میں سے بھی ایک الگ رہ رہا ہو۔ اسے یقین تھا کہ جب تک مسز ہیریں سے نہ مل لے، تب تک یہ گتھی سلجھنے کی نہیں۔ انہی سوچوں میں اُلجھی وہ مسز ہیریں کے گھر کی طرف بڑھتی جارہی تھی۔

مسز جان فی ہیریں نے جو گھر اپنے رہنے کے لیے منتخب کیا، وہ بھی کم خوبصورت نہ تھا۔ سفید رنگ کی وہ عمارت خاصی پرانی تھی لیکن بہت اچھی حالت میں تھی۔ گھر کے سامنے لان کو مختصر کر کے گاڑی کھڑی کرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ عقب میں بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ گھر کے سامنے والے حصے سے اندر داخل ہوئی۔ داخلی دروازہ چوپٹ کھلا تھا۔ اس نے جو گرز پہن رکھے تھے۔ بنا آہٹ اندر داخل ہوئی۔ سامنے ایک کاؤنٹر تھا، جس کے پیچھے دو تین کرسیاں رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک پر مسٹر ہیریں بیٹھے تھے، رخ دیوار کی طرف اور پشت داخلی دروازے کی سمت تھی۔

وہ لمحہ بھر کھڑی رہی اور پھر کھنکھار کر کہا۔ ''سوری مسٹر ہیریں...''

''کہیے...'' یوریکا کی آواز سن کر وہ آہستگی سے مڑا۔ اسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو حیران رہ گئی۔ اس نے برسوں بعد مسٹر ہیریں کو دیکھا تھا۔ لمبوترا چہرہ پُر گوشت تھا۔ بھویں گھنی اور سوزش زدہ پپوٹے لٹک کر آنکھوں کو تقریباً ڈھانپ چکے تھے۔ موٹاپے کے باعث گردن تو لگ بھگ غائب ہی ہو چکی تھی۔ ایک کان سے سنائی دینا بند ہو چکا تھا، اسی لیے صوتی آلہ لگا تھا۔ اس وقت وہ سفید ایپرن پہنے ہوئے تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ کسی کام میں مصروف ہے۔

''فرمائیں، آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔'' اسے خاموش پاکر ہیریں نے دوبارہ پوچھا۔ ''خاصا مصروف ہوں اس وقت، میرے پاس وقت کم ہے۔'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''وہ بات یہ ہے کہ...'' یوریکا نے لمحہ بھر توقف کیا۔ ''میں ابھی ابھی تمہاری بیوی سے مل کر آرہی ہوں، انہی سے یہاں کا پتا ملا۔'' اس نے تحمل سے جواب دیا۔ وہ فوراً مقصد پر آنا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی اس وقت اسے گھر کے اندر سے عجیب سی بو اٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے زخم صاف کرنے کا کچھ، اور اسپرٹ وغیرہ کا بڑی مقدار میں استعمال کیا گیا ہو۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر یہ بو کس وجہ سے پھیلی یا یہ ادویات کیوں استعمال کی گئی ہیں۔

''تو پھر...'' ہیریں کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''میں سراغ رساں ہوں اور تمہاری بیوی نے گھر سے کچھ سامان چوری ہونے کی رپورٹ درج کرائی تھی۔'' یوریکا نے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔

یہ سن کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور لمحہ بھر یوریکا کو تکا اور پھر چلانے لگا۔ ''یہاں ہم تباہ حال ہیں اور لوگوں کو کسی کی کوئی پروا نہیں۔ جو اُن کے من میں آئے کرتے پھر رہے ہیں۔'' وہ شدید غصے میں تھا۔

''تم... ٹھیک تو ہو مسٹر ہیریں۔'' یوریکا نے تشویش بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ معمولی سی بات پر اس کا اتنا شدید ردعمل دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو چکی تھی۔

''ہاں...'' اس نے گہری سانس لی اور منہ دوسری طرف کیا۔ ''میں ٹھیک ہوں، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''اوکے...'' یوریکا نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ ''تم اپنے گھر گئے تھے آج؟''

''ہاں...''

''اپنی بیوی سے ملے تھے۔''

''نہیں...'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس وقت وہ گھر پر نہیں تھی، شاید کہیں باہر گئی ہوئی ہو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

یوریکا نے لمحہ بھر سوچا۔ ''کیا وقت ہوا ہوگا تب۔''

''یہی کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ۔''

''کیا یہاں بھی کوئی پارلر کھول لیا ہے؟'' یہ کہہ کر یوریکا نے جان بوجھ کر اس طرح نتھنے پھلائے جیسے کوئی مہک محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''نہیں...'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

یوریکا مسکرائی اور اس کی طرف غور سے دیکھا۔ مسٹر ہیرس نے اس وقت جس طرح کا سفید ایپرن نما گاؤن پہن رکھا تھا، ایسا عموماً میت پارلر والے مردوں کو نہلاتے دھلاتے وقت پہنا کرتے ہیں۔ ''ویسے پوچھ سکتی ہوں کہ اتنی صبح گھر سے کیوں نکلے تھے؟'' چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے ایک اور سوال کیا۔

''اس لیے کہ صبح جلدی اٹھتا ہوں۔ اور سارے کام جلدی نمٹانے کی عادت ہے مجھے۔'' اس مرتبہ مسٹر ہیرس کا لہجہ کسی حد تک پُرسکون تھا۔

''مجھے بھی جلدی اٹھنے کی عادت ہے۔'' یوریکا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ''ویسے آج صبح جب تم اپنے گھر گئے تو کیا وہاں کچھ خاص...'' یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر توقف کیا۔ ''میرا مطلب ہے کہ اپنے گھر کے اندر کوئی غیر معمولی تبدیلی یا کوئی اور بات محسوس کی تھی۔''

''نہیں، ہرگز نہیں۔'' ہیرس نے اس کے چہرے پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ ''مجھے تو کوئی خاص تبدیلی یا غیر معمولی بات نظر نہیں آئی تھی۔''

''تم آج اپنے گھر گئے تھے میرا مطلب ہے کہ جہاں تمہاری بیوی رہتی ہے۔'' یوریکا نے پوچھا۔

''نہیں گھر تو نہیں گیا تھا۔'' لمحہ بھر سوچنے کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اصل میں مارننگ واک کے لیے نکلا تو وہاں سے بس گزر رہا تھا۔ سوچا چلو بیٹی کو بھی دیکھتا چلوں لیکن وہ...''

''گھر پر نہیں تھیں۔'' یوریکا نے مسکرا کر قطع کلامی کی اور بات مکمل کر دی۔

یہ سن کر ہیرس نے بھی ہاں میں سر ہلایا۔

''ویسے تشویش نہیں ہو رہی کہ تمہارے گھر سے کیا کچھ چوری کیا جا چکا ہے۔'' یوریکا کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔'' اس نے جلدی سے جواب دیا۔ ''یہ تو میری بیوی کے لیے بڑی پریشانی کی بات ہوگی۔''

یوریکا خاموش رہی۔ وہ تیزی سے پورے معاملے پر غور کر رہی تھی۔

''کیا کچھ چوری ہوا ہے۔'' چند لمحوں تک اس کے جواب کا منتظر رہنے کے بعد آخر ہیرس نے خود خاموشی توڑی۔

''ایک جگ، ایک چھوٹا کمبل اور ایک بجلی کا تار، دو سفید چادریں...'' اس نے وہ کچھ بتایا جو اس کی بیوی نے فہرست میں لکھا تھا۔

یہ سنتے ہی ہیرس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ''لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہمارے گھر میں اس طرح کا کوئی سامان بھی ہوگا۔ جب تھا ہی نہیں تو پھر چوری...'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کوئی جگ نہیں، کوئی کمبل نہیں...'' اس کی بات سنتے ہی یوریکا نے چونک کر پوچھا۔

''محترمہ میرا مسئلہ یہ ہے...'' ہیرس نے ٹھہرے لہجے میں بات شروع کی۔ ''میرے خیال میں تم پورے معاملے سے اچھی طرح آگاہ نہیں ہو۔ میری بیوی اعصاب شکستہ عورت ہے۔'' اس کا لہجہ اس بات کی غمازی کر رہا تھا جیسے وہ حقیقت بیان کرنے کے لیے تمہید باندھ رہا ہو۔ لمحہ بھر توقف کے بعد ہیرس نے پھر بات شروع کی۔ ''میری بیوی کے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ اسے اپنی زندگی اور اس کے معمولات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی قبول نہیں۔ وہ اپنی اس عادت پر کسی بھی قسم کی مفاہمت کرنے کو تیار نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی عادت بہت پختہ ہو چکی۔ اب وہ اپنی گھٹی بندھی زندگی میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔''

یوریکا اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ اُسے ہیرس کی بات پر یقین ہو رہا تھا۔

''بظاہر وہ جنونی لگتی ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ اسے اپنی ہی دنیا سے غرض ہے۔ وہ پاگل نہیں لگتی ہے۔'' یہ کہہ کر ہیرس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اچانک یوریکا نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ یہاں کسی کو اوڑھانے کے لیے بھی کمبل چوری کیا جا سکتا ہے۔

''میں یہ گھر دیکھ سکتی ہوں؟''

''کیوں...'' ہیرس نے گہری سانس لی اور سوالیہ نگاہوں سے اُسے گھورا۔

''مجھے تم پر شک ہے۔ تم نے کل رات یہ چیزیں خود اپنے گھر سے چرائی تھیں۔'' یوریکا نے سرد لہجے میں کہا۔ ''وہ سامان یہیں ہونا چاہیے۔'' یہ کہہ کر اس نے ہیرس کو گھورا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''تمہارے سوا بھی اس گھر میں کوئی اور شخص ہے اور جو چادریں اور کمبل تم اپنے گھر سے لائے ہو دراصل وہ اسی شخص کے لیے لائے ہو۔ میں اُس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' یوریکا نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔

ہیرس کچھ دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ آخر ایک لمبی سانس بھر کر، گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھا۔ آہستہ آہستہ چل کر سامنے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ مڑ کر یوریکا کو دیکھا۔ وہ عین دروازے کے سامنے، اس سے دو فٹ کی دوری پر کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کمرے کے وسط میں ڈائننگ میز پر بچھی سفید چادر پر کوئی شخص چت لیٹا تھا۔ اس کے چہرے سے پنڈلیوں تک کمبل پڑا تھا۔ یوریکا نے گہری نگاہوں سے کمبل کا جائزہ لیا۔ یہ ویسا ہی تھا، جیسا مسز ہیرس نے بیان کیا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔ اُس شخص کے ایک پاؤں پر پٹی بندھی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہاں پنجہ نہیں تھا۔ ''یہ کون ہے؟'' اس نے چلّا کر پوچھا۔

''جیراڈ ہیرس...'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ہیرس نے جواب دیا۔ ''میرا اکلوتا بیٹا۔''

''کیا...'' حیرت کے مارے یوریکا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ ''یہ کب یہاں پہنچا۔ یہ تو اٹلانٹا میں رہتا تھا۔''

''کل صبح ہی یہ آیا تھا۔'' ہیرس نے جواب دیا۔

''لیکن اس کا پاؤں...''

''کاٹنا نہیں تو کیا کرتا۔'' ہیرس نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''کل مارننگ واک پر تھا کہ یہ مل گیا۔ راستے میں وہ شدید لو کا شکار ہو چکا تھا۔ پچھلے کئی برسوں سے اُسے ذیابیطس تھی۔ سمندری سفر کے دوران ہی اُسے لو لگی۔ وہ سخت بیمار تھا۔ انگوٹھے میں لگا زخم خراب ہو چکا تھا۔ کاٹنا ضروری تھا۔''

''بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔'' یوریکا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''اس کے جسم کا پانی بہت کم ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے انفیکشن زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔'' ہیرس بدستور افسردہ تھا۔ ''اس کی حالت بہت بری تھی لیکن پھر بھی اس میں اتنی ہمت ضرور تھی کہ اپنے گھر تک پہنچ سکے۔ مجھے راستے میں مل گیا ورنہ تو اپنی ماں تک پہنچ جاتا اور جو حالات ہیں، اسے دیکھ کر اس کی حالت اور خراب ہو جاتی۔''

یوریکا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ اس نے محسوس کیا کہ میز پر بچھی سفید چادر پر لیٹے شخص کا جسم ساکت حالت میں ہے۔ حتیٰ کہ سانس لینے سے پیدا ہونے والی جنبش تک نہیں۔ ''اس کی حالت کیسی ہے؟'' اس نے صاف صاف بات کرنے سے گریز کیا تاکہ اگر اس کا خیال غلط نکلے تو مسٹر ہیرس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ویسے بھی اس وقت وہ شدید جذباتی کیفیت میں تھا۔

''اب تو بالکل ٹھیک ہے۔'' ہیرس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

یوریکا نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ ''کیا یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں بچا جو تم نے اسے اس حالت میں یہاں پر ڈال رکھا ہے۔''

''نہیں بچا کوئی ڈاکٹر...'' ہیرس نے چلّاتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس وقت اسپتالوں کی جو حالت ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہ یہاں زیادہ بہتر حالت میں ہے...'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''اسپتال میں رہ گیا ہے، وہاں لے جاتا تو وہ بھی اسے مرنے کے لیے ایک طرف ڈال دیتے۔''

یوریکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آگے بڑھی اور چہرے کی جانب سے کمبل اُلٹ دیا۔ ''اوہ میرے خدا...'' اس نے حیرت سے کہا۔ ''یہ تو مر چکا ہے۔'' جیراڈ ہیرس اس کا ہم عمر رہا ہوگا یا تھوڑا بڑا۔ اس کے بڑے بڑے سنہرے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے کی رنگت پیلی پڑ چکی تھی۔ ''تم نے اس کا پنجہ خود کاٹا تھا۔''

''ذیابیطس کی شدت ہو تو انفیکشن زدہ حصہ بے جان ہو جاتا ہے۔'' ہیرس نے آہستگی سے کہا۔

''کیا مطلب...'' وہ چونکی۔ ''تمہاری بیوی جس تار کے چوری ہونے کا کہہ رہی ہے تو کیا تم نے اُس سے یہ پنجہ کاٹا ہے؟''

''یہ سب کچھ ہو چکا۔'' ہیرس نے سر جھکا کر کہا۔ ''لیکن ایک بات سچ ہے، میں بالکل نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ اس کے پاؤں کا زخم بہت خراب ہو چکا تھا...''

''اور تمہارے خیال میں اس کی زندگی بچانے کے لیے پنجہ کاٹنا ضروری تھا۔'' یوریکا نے قطع کلامی کی۔

ہیرس نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ ''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''مطلب کہ تم نے اپنے گھر سے لیمپ کا تار نکالا اور اس کے ذریعے پنجہ کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا اور آج صبح اُسے ایک درخت کی جڑ تلے پھینک آئے تھے۔'' یوریکا نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کہا۔

ہیریس نے افسردگی سے اسے دیکھا مگر کچھ کہنے کے بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں تم نے ٹھیک نہیں کیا۔'' وہ ایک بار پھر چلائی۔

''اس کا پاؤں بے جان ہو چکا تھا۔'' ہیریس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' وہ اپنے اعصاب کھو بیٹھا تھا۔ شاید میں اس کے لیے جو بہتر کرسکتا تھا، وہ یہی تھا۔''

''لیکن وہ جگ...''

''اسے بہت پیاس لگی تھی مگر یہاں پینے کے لیے ٹھنڈا پانی نہیں تھا۔ میں گھر سے جگ میں ٹھنڈا پانی لے کر یہاں پہنچا تو...'' ہیریس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے گال پر آنسو لڑھک رہے تھے۔

یوریکا خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ طوفان کے بعد اس پورے علاقے میں ہر طرف سمندر کا پانی پھیلا ہوا تھا لیکن پینے کے لیے ایک ایک بوند پانی بھی نایاب تھا۔ وہ جانتی تھی کہ ذیابیطس کے مریض کو ٹھنڈے پانی کی کس قدر طلب ہوتی ہے، وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب اسے لو بھی لگ چکی ہو۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے کبھی ہیریس اور کبھی اس کے بیٹے کی لاش کو دیکھتی رہی۔'' تو یہ بے چارہ پیاسا ہی مر گیا۔''

''نہیں...'' ہیریس نے بڑے پیار سے لاش کے ماتھے پر بکھرے بالوں کی لٹ کو سنوارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔'' جب میں پانی لے کر پہنچا تب تک یہ غشی میں جا چکا تھا۔''

''تو اس کی موت تمہارے سامنے ہوئی۔'' یوریکا نے پوچھا۔

ہیریس نے اثبات میں سر ہلایا۔'' میں نے اس کی دلجوئی کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کی جان بچانے کے لیے جو کچھ کرسکتا تھا، وہ سب کیا لیکن...'' ایک بار پھر اس کی آواز بھرا گئی۔

یوریکا دو قدم آگے بڑھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔'' جو کچھ ہوا، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔''

''مگر جینی کا تو ہے۔'' وہ چلایا۔'' اگر وہ ہٹ دھرمی پر قائم نہ رہتی تو ہم گھر بیچ... کر کب کا اپنے بیٹے کے پاس جا چکے ہوتے، وہ یہاں تدفین کے انتظار میں لیٹے رہنے کے بجائے شاید آج زندہ ہوتا۔'' ہیریس زار و قطار رو رہا تھا۔

''یوریکا اسے کندھے سے لگا کر تسلی دیتی رہی۔ کافی دیر بعد جب اس کے حواس ٹھکانے آئے تو یوریکا نے پوچھا۔'' کیا وہ سب کچھ جانتی تھی؟''

ہیریس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میرا مطلب کہ اس کا بیٹا واپس آچکا ہے۔''

ہیریس نے نفی میں سر ہلا کر کہنا شروع کیا۔'' وہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ اگر اسے پتا چلتا کہ جیرالڈ یہاں آیا ہے تو شاید وہ اس لیے بیٹے سے ملنے کی روادار نہ ہوتی کہ کہیں وہ انہیں لینے تو نہیں آگیا۔ اسے اپنا گھر پیارا ہے۔ وہ اسے فروخت کیے بنا یہاں سے جانے پر تیار نہ تھی۔''

اس دوران ان کے عقب سے کلک کی ہلکی سے آواز سنائی دی۔ دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ عین دروازے کے بیچوں بیچ مسز ہیریس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور نال اس کی کنپٹی سے لگی تھی۔

''جینی...'' یوریکا نے تیزی سے ہیریس کو ایک طرف دھکیلا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پاتی، ایک فائر ہوا۔ گولی اس کی کنپٹی میں دھنس چکی تھی۔ وہ کٹے شہتیر کی طرح فرش پر گرتی چلی گئی۔ ہیریس اور یوریکا، دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت کھڑے تھے۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ یوریکا پولیس افسر تھی۔ جانتی تھی کہ کنپٹی میں لگی گولی کے بعد زندگی بچانے کی ہر کوشش بے سود ہوتی ہے۔

ہیریس بھی دم بخود تھا۔ چند لمحے بعد وہ آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل لاش کے سرہانے بیٹھ گیا۔ جینی کی کنپٹی سے بہنے والا خون فرش پر پھیلتا جا رہا تھا۔'' بیٹے کی موت کا کفارہ تمہاری موت سے نہیں ہوسکتا۔'' یہ کہتے ہوئے ہیریس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور جینی کی بے جان کھلی آنکھوں کو بند کر دیا۔

یوریکا کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ جینی کی خودکشی کا اصل سبب کیا ہے؟ دنیاداری، لالچ، ممتا یا احساسِ گناہ...

کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ جینی کی کنپٹی سے بہنے والا خون فرش پر جمنے لگا تھا۔ اسپرٹ اور کمفر کے ساتھ ساتھ اب کمرے میں لہو کی بو بھی شامل ہو چکی تھی۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور باہر نکل کر وائرلیس پر پولیس اسٹیشن کو خودکشی کے اس واقعے کی رپورٹ دینے لگی جس کی عینی گواہ وہ خود تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

موسم گرما کی وہ دوپہر تھی۔ بادل کا کوئی ٹکڑا سورج کے
اریب قریب نہیں تھا۔

اسنائپر چھت کے دروازے سے نمودار ہوا۔ اس کی
چال متوازن تھی۔ ہاتھ میں چرمی گن کیس تھا۔

اس نے کیس کھولا۔

ہتھیار کے ٹکڑوں کو ایک دوسرے سے منسلک کیا۔

گن لوڈ کی۔

گن سائٹ میں نیچے سڑک کا جائزہ لیا۔

امجد رئیس

بااصول

وہ لوگوں کی جانوں سے کھیلنے کا ہنر جانتا تھا... اور خود کو اس کھیل کا بہت بڑا کھلاڑی گردانتا تھا... اپنے تراشے گئے اس خود ساختہ کھیل کے سخت اصول بنائے گئے تھے اور وہ سختی سے ان اصولوں پر کاربند رہتا تھا... مگر ایک روز وہ پہلی اور آخری بار ایک اصول توڑ بیٹھا...

دو بااصول شاطر کھلاڑیوں کے ٹکراؤ کا دلچسپ ماجرا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

فوکس ایڈجسٹ کیا اور انتظار کرنے لگا۔
کوئی جلدی نہیں تھی۔
بلٹ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

☆☆☆

وہ مشہور تھا لیکن کوئی اس کے نام سے واقف نہ تھا۔ اور جنوں اخبارات اور رسائل میں اس کی تصاویر چھپی تھیں۔ حتیٰ کہ ٹائم کے کور پیج پر بھی اس نے جگہ بنائی تھی لیکن کسی نے بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

یہ تصاویر پولیس آرٹسٹس نے متعدد گواہوں کے بیان کی روشنی میں اسکیچ کی تھیں۔ بیانات بھی متضاد تھے۔ کسی نے اسے ایک چھت سے دوسری چھت پر کودتے دیکھا تھا۔ کسی نے ٹارگٹ کلنگ کے بعد کار میں جاتے ہوئے اس کی جھلک دیکھی تھی۔ چند گواہان نے جو حلیہ بیان کیا تھا وہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

ایک گواہ نے بتایا کہ وہ اوسط قامت کا بھاری بھرکم شخص ہے۔ جس کی سیاہ داڑھی ہے اور کیپ لگاتا ہے۔ دوسرے نے بتایا کہ وہ ایک بہت لمبا آدمی ہے، دبلا پتلا۔ تیسرے نے بتایا کہ وہ ایک گنجا اور چپٹی ناک والا شخص ہے۔

ٹائم کے کور پر اسکیچ کے ساتھ ایک بڑا سا خونی سوالیہ نشان بنا تھا اور لکھا تھا WHO IS HE?

رپورٹرز اس کو مختلف نام دے چکے تھے۔ مثلاً "فینٹم اسنائپر"، "دی ڈیڈلی گھوسٹ"، "دی سائلنٹ سلیئر"... خود اسے جو نام پسند آیا تھا وہ تھا۔ دی ماسٹر آف وسپرنگ ڈیتھ۔ اسے اکثر مختصر کر دیا جاتا تھا اور صرف "ڈیتھ ماسٹر" پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اسے پورا نام پسند تھا جو منفرد، موزوں اور شاعرانہ تھا۔

وہ اپنے کام کا ماسٹر تھا۔ اس نے کبھی ٹارگٹ مس نہیں کیا تھا۔ اس کا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا تھا۔ وہ ٹھنڈے دماغ کا آدمی تھا۔ اعصاب اس کے کنٹرول میں رہتے تھے۔ اس کے کام میں صفائی، پھرتی اور مہارت تھی۔ موت واقعی اس کی رائفل سے سرگوشیاں کرتی نکلتی تھی...

وہ ہمیشہ اپنے ٹارگٹ کو نشانہ بناتا تھا، لوگوں کو نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ٹارگٹ بھی کوئی نہ کوئی انسان ہی ہوتا تھا۔

وہ خود کو ایک کامیاب ترین شارپ شوٹر سمجھتا تھا۔ اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس کے پاس ٹارگٹس کی کمی نہیں تھی۔ ملین، بلین متحرک ٹارگٹس اس کی تسکین کے لیے موجود تھے... دن اور رات، شہر بہ شہر، ریاست بہ ریاست... ایک نہ ختم ہونے والی رسد اس کے لیے موجود تھی۔

لیکن وہ محتاط رہتا تھا۔ اس نے کبھی ایک شہر میں دو قتل نہیں کیے۔ وہ ہتھیار بدلتا رہتا تھا۔ ایک موقع کے علاوہ اس نے کبھی کار استعمال نہیں کی۔ ایک شکار کے بعد دوسرا شکار کرتے وقت مختلف لباس زیب تن کرتا تھا۔ جوتوں کے معاملے میں بھی اس کا یہی رویہ تھا۔ سب سے اہم بات کہ اسے کبھی دیکھا نہیں گیا۔

اس کے نزدیک یہ ایک اسپورٹس کی طرح تھا۔
ایک کھیل... ایک فن... اور ماہرانہ کاریگری۔
لیکن قتل نہیں۔ وہ اسے جرم نہیں سمجھتا تھا۔

اس کا نام تھا پرسلوٹ تھا۔ عمر 31 برس۔ قد پانچ فٹ گیارہ انچ۔ مناسب کسرتی جسم۔ سیاہ بالوں میں کہیں کہیں بھوری رنگت کا تڑکا لگا ہوا تھا۔ چہرہ پرکشش تھا۔ تاہم اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ دیکھنے والے کا چہرہ مدت تک یاد رہ جائے۔

وہ پابندی سے دن میں دو مرتبہ شیو کرتا تھا۔ اس کے میک اپ کے سامان میں، داڑھیاں، مونچھیں، وگس، مختلف قسم کی ٹوپیاں، جن میں باریک ربر کی اسکن ٹوپیاں بھی تھیں جن کو پہن کر وہ گنجا نظر آتا تھا۔ مختلف قسم کے چشمے، کیمیکلز، اسپرنگ... بوسٹرز، کھوپڑی، ٹھوڑی، جبڑے اور ناک کی ساخت بدلنے کے لیے بھی اس کے پاس کافی چیزیں موجود تھیں۔

ہر نئے گیٹ اپ کو وہ خوب انجوائے کرتا تھا۔ آواز اور چال بدلنے میں اسے ملکہ حاصل تھا۔ وہ ایک آرٹسٹ تھا۔ جس کا فن بے عیب تھا۔

اس کا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں تھا۔ نہ کبھی گرفتار ہوا۔ نہ کبھی مقدمہ چلا۔ ظاہر ہے نہ اس کی کوئی فائل تھی۔

وراثت میں اسے اچھی خاصی دولت ملی تھی۔ اس میں اضافے کی اس نے کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ اپنے "فن" کو جلا بخشنے میں مگن تھا۔ وہ ہر قسم کے ہتھیاروں کے استعمال سے واقف تھا۔ کار چلانا اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔ بوقت ضرورت دو دست بدست فائٹ میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا تھا۔ پولیس کے طریقہ کار کا اس نے بخوبی مطالعہ کیا ہوا تھا۔

اس کی فنکاری میں عیب تلاش کرنا ایک نہایت دشوار کام تھا۔ اس نے چند اصول بنائے ہوئے تھے جن پر وہ سختی سے عمل درآمد کرتا تھا۔ ایک اصول یہ تھا کہ جب وہ کسی شہر میں شکار کے لیے داخل ہوتا تو وہاں کے اسٹریٹ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

سسٹم کو یادداشت میں محفوظ کر لیتا۔ کام ختم کرنے کے بعد وہ فوراً علاقہ چھوڑ دیتا۔

اپنی ''فیلڈ'' کی تاریخ اس نے پڑھ رکھی تھی۔ اسنائپرز اور ان کی تیکنیک کی اس نے خاص اسٹڈی کی تھی۔ تاہم وہ سب اور دیگر سیریل کلرز میں اسے کوئی نہ کوئی خامی نظر آئی تھی۔ وہ پیشہ ور اسنائپرز کو بھی جانتا تھا جو سرکار کے لیے کام کرتے تھے۔

یہ تمام افراد اسے ایڈیٹ لگتے تھے۔ احمق قاتل... جبکہ وہ سائنٹیفک آرٹسٹ تھا اور وہ مارکیٹ میں بکنے کے لیے بھی نہیں تھا۔

وہ کسی بھی قسم کے احساسِ جرم سے بے نیاز تھا۔ جس کو گلٹ کمپلیکس یا گلٹ کونشیس کہتے ہیں۔ جرم کی خلش سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کچھ مدت تو یہ ممکن ہے۔ لیکن یہ دھوکا ہوتا ہے۔ ''خلش'' دور گہرائی میں پل رہی ہوتی ہے اور کسی وقت، کسی موقع پر، کسی جذبے یا احساسِ ملامت کے تحت اچانک باہر آجاتی ہے۔

لیکن وہ ایسے کسی مسئلے سے دوچار نہیں تھا... نہ مستقبل قریب یا بعید میں ایسا کوئی امکان تھا۔ کیونکہ وہ قاتل تھا ہی نہیں۔ وہ تو ایک اسپورٹس مین تھا، ایک آرٹسٹ جس کا جذبۂ تفاخر اور فن نکھرتا ہی جارہا تھا۔

لوگوں سے میل جول میں اس کا انداز عام اور سرسری تھا۔ والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ محبت، نفرت اور دوستی کے بکھیڑوں سے وہ آزاد تھا۔ نہ اسے ان کی ضرورت تھی۔ بچپن سے اس نے یہی سیکھا تھا کہ خود پر انحصار کرو۔

اس لحاظ سے وہ تنہا تھا۔ اور یہ اسی کا انتخاب تھا۔ یہ بھی اس کا ایک اصول تھا۔ اس نے متعدد اصول اپنائے ہوئے تھے۔

وہ کسی لڑکی کے ساتھ ایک سے زیادہ بار ڈیٹ پر نہیں گیا۔ چاہے وہ ہالی ووڈ کی کوئی حسین ترین ساحرہ ہی کیوں نہ ہو۔

وہ مرد، عورت کے درمیان تعلق کو نہ صرف ایک کمزوری سمجھتا تھا بلکہ خطرناک قرار دیتا تھا۔ اس نے خود کو ہمیشہ اس کمزوری سے بچائے رکھا تھا۔

وہ باقاعدہ جاگنگ کرتا تھا۔ ہفتے میں تین بار جم ضرور جاتا تھا۔ اس نے خود کو شراب اور سگریٹ سے دور رکھا تھا۔

صحت مند جسم اس کے ''فن'' کی ضرورت تھی۔ وہ ایک اسپیشل آرٹسٹ تھا کوئی گیمبلر نہیں جو رسک لے کر جوا

بوجھ

لفٹ میں ایک ساتھ بہت سے لوگ سوار ہو گئے۔ آپریٹر نے بٹن دبایا لیکن لفٹ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ اس نے درخواست کی۔ ''کم از کم ایک آدمی ضرور لفٹ سے اتر جائے۔''

ایک نہایت موٹی خاتون نے ایثار کا مظاہرہ کیا اور لفٹ سے اتر گئیں۔ کئی دوسرے لوگ اب بھی باہر اپنی باری کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آپریٹر نے بٹن دبایا تو لفٹ واقعی اوپر روانہ ہوگئی۔

موٹی خاتون قدرے شرمندگی سے بولیں۔ ''میرا وزن تو اتنا زیادہ نہیں کہ میری وجہ سے لفٹ رک جاتی۔ دراصل لفٹ میں سے کسی پر بہت زیادہ بوجھ ہے۔''

دو گدھے

ایک انگریز سیاح جنوبی فرانس میں بلند پہاڑی پر چڑھ رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک سبزی فروش ملا جو گاڑی میں جتے ہوئے گدھے کو ہانک رہا تھا مگر گدھا بہ مشکل قدم اٹھا رہا تھا۔

سیاح نے ایک ہاتھ سے گاڑی کو دھکیلنا شروع کیا اور اس کی مدد سے وہ بہت جلد پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر سبزی فروش نے سیاح کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا۔ ''میں جناب کا بہت ممنون ہوں۔ دراصل صرف ایک گدھے کی مدد سے یہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔''

گھڑی

دفتر کے کام سے طارق بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے لاہور جانے کے لیے گھر سے چلے لیکن ذرا تاخیر سے ائرپورٹ پہنچے تو فلائٹ روانہ ہورہی تھی۔ سیڑھی ہٹائی جاچکی تھی اور جہاز کا دروازہ بند ہو رہا تھا۔ طارق کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے لڑنے لگے کہ انہیں بورڈنگ کارڈ دیا جائے اور ہوائی جہاز کو رکوایا جائے۔

''فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔'' انہوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔

ائرلائن کی ملازم خاتون نہایت تحمل اور شائستگی سے بولیں۔ ''وہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن آپ چونکہ یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ کو روانہ کرنا پڑا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کھیلتا ہے۔ جمی پریسکوٹ چانس اور رسک سے پرہیز کرتا تھا۔

تاہم پھر بھی چند مواقع پر اسے خطرات سے واسطہ پڑ ہی گیا۔ ایک بار جب وہ ڈیٹرائٹ میں ٹارگٹ کلنگ کے بعد چھت چھوڑ رہا تھا تو چھت کا دروازہ ہی جام ہوگیا اور اسے دوسری عمارت کی چھت پر خطرناک چھلانگ لگانی پڑی۔

دوسرے واقعے میں پولیس کار چیز کے دوران میں پورٹ لینڈ میں اس کی چرائی ہوئی کار دغا دے گئی اور اسے کار کو خیرباد کہنا پڑا... تیسری مرتبہ ایک آف ڈیوٹی پولیس اہلکار نے غیر متوقع طور پر ٹارگٹ کلنگ دیکھ لی۔ اس وقت جمی نے جو گیٹ اپ کیا ہوا تھا، اس میں وہ گنجا نظر آرہا تھا۔ یہ واقعہ انڈیانا پولیس میں پیش آیا۔ ڈیوٹی پر نہ ہونے کے باوجود وہ فرض شناس لیکن وحشت قسم کا اہلکار کسی شکاری کتے کی طرح جمی کے پیچھے لگ گیا۔ جمی کو خاصی تگ و دو کرنی پڑی اور پھر بات دست بدست فائٹ تک جا پہنچی۔ مجبوراً جمی کو اس کی گردن توڑنی پڑی۔

وہ اس کا پہلا قتل تھا جو اس نے خالی ہاتھوں سے کیا۔ نیز وہ ٹارگٹ کلنگ کے زمرے میں بھی شامل نہ تھا۔ تاہم وہ تمام "کیریئر" میں جمی کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن گیا تھا۔

جمی نے ان چند مواقع سے بھی فائدہ اٹھایا اور اپنی غلطیوں سے سیکھ کر "فنکاری" میں مزید نکھار پیدا کیا۔ اس کی ایک عادت اور بھی کہ وہ ایک چھوٹی نوٹ بک میں اپنی پرفارمنس کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ تفصیلات میں ریاست، شہر، سڑک کا نام، موسم، وقت، جنس، عمر، "ٹارگٹ" کی رنگت۔ تفصیلات کے ذیل میں اپنے گیٹ اپ کے بارے میں لباس وغیرہ پر مخصوص نوٹس لکھتا۔ اگر اسے "ٹارگٹ" کے علاقے میں کوئی پریشانی یا مسئلہ پیش آتا تو وہ اسے بھی لکھ لیتا... بعد ازاں وہ تمام تفصیلات کا نہایت باریک بینی سے تنقیدی جائزہ لیتا۔ جیسے وہ کسی مشہور ساکر ٹیم کا کوچ ہے۔

مختصر یہ کہ وہ اپنی نوعیت کا ایک پُراسرار سیریل کلر تھا جو خود کو کلر ہی تسلیم نہیں کرتا تھا...

جمی خود کو بھی سرپرائز دینا پسند کرتا تھا۔ وہ ٹارگٹ کا پہلے سے انتخاب نہیں کرتا تھا۔ اس کا انتخاب اچانک ہی ہوتا تھا... کوئی سرخ بالوں والی لڑکی جو اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ قہقہے لگانے میں مگن ہے... کونے پر کھڑا ہونے والا کوئی اخبار فروش... کوئی اسکول بوائے جو کتابیں بغل میں دبائے گھر کی جانب جارہا ہے... کوئی موٹا اکتایا ہوا ٹرک ڈرائیور جو اشارہ سبز ہونے کا انتظار کررہا ہے اور اچانک اس کی کنپٹی پر "سرخ اشارہ" نمودار ہوجاتا ہے۔

"ٹارگٹ" کا انتخاب ہمیشہ جمی کے لیے سنسنی خیز ثابت ہوتا۔

اور اس مرتبہ...

ایک مرد۔ دیکھنے میں مضبوط قدوقامت۔ اعلیٰ لباس۔ شاید کوئی کاروباری آدمی۔ ساتھ میں بریف کیس۔ جس کے بال کنپٹیوں پر سے سفید ہونا شروع ہوگئے تھے۔

وہ کچھ دیر قبل ہی ایک ڈرگ اسٹور سے نکلا تھا۔ جمی کے جسم نے حرکت کی۔ وہ کونے کی جانب گیا۔

'ہاں یہ ٹھیک... بالکل ٹھیک...' وہ بڑبڑایا۔ 'ہر طرح سے ٹھیک...'

اس نے رائفل اٹھائی۔ رینج۔ تین سو گز۔ سیٹنگ سائٹ فوکس۔ انگلی ٹریگر پر۔

انگلی کا دباؤ... پھر رینج۔

فائر...

"ٹارگٹ" آگے کی جانب گرا اور زمین بوس ہونے سے پہلے ختم ہوگیا۔ کوئی زور سے چیخا۔ کسی بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔

خوشگوار! جمی کے لیے یہ مانوس آوازیں تھیں۔

اس نے سکون سے رائفل کے مختلف حصے الگ کرنے شروع کیے... پتلون کو احتیاط سے جھاڑا۔

ایگزٹ سے ایلیویٹر میں آیا... دس منٹ میں وہ وہیں بالٹی مور سے نکل گیا اور ویسٹ کوسٹ کے لیے اگلی فلائٹ بک کرالی۔ جیٹ میں سوار ہونے کے بعد اس نے جسم ڈھیلا چھوڑ دیا اور آنکھیں بند کرلیں...

پھر وہی خواب۔ جمی پریسکوٹ کی زندگی میں یہ خواب ہی واحد پریشان کن فیکٹر تھا۔

ہر مرتبہ ایک ہی جیسا خواب... ایک وسیع میٹرو پولیٹن سٹی ہے... جہاں ہر چیز آؤٹ آف آرڈر ہے، آؤٹ آف کنٹرول... خوفناک اور بے قابو... سڑکوں پر بسیں اندھا دھند بھاگ رہی ہیں۔ لوگ اور بچے بسوں اور ٹریفک کے نیچے مارے جارہے ہیں... سگنل پر ایک ہی بتی روشن ہے۔ سبز رنگ کی۔ پورے شہر میں ہر سگنل پر... سیوریج ہول کھلے پڑے ہیں۔ بوڑھے، بچے گٹر کی نذر ہورہے ہیں... دکانوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ لوٹ مار ہورہی ہے... یہ خواب جمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ اس خواب کا وہ ایک بےزبان گواہ ہے۔ خود اسے نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

پتا کہ وہ خواب کے شہر میں خود کہاں کھڑا ہے؟

اس کے بیدار ہونے پر خواب غائب ہو جاتا ہے۔ جمی فوراً اسے دماغ سے نکال دیتا ہے۔ اس نے کبھی اس خواب پر سر نہیں کھپایا۔ اسے دوسرے عام خواب بھی دکھائی دیتے تھے لیکن یہ خواب تواتر کے ساتھ ایک ہی انداز میں دکھائی دیتا۔ یہ واحد خواب تھا جو اسے اچانک بیدار کر دیتا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینا ہوتا اور دل جنگلی گھوڑے کی طرح سینے کے اندر دوڑ رہا ہوتا تھا۔

''کیا تم ٹھیک ہو؟'' کسی مسافر نے اس سے پوچھا۔ ''کیا میں کسی کو مدد کے لیے بلاؤں؟''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' جمی نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''کوئی مسئلہ نہیں۔''

''تمہاری حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔''

''شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔'' جمی نے کہا۔ ''تمہاری توجہ کا شکریہ۔''

ہمیشہ کی طرح اس نے خواب کو شعور کی سطح سے ہٹانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

☆☆☆

وہ اس وقت ہالی ووڈ میں تھا۔ اس نے بڑی تفصیل سے شہر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس نے ٹیکسی ہائر کی تھی۔ کرایہ زیادہ تھا لیکن رقم جمی کا مسئلہ نہیں تھا۔

ہالی ووڈ بلیو وارڈ کے قریب ہالی لینڈ پر اس نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اسے فی الحال دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ کھانا اور لڑکی۔ جنس کا معاملہ اس کے لیے محض دوسری جبلتوں کی طرح تھا اور وہ اسے سیدھے سادے طریقے سے ایسے ہی نمٹاتا تھا جیسے کوئی بھوکا آتا ہے اور کھانا کھا کر چلا جاتا ہے۔ محبت کا تو وہ قائل ہی نہیں تھا۔

ٹیکسی چھوڑنے کے بعد اس نے چینی ریسٹورنٹ کا رخ کیا۔ اس وقت اسے اپنی پسند کی لڑکی کی تلاش تھی جس کے ساتھ وہ ڈنر کرتا اور پھر اس کے ہمراہ ائرپورٹ کے قریب اس ہوٹل کا رخ کرتا تھا جہاں اس نے کمرا بک کیا ہوا تھا۔

وہ بازاری عورتوں سے 99 فیصد دور رہتا تھا۔ اپنی منتخب شدہ لڑکی کو ڈنر پر لے جانے میں اسے شاذ ہی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

وہاں ہالی ووڈ میں اس معاملے میں اسے بڑی سہولت رہی۔ چینی ریسٹورنٹ میں معصوم صورت اور گول چہرے والی جینیفر تھی جس پر جا کر جمی کی نگاہِ انتخاب ٹھہر گئی۔

''مجھے یورپین کھانے بہت پسند ہیں۔'' جینیفر بولی۔ وہ دونوں چینی ریسٹورنٹ سے نکل کر قریبی فرنچ ریسٹورنٹ میں علیحدہ کیوب میں بیٹھے تھے۔

''گڈ۔'' جمی نے مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔ ''میرے ساتھ بھی تقریباً ایسا ہی معاملہ ہے۔'' اس نے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ اپنی پسند سے ہٹ کر چینی ریسٹورنٹ میں کیا کر رہی تھی۔ ممکن تھا کہ وہاں اسے کسی ڈور کا سرا ہاتھ آیا ہو۔ جس کے سہارے وہ فلم انڈسٹری میں داخل ہو سکے۔ ہالی ووڈ میں ان گنت لڑکیاں دور دراز سے ایسے ہی خواب لیے پہنچی تھیں۔

جینیفر اوہائیو سے آئی تھی۔ کیوں اور کس لیے؟ یہ سب جمی کا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے تو بس اس کے ساتھ کچھ وقت گزارنا تھا اور پھر بھول جانا تھا۔

''میں یہ سمجھ نہیں سکی۔ میرا خیال تھا کہ مینیو انگریزی میں ہونا چاہیے۔'' جینیفر نے مینیو پر نگاہ دوڑائی۔

''بعض جگہوں پر ایسا نہیں بھی ہوتا۔'' جمی نے کہا۔ ''میں آرڈر کرتا ہوں۔'' اس نے اپنے سامنے پڑے فولڈڈ مینیو کارڈ کو کھولا۔

''مچھلی کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''اوہ، آئی لو فش۔'' جینیفر بولی۔

''خوب!'' جمی نے اس کا ہاتھ دبایا۔

''ڈنر کے بعد تم اسکاچ پسند کرو گے؟'' جینیفر نے سوال کیا۔

''اگر تم چاہو۔''

''مجھے وائن کے بارے میں زیادہ نہیں پتا۔ اسکاچ کے بجائے مجھے شیمپین پسند ہے۔'' وہ بولی۔ ''کیا یہ وائن نہیں ہے؟''

''بے فکر رہو۔'' وہ مسکرایا۔ ''تم کو میرا انتخاب ضرور پسند آئے گا۔''

کھانا خوب تھا۔ دونوں نے لطف اٹھایا اور گفتگو بھی چلتی رہی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے پتا نہیں کب اور کیسے اسٹاکر کلنگ کی بات نکل آئی۔

''ایک سال اور دو مہینے میں چالیس آدمی، مائی گاڈ۔'' وہ بولی۔ ''اور سب ایک ہی پاگل آدمی کے ہاتھوں مارے گئے۔''

''چالیس نہیں اکتالیس۔'' جمی نے تصحیح کی۔ ''مگر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ یہ کسی آدمی کا کام ہے کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔''

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''عورت؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''اس طرح، عورت کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔''

''ایک نہیں کئی عورتیں اس قسم کے کاموں میں ملوث رہی ہیں۔ روس میں سیکڑوں تربیت یافتہ اسنائپرز عورتیں موجود ہیں۔ کون جانے کہ وہ کیا کررہی ہیں۔ یورپ میں بعض ممالک اسنائپرکلنگ کے لیے عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔'' جمی نے جنیٹ کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''میں سولجرز کی بات نہیں کررہی۔ میں قتل کی بات کررہی ہوں۔ میرا اشارہ ''ڈیتھ ماسٹر'' کی جانب تھا۔ کوئی دیوانہ ہے۔ ایسے کام آدمی ہی کرتے ہیں۔''

''ڈیتھ ماسٹر'' کے الفاظ سن کر جمی نے تسکین محسوس کی۔ ساتھ ہی اسے ''پاگل'' اور ''دیوانہ'' جیسے الفاظ پسند نہیں آئے تھے۔

''شاید تم نے کبھی فرانسیسی اسٹن کا نام نہیں سنا۔'' جمی نے کہا۔

''نہیں۔ کون تھی وہ؟''

''غالباً عورتوں میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ اسنائپر کلر۔ جولائی 1970ء میں اس نے ہنٹس برگ کے ایک اسکول میں بارہ بچے مار دیے تھے۔ ایک ایک گولی... سب کے سر میں۔ وہ بے خطا نشانہ باز تھی۔''

''نہیں۔ میں نے نہیں سنا۔'' جنیٹ نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''میں کہہ رہی تھی کہ آخر یہ ''ڈیتھ ماسٹر'' کب پکڑا جائے گا؟''

''میں نہیں سمجھتا کہ وہ پکڑا جائے گا۔'' بے اختیار جمی کے منہ سے نکلا۔

''کیا مطلب؟ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟''

''حقائق۔'' جمی نے سر ہلایا۔ ''اب تک میں نے ٹی وی اور اخبارات میں جو کچھ دیکھا اور پڑھا ہے، اس سے تو یہی لگتا ہے کہ پولیس اب تک اندھیرے میں ہے۔ وہ کوئی ذہین اور ماہر نشانے باز ہے۔''

''کیا تم تعریف کررہے ہو؟''

''تم کیا سمجھتی ہو؟'' جمی نے الٹا سوال کیا۔

''میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دماغی مریض ہے۔''

جمی نے غصے کی لہر کو دبایا۔ ''شاید ایسا نہیں ہے۔'' جمی نے محتاط لہجہ اختیار کیا۔

''وہ کیسے؟''

''کیونکہ ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے اور وہ نہ صرف اب تک آزاد ہے بلکہ اس کے بارے میں پولیس کے پاس کوئی کلیو بھی نہیں ہے۔ اگر وہ دماغی مریض ہوتا تو بہت پہلے پکڑا جاتا۔''

''تو تمہارا خیال ہے کہ پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی؟'' جنیٹ نے اپنی لمبی مخروطی انگلیوں میں جام گھمایا۔

''ہاں، مجھے شک ہے۔'' جمی نے کہا۔ ''کسی نے اب تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی کوئی نشانی کہیں بھی نہیں چھوڑی ہے۔ بظاہر اس کا ''ٹارگٹ'' پہلے سے منتخب نہیں ہوتا۔ وجہ قتل بھی اب تک اندھیرے میں ہے۔ کوئی ایم او (MO) بھی سمجھ نہیں آیا۔''

''ایم او؟''

''میتھڈ آف آپریشن۔ ایسے مجرموں کی اکثریت کسی بنیادی طریقۂ کار کو دہراتی ہے۔ وہ ہر مرتبہ سرپرائز دیتا ہے۔ کسی کو نہیں پتا کہ وہ اب کہاں ظاہر ہوگا اور کون ٹارگٹ ہوگا؟''

''لگتا ہے تم کافی اسٹڈی کرتے رہے ہو؟''

''کیونکہ یہ ایک عجیب اور دلچسپ کلر ہے۔'' جمی نے جواب دیا۔

''لیکن وہ معصوم لوگوں کو قتل کررہا ہے۔ لگتا ہے اس کے نزدیک یہ کھیل ہے۔'' جنیٹ نے تبصرہ کیا۔

''ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ واقعی ایک کھلاڑی کی طرح پولیس کو جھانسے دے رہا ہے۔ کیا یہ فنکاری نہیں ہے؟''

''اگر ہے بھی تو کوئی نہیں چاہے گا کہ یہ فنکاری ہمیشہ چلتی رہے۔''

''کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ نہ کسی کا فن ہمیشہ جوان رہتا ہے۔'' جمی نے کہا۔

جنیٹ نے گلاس نیچے رکھ دیا اور آگے کی جانب جھک کر بولی۔ ''پتا ہے مجھے کس بات کا ڈر ہے؟ مطلب سب سے زیادہ کس بات کا خوف ہے؟''

''شاید کہیں اگلا ٹارگٹ تم نہ ہو؟''

''نہیں۔''

''پھر کس بات کا؟'' جمی کو حیرت ہوئی۔

''اس بات کا کہ اس کی فنکاری سے کوئی اور متاثر ہو کر اس کی نقل کرنا نہ شروع کردے۔'' وہ بولی۔

''اگر کوئی ذہنی مریض اس کی شہرت سے متاثر ہو کر بغیر کسی تیاری اور معلومات کے اندھا دھند اس کی نقل شروع کردے تو اس کا الزام ''ڈیتھ ماسٹر'' کو نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو جلد پکڑا جائے گا۔'' جمی نے کہا۔

''یعنی تم اسے ماسٹر سمجھتے ہو؟ اور نقل کرنے والے کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اناڑی؟"

"ظاہر ہے، اصل اور نقل میں تو فرق ہوتا ہے۔"

جمی بولا۔

"کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ پکڑا جائے؟"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

جمی نے شانے اچکائے۔

"اگر تم کو پتا چل جائے کہ وہ کون ہے اور کہاں مل سکتا ہے تو تم کیا کرو گی؟"

"ظاہر ہے کہ پولیس کو اطلاع دوں گی۔"

"کیا تمہیں تجسس نہیں ہوگا کہ اس کے بارے میں جان سکو۔ اسے سمجھنے کے لیے اس سے سوالات کر سکو؟"

"مجھے کسی جانور کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو صرف یہ چاہوں گی کہ پہلی فرصت میں اسے لٹکا دیا جائے یا گیس چیمبر کے حوالے کیا جائے۔" جینیٹ نے جواب دیا۔

جمی نے اس مرتبہ بمشکل اپنے اشتعال کو چھپایا۔ بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ دل ہی دل میں جمی نے اسے "احمق" اور "جاہل" کے خطابات سے نوازا۔ اور فیصلہ کیا اب کوئی مزید بات نہیں کرے گا۔ احمق کو استعمال کر کے ایک طرف کرو اور اپنا اصل کھیل شروع کرو۔

اس نے شیشے کی دوسری جانب ویٹر کو اشارہ کیا۔

☆☆☆

ہوٹل میں جینیٹ سے فارغ ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ اس کا اگلا "ٹارگٹ" جینیٹ ہوگی۔ اس کے الفاظ جمی کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس کو سزا ملنی چاہیے۔ جمی نے سوچا۔ وہ اپنا ایک اصول توڑنے جا رہا تھا کہ "ٹارگٹ" کو پہلے سے منتخب نہیں کرے گا۔ لیکن یہ ایک اسپیشل کیس ہے، جمی نے خود کو سمجھایا۔

ظاہر ہے کہ وہ بہ آسانی معلوم کر چکا تھا کہ وہ کہاں کام کرتی ہے، کہاں قیام کیا ہے... اس نے سکون سے دونوں جگہوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

دس دن تک وہ اپنے منصوبے کی نوک پلک درست کرتا رہا۔

بالآخر حرکت کا دن اور وقت آن پہنچا۔

آفتاب عالم تاب۔ موسم گرما کی دوپہر۔

اسنائپر مخصوص بلڈنگ کی چھت پر نمودار ہوتا ہے۔

گن کا مخصوص کیس کھولا گیا۔

ہتھیار کو جوڑا۔

نیچے سڑک پر دیکھا۔

فوکس کو درست کیا۔

انتظار...

"ٹارگٹ" سڑک پر نمودار ہوتا ہے۔

انگلی ٹریگر پر۔ رائفل کا دستہ رخسار کے ساتھ۔

ایک آنکھ ٹیلی اسکوپ کی کراس لائنز پر۔

فائر۔

جمی کو لگا کسی نے اس کے پیٹ میں گھونسا مارا ہے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور حیرت سے سر جھکا کر دیکھا۔ خون کی سرخی اس کی شرٹ پر نمودار ہو کر پھیل رہی تھی۔ کوئی اسے ہٹ کر چکا ہے۔ وہ شاک میں تھا۔

ایک اور گھونسا سینے پر بائیں جانب... لیکن اس مرتبہ تمام حیرت، سوچ اور احساس فنا ہو گیا۔

شاید وہ گرنے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اسنائپر نے ہتھیار ایک طرف رکھا۔ وہ پریشان تھی۔ دو گولیاں؟ "وستھ ماسٹر" نے کبھی دوسرا فائر نہیں کیا جبکہ اس کی پہلی گولی دل کے بجائے پیٹ میں لگی تھی۔ لیکن وہ تو فنکار ہے۔ یہ کافی تھا کہ حسب معمول وہ اپنے "ٹارگٹ" کو ختم کر چکی تھی۔ وہ کون تھا، کہاں سے آیا تھا؟ اس سے اسے کوئی غرض نہیں تھی۔

غلطی کوئی بھی کر سکتا ہے۔ کوئی 100 فیصد نہیں ہوتا۔ لیکن وہ آیندہ خیال کرے گی کہ "وستھ ماسٹر" کی طرح ایک ہی گولی استعمال کرے۔

وہ چھت سے اتر گئی۔ پُرسکون انداز میں چلتی ہوئی ایلی ویٹر تک پہنچی۔ کچھ دیر بعد وہ سڑک پر تھی۔ گن کیس کو اس نے چرائی ہوئی فورڈ فشنگ کے ٹرنک میں رکھا اور ہوٹل کا رخ کیا۔

بے چارہ جمی... یہی نام بتایا تھا اس نے۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اس کی بدقسمتی کہ مجھ سے مڈبھیڑ ہو گئی لیکن سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

جینیٹ کا اصول تھا کہ جب کسی نئے شہر میں کسی کے ساتھ سوتی تو بعدازاں اسے قتل کر دیتی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سب ہی قاتل تھے۔ لیکن جمی اسے دوسروں سے الگ لگا تھا۔ اس کے ساتھ ڈنر، گفتگو اور سونا... سب بہت پُرلطف تھا۔ جینیٹ کو افسوس کا احساس ہوا لیکن اس کو جانا ہی تھا۔ کیونکہ جینیٹ نے کبھی اپنا اصول نہیں توڑا تھا۔

حالانکہ جمی اسے اچھا لگا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

شیکسپیئر کا کہا ہوا ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے کہ زندگی ایک اسٹیج ہے جس پر ہم سب اداکار ہیں جو اپنا اپنا کھیل دکھا کے چلے جاتے ہیں... یہی اداکار زندگی کے آغاز سے انجام تک ایک جوا کھیلتا ہے... جس میں خطرات اور حادثات کی بازی پہلی سانس کے ساتھ لگتی ہے اور آخری سانس تک جاری رہتی ہے... تخلیق کے نقائص ہوں یا بیماریاں... وہ زندگی کے ہر نومولود کو شکست سے دوچار کرنا چاہتے ہیں مگر زندگی مقابلہ کرتی ہے اور یہ کھیل انسانی تدبیر اور نوشتۂ تقدیر کے ساتھ زندگی کے تمام اہم اور غیر اہم فیصلوں میں جاری رہتا ہے... خوشی... غم... نفع... نقصان... دوستی... دشمنی... محبت اور نفرت... سب ہار جیت کے وہ روپ ہیں جن سے ہر انسان ایک جواری بن کے سامنا کرنے پر مجبور ہوتا ہے... جواری... انسانی جذبوں کے ردعمل سے جنم لینے والی وہ کہانی ہے جو اگر دلگداز لگتی ہے اور پراسرار بھی... آپ بیتی بھی اور جگ بیتی بھی... تجسس اور حیرانی کے سارے رنگ دکھلاتی جادو اثر تحریر...

جواری

امجد اقبال

چودھویں قسط

زندگی کی بساط پر اندھا جوا کھیلنے والے کھلاڑی کی ہوش ربا داستان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

ایم اے پاس خاور سنٹرل جیل میں سزائے موت کا منتظر تھا۔ اس پر قتل کا جھوٹا الزام ایک گینگ لیڈر نادر شاہ کے ایما پر عائد کیا گیا تھا۔ وہیں ڈاکوؤں کے گروہ کا سردار گامارستم بھی پھانسی کا منتظر تھا... اس کے ساتھی جیل پر حملہ کر کے اسے چھڑا لے جاتے ہیں۔ گاما، خاور کو ساتھ لے جاتا ہے۔ خاور ایک پرانی غیر آباد حویلی میں پناہ لیتا ہے۔ خاور کو اس حویلی کے کھنڈر میں نورین ملی جو لباس عروسی میں تھی اور اپنے شوہر کو قتل کر کے آئی تھی۔ اس کی پرورش کرنے والے چچا نے نورین کی تمام جائیداد و دولت پر قبضہ کرلیا تھا اور زبردستی اس کو اپنے پاگل بیٹے سے بیاہ دیا تھا۔ پاگل بیٹے کی دست درازی سے بچنے کے لیے نورین نے اسے قتل کر دیا اور کھڑکی کے راستے آسیب زدہ مشہور حویلی میں آگئی۔ کسی نے اسے دیکھا تو بدروح سمجھ کے بھاگ گیا۔ نورین یہاں سلمان خان نامی ایک شخص سے چھپ کر ملتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ وعدے کے مطابق وہ یہاں موجود ہوگا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ نورین پریشان تھی کہ صبح پولیس اسے قتل کے الزام میں گرفتار کرلے گی۔ وہیں اس کی ملاقات خاور سے ہوئی۔ اس کھنڈر کی دوسری منزل پر خاور کو سلمان کی لاش نظر آئی۔ وہ اپنا وعدہ نبھانے پہنچا تھا لیکن قتل ہو گیا تھا۔ تلاشی پر خاور کو اس کی جیب سے دس لاکھ نقد ملے۔ خاور نے اپنے کپڑے اسے پہنائے اور خود اس کے کپڑے پہن کے رقم جیب میں ڈال لی۔ اس نے اپنا حلیہ بدلا اور نورین کو برقع میں چھپا کر لے گیا۔ وہ اکیلا نورین کے گھر گیا تو اسے علم ہوا کہ نورین پر شوہر کے قتل کا الزام ہے جبکہ نورین نے نکاح نہ ہونے کے باعث اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔ خاور نے نورین سے جھوٹ بولا کہ سلمان جو پہلے سے ... گار تھا تو گرفتاری کی جانے پر دبئی چلا گیا تھا۔ باہر جانے میں خطرہ تھا کیونکہ خاور کے جیل سے فرار کی اطلاع کے بعد نادر شاہ نے اپنے کارندے اسے تلاش کرنے پر لگا دیے تھے جو کتوں کی طرح ہر جگہ اس کی بو سونگھتے پھر رہے تھے۔ دوسرا خطرہ پولیس سے تھا جن کو خاور کے علاوہ نورین کی بھی تلاش تھی۔ خاور، نورین کو لے کر ... اور ایک ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ تاہم وہاں غیر محفوظ ہونے اور نورین کی اچانک طبیعت خراب ہونے پر وہ ایک اسپتال میں آگئے۔ خاور اور نورین وہاں سے نکلے۔ ہر بڑے ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ اور ائرپورٹ پر وہ پکڑے جاسکتے تھے چنانچہ انہوں نے پنجاب کا رخ کیا اور کئی مقامات پر ٹرین بدلتے رہے۔ اس کے باوجود نادر شاہ کے بندوں نے جو پولیس کی وردی میں تھے، خاور کو پہچان لیا۔ ایک ... نے چلتی ٹرین سے کودنے پر مجبور کر دیا۔ ... نے نورین اور خاور کو حفاظت اور اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ جب ... نورین اسے اپنا بھائی تسلیم کر چکی تھی۔ خاور بھی اسے معاف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کا اصل دشمن نادر شاہ تھا۔ ... رات گزار کے وہ دونوں ایک ... ہوئے۔ ... رات بھر کے لیے ... گھر میں رکھا ... معاملات میں ... جائیں گے۔ لیکن صبح ہوگئے ... شاہ کے آدمی آگئے ... نورین ... خاور بچ گیا مگر نورین کا پتا نہ چل سکا۔ خاور نے رحیم بخش نامی شخص کے گھر میں پناہ لے لی۔ مقامی چودھری رحیم بخش کی بیٹی سے شادی کا خواہش مند تھا۔ رحیم بخش کو قتل کر دیا گیا اور ریشم اور خاور کو چودھری کے گرگے اٹھا کر لے گئے۔ ... چودھری کے بھائی انور کے ساتھ ... ہو گیا اور انور نے حویلی پر اپنا اقتدار حاصل کر لیا۔ ریشم بھی حویلی میں ہی تھی۔ چودھری انور نے ... خاور کو ... کا ... سلیم اختر کے نام سے نیا شناختی کارڈ بنوا دیا۔ حویلی میں کوئی سازش ہو رہی تھی۔ ... کی موت کے بعد انور نے تمام ... کا فیصلہ کیا۔ ادھر اکبر کے ... نے خاور عرف ملک سلیم کو ... اٹھا لیا اور آستانے کے تہ خانے میں قید کر دیا۔ وہیں خاور کو نورین نظر آئی۔ وہ اپنی یادداشت کھو چکی تھی۔ ... نامعلوم لوگوں نے آستانے پر دھاوا بول دیا۔ خاور وہاں سے بھاگ نکلا ... نورین کی تلاش میں نکل گیا۔ لیکن وہ جب نورین کے گھر پہنچا جہاں نورین فاطمہ کے نام سے رہ رہی تھی تو اسے وہاں موجود نہ پایا۔ نورین کا فرضی باپ ... شاہینہ نے ریشم کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تاہم بروقت طبی امداد کے سبب اس کی جان بچ گئی۔ ... اس نے رو ... سے انور کا جعلی نکاح کر دیا اور ... نکاح کا خاور کو ... زہر دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حویلی کے معاملات گڑبڑ ہو گئے۔ تاہم ... صاحب نے معاملات کو سنبھالا۔ اب تک ایک اور بری خبر ... ریشم کو بروقت اظہر شاہ کے پاس پہنچا دیا گیا اور کہا گیا کہ اس پر جن آتے ہیں۔ تاہم خاور نے ریشم کے تحفظ پر چودھری کو راضی کر لیا۔ ادھر شاہینہ نے خاور کو راتوں رات حویلی سے اغوا کیا۔ وہ اسے اکبر کے ... سے ... گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ ... کے اثر سے خاور کو مجبور کیا جائے اور اس کے دماغ سے نورین کا خیال مٹ جائے۔ خاور نے اس قید سے بھاگنے کی کوشش کی تاہم وہ زخمی ہو کر اظہر علی شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ خاور کو دوبارہ تہ خانے میں پہنچا دیا گیا۔ وہیں ایک ملازم آیا۔ اس نے تعویذ کی طرح کا کاغذ خاور کو دے کر کہا کہ اس میں ریشم کا پیغام ہے۔ وہ سلونی کا بھائی تھا۔ مگر پیر صاحب کے ڈر سے پیغام پڑھ نہ سکا۔ ... صاحب نے بالآخر خاور کو اپنا بیٹا بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خاور کی شادی شاہینہ سے اور ریشم کے ساتھ خود رشتۂ ازدواج میں بندھنا چاہتے تھے۔ تمام تر تیاریاں مکمل تھیں مگر روزینہ کے لیے یہ سب قابل قبول نہ تھا۔ وہ ریشم اور خاور کے ساتھ حویلی سے فرار ہوگئی اور اپنے ٹھکانے کا رخ کیا۔ ریشم اور خاور کو ... میں سلونی سے ملنا تھا...

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ فرمائیے

اچانک ہم ایک غیر متوقع صورتِ حال سے دوچار ہو گئے تھے۔ گزشتہ رات ہم نے تاریک اور سنسناتے جنگل کے ایک ویران اور پُرآسیب ڈاک بنگلے کے کھنڈر میں سوتے جاگتے گزاری تھی۔ یہ اجنبی شہر کی رات تھی جو ہمارے لیے مزید ناکامی اور مایوسی لے کر آئی تھی۔ سر پر کھنا برسنے کے لیے تنی کھڑی تھی اور ہمارے پاس آج بھی شب

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

بسری کا ٹھکانا نہ تھا۔

ریشم نے نقاب اٹھا کے مجھے دیکھا۔ ”اب کیا کریں؟“

میرے جواب دینے سے پہلے ایک بوند نے بارش کی آمد کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ موٹی موٹی بوندوں نے یلغار کی، بڑی بی نے دروازہ پورا کھول دیا۔ ”اندر آجاؤ نہیں تو بھیگ جاؤ گے۔“

ریشم بھی جیسے اجازت کے انتظار میں تھی۔ ہم دروازے سے گزرے اور ڈیوڑھی جیسی جگہ کی پناہ میں آگئے۔

بڑی بی ریشم اور میری صورت کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح ہم یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔ بارش زور شور سے جاری تھی۔ ہوا تیز تھی اور آثار یہی تھے کہ بادل کھل کر برسیں گے۔ بالآخر جہاندیدہ بڑی بی نے اپنی قیافہ شناس نظروں پر بھروسا کرتے ہوئے پوچھا۔ ”کہاں سے آرہے ہو تم... چلو پہلے اندر آجاؤ۔“ وہ پلٹ کر آگے چل پڑیں۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ اس وقت یہ پناہ کی جگہ بھی تائید ایزدی سے ملی تھی ورنہ شاید ہمیں موسلا دھار برستی بارش میں کسی معقول اور سستے ہوٹل کی تلاش میں بھٹکنا پڑتا۔ میں اس شہر سے ناواقف تھا اور میرا مددگار کوئی نہ تھا۔ اچھے ہوٹل تو وہی ہوتے ہیں جو محفوظ ہوں۔ فور اسٹار یا فائیو اسٹار... مگر وہ سستے نہیں ہوتے۔ اور سستے ہوٹلوں میں مسافروں کے جان و مال کے محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ ہمارے تعاقب میں سرگرداں دشمن ہماری خاک چھانتے ہوئے کسی ہوٹل میں نہ آجائیں۔ مفرور مجرموں کا تعاقب کرنے والوں کی نگاہ گمنام ہوٹلوں، مسافر خانوں، ریلوے اور بس کے ویٹنگ روم جیسی عوامی اور عارضی قیام گاہ کی طرف ضرور جاتی ہے۔ ابھی صرف ایک دن گزرا تھا۔ جو آتش غضب قبلہ پیر صاحب کے سینے میں بھڑک رہی ہوگی کسی آتش فشاں سے کم نہ ہوگی جو بستیوں کو پھونک ڈالے۔ بیک وقت دو دشمنوں نے ان کی عزت پر دو طرف سے وار کیا اور انہیں کامیاب کرانے والے اپنے ہی تھے۔ گھر کی عزت خود نیلام ہونا چاہے تو پھر محافظ کیا کرے۔

بڑی بی کے پیچھے چلتے ہوئے میں نے ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ فرش پر ایک ہی ڈیزائن کا قالین تھا۔ گہرے نیلے رنگ میں جابجا سنہرے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ یہ ایک قالین لگتا تھا لیکن چار چھ ایک جیسے قالینوں کو بڑی صفائی سے جوڑ کے فرش پر بچھایا گیا تھا۔

ریشم اور میں صوفے پر... ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ بڑی بی کی سوالیہ متجسس نظر باری باری میرے اور ریشم کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ ”کہاں سے آرہے ہو؟“ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

کچھ لازمی پوچھے جانے والے سوالوں کے لیے میں تیار تھا اور ایک خاموش رضامندی کے ساتھ ریشم نے جواب دینے کا اختیار مجھے دے دیا تھا۔ میں نے کہا۔ ”جی لاہور سے۔“

فی الحال انہوں نے اس سوال کو ملتوی رکھا جو اُن کی نگاہوں سے ہونٹوں تک آنے کے لیے مچل رہا تھا کہ تمہاری نئی شادی ہوئی ہے۔ میں نے بہتر سمجھا کہ ان کی بے چینی دور کردوں۔ ”یہ میری چھوٹی بہن ہے عائشہ۔ عاشی کہتے ہیں۔“

بڑی بی کی آنکھوں کا تاثر تبدیل ہوگیا۔ ”شادی ہوگئی۔“

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ”بس اب یہی فکر ہے۔ ماں باپ نہ رہیں تو ذمے داری بڑے بھائی پر آتی ہے۔“

ان کا شفیق چہرہ رحم اور افسوس کی تصویر بن گیا۔ ”یہ تمہارے کون تھے جو ایسے غائب ہوئے کہ تمہیں بھی نہیں بتایا، پتا تو ہوگا انہیں؟“

”غلطی ہماری ہے کہ بغیر اطلاع کے آگئے۔ یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ رہائش بدل لیں گے۔“

”پھر اب کیا واپس جاؤ گے۔ ان کا فون نمبر تو ہوگا نہیں۔ کوئی اور ہے تمہارا اس شہر میں؟“

میں نے کہا۔ ”نہیں... صبح واپس ہی جائیں گے۔“

”ہاں، یہ بارش رات کو کہاں نکلنے دے گی۔ تم بیٹھو تسلی سے۔ میں کچھ کھانے کا کروں تمہارے لیے۔“

میں تکلف کرتا کہ تکلیف نہ کریں تو رات بھوکے گزارنی پڑتی۔ بڑی بی چوکوں والے صحن کے کنارے کنارے چلتی اندر غائب ہوگئیں۔ نئی آبادی میں ہونے کے باوجود مکان کا انداز حویلیوں جیسا ہی تھا۔ اس میں لاؤنج جیسا کوئی حصہ نہ تھا۔ گھر کا جو حصہ وسیع صحن کے بعد تھا اس میں وہی برآمدہ تھا۔ برآمدے میں ایک طرف بلب کی روشنی تھی اور بڑی بی نے ایک دروازہ کھول کے اندر کی لائٹ بھی جلادی تھی۔ یہ کچن ہی ہوسکتا تھا۔ مکان کسی رئیس یا زمیندار ہی کا ہوسکتا تھا جو اپنی رہائش گاؤں میں رکھتا ہو یا ملک سے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

یا پھر لیکن ملتان آ کے یہاں ٹھہر جاتا ہو۔ بڑی بی صورت یا چلنے سے نہ مالک لگتی تھیں اور نہ مالک کی ماں... وہ ملازم یا دور کی عزیزہ ہو سکتی تھیں جو کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح یہاں عمر کے دن پورے کر رہی ہوں گی۔ ان کا اتنے بڑے گھر میں تنہا رہنا مجھے عجیب لگا۔

''سلیم! اب کیا ہوگا؟'' ریشم متفکر اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اس کا میں کیا جواب دوں؟'' میں اس کی آواز پر چونکا۔ ''جو اللہ کو منظور ہوگا۔''

''معلوم نہیں کس کی کوٹھی ہے... کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں ہم۔''

ریشم کا حوصلہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''جو پہلے ہی دریا میں ہو اسے بھیگنے کا کیا ڈر... ایک رات ہی کی بات تو ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سر چھپانے کی جگہ مل گئی ورنہ بارش اور ایک اجنبی شہر میں کہاں بھٹکتے پھرتے... جاتے کسی ہوٹل میں تو ڈر ہی رہتا۔''

''رنگیلا سے تو میں واقف نہیں لیکن سلونی سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ مجھے اس پر بہت بھروسا تھا۔''

''یہی زندگی کا تجربہ ہے ریشم جو جنتے کھیلتے حاصل نہیں ہوتا۔ انسان اسی سے سیکھتا ہے۔''

''صبح ہم کہاں جائیں گے؟''

''یہ صبح دیکھیں گے۔ رات بھر اسی فکر میں جاگتی رہو گی تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بس حوصلہ مت ہارو اور مایوس مت ہونا... خدا بہتر ہی کرے گا۔''

''وہ نوادکھ سے زیادہ دے گئے۔''

''مت سوچو ان کے بارے میں... ملنا ہوں گے تو مل جائیں گے نہ ملے تب بھی ہم زندہ رہیں گے۔ سوچو تو ہمارا بھی کیا حق تھا ان پیسوں پر... کون سی میری محنت کی کمائی تھی۔ سب ایک ایسے شخص سے ملے تھے جو میرے لیے اجنبی تھا۔ جس نے مجھے دیکھا تک نہیں تھا اور میں نے اسے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ نہ جانے کہاں اس کی صرف ہڈیاں پڑی ہوں گی۔ میرا کیا حق تھا اس کی دولت پر لیکن میں نے یہ سوچ کے اسے قبضے میں کر لیا کہ وہ رقم اس کے کام آتی نہ اس کے وارثوں کو ملتی۔ وہ پولیس کی جیب میں غائب ہو جاتی۔''

''خدا کا شکر ہے کہ ہم بالکل خالی ہاتھ بھی نہیں۔'' میں ہنس پڑا۔ ''اب کہہ رہی ہو خدا کا شکر ہے... اس وقت مجھے روک رہی تھیں۔''

''نہیں ان کے ساتھ تو اچھا ہوا۔ کیسے بدمعاش تھے دونوں۔'' ریشم کی آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔

''دیکھو... تمہارا نام تو جو میرے منہ میں آیا میں نے بتا دیا۔''

''میں کیا کہوں؟''

''کچھ نہیں، تمہارا کام تو بھائی کہنے سے بھی چل جائے گا۔''

''اتنے بڑے گھر میں اور کوئی نہیں رہتا۔ کیسی عجیب بات ہے۔'' وہ بولی۔

بڑی بی ایک ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ ٹرے سامنے آئی تو مجھے بھوک کی شدت کا احساس ہوا۔ اس وقت موسم سے پناہ ملنے کے بعد پیٹ بھرنے کا یہ سامان قدرت کے انعام سے کم نہ تھا۔ گرم روٹی اور آلو گوشت کے سالن کا جو مزہ اس وقت آیا دو بارہ زندگی میں نہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے کھانے میں ملا اور نہ کسی شاہانہ دعوت میں۔

میں نے پوری کوشش کی کہ ندیدوں کی طرح نہ کھاؤں۔ صبر سے کام لوں اور ریشم کا خیال رکھوں۔ وہ بھی میری طرح بھوکی تھی لیکن عادت کے مطابق آہستہ کھا رہی تھی۔ ''یہ آپ نے پکایا ہے... آلو گوشت؟''

بڑی بی مجھے دیکھتی رہیں... ''ہاں۔''

''نہ جانے کیوں مجھے اپنی ماں کے ہاتھ کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ... بیس برس ہو گئے۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''آپ اکیلی رہتی ہیں... اتنے بڑے گھر میں؟'' ریشم نے سوال کیا۔

''اکیلی کہاں... دن میں میرا بیٹا ہوتا ہے۔ رات کو آموں کے باغ میں چوکیداری کرتا ہے۔ بہو میکے گئی ہوئی ہے... ہم سب ان کے کوٹھی کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ویسے تو مالک کی فیملی سال میں دو بار آجاتی ہے رہنے کے لیے... مگر ان کا کیا ہے... کسی وقت بھی آ جائیں۔''

''سارا سال وہ کہاں رہتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''ولایت میں بیٹا... جہاں بچے پڑھ رہے ہیں۔ ویسے کوٹھیاں ان کی لاہور، کراچی، اسلام آباد سب جگہ ہیں۔''

''کون ہیں مالک؟ کیا کرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''کام کا تو مجھے پتا نہیں بیٹا۔ کاروبار ہے ان کا ساری دنیا میں۔ نام ہے نادر شاہ۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

مجھے یوں لگا جیسے سیدھی نظر آنے والی بڑی بی نے اچانک میرے کان پر ریوالور رکھ کے فائر کر دیا ہو۔ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ کھانا ختم کر کے میں پانی پی رہا تھا۔ مجھے اُچھو لگ گیا۔ شک کی کوئی بات نہ تھی۔ میرے کانوں نے غلط نہیں سنا تھا مگر بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ ”کیا نام بتایا آپ نے؟ نادر شاہ؟“

”ہاں... کیا تم جانتے ہو شاہ جی کو؟“ بڑی بی نے پوچھا۔

میں نے خود کو سنبھالا۔ دنیا میں وہی ایک نادر شاہ تو نہیں ہے اس ایک شہر میں درجنوں اور ملک میں سیکڑوں ہزاروں اس نام کے لوگ ہوں گے۔ ”نہیں، میں کسی نادر شاہ کو نہیں جانتا۔ آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟“

”رشتہ! رشتہ وہی جو مالک اور ملازم کا ہوتا ہے۔ ہم جیسے نہ جانے کتنے اس کا دیا کھاتے ہیں۔ میرا شوہر اس کے باغ میں مالی تھا۔ گیارہ سال ہوئے شاہ جی اپنے ساتھ لے گئے۔ یہی کہہ سکتی ہوں کہ قضا اسے لے گئی۔ وہ تھا تو مالی مگر ڈرائیونگ جانتا تھا۔ اس دن شاہ جی کا ڈرائیور بیمار پڑ گیا تو اس نے کہا کہ میں لے چلتا ہوں۔ اب معلوم نہیں فائرنگ کس نے کی تھی۔ پولیس نے کہا کہ ڈاکو ہوں گے مگر ڈاکو کیا صرف مجھے بیوہ کرنے آئے تھے؟ شاہ جی کی گاڑی بے قابو ہو کے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور ایک دیوار سے ٹکرا کے رک گئی۔ کوئی قریب نہیں آیا بہت بچ نکل جاتا انھیں... ڈاکو تو ساتھ بھی لے جاتے ہیں اور لاکھوں کا تاوان وصول کر لیتے ہیں۔ یہ کیسے ڈاکو تھے کہ میرے شوہر کی جان لے کر چلے گئے۔“

میں نے کہا۔ ”اس کی کسی سے دشمنی ہوگی۔“

”کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہم غریبوں کا نہ کوئی دوست نہ دشمن... دشمن ہوتے ہیں شاہ جی جیسے دولت مندوں کے... اور بڑے لوگوں کے دشمن بھی معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ شاہ جی کی جگہ مارا گیا۔“

”کیا اس کی صورت شاہ جی سے بہت ملتی تھی؟“

”ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ہاں کپڑے اس نے ملتے جلتے پہن رکھے تھے۔ معلوم نہیں شاہ جی ایسا کیوں کرتے تھے۔ ان کے ڈرائیور کا لباس انہی کے جیسا ہوتا تھا۔ وہی سفید شلوار قمیص کے ساتھ قراقلی ٹوپی... اور کالی واسکٹ... کبھی خود گاڑی چلانے بیٹھ جاتے تھے اور ڈرائیور کو کہتے تھے کہ پیچھے بیٹھو... میرے شوہر نے گاڑی چلانے کا کہا تو انھوں نے کہا کہ اچھا کپڑے بدل لو... وہ شاہ جی کی عادت جانتا تھا۔ ڈرائیور نے جو بیمار تھا اسے اپنے کپڑے دے دیے۔“

”کیا پتا ڈرائیور سے بھی کسی کی دشمنی ہو۔“

انھوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”وہ تو میرے سامنے رو رو کے قسمیں کھاتا رہا کہ اس کا کوئی ایسا دشمن ہو ہی نہیں سکتا۔ پولیس نے اس پر یقین نہیں کیا اور تھانے لے جا کے پوچھ گچھ کرتے رہے۔ وہ تو مار ڈالتے اسے... خود شاہ جی نے اس کی جان چھڑائی لیکن پھر وہ نوکری چھوڑ گیا۔ اس کے بیوی بچے اسے لے گئے تھے۔ وہ بہت ڈر گیا تھا اور کچھ پاگل سا ہو گیا تھا۔ مجھے کہتا رہتا تھا کہ میرا کوئی قصور نہیں۔ تمہیں میں نے بیوہ نہیں کیا۔ میں کیا کہتی، وہ غلط نہیں کہتا تھا۔ میں نے بہت کہا کہ تیری کوئی غلطی نہیں۔ اسے بہت شوق تھا گاڑی چلانے کا۔ مالی کا کام اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ چھپ چھپ کے گاڑی چلانا سیکھ لی تھی۔“

”آپ کا بیٹا بھی مالی ہے؟“

”ہاں، باپ کا قتل ہوا تو وہ چودہ سال کا تھا۔ شاہ جی نے اسے دوسرے مالی کے ساتھ رکھ دیا کہ اسے کام سکھاؤ۔ جو تنخواہ باپ کو ملتی تھی اس سے دگنی کر دی۔ بیٹے پر باپ کا اثر تھا۔ وہ کہتا رہتا تھا کہ دسویں کر لوں پھر گاڑی چلاؤں گا... شاہ جی کے ساتھ رہوں گا تو سوچ کروں گا۔ لیکن شاہ جی نے اس کے باپ کی موت کا بڑا اثر لیا تھا۔ اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ تم مالی ہی رہو گے۔ میں نے بھی سمجھایا کہ جتنی تنخواہ باپ لیتا تھا اس سے دگنی مل رہی ہے شکر کر۔ میرا بھی شاہ جی نے بڑا خیال رکھا۔ مجھے بڑی عزت دی۔ پہلے ایک کمرا تھا۔ جب بیٹے کی شادی کی تو سارا خرچ شاہ جی نے اٹھایا۔ ہمارا کمرا باہر کی طرف باغ میں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور کمرا بنوا کے دیا۔ راستہ باورچی خانے میں سے ہے۔ بہو میکے سے آئے گی تو پوتا ساتھ لائے گی۔“ ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

میں ان کی بات سن رہا تھا اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ کیا نام کی مطابقت اتفاقیہ ہو سکتی تھی۔ میں جس نادر شاہ کے ساتھ دشمنی کے دو طرفہ رشتے سے بندھا ہوا تھا اس کا کاروبار بھی ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا لیکن یہ میرے علم میں نہ تھا کہ اس کا ملتان میں گھر ہے اور آموں کے باغات ہیں۔ ہر غیر قانونی اور غیر اخلاقی کاروبار پر یہ لوگ ایسے ہی پردے ڈال کے رکھتے ہیں۔ کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر پاتا — میرے جیسے کسی بھی نادر شاہ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

SCANNED BY DIGESTPK

سامنے کھڑے ہوں تو اس دنیا میں ان کا ٹھکانا نہیں رہتا۔ نہ جانے کیوں میں اب تک اس دنیا میں تھا۔ شاید خدا کو میری کم عقلی یا بے بسی پر ترس آ گیا تھا کہ تختۂ دار سے اتار کے پھر سے جینے کا ایک اور موقع عطا کر دیا تھا۔

میں اس وقت چونکا جب ریشم نے مجھے ہلا کے کہا۔ ''بھائی! چائے بن گئی... خالہ پوچھ رہی ہیں؟''

میں چونکا۔ ''ہاں، کیوں نہیں۔ آج سارا دن چائے بھی نہیں ملی۔ خالہ نے اتنی مہربانی کی ہے تو یہ بھی سہی۔'' میں نے ریشم کی تقلید کرتے ہوئے بڑی بی سے خالہ کا رشتہ استوار کر لیا۔ وہ ایک فطرتاً شفیق اور مہربان عورت تھیں۔

خالہ اٹھیں اور دروازے تک پہنچ کے پلٹیں۔ ''تم بھی آ جاؤ اِدھر ہی... یہ بارش تو رکنے والی نہیں ہے۔ میرے بیٹے اور بہو کا کمرا خالی ہے۔ وہیں سو جانا۔''

خالہ نے مہمان خانے کی لائٹ بجھا کے دروازہ بند کیا۔ صحن میں بارش کی یلغار جاری تھی۔ صرف ہوا رک گئی تھی۔ ایک کونے میں بنے دروازے سے گزار کے خالہ ہمیں اپنے گھر میں لے گئیں۔ یہ دو کمروں کا کوارٹر بھی صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ فرنیچر وہی تھا جو مالکوں نے پرانا سمجھ کے دے دیا تھا مگر کم قیمت یا ٹوٹا پھوٹا ہرگز نہیں تھا۔ خالہ کے سلیقے نے اس سرونٹ کوارٹر میں بھی مہمان خانے جیسی شان پیدا کر رکھی تھی۔ دوسری جانب باہر کھلنے والے دروازے سے میں نے وسیع تاریکی میں لامحدود دکھائی دینے والا، بارش میں بھیگتا ہوا گھنا جنگل دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

خوف کا پہلا شاک گزر گیا تھا مگر اس کا اثر ختم نہیں ہوا تھا۔ طے شدہ طور پر یہاں میرے قیام کی مدت صرف ایک رات کی تھی اور یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ اسی طوفانی رات میں اچانک نادر شاہ فرشتۂ اجل بن کے نمودار ہوا اور فلمی ولن کے انداز میں قہقہہ مار کے کہے کہ لے آئی نا گیدڑ کی موت اسے شہر کی طرف... پھر وہ ڈز ڈز میری کھوپڑی میں دو سوراخ کر دے۔

خالہ چائے لے کر آ گئیں تو میں نے سر سے فاسد خیالات کو جھٹکا، ابھی کچھ نہیں تھا سوائے ایک نام کے۔ صبح رخصت ہونے سے پہلے معلوم ہو جائے گا کہ یہ نادر شاہ کون ہے۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے مجھے اور کئی جھوٹ بولنے تھے۔ میرے تجسس سے کسی خوف کا اظہار نہ ہو مجھے یہ خیال رکھنا ہوگا۔ بیٹے اور بہو کے بیڈ روم میں ان کی شادی کی ایک تصویر بھی دیوار پر آویزاں تھی۔ ہر دولہا کی طرح خالہ کا بیٹا بھی سہرا باندھے اکڑا ہوا لگ رہا تھا اور روایتی شکل وصورت والی دلہن غرور میں جیسے فاتحِ عالم اور حسن میں کوہ قاف کی پری۔ ابھی زیادہ رات نہیں گزری تھی اور خالہ کو بن بلائے مہمانوں کی صورت میں ہم مل گئے تھے جو شرافت اور سعادت مندی سے اس کی سن رہے تھے۔ بہو تو بہو ہوتی ہے۔ بیٹے پر قبضے کے معاملے میں حریف... باتیں خالہ کرتی ہوں گی۔ ایک دوسرے کو ستاتی زیادہ ہوں گی۔

معلوم نہیں خالہ کے ماضی کی یادوں کا سلسلہ کب تک اور کہاں تک چلتا لیکن سارا دن کی تھکن کے بعد ریشم پر نیند کا غلبہ ہونے لگا اور خالہ نے اسے آنکھیں موندتا دیکھا تو کہانی سمیٹ دی۔ ریشم ڈبل بیڈ کے ایک کنارے پر سمٹ کے سو گئی۔ میں نے درمیان میں رضائی کو لپیٹ کر رکھا اور دوسرے کنارے پر سو گیا۔

صبح میں جاگا تو ریشم مجھ سے پہلے اٹھ چکی تھی اور غسل سے بھی فارغ ہو چکی تھی۔ باہر کا سارا منظر ڈرامائی طور پر بدل گیا تھا۔ اب دھلے دھلائے سرسبز درختوں کے اوپر اجلے آسمان کی نیلاہٹ جگمگا رہی تھی اور رات کی گہری نیند نے میری ذہنی اور جسمانی توانائی بحال کر دی تھی۔ جب میں نہا کے فارغ ہوا تو ناشتا تیار تھا۔

میں نے خالہ کا بہت شکریہ ادا کیا۔ ''آپ نے رات بھر کے لیے پناہ دے دی ورنہ ہم کہاں جاتے۔ میں تو اس شہر کے راستوں سے بھی ناواقف تھا۔ ہوٹل میں جاتے تو سب شک کی نظر سے دیکھتے۔ آپ کا بیٹا نہیں آیا؟'' میں نے اچانک پوچھ لیا۔

''وہ چلا گیا ہوگا اُدھر ہی... جورو کا غلام...'' وہ روایتی ساس کی طرح دکھ سے بولیں۔

''آپ اتنی بڑی کوٹھی کو اکیلے کیسے سنبھالتی ہیں؟''

''میرا کام تو صرف کچن کا ہے۔ صفائی والی الگ ہے۔''

''یہ جو مالک ہیں آپ کے... نادر شاہ... یہ جوان آدمی ہیں؟'' میں نے کہا۔

''اس کے بچے جوان ہیں۔'' خالہ مسکرائیں۔

''داڑھی ہے ان کی؟''

خالہ نے حیرانی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں، تم جانتے ہو یہاں کسی نادر شاہ کو؟''

''ایک بہت دور کے رشتے دار تھے اس نام کے... آموں کا باغ بھی تھا ان کا... انہوں نے ہمیں بھی گھاس نہیں ڈالی جو ان کے گدھوں گھوڑوں کے لیے تھی۔ ان کی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کوئی تصویر ہے یہاں؟"

"ہے تو سہی... ان کے بیڈ روم میں۔ تالا لگا ہوا ہے۔" خالہ نے قدرے تذبذب کا مظاہرہ کیا اور پھر کھڑی ہو گئیں۔ "آؤ دیکھ لو۔"

ہم اب چلنے کے لیے تیار تھے۔ جاتے جاتے ایک نظر اس نادر شاہ کا دیدار کر لینے میں کوئی حرج بھی نہ تھا جس کے قصرِ عالی شان نے ہم اجنبی بے گھروں کو بادو باراں کی طوفانی رات میں پناہ دی تھی۔ خالہ نے دروازہ کھول کے لائٹ جلائی اور میں جیسے ایک دھماکے سے اڑ گیا... پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ نادر شاہ نے ایک دم سامنے آ کے ریوالور نکالا اور مجھ پر داغ دیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ فوت ہو گیا کیونکہ میرے دل کی دھڑکن ضرور کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی اور میری نظر اسی نادر شاہ کی تصویر پر جمی رہ گئی جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز اور تمسخر تھا کہ آؤ چودھری فریدالدین... موت سے بھاگ کے کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ دیکھو کس طرح اجل تمھیں گھیر کر کہاں لے آئی۔ پھانسی کی کال کوٹھری سے نکلے اور لوٹ کے یہاں آ گئے۔

جب میں پلٹا تو میرے جسم پر پسینا تھا۔ بڑی کوشش سے میں نے خوف کے جذبات کو نفرت میں بدلا اور خالہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سر ہلا دیا۔ "ہاں، یہی ہے وہ شخص... لیکن آپ اسے ہمارے بارے میں بتائیں گی تو وہ خوش نہیں ہوگا۔"

"میں کیا بتاؤں گی بیٹا... مجھے تو نام بھی معلوم نہیں تمہارا۔" خالہ نے کمرے کو پھر مقفل کر دیا۔

کچھ سوچ کے میں نے کہا۔ "میرا نام خاور ہے... کہہ دینا کہ ہم اس سے ملنے نہیں آئے تھے پھر بھی اس کے گھر میں تو ٹھہرے تھے۔ شکریہ ادا کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔"

میرے چہرے کے تاثرات سے ریشم نے سمجھ لیا تھا کہ تصویر اسی شیطان کی ہے جو دنیا میں میرا شیطان سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا اور بولی۔ "اب چلو، واپس لاہور بھی جانا ہے۔"

اسی وقت کال بیل دو جگہ بجی۔ ایک ڈیوڑھی میں، دوسری کچن کے دروازے پر۔ "وہی آیا ہوگا۔" خالہ نے کہا۔ ہم ان کے ساتھ دروازے تک گئے۔ وہاں وہی رکشا والا کھڑا مسکرا رہا تھا جس نے گزشتہ رات یہاں تک پہنچانے میں ہماری مدد کی تھی۔

"لو جی ہم نے پتا چلا لیا آپ کے یار کا؟" وہ خوش دلی سے بولا۔

میں نے اسے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا اور خالہ کو بڑی عجلت میں خدا حافظ کہہ کے اس کے ساتھ چل پڑا۔ ریشم بھی سلام کر کے فرار کے انداز میں میرے ساتھ ہو لی۔ "تمھیں مشتاق کا ٹھکانا مل گیا؟ کیسے؟"

"اجی ڈھونڈنے سے تو خدا مل جاتا ہے اور مشتاق تو آپ بولتے ہو... شہر میں تو لوگ دیوانہ جانتے ہیں۔ اس نے ابھی گھر بدلا ہے۔ آپ کس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے... یہ گھر کس کا ہے؟"

میں نے مختصر جواب دیا۔ "ہیں ایک جاننے والے۔"

اس نے ریشم کا بیگ رکشے میں رکھا۔ "اچھا ہوا آپ مجھے مل گئے ورنہ اس سے ملے بغیر لوٹ جاتے۔"

ریشم کچھ حیران پریشان سی بیٹھی تھی۔ رکشے کے ساتھ رکشے والے کی باتوں کا شور ہمارے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ ریشم نے میرے کان میں کہا۔ "یہ تو ایک اور کمال ہو گیا۔"

پہلا کمال غالباً اس کے نزدیک میرا بے خبری میں دشمن کا مہمان ہونا تھا۔ "ابھی دیکھو۔"

خوشی، حیرانی اور بے یقینی کے ساتھ مجھے غصہ بھی تھا۔ رنگیلا سلونی یقیناً بدنیتی کے ساتھ فرار ہوئے تھے ورنہ وہ اپنا پتا ضرور چھوڑ کے جاتے۔ ان کا مل جانا ایک اور ناقابلِ یقین اتفاق تھا۔ وہ مشتاق تھا یا رنگیلا یا دیوانہ... اس کی یہ شہرت بھی تھی جس نے اسے گمنام نہ رہنے دیا اور وہ روپوش بھی نہ رہ سکا۔ شاید یہ اس کی خام خیالی اور بے وقوفی تھی کہ وہ لاپتا ہو گیا ہے۔ ان دونوں نے لالچ میں ہمارے ساتھ بے وفائی اور دغا کی تھی۔ مجھے اب غصہ آ رہا تھا اور اچانک ان کے سامنے پہنچ کے انھیں حیران ہی نہیں، سزا بھی دینا چاہتا تھا۔

ریشم نے چہرے سے میرے جذبات کا اندازہ کر لیا۔ "دیکھو، خود پر قابو رکھنا۔"

"کیا مطلب... اس حرکت پر میں انھیں کچھ نہ کہوں؟"

"لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ... تمہاری رقم تمھیں مل جائے، کافی ہے۔ ایسا نہ ہو وہ مکر جائیں۔"

"مکر جائیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"تم نے کون سی رسید لی تھی ان سے یا گواہ تم کس کو

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

لاؤ گے۔ آدمی کا دل بے ایمان ہو جائے تو کوئی کیا کر سکتا ہے... تھانہ کچہری میں پڑو گے تو اور پریشانی۔''

ریشم نے بیچ وقت پر میرے جوش پر ہوش کی چادر ڈال دی۔ رکشے والے نے بڑے اعتماد کے ساتھ ہمیں کسی پرانی آبادی کی گلی میں ایک گھر کے سامنے اتار دیا۔ ''یہ ہے تمہارے دوست کا ٹھکانا۔'' اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے اس دروازے کو دیکھا۔ ''یہاں تو تالا ہے۔''

رکشے والے نے بے یقینی سے دیکھا۔ ''گھر تو یہی ہے۔ نکلا ہوگا کسی کام سے۔''

''میاں بیوی دونوں ایک ساتھ نکل گئے؟ تم غلط گھر پر تو نہیں لے آئے؟''

''کیسی بات کرتے ہو جی... بیچ ہے نیکی کا زمانہ نہیں۔ آپ کے لیے اس کا پتا چلایا اور صبح اس سے مل کر آپ کے بارے میں بتایا۔''

''تم صبح اس سے ملے تھے! آج صبح؟'' میرے کان کھڑے ہوئے۔

''جب تم نے اُسے ہمارے بارے میں بتایا تو کیا کہا تھا اس نے؟''

''اس نے کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی تمہاری... جاؤ انہیں لے آؤ یہاں... میں تمہیں کرایہ دوں گا آنے جانے کا... میری بیوی رات سے بخار میں بے ہوش پڑی ہے۔ کیا پتا اسی کو لے گیا ہو ڈاکٹر کے پاس... آجائے گا۔''

''صرف تمہارا شکریہ ادا کر سکتا ہوں... تمہیں کرایہ دینا میرا بھی فرض بنتا ہے۔'' میں نے سو سو کے تین نوٹ نکالے جو میرے خیال میں کم نہ تھے۔ ''صرف ایک بات اور بتا دو، جب تم نے اس سے میرا ذکر کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ جب مہمان آنے والے تھے تو تم نے کسی کو بتائے بغیر گھر کیوں بدلا؟''

''پوچھا تھا۔ اس نے کہا کہ تم کیا پاگل سمجھتے ہو مجھے... معلوم ہوتا تو ان کا انتظار کرتا یا اپنا پتا چھوڑ جاتا وہاں۔ وہ تو اچانک کسی پروگرام کے بغیر آئے ہیں۔ خوش وہ کیا ہوتا، بیوی کی بیماری کی وجہ سے پریشان جو تھا۔'' اس نے تین نوٹ بلا تکلف اپنی قمیص کے اندر کسی جیب میں رکھے اور رکشا لے کر نکل گیا۔ اس نے نیکی کے سودے میں بھی نقصان نہیں اٹھایا تھا۔ اتنے ہی فاصلے تک آنے جانے کے اسے کوئی بھی سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ دیتا۔

ہم کچھ دیر بند دروازے کے سامنے کھڑے رہے۔

''وہ پھر بھاگ گئے ریشم۔''

''کیا پتا سلونی کو سچ مچ بخار ہو۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا ہو۔ پوچھو تو سہی۔''

''کس سے پوچھوں... کون جانتا ہوگا ابھی انہیں یہاں... اور مجھے تو شک ہے کہ انہوں نے کسی کو نام بھی صحیح بتایا ہو۔ اب ان کو پتا چل گیا ہے کہ ہم شہر میں ہیں اور انہیں تلاش کر رہے ہیں تو وہ شہر سے بھی بھاگ جائیں گے۔''

میرا اندازہ بے بنیاد نہ تھا۔ آس پاس رہنے والوں نے صرف نئے کرایہ داروں کے آنے کی تصدیق کی۔ نہ وہ کسی سے ملے تھے اور نہ کسی کو ان کا نام معلوم تھا۔ نئی امید کے ساتھ شروع ہونے والی تلاش بھی ایک بند گلی میں آ کے ختم ہو گئی تھی۔ اب وہاں ٹھہرنا بھی لاحاصل ہوتا۔

''اب ان کا ملنا مشکل ہے۔ تمہارا اندازہ ٹھیک تھا۔'' ریشم نے گلی سے کچھ دور آ کے کہا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ سلونی کو سمجھنے میں تم سے اور مجھ سے غلطی کیسے ہوئی۔''

''یقین مجھے بھی نہیں آتا... سلونی ایسی نہیں تھی۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ چودھریوں کی حویلی میں بھی برسوں سے اس کا اعتبار قائم تھا۔''

مجھے بھی ریشم کی رائے سے اختلاف نہ تھا مگر میرے دماغ پر زیادہ اہم اور توجہ طلب مسائل کا غلبہ تھا۔ وہ رات گزر گئی تھی جس کی پناہ میں ہم تھکن کی نیند سو گئے تھے۔ اب ہم روز روشن میں لاکھوں انسانوں کے درمیان تھے۔

اچانک ریشم نے چلتے چلتے کہا۔ ''میں تھک گئی ہوں۔'' تو مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے خیالوں میں گم تھا اور وہ میری پریشانی کے خیال سے چپ چاپ میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ہم نہ جانے کہاں نکل آئے تھے۔ ایک اجڑے ہوئے پارک میں کچھ لوگ آ جا رہے تھے۔ کچھ دیر آرام کے لیے میں نے بھی ایک درخت کا انتخاب کیا۔

''اب کہاں جائیں گے ہم۔'' ریشم نے برقعے کا نقاب ہٹا کے گہری سانس لی۔

''یہی سوچ رہا ہوں میں بھی۔''

''کیوں نا کراچی چلے جائیں ہم۔''

''چلے جائیں گے مگر ابھی نہیں۔ نہ بس کا سفر محفوظ ہے نہ ٹرین کا۔ سلونی نے بڑا دغا کی۔''

''اس رکشے والے نے ہمارے بارے میں بتایا تو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

انہیں بھاگنا پڑا۔ پتا معلوم ہونے کے بعد وہ ہمیں ان کے دروازے پر اتار دیتا تو انہیں موقع ہی نہ ملتا۔ اب وہ نہیں ملیں گے۔"

"رنگیلا اور دیوانہ نہ بنتا... عام رکشے والا ہوتا تو اسے کون جانتا؟ مشتاق نام کے نہ جانے کتنے ہوں گے۔ میں اسے زیادہ نہیں جانتا مگر جتنا سلونی سے پتا چلا وہ کوئی اچھے کردار کا آدمی نہیں تھا۔"

"مگر سلونی سے بہت محبت کرتا تھا۔"

"یہ بھی کیا محبت تھی۔ سلونی جب چودھریوں کی حویلی سے نکل تو لاہور میں کیا کرتی رہی تھی؟ یہی تھا جو اسے رکشے میں لاتا لے جاتا تھا۔ رات کو جہاں چھوڑتا تھا صبح وہیں سے پک کر لیتا تھا۔ محبت بھی کرتا تھا اور دلالی بھی۔"

"تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟"

"مجھے خود سلونی نے بتایا۔"

"پھر وہ زندگی چھوڑ کے سلونی واپس حویلی میں کیوں آئی؟"

"یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بدنامی کسی خطرے کا سبب بن گئی ہو۔ یا اس نے سوچا ہو کہ کوئی چھوٹا چودھری پھنس جائے تو دولت کے ساتھ عزت بھی حاصل ہو جائے۔ مگر چودھری احمق نہیں ہیں۔"

وہ اداس ہو گئی۔ "سچ کہا تم نے۔ اس معاملے میں بھی وہ بڑے سیانے ہیں۔ محبت کر سکتے ہیں مگر شادی کے لیے سب سے اہم حسب نسب کو ہی سمجھتے ہیں۔"

"شرافت کو خاندان سے منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھ لینا۔ دیکھ لو ان کی اصلی خاص خاندانی بہو کتنی شریف ہے۔ سلونی پر کم ذات اور بدکردار ہونے کا الزام اس لیے آتا ہے کہ اس نے شرافت اور عالی نسبی کی کوئی چادر نہیں اوڑھ رکھی ہے۔ وہ جیسی ہے ویسی ہی نظر آتی ہے۔"

"یقین نہیں آتا کہ اس کا جو کردار حویلی میں نظر آتا تھا، دھوکا تھا۔"

"بات یہ ہے ریشم! نہ کوئی سو فیصد اچھا ہوتا ہے اور نہ سو فیصد برا۔ ایک پیشہ ور طوائف کے اندر بھی وہ عورت بھی مرتی نہیں جو کسی سے شادی کر کے گھر بسانا اور باعزت، محفوظ اور مطمئن زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ نہ جانے کتنی جھوٹی محبت پر اعتبار کر کے کوٹھے بھی چھوڑ جاتی ہیں اور لوٹ کے وہیں آنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی سلونی کا معاملہ تھا۔ اسے سہارا مل جاتا تو شاہینہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ وفا شعار اور خدمت گزار قسم کی مثالی بیوی ثابت ہوتی۔ مگر اسے چاہنے والا بھی ملا تو رنگیلا جیسا۔ وہ پھر سلونی کو واپس اسی دنیا میں لے گیا۔ مجھے یقین ہے کہ لولاکھ کی امانت میں خیانت پر اسی نے سلونی کو اکسایا ہوگا۔ اسے خواب دکھائے ہوں گے کہ اس رقم سے وہ اپنا بزنس شروع کریں گے اور شادی کر لیں گے تو ہم بھی معزز ہو جائیں گے۔ کاروبار ترقی کرے گا تو ہم اور ہمارے بچے معزز لوگوں کی طرح کسی اچھی سوسائٹی میں رہیں گے۔ گاڑی وہ خرید چکے ہیں۔ سلونی دنیا کی ٹھوکروں میں رہنے کے بعد اب سیٹل ہونا چاہتی تھی۔ جوانی اب کتنے دن ساتھ دے گی۔ بڑھاپے کا سایہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ سکون اور عافیت کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی۔ ہر عورت کی کمزوری یہی اپنے گھر کا خواب ہوتا ہے۔ وہ رنگیلا کی باتوں میں آ گئی ہوگی۔ خدا کرے اسے اپنے خواب کی تعبیر مل جائے۔"

"تم اب بھی اس کے بھلے کی دعا کر رہے ہو؟ اتنا نقصان اٹھا کے بھی؟"

"افسوس مجھے صرف اعتماد کے نقصان کا ہے۔ مال کے لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ مالِ حرام بود بجائے حرام رفت۔"

"عجیب آدمی ہو تم بھی... اب ہم کیا کریں گے؟ اس کی فکر نہیں۔"

"ایسی بات نہیں۔ یہ مجبوری سے خود مختاری کی طرف پہلا قدم ہے۔ جتنا وقت میں نے پیچھے رہ جانے والی دنیا میں گزارا اپنی مرضی سے اور خوشی سے نہیں گزارا تھا۔ میرا وہاں پہنچنا بھی حادثہ تھا۔ اس نے مجھ سے میرا مقصد چھین لیا۔ میری منزل چھین لی۔ پھر میں حالات کی دلدل میں اترتا چلا گیا... مجبوریوں کی زنجیریں میرے پیروں سے لپٹی رہیں لیکن دوبارہ نورین کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کرنے کی آرزو زندہ رہی۔ آج میں اپنی منزلِ حیات پانے کے لیے آزاد ہوں۔"

"میں تمہارے پیروں کی زنجیر بن گئی ہوں... لیکن میرا کوئی ہے جو نہیں۔"

"ایسا نہ سوچو نہ کہو۔ یہ رشتہ ایک مبارک فال ہے۔ دنیا میں ایک بھائی کے سوا میرا کوئی بھی نہیں تھا۔ جب وہ نہ رہا تو میں اس بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ وہ بدنصیب جس کا کسی سے رشتہ نہ تھا' اب تم ہو۔ خاندان صرف بیوی بچوں سے نہیں بنتے۔ ہم بھائی بہن آج ایک خاندان ہیں۔ اللہ نے چاہا تو اس رشتے کی برکت سے کل ایک نیا خاندان وجود

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

میں آئے گا۔ جیسے ایک بیج سے پھوٹنے والی کونپل جب وقت کے ساتھ پودا بنتی ہے اور پھر درخت تو اس کی شاخیں اور پتے کہاں تک پھیل جاتے ہیں۔"

ایک شخص پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ دو افراد دیگ اٹھائے چل رہے تھے۔ اس نے کاغذ کی ایک پلیٹ میں چاول ڈال کے مجھے اور ریشم کو پکڑائے اور آگے بڑھ گیا۔ ہمارے آس پاس رونق میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا ہم رات تک اسی جگہ بیٹھے رہیں گے؟" ریشم نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں۔ سب سے زیادہ مجھے یہی خیال پریشان کرتا ہے کہ اچانک کوئی مجھے پہچان نہ لے۔ میرے لیے اپنی پہچان بدلنا اور کچھ عرصہ روپوش رہنا پہلی ضرورت ہے۔ سلونی مل جاتی تو ہم دربدر نہ ہوتے۔ لیکن خدا کی دنیا بہت بڑی ہے۔ میں نے بہت سوچا ہے کہ یہاں سے میری زندگی کی سمت کیا ہو گی اور مجھے یہ طے کرنا دشوار نہیں ہوا کہ میرا سفر وہیں سے شروع ہونا چاہیے جہاں سے ایک حادثے کی وجہ سے ختم ہوا تھا۔ مرید میری جان کے بھی دشمن ہیں اور تمہاری جان کے بھی... بہرحال میں روپوشی کی وجہ سے تم محفوظ ہو۔ مجھے اپنی شناخت پھر بدلنی ہے۔ یہ یقین حاصل کرنا ہے کہ راہ چلتے میرا کوئی دشمن مجھے پہچان نہیں سکتا۔"

"یہ کیسے ہو گا؟" ریشم نے سادگی سے پوچھا۔

"ہو جائے گا، تم دیکھنا۔ جب مجھے تلاش کرنے والی نظروں کا خطرہ نہیں ہو گا تو تم بھی محفوظ ہو جاؤ گی پھر سب سے پہلے میں نورین کی تلاش شروع کروں گا۔"

"کیسے تلاش کرو گے اسے... اور کہاں؟"

"جب ارادہ ہو تو راستہ بھی مل جاتا ہے اور منزل بھی۔ میرا دوسرا مقصد تھا نادر شاہ سے انتقام لینا۔"

"خدانخواستہ تم ناکام رہے... پھر؟ نورین کا کیا ہو گا۔ میرا کیا ہو گا؟"

میرے پاس اس کے سوال کا ایسا کوئی جواب نہیں تھا جو اسے مطمئن کر سکتا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ یہ پارک کا آخری کونا تھا۔ ٹوٹی ہوئی دیوار کے راستے سے نکل کے میں سڑک پر آیا۔ سڑک کے دونوں جانب عارضی دکانوں میں کھانے پینے کے اور چائے کے اسٹال لگ گئے تھے۔ بہت سے ریڑھیوں والے اپنا سامان لے کر آ گئے تھے۔ وہ پکوڑوں سے کھلونوں اور سستے نقلی زیورات سے چوڑیوں تک سب کچھ بیچ رہے تھے۔ ایک جگہ مجھے پرانے کپڑوں کا ڈھیر نظر آیا۔ کپڑے بیچنے والا ایک دری بچھائے آوازیں لگا رہا تھا۔ ضرورت مند غریب آس پاس بیٹھے کپڑے چھانٹ رہے تھے۔ میں بھی ان کے درمیان چلا گیا اور اپنے لیے ایک پرانا شلوار قمیص منتخب کر لیا۔ یہ نسبتاً مہنگا تھا کیونکہ پھٹا ہوا یا کثرت استعمال سے خراب ہونے والا نہیں تھا۔ ان کپڑوں سے بو اٹھ رہی تھی لیکن مجبوری اس بو سے زیادہ تھی۔ ایک مسجد کے غسل خانے میں جا کے میں نے اپنا لباس وہیں چھوڑا اور یہ سیاہ رنگ کا شلوار قمیص پہن لیا جو میرے سائز سے کچھ بڑا تھا۔ اپنا حلیہ میں پہلے بھی بدل چکا تھا۔ میں نے پھر وہی نسخہ آزمایا۔ میں نے زیرو نمبر کے شیشوں والا سستے پلاسٹک کا چشمہ خرید کر آنکھوں پر چڑھا لیا۔ سر کے لیے میں نے اسی مسجد کے باہر سے جہاں میں نے لباس بدلا تھا نائلون کی جالی والی سفید ٹوپی اٹھالی۔ اپنے قیمتی جوگر چھوڑ کر میں نے پرانے میلے جوگر پہنے اور مطمئن ہو گیا کہ میرا ظاہری حلیہ اطمینان بخش حد تک بدل چکا ہے۔ پہلی نظر میں اب مجھے کوئی دشمن نہیں پہچان سکتا تھا۔ ایک مدت گزری میں زندہ تھا لیکن اپنی زندگی نہیں جی رہا تھا۔ میں چہرے، نام، شناخت پہ نظر فریب پردے ڈال کے اپنی دانست میں موت کو دھوکا دے رہا تھا۔ کبھی میں خاور تھا تو کبھی ملک سلیم اختر... وہ زندگی جو میری اپنی تھی اور جس پر مالی باپ نے فریدالدین کا لیبل لگایا تھا کسی عمر رفتہ کی بات لگتی تھی یا کسی اور کی حیات مستعار۔

ایک اور بھیس بدل لینے کے باوجود خوف کا جو آسیب میرے دل کو اپنے پنجوں میں جکڑے ہوئے تھا ختم نہیں ہوتا تھا۔ جب میں روپ بدلتا تھا تو وہ بھی وقتی طور پر یوں غائب ہو جاتا تھا جیسے سانپ کونے کھدرے میں یا کاٹھ کباڑ میں چھپ جائے۔ اب میرے اندر خوف کے تین زہریلے ناگ چھپے ہوئے تھے اور میں ان کے پھنکارنے کی آوازیں سن سکتا تھا۔ ایک دوبارہ تختۂ دار پر اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرک جانے کا خوف تھا جو مفرور قاتل فریدالدین کو ڈسنا چاہتا تھا۔ دوسرا سلمان خان کے قتل اور اس سے ناجائز تعلق رکھنے والی قاتل دلہن نورین کو بھگا لے جانے کا مجرم خاور کے نام سے ابھی تک زندہ تھا اور گرفتاری کے خوف کا سانپ تھا جو میرے وجود میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا اور تیسرا کالا ناگ ابھی نمودار ہوا تھا اور شاید سب سے خطرناک تھا۔ وہ میرے تعاقب میں تھا یعنی ملک سلیم اختر کو ڈسنا چاہتا تھا۔

"سلیم! میں اور نہیں چل سکتی۔" ریشم دھرنا دینے کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

انداز میں سڑک کے کنارے ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ میرے سامنے لاری اڈا تھا جہاں سیکڑوں بسوں کی قطاروں کے سامنے کنڈیکٹر گلا پھاڑ پھاڑ کے مسافروں کو بلا رہے تھے اور ہزاروں آنے جانے والے سرگرداں تھے۔ میں ریشم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ”میں بھی بہت تھک گیا ہوں۔ سوچتے سوچتے اور چلتے چلتے۔ لیکن ابھی تک میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچا۔“

”کیا تم سلونی کے شوہر کو تلاش کر رہے ہو... کہ کہیں اس کا رکشا نظر آ جائے؟“

”لاحول ولاقوۃ... بھاڑ میں جائے سلونی اپنے شوہر سمیت۔ اس مال کی کیا فکر جو کبھی اپنا تھا ہی نہیں۔ جب میں جیل سے فرار ہوا تھا تب بھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔“

”کچھ دیر میں شام اور پھر رات ہو جائے گی۔“

ایک لڑکا جس کے پیر پولیو سے ناکارہ ہو گئے تھے، بے ساکھی پر چلتا شام کے اخبار اٹھائے نمودار ہوا۔ ”جناب ایک روپے میں اخبار خرید لو۔“ اس نے لجاجت سے کہا۔

میں نے اخبار لے لیا۔ ”صبح بھی یہی کام کرتے ہو؟“

اس نے فوراً نیچے سے صبح کا بچا ہوا اخبار نکالا۔ ”یہ لیں جناب... آخری ہے۔“

میں نے اسے دس روپے دے دیے۔ وہ دعائیں دیتا چلا گیا۔ مدد یا خیرات مانگنے کا یہ بہتر اور موثر طریقہ ہے لیکن یقین کے ساتھ کون کہہ سکتا ہے کہ بھکاری کون ہے اور ضرورت مند کون۔ میں نے اخبار والے لڑکے کو کچھ فاصلے پر دوسرے نوجوان لڑکے سے بات کرتے دیکھا۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا تھا دوسرا لڑکا سولہ سترہ برس کا ہوگا اور وہ چائے کے ایک کھوکھے کا ملازم نظر آتا تھا وہ میلی بدوضع ٹرے میں چائے کے دو کپ لے کر ہماری طرف آیا۔ ”چائے سر۔“

میں نے چائے بھی لے لی اور ایک کپ ریشم کو دے دیا جو آزادی سے سانس لینے کے لیے نقاب اٹھائے بیٹھی سب کو متوجہ کرتی تھی۔ سیاہ نقاب کے حاشیے میں اس کا رنگ روپ زیادہ ابھر کر ہوتا تھا، چائے جیسی بھی تھی گرم تھی۔ وہ شاید خالی کپ اور پیسے لینے کے بہانے وہیں کھڑا ریشم کو گھورنے لگا۔ ”چلو دس منٹ بعد آنا۔“ میں نے خفگی سے کہا۔ ”سر پہ کیوں سوار ہو؟“

”میرے بھائی نے بتایا کہ آپ کو رات گزارنے کے لیے جگہ چاہیے۔“ وہ ڈھٹائی سے کھڑا رہا۔

اخبار والے نے شاید ریشم کی بات سن لی تھی کہ کچھ دیر میں رات ہو جائے گی۔ ”ضرورت ہوگی تو ہم ہوٹل میں چلے جائیں گے۔“

”ہوٹل کو چھوڑیں سر... چھاپے پڑ جاتے ہیں۔ بڑی محفوظ جگہ ہے اور پیسے بھی بہت کم۔“ اس نے مجھے آنکھ ماری۔

میں نے کپ بینچ پر رکھ کر کہا۔ ”یہ میری بہن ہے۔“

”سب ایسے ہی کہتے ہیں جی اور ہمیں کیا اس سے۔“

اس کی بات مجھے گالی کی طرح لگی۔ میں نے ایک دم اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ وہ نیچے گر گیا۔ میں نے اسے گردن سے دبوچ کے اٹھایا۔ ”کبھی اپنی بہن کو لے گئے ہو وہاں؟ بے غیرت...“

اس کے چلانے سے کچھ لوگ رک گئے۔ قدرتی طور پر لوگ مظلوم کو بچاتے ہیں۔ ”کیوں مارتے ہو جی غریب کو؟“ ایک لمبی داڑھی والے نے مجھے ملعون کرنے والی نظروں سے گھورا۔ ریشم نے اب چہرے پر نقاب ڈال لی تھی۔

”یہ غریب نہیں دلال ہے۔ یہ میری بہن ہے۔ پوچھ رہا تھا رات گزارنے کے لیے جگہ چاہیے۔“ میں نے برہمی سے کہا۔ ”یہ پکڑ چائے کے پیسے اور دفع ہو جا۔“ لڑکا جان چھڑا کے بھاگا کیونکہ اب لوگوں کی نظر میں وہ مظلوم نہیں مجرم ہو گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی لوگ بھی چلے گئے۔ خود میں یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی ہم چند قدم ہی چلے تھے کہ میں نے کسی کی آواز سنی۔ ”بھائی جی... بھائی جی... ایک منٹ۔“

میں نے پلٹ کے دیکھا تو مجھ سے مار کھانے والا لڑکا پیچھے بھاگتا آ رہا تھا۔ میں نے ٹھہر کے جارحانہ انداز میں اس سے پوچھا۔ ”کیا دماغ درست نہیں ہوا تیرا...؟“

وہ سامنے آ کے رک گیا۔ ”مجھے معاف کر دو جی... آپ کی جگہ میں ہوتا تو اپنی بہن کے لیے ایسی بات کرنے والے کو جان سے مار دیتا۔“

”اچھا جاؤ معاف کیا مگر یہ کیا کام کر رہے ہو اس عمر میں... شرم کرو۔“

”شرم کیا کریں جی، مجبوری سب کراتی ہے۔ بھائی کو دیکھا آپ نے۔ باپ نشئی ہے۔ ماں ایک گھر میں کام کرتی تھی۔ وہ بھی پہنچ جاتا تھا پیسے مانگنے۔ رہنے کا ٹھکانا بنا ہوا تھا اور ماں کو خدمت کے اچھے پیسے ملتے تھے۔ اسے اخبار بیچنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

سے کیا ملتا ہے اور مجھے بھی دس روپے روز ملتے ہیں۔"

ریشم نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔ "چلو بھائی۔"

لڑکا ایک دم بولا۔ "آپ وہاں چلے جاؤ، جہاں میری ماں کام کرتی تھی۔ اکیلی عورت ہے۔ بوڑھی ہے اور بیمار رہتی ہے۔"

ریشم نے اسے ڈانٹا۔ "تم کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہماری... دفع ہو جاؤ۔"

لڑکا مایوس صورت بنائے کھڑا رہا۔ میں نے پیچھے سے اس کی آواز سنی۔ "آج اخبار میں اشتہار دیکھا تھا میں نے اس کا۔"

کچھ دور آ کے میں نے کہا۔ "غریب اور ضرورت مند کو غلط راستے پر ڈالنا آسان ہوتا ہے۔"

"اب تمہیں ترس آ رہا ہے اس پر۔"

"ہاں، وہ واقعی شرمندہ تھا۔ ورنہ معافی مانگنے کیوں آتا۔" میں نے چلتے چلتے اخبار کھول کے دیکھا۔ شام کے اخبار میں سارے اشتہار پراپرٹی کے تھے یا کلیم اور سنیاسی بابا جیسے فراڈ کرنے والوں کے... صبح کے اخبار میں "ضرورت ہے" کے عنوان سے صرف تین اشتہار تھے۔ زیادہ تر لوگ اشتہار دینے کے لیے سنڈے ایڈیشن کو ترجیح دیتے ہیں۔ لڑکے نے شاید تیسرے اشتہار کا حوالہ دیا تھا۔ ایک ضعیف اور بیمار عورت کو دن رات کے لیے کسی دیکھ بھال کرنے والے خادم یا خادمہ کی ضرورت تھی۔ اچھی تنخواہ کے علاوہ رہائش اور کھانے کی بات بھی کی گئی تھی۔ میں نے وہ اشتہار ریشم کو دکھایا۔ وہ کچھ نہیں بولی۔

میں نے کہا۔ "پہلے میرا یہی اور تھا ارادہ... میں واپس جانا چاہتا تھا۔"

"واپس؟" وہ حیران ہوئی۔ "پھر بھاگ کے کیوں آئے تھے؟"

میں نے وضاحت کی۔ "واپس تو مجھے جانا پڑے گا۔ نورین کی تلاش کا آغاز وہیں سے کیا جا سکتا ہے۔ شاید کوئی ساون خان کے بارے میں کچھ بتائے۔ ورنہ ساون خان کا ایک بھانجا بھی تھا۔ ماموں بھانجا دونوں اکٹھے جیل کاٹ چکے ہیں۔ لیکن میں کچھ دن روپوش رہنا چاہتا ہوں۔ یہ انتقام کی آگ کچھ سرد پڑ جائے۔ خون کے پیاسے جو میری تلاش میں سرگرداں ہیں، کچھ تھکن اور مایوسی کا شکار ہوں اور ان کے جنون کی یہ شدت نہ رہے۔ ایسا ہونا قدرتی بات ہے۔ کوئی جذبہ ہمیشہ جوان نہیں رہتا۔"

ریشم کچھ نہیں بولی۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلتی رہی۔ میں نے اخبار میں دیا ہوا پتا پوچھا تو اندازہ ہوا کہ ہم اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ آدھے گھنٹے کی تلاش نے ہمیں اس دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبایا تو مجھے اندر کے سناٹے میں کوئی صدا اٹھتی محسوس نہ ہوئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ پہلے آہستہ پھر کچھ انتظار کے بعد زیادہ قوت سے۔ اندر سے ایک دبی دبی آواز سنائی دی۔ "اچھا... اچھا آ رہی ہوں۔"

دروازہ کھلا تو میں نے اپنے مقابل ایک خاصی عمر رسیدہ اور کمر خمیدہ خاتون کو دیکھا جو سیاہ فریم والے چشمے کے پیچھے سے مجھے گھور رہی تھیں۔ ان کی سفید ساڑی ایک ڈھانچا بدن پر لپٹی ہوئی تھی مگر اجلی تھی۔ ان کے دونوں ہاتھ لام کی شکل والی چھڑی پر جمے ہوئے تھے جو انہیں سہارا فراہم کرتی تھی۔ "کون ہو تم... کیا چاہیے؟"

میں نے کہا۔ "ہم آپ کے اشتہار کے جواب میں آئے تھے۔"

انہوں نے سر ہلایا اور ہم دونوں کو باری باری دیکھا۔ "یہ کون ہے... تمہاری بیوی؟"

"جی نہیں، یہ بہن ہے میری... یہی آپ کی خدمت کرے گی۔"

"اچھا... اندر آؤ۔" وہ پلٹ کے چل پڑیں۔ ہم ان کے پیچھے ایک برآمدے تک پہنچے۔ وہ ایک تخت پر بیٹھ گئیں اور ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہاں کرسی صرف ایک ہی تھی۔ ریشم ان کے پیروں کی طرف خالی جگہ پر ٹک گئی۔

"اب اپنے بارے میں بتاؤ، کون ہو، کہاں سے آئے ہو۔ اگر یہ سوچ کر آئے ہو کہ ایک اکیلی کمزور لاوارث بڑھیا کو مار کے اور مال سمیٹ کے بھاگ جاؤ گے تو تمہیں بتا دوں کہ اس جان کے سوا تم کچھ نہیں لے سکتے۔"

میں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "بیگم صاحبہ! کیا ہم صورت سے ایسے نظر آتے ہیں؟"

"صورتیں ہی دھوکا دیتی ہیں۔ مگر خیر... تم بتاؤ کیا نام ہے۔ کہاں سے آئے ہو، کیا کرتے ہو؟"

میں نے سچ محسوس ہونے والے جھوٹ پر مبنی ایک کہانی ترتیب دے لی تھی۔ "کیا کریں گی ہمارے دکھ کا حال جان کے۔ رہنے والے ہم اسی شہر کے ہیں۔ حرم گیٹ کے اندر پانچ مرلے کا چھوٹا سا مکان تھا۔ ابا مر گئے تو ماں تھی، ایک بہن اور ہم دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کی شادی تک سب ٹھیک رہا۔ ابا کا بس کے اڈے پر چائے کا کھوکھا تھا۔ اس پر قبضہ ہو گیا۔ ہم نے وہیں ریڑھی لگانے کی بات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کی۔ کام وہی تھا جو ٹھوکے پر ہوتا تھا۔ آدھا وقت میں کام کرتا تھا۔ صبح آٹھ بجے سے شام چار تک اور پھر چار سے بارہ تک بڑا بھائی۔ شادی کے بعد رات کو میں رہتا تھا۔ بھابی آئی تو دن رات کا فساد ہونے لگا۔ ماں بوڑھی اور بیمار تھی۔ اسے ماں کی خدمت کرنا اور پکا کے کھلانا بار تھا۔ کڑوی کسیلی باتیں الگ سناتی تھی کہ بڑھیا... بہت جی لی۔ شوہر کو مار دیا، خود کیوں نہیں مرتی۔ کب تک ہمارا عذاب بنی رہے گی۔ وہ میری بہن کو خادمہ کی طرح دیکھنا چاہتی تھی اور بھائی نے اپنی لاڈلی چھوٹی بہن کو ماسی بنا دیا تھا۔ ماں بیمار رہی اور مر گئی۔ وہ تختے بھی نہیں لگے۔ اب کہنا اچھا تو نہیں لگتا مگر مجھے شک ہے بھابی نے اسے مار دیا۔ اس کی دوائیں بدل دیں جو میں لاتا تھا۔ میری بہن نے دیکھا تو مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ یہ دوائیں تو نہیں لایا تھا میں... لیکن اس وقت تک نقصان ہو چکا تھا۔ الزام مجھ پر آیا کہ تو ہی لایا تھا اگر وہ زہر تھا۔ بات نکلتی تو پولیس سب کو پکڑ کے لے جاتی۔ چپ چاپ ماں کو دفنا دیا۔ تیسرے دن بھابی نے نوٹس دے دیا۔ اپنا اور بہن کے رہنے کا بندوبست کر لو کہیں۔ بھائی کا ایک سالا آ گیا۔ وہ پولیس کی نوکری سے نکال دیا گیا تھا اب بدمعاش تھا۔ مجھے بہن کی فکر پڑ گئی۔ ایک دن بھائی سے جھگڑا ہوا اس نے سالے کے ساتھ مل کے مجھے مارا۔ چائے کی ریڑھی سے بھی مجھے الگ کر دیا۔ اس کا سالا شریک ہو گیا۔ یہ آج صبح کی بات ہے۔ ہم دونوں گھر سے نکل آئے۔ عزت اور جان بچا کے۔ کسی نے یہاں کا بتا دیا۔ ہم تو خالی ہاتھ نکلے تھے۔ اپنے کپڑے بھی رہ گئے۔ پھر وہ لے آئیں گے اگر آپ جگہ دے دیں... میری بہن دن رات آپ کی خدمت کرے گی۔ ماں کی دیکھ بھال بھی یہی کرتی تھی۔ میں بھی سوچوں گا کہیں کچھ کروں۔ ابھی تو ہاتھ خالی ہیں۔ جوان بہن کو ساتھ لے کر کہاں جاؤں؟"

میں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ بڑی بی کی صورت پہ ہمدردی اور پھر دکھ کے جذبات آ گئے۔ میرا لہجہ اور میری کہانی ہمارے مظلوم ہونے کی وکیل بن گئے تھے۔ "کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"

"نوری... نور جہاں ہے پورا نام۔" مجھ سے پہلے ریشم بولی۔ جو شاید اتنی دیر میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اس سوال کا جواب اسے دینا ہے۔

بڑی بی خاموشی سے ہمیں گھورتی رہیں پھر انہوں نے کہا۔ "میں تمہیں مہمان کی طرح نہیں رکھ سکتی۔ کام سخت ہے میرا۔"

میں نے کہا۔ "ہم بھی نوکر بن کر آئیں گے جی... کام سب کر لیں گے۔"

"یہ لڑکی نور سارے گھر کی صفائی کرے گی۔ کھانا پکانا، کھلانا، کپڑے دھونا اور پھر رات کو میرے ساتھ سونا کہ مجھے ضرورت ہو تو ایک آواز پر اٹھ جائے، یہ آسان نہیں ہو گا۔ میں نے اسی لیے پہلے آنے والوں کو انکار کر دیا۔ وہ میاں بیوی تھے۔ دن کا سارا کام کر سکتے تھے مگر کسی کو یہ منظور نہیں تھا کہ رات کو بیوی میرے پاس ہو۔ اور وہ خود دوسرے کمرے میں۔ میرے ساتھ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی دے اور ضرورت پڑے تو میرے گندے کپڑے دھوئے۔ مجھے بھی صاف کرے۔ ایسا بھی ہو جاتا ہے کبھی۔"

"میں سب کر لوں گی بیگم صاحب، آپ کو بیماری کیا ہے؟"

"سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے بڑھاپا۔ کبھی کچھ ہو جاتا ہے کبھی کچھ۔ کھایا پیا لگتا نہیں۔ ہضم نہیں ہوتا۔ زکام ہو تو نمونیا بن جاتا ہے۔"

"علاج کون کرتا ہے آپ کا؟"

"اسی محلے کا ایک ڈاکٹر ہے۔ دن میں ہوتا ہے سرکاری اسپتال میں۔ ویسے تو رات کو بھی آ جاتا ہے مجھے دیکھنے۔ دن میں نہیں آ سکتا تو مجھے جانا پڑتا ہے۔ ہاں یہ بتاؤ... گاڑی چلا سکتے ہو؟"

"جی بیگم صاحب۔" میں نے کہا۔

"یہ بہت ضروری تھا۔ جو پہلے آئے کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ مجھے اسپتال لے جانا ہو گا ضرورت پڑنے پر۔"

"میں لے جاؤں گا بیگم صاحب... مگر گاڑی کہاں ہے؟"

"باہر گلی میں کھڑی ہے۔ اس کی صفائی اور دیکھ بھال بھی کرنا ہو گی۔ پرانی گاڑی ہے مگر چلنے میں اچھی ہے۔ لائسنس ہے؟"

"جی... ابھی تو نہیں ہے۔"

"تو بنوا لو... اس ڈاکٹر سے کہنا۔ وہ بنوا دے گا۔ پیسے دے کر سب ہو جاتا ہے۔ تمہاری بہن کو میں دس ہزار دوں گی۔ تمہیں پانچ... کھانا پینا میرے ساتھ ہو گا مگر ضروری نہیں کہ تم وہی کھاؤ جو میں کھاتی ہوں۔ میرا پرہیز بھی چلتا ہے... اور کھانا بھی کچھ نہیں... بہت سادہ ہوتا ہے۔ تمہیں پلاؤ، بریانی اور قورمے تو نہیں کھلا سکتی۔"

"اس کا مطلب ہے آپ نے ہمیں رکھ لیا ہے بیگم صاحب۔" میں نے خوشی سے کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''گھر میں دو کمرے ہیں۔ ایک میں تم رہو گے۔ تیسرا باہر والا کمرا بند رہتا ہے۔ گھر ہفتے میں ایک بار اس کی صفائی ہوگی۔ اپنا سامان کب لاؤ گے تم؟''

''آج یا کل۔ بس کپڑے ہی ہیں یا اور کچھ چھوٹی موٹی چیزیں ذاتی استعمال کی۔''

''یہاں ضرورت کی ہر چیز ہے۔ میرے پرانے کپڑے بھی بہت ہیں۔ دیکھ لینا۔ ایڈوانس تمہیں دوں گی میں۔''

''تھوڑے بہت پیسے ہیں میرے پاس بیگم صاحب۔ اب کیا میں کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو۔''

''مجھے پتا ہے تم کیا پوچھو گے... شوہر کو مرے چالیس سال ہو گئے۔ دو بیٹے امریکا چلے گئے۔ رشتے دار ہیں مگر مجھے بھول چکے ہیں۔ ان کے لیے میں بھی مر چکی ہوں۔ بیٹوں کا دس سال سے فون بھی نہیں آیا۔ سمجھ لیا ہوگا کہ ماں بھی مر کھپ چکی۔ میری عمر نوے سال ہے اب... شوہر کی عمر ساٹھ سال تھی جب ان کا قتل ہوا۔ کہیں دو گروہ لڑ رہے تھے۔ وہ بیچ میں آگئے اور گولی لگ گئی۔ ریلوے میں ملازم تھے۔ ان کی پنشن ہے اور کچھ رقم جو جمع ہے ہر مہینے منافع ملتا ہے۔ اچھا، اب جا کے کچن میں دیکھو، میرے کھانے کے لیے کچھ کرو، کتنے دن سے ڈبل روٹی کھا رہی ہوں دودھ کے ساتھ۔ چائے پرسوں خود بنا کے پی تھی۔ جاؤ اپنے لیے بھی چائے بنا لو اور مجھے بھی دو۔''

میرے نے اس پناہ گاہ کو بھی تائید ایزدی جانا وہ خرافات سر پر آگئی تھی اور سوائے ہوٹل کے جو بے گھر مسافروں کو سر چھپانے کی جگہ فراہم کرتے ہیں کوئی دوسرا ٹھکانا تصور آتا تھا۔

دس منٹ آرام کرنے کے بعد ریشم نے باتھ روم میں جا کے ہاتھ منہ دھویا اور پھر کچن کا رخ کیا۔ میں جوتے اتار کے اس کی جگہ دراز ہو گیا اور کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے دماغ کو تمام تفکرات سے آزاد رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر ریشم نے آواز لگائی۔ ''ادھر ہی آجاؤ بھائی... چائے پی لو۔''

وہ بڑی بی کے کمرے میں چائے کی ٹرے میز پر سجائے بیٹھی تھی۔

''تم نے کچن دیکھ لیا نور؟'' وہ غور سے اسے چائے بناتا دیکھتی رہیں۔

''جی خالہ، مگر ابھی سب الٹا سیدھا پڑا ہے۔ کل کروں گی صفائی۔''

انہوں نے چائے لے لی۔ ''تمہارا چائے بنانے اور پیش کرنے کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ تم میں سلیقہ ہے۔''

''آپ مجھے بتادیں کہ ناشتے، چائے اور کھانے میں کیا پسند ہے۔ دیگر معمولات کو میں سمجھ لوں گی ایک دو دن میں۔''

بڑی بی نے پسندیدگی کی نظر سے ریشم کو دیکھا۔ ''اچھا ہے اگر تم یہاں ٹک جاؤ۔ پہلے میں نے کسی کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک نہیں کیا۔ کوشش کی کہ وہ خود کو گھر کا فرد سمجھیں۔ عزت بھی دی اور سہولت بھی... لیکن اپنے ہی اپنے نہ رہے تو غیر کیسے اپنے ہو سکتے تھے۔ کچھ خود چلے گئے۔ کچھ میری توقعات پر پورے نہیں اترے۔''

اس رات ریشم نے خالہ کی خواہش کے مطابق کھانا بنایا۔ خود ہم نے بھی وہی کھایا۔ تھکن اتنی زیادہ تھی کہ دس بجے ہم سو گئے۔ بیڈ کافی چوڑا تھا۔ پھر بھی میں نے فرش کو ترجیح دی۔ ریشم تو فوراً ہی سو گئی تھی۔ میں سونے سے پہلے اپنے خیالوں سے لڑتا رہا۔ ایک بار پھر میں بے گھر تھا۔ منتشر ور تھا۔ گزری ہوئی تین راتیں تین الگ چھت کے نیچے گزری تھیں۔ آنے والی رات کہاں گزرے گی۔ یہ سوچنا لاحاصل تھا۔

میرا ذہن مختلف جذبات اور خیالات کی زد میں تھا۔ فوری طور پر سلونی کی دغابازی نے مجھے شدید جذباتی صدمے سے دوچار کیا تھا۔ نو لاکھ کی رقم کے بارے میں ریشم سے میں نے جو بھی کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس دولت نے ہی وفاداری، خلوص اور اعتماد کے جذبات کا رخ بدلا تھا۔ یہ نامہربان اور بے وفا دولت تھی جو خون مانگتی تھی۔ انسان کا اور انسان کے رشتوں کا اور جذبات کا۔ رنگیلا سے نہ میری جذباتی وابستگی رہی تھی اور نہ مجھے توقعات تھیں۔ یہ بالواسطہ تبدیلی تھی۔ رنگیلا کو دولت نے اور سلونی کو رنگیلا نے مجبور کیا ہوگا۔ کیا واقعی سلونی کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اس کی خاطر وہ دنیا کو چھوڑ سکتی تھی۔

پھر مجھے روزینہ اور مراد کا خیال آیا۔ دونوں نے روایات کی زنجیریں توڑ کے محبت کے افق پر آزادی سے پرواز کا حق حاصل کیا تھا اور یقیناً اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ محبت کے جواری تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں کون بڑا جواری تھا۔ مراد ایک بار زندگی کو داؤ پر لگا چکا تھا۔ شاید محبت نے ہی اسے بچا لیا تھا۔ روزینہ نے اب جان کی بازی کھیلی تھی بلکہ صحیح معنوں میں محبت کے لیے موت کا سامنا کرنے والی اس لڑکی کا خدا کے سوا کوئی محافظ نہ تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

خیالات کے انتشار کے باوجود میں زیادہ دیر نہیں جاگا۔ جسمانی تھکن نے مجھے نیند کی آغوش میں پہنچا دیا۔ مجھے آج کی رات احساسِ تحفظ حاصل تھا۔ میں صبح خود نہیں جاگا۔ میں نہ جانے کب تک سوتا رہتا مگر ریشم نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ریشم نے گھر کی حالت خاصی بدل دی ہے۔ ایسا نہیں کہ گھر میں کوڑے کچرے کے ڈھیر تھے یا غلاظت تھی۔ ریشم نے گھر کی بے ترتیبی کو ختم کر دیا تھا۔ اس نے خالہ کو ان کی خواہش کے مطابق ناشتا بنا کے دیا اور اب میرے ساتھ خود بھی ناشتا کرنا چاہتی تھی۔ اس ناشتے میں بہت زیادہ تکلفات تو نہیں تھے۔ آملیٹ کے ساتھ کھانے کے لیے پراٹھے تھے اور چائے میری مرضی کے مطابق تھی۔

مجھے خاموش دیکھ کے ریشم نے کہا۔ ''کیا سوچ رہے ہو؟ یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہو؟''

میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''مجھے یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔''

''کیا عجیب لگ رہا ہے؟''

''یہی... کہ کل رات ہم جھوٹ بول کے اس گھر میں داخل ہوئے اور اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ میرا وہ گھر ہے جو بچپن میں تھا۔ ہر بچے کا ہوتا ہے۔ چھوٹا سا پُرسکون اور محفوظ... وہاں بھائی تھا میرا اور ماں... جس کا دھندلا سا نقش ایسا ہی ہے۔ وہ ساڑی نہیں باندھتی تھیں۔ سادہ سفید شلوار قمیص اور دوپٹے کے علاوہ میں ان کا کسی دوسرے لباس میں تصور نہیں کر سکتا۔ مگر وہ بھی دبلی پتلی تھیں۔ پھر بعد میں بیمار رہنے لگی تھیں۔ ایک رات ان کا دل بند ہو گیا۔ بھائی کالج میں تھا، میں اسکول میں۔ ہمیں وقت پہ جگاتا اور ناشتا کرا کے اسکول بھیجتا... واپسی پر کھانا تیار رکھتا۔ پھر ایک دو گھنٹے سونا۔ شام کو کھیلنے جانا اور واپسی پر ہوم ورک... پھر رات کا کھانا اور سو جانا۔ یہی روز کا معمول تھا۔ ہر گھر کا ایسا ہی معمول ہوتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد میری ذمے داری بھی بھائی نے سنبھال۔ اسی سال بھائی نے بی اے کر لیا تھا۔ صرف ایک بار اس نے کہا تھا کہ فرید! ہماری کوئی بہن ہوتی تو ماں کی جگہ لے سکتی تھی اور میں نے کہا تھا کہ بھائی تم شادی کر لو۔ بھابی سنبھال لے گی گھر... تو وہ بہت ہنسا تھا۔ اس نے کہا کہ پہلے شادی تمہاری ہو گی۔ لیکن آج تم نے ناشتا بنا کے میرے سامنے رکھا ہے تو مجھے بھائی کی بات بھی یاد آ رہی ہے اور ماں بھی... اور یہ عجیب سا لگ رہا ہے کہ بھائی نہیں ہے۔''

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ریشم نے کہا۔ ''تم نے والد کا ذکر نہیں کیا۔''

''جب میں سال بھر کا تھا تو وہ مر گئے تھے۔ لیکن ان کی پنشن تھی اور ماں محلے کے بچوں کو قرآن پڑھاتی تھیں۔ ہمارا گھر چلتا رہا تھا۔ مجھے یہ سب بھی بھائی سے ہی پتا چلا تھا۔''

''تمہارے بھائی کا بھی قتل ہوا تھا؟''

''ہاں، جب سے نادر شاہ کی تصویر دیکھی ہے۔ ایک پرانے زخم سے پھر لہو رسنے لگا ہے۔ اپنے بھائی کی وہ صورت میری نظروں میں پھرتی ہے جو میں نے اسے قبر میں اتارنے سے پہلے آخری بار دیکھی تھی۔ وہ میرا بھائی ہی نہیں تھا باپ کی جگہ تھا میرے لیے۔ تمہیں شاید یہ اتفاق کی بات لگی ہو... اور ہر شخص یہی کہے گا لیکن میرے لیے وہ شاک غیر معمولی تھا جو پہلے نادر شاہ کا نام سن کے ہوا اور پھر اس کو اپنے مقابل دیکھ کے ہوا۔ اس کی تصویر مجھے اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہوئی۔ میری بے بسی اور بے چارگی پر خندہ زن تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ فریدالدین! تو خاور بن جا یا ملک سلیم اختر... جیل کی دیواریں توڑ کے نکل جا یا چودھریوں کی حویلی میں پناہ لے۔ تیری موت خود تجھے واپس لائے گی۔''

اس دوران میں دوسرے کمرے سے بڑی بی نے آواز لگانی شروع کی۔ ''نور! کیا کر رہی ہو؟''

نور اٹھ کے بھاگی۔ میں نے ناشتے کے برتن کچن میں پہنچائے اور خود بھی بڑی بی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہ ریشم کو دوا کے بارے میں بتا رہی تھیں اور دوپہر کے کھانے کے لیے ہدایات دے رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کے انہوں نے کہا۔ ''اچھا ہوا تم بھی آ گئے۔ اب ہر روز صبح تمہارا ایک کام تو ہے بینک جانے کا۔ اس کے بعد جو نور کہے وہ بازار سے لاؤ گے۔ تم کو اپنا کیا سامان لانا ہے بھائی کے گھر سے۔ آج لے آؤ۔'' انہوں نے مجھے تکیے کے نیچے سے ایک ہزار کا چیک نکال کے دیا۔

میں اپنے ظاہری حلیے سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ تین دن شیو نہ بنانے سے میرے چہرے پر داڑھی نے ایک سیاہ حاشیہ بنا دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ مزید ایک ہفتے میں بڑھ جانے والے بالوں سے میری صورت پر ایک خشخشی داڑھی کا اضافہ ہو جائے گا۔ باہر جاتے ہوئے میں نے چارخانے کی ایک پرانی میلی چادر بھی جسم پر لپیٹ لی۔ دروازے سے باہر نکل کے میں نے اسے چہرے کے گرد بھی لپیٹ لیا۔ اس سے مجھے تحفظ کی تھیں وہانی حاصل ہو گئی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اور میں زیادہ اعتماد کے ساتھ بینک گیا۔

بینک میں آپریشن منیجر نے مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ ”تم ہاجرہ بیگم کے نئے ملازم ہو؟ کیا نام ہے؟“

”چوہدری خاور سلیم۔“

”شناختی کارڈ دکھاؤ۔“ وہ مجھے گھورتا رہا۔

”شناختی کارڈ گم ہو گیا تھا۔ اس کی رپورٹ لکھا دی تھی۔ دوسرا بنوانا ہے۔“

مزید کچھ کہے بغیر اس نے ایک ہزار میرے سامنے رکھ دیے جسے میں نے اپنی جیب میں رکھ لیے۔

باہر نکل کے میں نے کچھ کھانے پینے کا سامان خریدا جو نور نے بتایا تھا۔ پھر مجھے لنڈا بازار جیسی ایک گلی دکھائی دی۔ وہاں سے مجھے ایک پرانا سوٹ کیس مل گیا۔ میں نے اپنے لیے دو شلوار قمیص نئے مگر بہت معمولی قیمت کے خریدے۔ نور کو بھی جوتے کپڑے درکار تھے لیکن یہ کام وہ خود بہتر طور پر کر سکتی تھی۔ میں نے اندازے سے اس کے سائز کا ایک جوڑا لے لیا۔ وہ بھی سستا ہی تھا مگر مجھے اچھا لگا۔ ایک گھریلو ملازمہ زیادہ رنگین اور قیمتی کپڑے نہیں پہن سکتی تھی۔ میں نے جو کیملی بیک گراؤنڈ بتایا تھا وہ بھی غریب گھر کا ہی تھا۔ یہاں ہمارا قیام عارضی تھا لیکن اس کی مدت کا خود مجھے اندازہ نہ تھا۔ اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ اتنی جلدی کی ضرورت بھی نہیں۔ ہم یہاں روپوش رہ سکتے ہیں اور محفوظ بھی۔ کوئی ایسی ویسی بات ہو تو فرار ہونا کیا مشکل ہے۔

دوپہر کا کھانا بھی سادہ تھا۔ ہاجرہ بیگم کو بلڈ پریشر کے علاوہ عارضہ کوئی ذاتی نہیں تھا مگر وہ عمر کی مناسبت سے کھانے پینے کے معاملے میں محتاط تھیں۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ضروری نہیں جو میں کھاؤں وہ تم بھی کھاؤ۔ چاہو تو اپنے لیے الگ بنا لو۔ پھر انہوں نے مجھے گاڑی کی چابی دے کر تاکید کی کہ اس کی صفائی کروں اور اسٹارٹ کر کے دیکھ لوں کہ بیٹری تو ڈیڈ نہیں ہو گئی ہے۔ بیٹری پرانی نہیں تھی مگر گاڑی کھڑی رہی تو ڈیڈ ہو گئی تھی۔ میں نے اسے دھکے سے اسٹارٹ کیا اور وہیں کھڑے کھڑے ریس دیتا رہا۔ ہاجرہ بیگم نے مجھے اسٹیئرنگ لاک کی چابی نہیں دی تھی ورنہ میں اس کو ایک راؤنڈ پر لے جا کے اچھی طرح چیک کرتا۔

ریشم شام تک گھر کی صفائی اور چیزوں کو ترتیب سے رکھنے میں مصروف رہی۔ ہاجرہ بیگم دوپہر تک برآمدے میں کرسی ڈالے ہدایات دیتی رہیں۔ وہ ریشم کے سلیقے سے مطمئن تھیں مگر عدم اطمینان کا شکار بھی کہ لڑکی کے عزائم کیا ہیں۔ ان کو مطمئن کر کے ان کا اعتماد حاصل کرنا اور اس کے

لکیروں کے اسیر

اکثر ہاتھ کی ریکھائیں قدموں تلے ایسے رستے بچھا دیتی ہیں کہ ٹھوکر لگنے کے باوجود چلنا مجبوری بن جاتا ہے۔ آخری صفحات پر ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کا نیا انداز

فقیر دوست

تاریخ کے سمندر سے واقعات کی سرکش موجوں کا احوال ابتدائی صفحات پر ڈاکٹر ساجد امجد کے قلم کی روانی

ستاروں پر کمند

بعض اوقات برگزیدہ قدموں کو محبت ایسا استحکام بخشتی ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ طاہر جاوید مغل کا دلربا انداز

ماروی

ہم شکل، ہم مزاج مگر تقدیر کی انفرادیت کا الجھا تماشا کیسے کیسے رنگ دکھاتا ہے... محی الدین نواب کے خیالات کی اڑان

اگست 2014ء کا شمارہ

رمضان اور عید کے لمحات کے ساتھ

کرنل زبیر، ڈاکٹر شیر شاہ سید، تنویر ریاض، منظر امام اور سلیم انور کی دلچسپ تحاریر

آج ہی اپنی کاپی بک کروا لیں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

بعد موقع پا کے گھر پر ہاتھ صاف کر کے نکل جانا یا بچ کھ گھر کو اپنا گھر سمجھ کے صبر شکر کے ساتھ رہتا۔ ہاجرہ بیگم نے نہ جانے کس کس سے توقعات وابستہ کی ہوں گی۔ شاید ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا سلوک بھی کیا ہو کہ وہ مطمئن رہیں۔ لیکن کوئی وفادار ثابت نہیں ہوا تھا۔ کسی نے اس گھر کو اور انہیں اپنا نہیں سمجھا تھا۔ اور جب اولاد انہیں چھوڑ گئی تو غیر سے کیسی امید۔ تنخواہ دار ملازم اپنے بیٹے کا نعم البدل کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ زندگی کا آخری دور تھا جس میں انحصار ناگزیر تھا۔

ریشم نے تمام اخبارات کو جو ادھر اُدھر پھیلے پڑے تھے سمیٹ کر ایک جگہ رکھ دیا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے علاوہ خود کو ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے انہیں تاریخ کی ترتیب سے دیکھنا شروع کیا۔ زیادہ خبروں کا تعلق ملک کے سیاسی حالات میں آنے والی تبدیلی سے تھا۔

میں نے پرانے اخبارات کو کھنگالا تو ایک خبر اور نظر آئی۔ پولیس کے زیرِ اہتمام ہونے والی کسی تقریب میں لاہور کے ایک ڈی آئی جی نے جوئے، منشیات اور فحاشی کے اڈے چلانے والوں کے خلاف کامیاب مہم چلانے پر انعامات دیے تھے۔ یہ انعامات مختلف تھانوں کے انچارجوں کو نادر شاہ کی طرف سے دیے گئے تھے۔ نادر شاہ کا حوالہ پھر مشہور تاجر اور انٹرنیشنل امپورٹر اینڈ ایکسپورٹر کے طور پر دیا گیا تھا۔ اسی اخبار میں مجھے ایک کالم بھی نظر آیا۔ یہ نادر شاہ کی فلاحی اور سماجی خدمات کے حوالوں سے پُر تھا۔ مجھے پتا چلا کہ نادر شاہ مستحق نادار طلبا کو وظائف دیتا ہے۔ ایک اولڈ ہوم اور یتیم خانہ چلا رہا ہے اور بے آسرا خواتین کے لیے فلاحی مرکز قائم کر چکا ہے جہاں انہیں مفت رہائش کے ساتھ پروفیشنل ٹریننگ دی جاتی ہے۔ نہ جانے کس کس نے اس پیکرِ انسانیت سے درخواست کی تھی کہ وہ آنے والے انتخابات میں ملک و قوم کی فلاح کے لیے حصہ لے اور اپنی آزاد حیثیت میں کامیاب ہو کے اپنے فلاحی مشن کو آگے بڑھائے۔

حوالہ نامکمل تھا اور تصویر ایک بھی نہیں تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا، کیا یہ وہی نادر شاہ ہو سکتا ہے۔ جرائم پیشہ افراد... منشیات فروش... پولیس... یہ سب اس کو نیک نام بنا کے پیش کرنے میں معاون ہو سکتے تھے۔ اسے سیاسی قوت حاصل کرنے میں مدد دے سکتے تھے۔ آدمی خود شیطان ہو تو میڈیا پر پبلسٹی سے فرشتہ بنا کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس کا پبلک امیج بنانے والے کرائے کے کالم نویس، صحافی اور ترجمان بہت... جو خود نہیں بولتے نادر شاہ کے پیسے کی زبان بولتے ہیں۔ میرے دل میں جو خلش تھی اور بڑھ گئی۔

شاید اب مجھے اخبار سے اتنا لاتعلق نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے سوچا اور پھر آج کا اخبار اٹھایا۔ اس میں میرے لیے زیادہ سنسنی خیز مواد موجود تھا۔ ایک خبر یہ تھی کہ بلند اور طبقے دار سکندر ڈاکوؤں کے حملے میں زخمی۔ خبر کے مطابق ڈھاٹے باندھے ہوئے آٹھ سے دس ڈاکوؤں نے ان کے گھر پر حملہ کیا۔ محافظوں سے فائرنگ کے تبادلے میں ایک ڈاکو ہلاک ہوا اور خود سکندر کو بھی زخم آئے۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ یقینی طور پر یہ خبر مراد کے باپ کے بارے میں تھی جو بظاہر نامکمل تھی۔ نہ کسی ڈاکو کا نام تھا نہ یہ کہ وہ کچھ لوٹ کر لے جانے میں کامیاب ہوئے یا نہیں۔ میرا شبہ پیر سائیں کی طرف گیا۔ کیا یہ اس کے جاں نثار مرید ہو سکتے ہیں۔ جن کے حملے کا مقصد اس گھر سے مراد کو اور مراد کے ساتھ روزینہ کو برآمد کرانا تھا۔ پیر سائیں کو شک ہوگا کہ انہیں وہیں چھپا کے رکھا گیا ہوگا۔ اگر وہ مل جاتے تو وہیں مار دیے جاتے۔ مراد کا باپ اپنے بیٹے کی پشت پناہی کر رہا تھا اور بے وقوف نہیں تھا۔ وہ اس حملے کی توقع رکھتا تھا اور مقابلے کے لیے بھی تیار تھا۔

ایک پیر اور ایک طبقے دار کے درمیان محبت اور نفرت... قربت، رقابت اور عزت کی سیاست کا یہ انوکھا کھیل تھا جس کی حقیقت کو سمجھنا عام تماشائی کے لیے مشکل تھا۔

رات کو ریشم نے کئی بار پوچھا کہ کس سوچ میں گم ہو مگر میں نے اسے ٹال دیا۔ آہستہ آہستہ میرا دماغ مستقبل کے لیے ایک راہ متعین کر رہا تھا۔ اور وہ راہ یہی تھی جس پر میں گامزن تھا۔ چودھریوں کی حویلی سے پیر کی حویلی تک پہنچنا ایک حادثے کا نتیجہ تھا۔ یہ حادثہ پیش نہ آتا تو میں نورین کے ساتھ نہ جانے کہاں ہوتا۔ درمیان میں چودھری انور یا شاہینہ بجلی کے دو تاروں کی طرح تھے۔ مثبت اور منفی ملتے ہیں تو روشنی اور توانائی حاصل ہوتی ہے۔ میں نے انور سے بھی بہت کچھ سیکھا تھا اور شاہینہ سے بھی، ان دونوں کی وجہ سے میں نے طاقت حاصل کی تھی۔ انور نے دوستی کے نام پر مجھے مقابلے کی طاقت دی اور شاہینہ نے محبت کے نام پر۔

مجھے اپنے مستقبل کا راستہ بھی تقدیر کے خفیہ ہاتھ کا تراشا ہوا لگتا تھا۔ آخر میں ملتان کیوں پہنچا؟ میں لاہور یا پشاور اور کراچی کی طرف کیوں نہیں گیا؟ اور اتنے بڑے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لاکھوں کی آبادی والے شہر میں جہاں ہزاروں چھوٹے بڑے گھر ہیں مجھے صرف ایک رات کے لیے میرے قدم اس گھر کی طرف کیوں لے گئے جو میرے بدترین دشمن کا ٹھکانا تھا؟ شاید مجھے یاد دلانے کے لیے کہ مجھ پر لہو کا قرض باقی ہے۔

اب میرے سامنے دو راستے تھے جو وقت کے اسی سنگم سے شروع ہوتے تھے۔ یہاں سے میں نورین کی تلاش میں اس مقام تک بھی پہنچ سکتا تھا جہاں سے نورین نے فاطمہ بن کے نامعلوم سمت میں سفر کا آغاز کیا تھا۔

دوسرا راستہ نادر شاہ تک لے جاتا تھا۔ اس کی فیملی کہیں باہر تھی۔ لندن میں یا امریکا میں مگر وہ پاکستان آتے رہتے تھے۔ جب وہ آتے ہوں گے تو نادر شاہ بھی آتا ہوگا۔ مجھے اخبارات کی خبروں سے کسی نادر شاہ نام کے سماجی کارکن... تاجر... امپورٹر اینڈ ایکسپورٹر... انسانی فلاح کے نئے علمبردار کا علم بھی ہوا تھا۔ یہ پتا چلایا جاسکتا تھا کہ کیا یہ وہی نادر شاہ ہے جس نے میرے بھائی کا قتل کیا اور اپنے جرم کی سزا میں مجھے تختہ دار پر کھڑا کر رہا تھا۔ پولیس اور خود نادر شاہ کے سراغ لگانے والے کتے آج تک اس فریدالدین کا سراغ نہیں لگا سکے جو ڈاکوؤں کے ساتھ جیل سے نکل بھاگا تھا۔ وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ فریدالدین اچانک فرشتۂ اجل بن کے نمودار ہو جائے گا۔ کسی ایسی جگہ ایسے وقت میں جب خیال اور تصور میں بھی نہ ہو کہ زندگی کا آخری لمحہ آپہنچا۔ مجھے اس کی تلاش میں بھٹکنے کی ضرورت کیا ہے۔ میں یہاں اس کی واپسی کا انتظار کرسکتا ہوں۔ میں یہاں روپوش بھی رہ سکتا ہوں۔ محفوظ بھی... ایک نئے نام اور نئی شناخت کا نقاب اوڑھ کر۔

بظاہر ہاجرہ بیگم کا گھر مجھے بہترین پناہ فراہم کرسکتا تھا۔ مجھے بھی اور ریشم کو بھی۔ مجھے یہاں اپنی نئی شناخت بنانا آسان ہوگا۔ ہاجرہ بیگم کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو سوال کرتا کہ یہ تم نے کس اجنبی کو بیٹا بنالیا ہے اور کیوں؟

صبح میں نے ریشم کو اپنے فیصلے سے مطلع کردیا۔ ”ہم فی الحال کہیں نہیں جا رہے۔“

اس نے میرے فیصلے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ ”ہاں، ضرورت کیا ہے بھٹکنے کی۔“

میں نے کہا۔ ”فی الحال کا مطلب سمجھتی ہو نا؟“

اس نے اقرار میں سر ہلایا۔ ”ہاں سیاق تم سمجھا دو۔“

”نہ میں نورین کی تلاش سے تائب ہوا ہوں اور نہ نادر شاہ سے انتقام کی خواہش سے۔“

ریشم کا چہرہ اتر گیا۔ ”میں بھی... لیکن بھائی...“ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش ہوگئی۔

وہ پورا ہفتہ میں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے میں گزارہ۔ ایک مقصد تھا ہاجرہ بیگم کو اپنی وفاداری اور بے ضرر ہونے کا یقین دلانا۔ وہ اکیلی عورت ہر بار نئے ملازموں سے توقعات وابستہ کرلیتی ہوگی کہ یہ وفادار ثابت ہوں گے اور وہ ان پر بھروسا کرسکے گی مگر جب اپنی اولاد بڑھاپے میں سہارا نہ دے پائی تو پھر غیر سے کیا توقع... جذبات کے رشتے خریدے نہیں جاسکتے۔ میں چاہتا تھا کہ یہ رشتے دوطرفہ بنیادوں پر چلتے رہیں تو وقت کے ساتھ مالک اور ملازم کے فرق کا احساس نہ رہے۔ ان کے درمیان ضرورت کا تعلق ایسی ضرورت بن جائے جس میں انحصار دوطرفہ ہو۔ ریشم اسے اپنے گھر کی طرح اور ہاجرہ بیگم کو ماں کی جگہ سمجھنے لگے۔ اس کی زندگی میں محبت کا یہ خانہ ہمیشہ سے خالی تھا۔ ایسی ہی ضرورت ہاجرہ بیگم کی تھی۔ ان کی بیٹی نہیں تھی۔ وہ ریشم کو خادمہ نہیں بیٹی کی جگہ دے سکیں تو یہ گھر ریشم کا ہوسکتا تھا اور میں اس کی طرف سے بے فکر ہو کے کہیں بھی جاسکتا تھا۔

ایک ایک ہفتے میں میری بڑھ جانے والی شیو نے باقاعدہ خشخشی داڑھی کی شکل اختیار کرلی اور میں نے ایک بار بر سے اس کو بنوایا۔ ہاجرہ بیگم نے کسی حیرانی یا تجسس کا اظہار نہیں کیا۔ وہ پوچھتی تو میرا جواب یہی ہوتا کہ نیک کام کی توفیق جب ملے غنیمت... اس تبدیلی نے مجھے بہت اعتماد دیا۔ میں نے ریشم سے پوچھا تو اس نے بڑے وثوق سے کہا کہ میرا چہرہ ایک نظر میں پہچانا نہیں جاسکتا۔ خود میں نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کے اطمینان حاصل کیا۔

میں ایک بار ہاجرہ بیگم کو گاڑی میں ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ وہ ایک پرائیویٹ اسپتال تھا جہاں ہاجرہ بیگم کا نام سب جانتے تھے۔ رجسٹریشن کاؤنٹر سے ڈاکٹر کی معاون نرس تک سب نے ان کو بہت احترام دیا اور میں ان کو سہارا دے کر چلنے میں مدد کرتا رہا۔ وہاں دیگر مریض اپنی باری کے انتظار میں تھے۔ نرس نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ ہیں اور ڈاکٹر نے انہیں اسی طرح ریسیو کیا۔ ان کا چیک اپ بہت رسمی سا اور مختصر تھا۔ ڈاکٹر نے مسکرا کے کہا۔ ”ونڈرفل آنٹی! آپ اچھا خیال رکھتی ہیں اپنا... بس ایسے ہی خوش وخرم رہیے تو سو سال کی گارنٹی... یہ کون ہے؟“ اس نے میری طرف دیکھا۔

”یہ... سب کچھ... باڈی گارڈ... ہیلپر...

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ڈرائیور... جب تک ہے..." انہوں نے ٹھنڈی سانس لی۔

ڈاکٹر ایک دم اٹھا۔ "میں ابھی آیا۔ دو منٹ میں۔" باہر جاتے ہوئے اس نے مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

چند سیکنڈ بعد میں نے ہاجرہ بیگم سے کہا۔ "میں نے شاید گاڑی لاک نہیں کی تھی... دیکھ لوں۔"

ڈاکٹر نے مجھے کاؤنٹر پر روک لیا۔ "دیکھو... کیا نام ہے تمہارا؟"

"خاور سلیم۔" میں نے کہا۔

"ہاجرہ آنٹی کا دل کافی کمزور ہے اور ناقابلِ اعتبار... یہ عمر کا تقاضا ہے۔ تمام اعضا کی کارکردگی صفر کی جانب جا رہی ہے۔ ان کا ہر وقت خیال رکھو اور گرنے سے بچاؤ... ورنہ جب ہڈی ٹوٹ گئی تو پھر یہ نہیں اٹھیں گی۔ جیسے ابھی لائے تھے تم... ایسے وہ گر سکتی ہیں۔ وہیل چیئر استعمال کرنی چاہیے انہیں... اور ان کی دوا تو ایک ہی ہے لیکن فوڈ سپلیمنٹ بھی ضروری ہیں۔ کیلشیم اور ڈی تھری کا انجکشن دوں گا۔ وہ ان کو پلا دینا۔ بس... وہ بیچ جا سکتے ہیں۔ سوپ غذا میں رکھو... چکن اور وجیٹیبل..." میں صرف سر ہلاتا رہا۔ وہ واپس کمرے میں جاتے جاتے چند سیکنڈ کے لیے رکا۔ "اگر کسی دن وہ رات کو ٹھیک سوئیں اور صبح نہ اٹھیں تو حیران پریشان مت ہونا... بس مجھے فون کر دینا۔"

میں کچھ دیر ہکا بکا کھڑا رہا۔ مہذب پروفیشنل انداز میں اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ بڑی بی کی عمر کے دن پورے ہوئے۔ اب انہیں جانا ہے تو ان کا جانا کوئی نہیں روک سکتا۔ بس جب تک جی رہی ہیں خیال رکھو... میں کچھ دیر بعد گیا تو ڈاکٹر ان سے کہہ رہا تھا کہ وہیل چیئر استعمال کریں۔ "آپ کے لیے جو مناسب ہوگی میں منگوا لوں گا۔ آپ کا شوفر لے جائے۔"

وہ کچھ اداس ہوگئیں۔ "یعنی اب ٹانگوں کا کوئی مصرف نہیں رہا۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ آپ کو باہر لے جائے گا۔ کسی پارک میں... وہاں تھوڑا بہت چلیں۔ ابھی تو آپ کمرے میں بند ہیں۔"

اب ریشم رات کو دوسرے کمرے میں سونے لگی تھی۔ ہاجرہ بیگم کو کھانا کھلا کے وہ میرے پاس آ گئی۔ آج اس نے اپنے لیے الگ کھانا بنایا تھا۔ میں نے اسے وہ سب بتایا جو ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا۔ "ہم تو پھنس گئے ریشم۔"

"کسی دن ان کے سامنے بھی ریشم کہہ دو گے... نور کہا کرو۔"

"نہ ہم یہاں مستقل رہ سکتے ہیں، نہ چھوڑ کے جا سکتے ہیں۔ اور خدانخواستہ ان کو کچھ ہو گیا تو ہمارے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔ کریں گے بھی سب ہم اور بھریں گے بھی۔"

"الزام سے ڈرتے ہو؟"

"میں جواب دہی سے ڈرتا ہوں۔ پتا نہیں کون کیا سمجھے اور کیا کہے۔ خوانخواہ کے شک کا اظہار بھی کر دیا کسی نے تو مشکل ہو جائے گی اور کسی کا تو پتا نہیں۔ دور کے رشتے دار ہیں یا نہیں... مگر وارث تو ہیں نا۔"

"ابھی سے اتنا دور کی مت سوچو... اللہ ہے بچانے والا جو سب دیکھ رہا ہے اور نیتوں کا حال بھی جانتا ہے۔ ابھی کہاں جانا ہے انہیں ویسے بھی۔" وہ بولی اور پھر کچھ دیر خاموش رہی۔ "تم جانے کا سوچ رہے ہو گے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ جواب ہاں تھا اور یہ بات ریشم جانتی تھی۔ جب وہ سونے چلی گئی تو لائٹ آف کر کے میں نے بھی آنکھیں بند کر لیں مگر اندھیرے میں اس سوال کی بازگشت موجود رہی جس کا میں نے جواب نہیں دیا تھا۔ تم جانے کا سوچ رہے ہو گے؟ میں جانے کا کیوں نہ سوچتا... یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ جذبات کے وہ تقاضے جن کے درمیان قطبین کا فرق باقی نہ رہے۔ میرے وجود کا سفر محبت اور نفرت کی انتہا کے درمیان جاری تھا۔ ایک طرف آگ تھی اور دوسری طرف بھی آگ تھی لیکن دونوں کی نوعیت الگ تھی۔ ایک انتقام کی آگ تھی۔ تباہ کرنے والی۔ جلا کے راکھ کرنے اور مٹا دینے والی۔ دوسری محبت کی آگ تھی۔ چاندنی جیسی ٹھنڈک رکھنے والی۔ جو گھر بسانے کے خواب رکھتی تھی۔ آباد کرنے والی اور دل کو راحت پہنچانے والی تھی۔ نہ میں نادر شاہ کو تباہ کر دینے مٹا دینے کی خواہش چھوڑ سکتا تھا اور نہ نورین کو پانے کی۔ دونوں متضاد جذبات پر میری عقل کا کوئی اختیار نہ تھا۔ پھر میں کیسے نہ جاؤں۔

باہر آسمان پر بجلی چمکنے لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے میں تاریکی میں شعلے سے بھڑکتے دیکھ سکتا تھا۔ اب ہوا تیز ہونے لگی تھی۔ اڑنے والے پتے شیشوں پر کنکروں کی طرح لگ رہے تھے۔ اچانک لائٹ آف ہو گئی۔ شاید یہ بریک ڈاؤن تھا۔ بوچھاڑ شیشوں پر پڑ رہی تھی۔ کھڑکی کے دونوں پٹ ایک ساتھ کھل گئے اور میں نے انہیں بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اندھیرے میں لیٹ کر میں بادلوں کی گرج، تیز بارش کا شور اور ہوا کی سیٹیوں جیسی شائیں شائیں سن سکتا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ پورا کھل گیا۔ یہ عجیب بات تھی۔ ہوا کا رخ مخالف سمت میں نہ ہوتا تو کھڑکی کیوں کھلتی اور ہوا کی یلغار کھڑکی پر ہوئی تھی تو مخالف سمت کی دیوار میں لگا ہوا کمرے کا دروازہ اندر کی طرف سے کیسے کھل گیا۔ باہر برآمدہ تھا اور اس کے آگے صحن میں پانی کے طوفانی دھارے دکھائی دیتے تھے۔ صحن میں جمع پانی میں بلبلے بن اور ٹوٹ رہے تھے۔ بجلی کے لپکتے کوندوں سے صحن روشن ہوتا تھا اور پھر تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔ میں نے دونوں پٹ تھام کے انہیں ملانے کا سوچا ہی تھا کہ منظر یوں بدل گیا جیسے کسی نے ٹی وی کا چینل بدلا ہو۔ میری آنکھوں نے ایک منظر دیکھا جو میری یادوں میں زندہ تھا۔ وہ صحن بدل گیا۔ وہاں بارش نہ رہی۔ تیز ہوا کا شور نہ رہا۔ گرج چمک نہ رہی۔ وہاں تاریکی میں سفید کفن میں ملبوس میرا بھائی کھڑا تھا۔ زندہ سلامت... جیسا وہ تھا۔ خوب صورت... باوقار... شفیق... اور اس کے کفن کی سفیدی پر سرخ داغ تھے جو پھیل رہے تھے۔

میں چلا کے بے تابانہ آگے بڑھا۔ ”بھیا...!“

وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے اپنا ایک ہاتھ مجھے روکنے کے لیے آگے بڑھایا۔ ”نہ منے... آگے مت آ... وہیں رک جا۔“

میرے قدم رک گئے۔ ”کیوں بھیا؟“

”مجھے جانا ہے منے... میں تو یہی کہنے آیا تھا کہ وہ سب جھوٹ ہے جو مجھے مارنے والے میرے بارے میں بول رہے تھے۔“

”میں جانتا ہوں بھیا... اچھی طرح جانتا ہوں۔“

”میں بھی تجھے اکیلا نہ چھوڑتا... میں نے تجھے پڑھا لکھا کے بڑا آدمی بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔“

”ہاں بھیا، آپ کہتے تھے کہ وکیل بننا۔ ہائی کورٹ کا اور پھر سپریم کورٹ کا جج بن کے مظلوموں کو انصاف دلانا۔“

”مگر انصاف تو مجھے بھی نہیں ملا۔ کتنی ناانصافی ہوئی میرے ساتھ... سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیا گیا۔“

”آپ کا انصاف میں کروں گا بھیا۔ آپ کے قاتل کیفرِ کردار کو پہنچ جائیں گے۔“

”کب منا... کب۔ آج کتنے سال ہو گئے... تجھے یاد ہے کچھ...؟“

”تین سال۔“

”نہیں، چار سال... آج پورے چار سال ہو گئے۔ تجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ آج میری برسی تھی۔“ وہ اداسی سے بولے۔

”تاریخ سے میں ماہ و سال کا کیا حساب رکھوں، وقت کا حساب تو انہوں نے گڑبڑ کر دیا جو تمہارے بعد مجھے بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا کی عدالت کی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں سچ کیا ہے اور میں انصاف کروں گا۔ اب میں پھر آزاد ہوں بھیا۔ میں بھولا کچھ نہیں ہوں۔“ آنسو میری آنکھوں سے بہتے رہے۔

”وقت بڑا سفاک ہے منا... یہ سب بھلا دیتا ہے۔ ہر زخم بھر دیتا ہے۔ لیکن میری روح کو سکون تب ملے گا جب مجھے انصاف ملے گا اور یہ کام تو کرے گا۔ تو بھولے گا تو نہیں۔“

”میں کیسے بھول سکتا ہوں بھیا۔“ میں پھر آگے بڑھا۔

”پھر میں چلتا ہوں۔“ وہ پیچھے ہٹے اور فرش پر ویسے ہی لیٹ گئے۔ جیسے میں نے انہیں کفن پہن لینے کے بعد دیکھا تھا۔ میں ایک دم چلایا۔ ”بھیا...!“ اور آگے بڑھا۔ میں پوری قوت کے ساتھ بند دروازے سے ٹکرایا اور وہیں گر گیا۔

”خاور... خاور... اٹھو... آنکھیں کھولو...“ میرے کانوں نے ریشم کی آواز سنی۔

میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ میں دروازے کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ریشم مجھ پر جھکی ہوئی تھی اور میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈال رہی تھی۔ وہ پانی ٹھنڈا تھا۔ پھر گرم پانی کے قطرے میری پیشانی پر گرے۔ یہ ریشم کے آنسو تھے۔ باہر اسی طرح طوفانِ باد و باراں جاری تھا۔ صحن میں بلبلے ناچ رہے تھے۔ بجلی چمکی تو میں نے خالی صحن کو دیکھا۔ یہ جگہ وہ نہیں تھی۔ یہ وقت وہ نہیں تھا۔

میں اٹھ بیٹھا۔ ”آئی ایم سوری... مجھے کیا ہوا تھا؟“

”میں نے تو آواز سنی۔ دوسرے کمرے میں تم کسی سے باتیں کر رہے تھے... اور آ کے دیکھا تو تم یہاں پڑے ہوئے تھے۔“

میں نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ ”یہ دروازہ بند تھا۔ رونا بند کرو۔“ میں نے ریشم کے آنسو پونچھے۔

”ہاں، مگر اندر سے کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی۔ کیا ہوا تھا خاور؟ کس سے باتیں کر رہے تھے... تم؟“

میں نے کہا۔ ”میرا خیال ہے... وہ خواب تھا... میں نیند میں بول رہا تھا۔“ میں نے جھوٹ بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''مگر تم یہاں کیسے گر گئے؟''

''مجھے چکر آ گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں... مگر اب میں ٹھیک ہوں۔ تم جا کے سو جاؤ۔''

''نہیں، پہلے تم سو جاؤ۔ میں بیٹھی ہوں یہاں۔ جب تک تم نہیں سو جاؤ گے میں جاگتی رہوں گی۔'' ریشم بولی۔

''ہاں، تم دیکھو نور... ورنہ ڈاکٹر کو فون کر دو۔'' پیچھے سے ہاجرہ بیگم نے کہا۔

''نہیں نہیں... اس کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی موسم خراب ہے۔'' میں نے کہا۔

''وہ آ جائے گا۔'' ہاجرہ بیگم اپنے عصا کے سہارے کھڑی رہیں۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ آرام کریں۔ نور ہے نا میرے پاس۔'' میں نے اصرار کیا۔

بیڈ پر لیٹ کر میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس کی ٹک ٹک پنڈولم کی حرکت کے ساتھ صاف سنائی دیتی تھی۔ اس میں رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے... صرف آدھا گھنٹا پہلے وہ تاریخ آئی تھی جب بھیا مجھے چھوڑ گئے تھے۔ معلوم نہیں انہوں نے ایسا کیوں سمجھا کہ مجھے ان کی برسی یاد نہیں رہے گی۔ یہ تاریخ تو میری کتاب زندگی کے کورے صفحے پر ان کے خون کی سرخی سے لکھی ہوئی تھی۔ ریشم کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر بعد آہستہ آہستہ خراٹے بھی لیے۔ اس نے لائٹ آف کی اور دروازہ بند کر کے چلی گئی تو میں نے آنکھیں کھول کے تاریکی میں اس منظر کا تصور کیا جو کچھ دیر پہلے میرے روبرو تھا۔ آخر وہ کیا تھا؟ فریبِ نظر، خواب... طلسم خیال یا لاشعور کا کھیل؟ کیا یہ کسی قسم کی نفسیاتی یا ذہنی بیماری تھی؟ ایسے ہی میں نورین کو دیکھتا تھا۔ محسوس کرتا تھا جیسے وہ میرے سامنے ہو... یادوں کی البم میں محفوظ ایک منظر کیسے حقیقی بن کے میرے سامنے آ گیا تھا۔

یہ صرف شدتِ احساس کا کرشمہ تھا۔ خواہش کا دباؤ تھا جس نے میرے اعصاب اور ذہن کو گھڑی کے جالے کی طرح گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس سے نجات کی ایک ہی صورت تھی... خواہش کی تکمیل۔ صبح کا اجالا نمودار ہونے تک میں جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔

صبح تک دو بار میری آنکھ بھی لگی۔ ایک بار مجھے لگا کہ کسی کا ہاتھ میری پیشانی پر ہے مگر میں نے آنکھ کھول کے دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ یہ ضرور ریشم ہی ہو گی۔ ہاجرہ بیگم کے ساتھ رہنا اس کی مجبوری تھی مگر جب موقع ملا وہ بھائی کو دیکھنے بھی آتی رہی اور صبح جب وہ میرے ساتھ ناشتا کر رہی تھی تو میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہاں وہ بار میں دیکھنے آئی تھی۔ وہ بضد تھی کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔ آخر یوں اچانک بے وجہ بے ہوش ہو کے گر جانے کا سبب معلوم تو ہونا چاہیے۔ میری بات سے وہ قائل ہونے والی نہیں تھی کہ مجھے کچھ نہیں ہوا اور میں ٹھیک ہوں۔ پھر کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ ہاجرہ بیگم کو ڈاکٹر نے فون کر کے کہا کہ آپ کے لیے وہیل چیئر آ گئی ہے۔ ڈرائیور کو بھیج کر منگوا لیں۔

ہاجرہ بیگم نے مجھے طلب کیا۔ ''یہ پانچ ہزار کا چیک ہے۔ میں نے بینک میں فون کر دیا ہے بینک سے اسپتال چلے جاؤ۔ ڈاکٹر کو ساڑھے تین ہزار دینے ہیں اور وہیل چیئر لانی ہے۔''

میں نے کہا۔ ''ڈاکٹر صاحب ایمبولینس میں وہیل چیئر بھجوا دیتے اور آپ قیمت کا چیک دے دیتیں۔''

''تم سے جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ ارے ایسے پوری بات سنے بغیر کہاں منہ اٹھا کے چل پڑے۔ کیسے لاؤ گے وہیل چیئر؟''

''ٹیکسی یا تانگے میں۔''

''یہ گاڑی کی چابی لو۔'' انہوں نے تکیے کے نیچے سے چابی نکالی۔ ''چلا لو گے گاڑی؟''

''کل چلائی تھی۔ آپ نے دیکھ لیا۔''

''میرا مطلب تھا طبیعت ٹھیک ہے نا۔ وہاں جا رہے ہو تو ڈاکٹر کو بھی بتا دینا۔ وہ فیس نہیں لے گا تم سے مگر جو دوا لکھے وہ ضرور لے آنا... جاؤ۔''

ڈاکٹر سے میں اپنی بیماری کی کوئی بات کیسے کر سکتا تھا مگر اس نے مجھے ہاجرہ بیگم کی دیکھ بھال پر پورا لیکچر دیا جو وہ گزشتہ روز ان کے سامنے نہیں دے سکا تھا۔ اس نے ہاجرہ بیگم کو خوش اور مطمئن رکھنا میرا اخلاقی فرض قرار دیا۔ ''تم یہی کر سکتے ہو کہ جتنے دن وہ زندہ رہیں ان کو سکون ملے اور علاج ان کا دوا سے نہیں، خوشی اور اطمینان سے ہو گا۔ اعتماد اور یقین سے ہو گا۔ جینے کی خواہش نہ ہو تو آدمی زندہ نہیں رہتا۔ ان کو دنیا میں رکھو جس سے ان کا رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ باہر لے جاؤ... ان سے باتیں کرو۔''

میں سر ہلا کے ''اچھا جی'' کہنے کے سوا کر ہی کیا سکتا تھا۔

اب ہم ایک معمول کے پابند تھے۔ میں ہر روز بینک جا کے ہزار روپے لاتا تھا اور گھر کا سودا... اخبار جو روز پڑھنے کو ملتا تھا لاہور کراچی سے شائع ہوتا تھا اور اس میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ملک کے دیگر اضلاع کے لیے ایک صفحہ تھا۔ ظاہر ہے اس میں غیر اہم خبروں کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ میں بازار سے ملتان کا ایک اخبار لانے لگا جو اردو میں شائع ہوتا تھا۔ اس میں ملتان اور گردونواح کی خصوصاً جرائم اور وارداتوں کی خبریں زیادہ ملتی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہاجرہ بیگم آرام کرتی تھیں تو ریشم کو فراغت ملتی تھی۔ ہاجرہ بیگم کی نیند رات میں ڈسٹرب ہوتی تھی۔ وہ جوانی کی نیند یاد کرتی تھیں کہ سورج سر پر آجاتا تھا مگر پتا نہیں چلتا تھا۔ رات کو انہیں سیدھا لیٹنے سے سانس چڑھتی تھی۔ وہ تکیہ اونچا رکھتی تھیں اور کم سے کم تین بار باتھ روم جانے کے لیے اٹھتی تھیں۔ ان کے ساتھ ریشم کا رہنا ضروری تھا کہ وہ کہیں گر نہ جائیں۔ دن میں کبھی ریشم بھی رات کی نیند پوری کرتی تھی ورنہ ہم باتیں کرتے رہتے تھے۔

ایسے ہی ایک دن بیٹھے بیٹھے میں نے پوچھ لیا۔ ”تمہیں انور یاد نہیں آتا؟“

اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے کچھ دیر بعد سر ہلایا۔ ”آتا ہے... وہ شروع سے تو ایسا نہیں تھا۔ وہ سچ مچ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پھر... نہ جانے کیا ہوا کیسے بدل گیا۔ بدلا بھی نہیں... بس دو حصوں میں بٹ گیا۔“

”جاگیر اور محبت میں... بیچ میں روزینہ آ گئی۔“

”ہاں بھائی... وہ جو اس کے بڑے تھے جو خاندانی شرافت اور برتری کا جھنڈا اونچا رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے زبردستی روزینہ کو بھی اس کی زندگی میں ڈال دیا۔ ایک سودا کیا کہ چلو اس کم ذات لڑکی کو بھی رکھو مگر دوسرے درجے پر... اور وہ ذلیل آدمی مان گیا۔ محبت کو جاگیر پر ترجیح نہ دے سکا۔ مجھے قائل کرتا رہا کہ اس سے فرق نہیں پڑتا مگر میں اسی ماحول میں پلی بڑھی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ خاندانی اور غیر خاندانی بیوی تو کبھی برابر تھیں اور نہ ہوں گی۔ کچھ عرصے بعد میری حیثیت دو کوڑی کی ہو جاتی۔ حکم روزینہ کا چلتا اور وہ مجھے کس طرح ذلیل کرتی... کتنا خوار کرتی... مجھے اندازہ تھا۔“

”مگر یہ ہوا تو نہیں۔“

”مگر تم نے کیا دیکھا نہیں، انور کتنا بدل چکا تھا۔ اس کے خون میں شامل خاندان اور جاگیر کا غرور اس کی تعلیم پر بھی غالب آ گیا تھا۔ یہی انور تھا جو کہتا تھا کہ زمین ہاریوں کو دے دو۔ وہ غلام نہیں انسان ہیں۔ اب اس کا رویہ دیکھو، خدا نے اچھا سبق دیا ہے۔ روزینہ کیسا اس کے منہ پر تھوک کے گئی۔ لعنت تمہاری جاگیر پر اور اس عزت پر۔“

میں نے کہا۔ ”تم خوش ہو اس انجام پر... انور کی بےعزتی پر؟“

”خوش؟ پتا نہیں خوشی کسے کہتے ہیں۔ خوشی وہ تھی جو مجھے تھوڑے دن ملی تھی۔ جب اس نے مجھ سے واقعی محبت کی تھی، کسی مجبوری کے بغیر۔“

”اور تم... کیا واقعی اس کی محبت کی جگہ تمہارے دل میں نفرت آ گئی ہے؟“

وہ میرے پیچھے دیوار کو دیکھتی رہی۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“

”فرض کرو، اگر وہ آ جائے تمہیں منانے... ہاتھ جوڑ کے تمہارے پاؤں پڑ جائے۔ اپنی غلطی مان لے تو کیا تم اسے معاف کر کے اس کے ساتھ چلی جاؤ گی؟“

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”ایسی باتیں فرض مت کیا کرو بھائی جو ناممکن ہیں۔ وہ اپنا شملہ نیچا نہیں ہونے دے گا۔ میرے جیسی بے حیثیت لڑکیاں بہت ملیں گی اسے جو اس کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیں گی۔ اس کا سر نہیں جھکے گا کبھی۔“

”تمہارا چہرہ تمہاری زبان کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ غصے سے بولی۔

”دنیا میں ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔ اگر وہ آ گیا تو تم انکار نہیں کر سکو گی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں، وہ ڈراما کر سکتا ہے۔ کسی کے کہنے پر... اب روزینہ نہیں تو واپس ریشم کی طرف جا کے دیکھو۔ شاہینہ جیسی چالاک عورت اسے پٹی پڑھا سکتی ہے۔ ضمیر کی بات مت سنو۔ خاندان دیکھو اپنا۔ آخر تم سب ہی ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بناتے رہے ہو۔ چوہدری، ڈی سی، ایس پی ان سب کے سامنے جھکتے ہو۔ مگر بھائی... میں اس ڈرامے سے نکل گئی ہوں بھائی۔ میں نہیں جاؤں گی اور آئندہ مجھ سے انور کے معاملے میں بات مت کرنا ورنہ میں سمجھوں گی کہ تم بھی اب مجھ سے جان چھڑانے کے لیے بہانے کی تلاش میں ہو۔“ وہ احتجاجی انداز میں واک آؤٹ کر گئی۔

نہ جانے کیوں میرے اندر کی آواز پھر بھی کہتی رہی کہ ابھی ریشم لاکھ نفرت کا اظہار کرے اور جو اس نے کہا وہی اس کے دل کی آواز بھی ہو۔ مگر دل تو پاگل ہے۔ موم سے پتھر بنا تو پھر موم بھی ہو سکتا ہے۔ محبت اندر سے کمزور کر دیتی ہے۔ جیسے دیمک لگی لکڑی... کوئی طاقتور سمجھا جانے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

والا مرد جب اس پر ندامت کے آنسوؤں اور مستقبل کے نئے وعدوں کے ہتھیار سے حملہ کرے تو وہ کہاں مزاحمت کر سکتی ہے۔

ہر شام میں ہاجرہ بیگم کی وہیل چیئر کو فولڈ کر کے گاڑی میں رکھتا تھا۔ پھر انہیں گاڑی میں آگے بٹھاتا۔ ریشم پیچھے رہتی اور ہم کینٹ پارک جاتے تھے۔ ایک بار انہوں نے پارک جانے سے پہلے بازار جانے کی خواہش ظاہر کی اور ہم نے پہلے آئس کریم کھائی۔ پھر انہوں نے ریشم کے لیے کپڑے خریدے۔ ریشم کے انکار کے باوجود۔

دوسری مرتبہ واپسی پر وہ پھر بازار جانے پر مُصر ہوگئیں اور اب انہوں نے پہلے میرے لیے کپڑے خریدے۔ میرے انکار کے باوجود... پھر وہ ہمارے ساتھ ایک بہت اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے گئیں۔ وہاں انہوں نے مجھے اور ریشم کو بھی اپنے ساتھ بٹھایا اور مجبور کیا ہم مینیو دیکھ کے اپنی پسند کا آرڈر کریں۔ میں ہی نہیں ریشم بھی اچھے ہوٹلوں میں جانے اور کھانے کا تجربہ رکھتی تھی۔ میری خواہش تھی کہ وہ کوئی سادہ سی چیز منگوائے۔ عام کھانا جو عام آدمی گھر میں کھاتا ہے۔ مگر اس نے اٹالین اور چائنیز منگوائے۔ مجھے ہاجرہ بیگم کے چہرے پر حیرانی نظر آئی۔ وہ ریشم کے اعتماد کو بھی حیرانی سے دیکھتی رہیں۔ ریشم سے بلاارادہ ایک غلطی ہو چکی تھی۔

میرا خیال تھا کہ خرابی اس دن ہوئی جب ایک ہفتے بعد میں ان کے ساتھ پارک میں اکیلا تھا۔ میں پیچھے سے وہیل چیئر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ کبھی پھولوں کی رنگینی پر خوش ہوتی تھیں اور کبھی دوڑتے بھاگتے بچوں کو سبزے پر گرتے قلابازیاں کھاتے دیکھ کے ہنستی تھیں۔ "وہ دونوں بھی ایسے ہی تھے۔" ان کی زبان سے نکل گیا۔

"کون دونوں؟" میں پوچھ بیٹھا اور پھر اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ظاہر ہے وہ اپنے دونوں بیٹوں کی بات کر رہی تھیں اور یہ پچاس سال پہلے کی بات تھی۔ اب وہ بھی بوڑھے ہوں گے اور ان کے بچے جوان۔ شاید ہاجرہ بیگم کے پڑپوتے اسی طرح امریکا میں ہوں۔ انہوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا اور میں نے آگے ہو کے دیکھنے کی ہمت نہیں کی کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں... ریشم برقع میں تھی مگر نقاب ہٹا کے رکھتی تھی اور پارک کے دوسرے کنارے پر بنے ہوئے اسٹال سے کون آئس کریم لینے گئی ہوئی تھی اس کی فرمائش بھی ہاجرہ بیگم نے کی تھی۔ واقعی بوڑھا بچے برابر ہو جاتے ہیں لیکن وہ انجوائے کر رہی تھیں اور خوش تھیں۔

اچانک میری نظر دیوار پر لگے جنگلے سے باہر سڑک پر گئی جہاں ٹریفک رواں تھی۔ جنگلے کے دوسری طرف فٹ پاتھ تھی۔ اس پر دونوں طرف سے لوگ آ جا رہے تھے۔ کافی فاصلے پر میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ سلونی تھی۔ میں بے قابو ہو کے لپکا اور لوہے کی گرل کو تھام کے چلایا۔ "سلونی!" اوپر نکیلی سلاخیں نہ ہوتیں تو شاید میں جنگلے پر چڑھ کے دوسری طرف کود جاتا۔ وہ عورت ایک رکشے میں بیٹھ گئی لیکن بیٹھنے سے پہلے اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ اک نگاہ جو بظاہر نگاہ سے کم تھی۔ اعتراف رکھتی تھی کہ وہ سلونی ہے ورنہ کوئی اور ہوتی تو متوجہ ہی کیوں ہوتی۔ لگتا ایسے ہی تھا کہ وہ فرار ہو گئی۔

پیچھے سے ریشم نے آواز دی۔ "بھائی! کیا دیکھ رہے ہو۔ آئس کریم پکڑو۔"

رکشا جا چکا تھا مگر میں جنگلے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑا تھا۔ ریشم کی آواز پر میں پلٹا اور کون آئس کریم لے لی جو اس سے پگھلنے لگی تھی۔

"کون تھا؟" ہاجرہ بیگم نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ایک جاننے والا نظر آیا تھا۔" میں نے ٹالنے کے لیے کہا۔

"جاننے والا... یا جاننے والی؟" انہوں نے آئس کریم کون کو چاٹتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"

میرا خیال تھا کہ بات ختم ہو گئی۔ ریشم نے اشارے سے سوال کیا تھا کہ کون تھا؟ اور میں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ اس رات کھانے کے بعد ہاجرہ بیگم نے مجھے طلب کیا۔

"ذرا ادھر تشریف لائیے مولانا... بیٹھیے۔"

اب وہ مجھے مذاق یا بے تکلفی میں کبھی کبھی مولانا کہتی تھیں کیونکہ میری سیاہ داڑھی اب ایک مشت ہو چکی تھی۔ میں سامنے بیٹھ گیا اور تابعداری سے بولا۔ "فرمائیے... کیا حکم ہے؟"

"حکم نہیں... کچھ پوچھنا تھا اگر آپ سچ بتائیں۔"

"میں جھوٹ کیوں بولوں گا آپ سے۔" میں نے عاجزی سے کہا۔

"اس لیے کہ اب تک تم بولتے رہے ہو۔" ہاجرہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "یہ سلونی کون تھی؟"

میں نے حواس برقرار رکھے مگر ریشم کے چونکنے سے خرابی ہوئی۔ مجھے فوراً ایک جھوٹ تراشنا پڑا۔ "وہ... ایک

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

رشتہ تھا بھی... آج بہت عرصے بعد نظر آئی تو میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا لیکن وہ اجنبی بن گئی۔''

ریشم نے میری بات کو آگے بڑھایا۔ ''ہمارے حالات نہ بگڑتے تو بھائی کو یہ صدمہ نہ جھیلنا پڑتا۔ وہ بھابی بن کے ہمارے گھر میں آجاتی لیکن وقت بدلا تو سب کی نظر بدل گئی۔''

ہاجرہ بیگم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں اور میری طرف جواب طلب نظروں سے دیکھتی رہیں۔ ''سولانا؟''

میں نے کہا۔ ''اس سے زیادہ کچھ ہے بھی نہیں بتانے کے لیے۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولیں۔ ''تم کون ہو؟ تم دونوں؟''

میں نے نارمل رہنے کی ناکام کوشش کی۔ ''ہم بتا چکے ہیں آپ کو سب کچھ۔''

''وہ جھوٹ تھا۔ نہ تمہارا نام خاور سلیم ہے نہ یہ نور ہے۔ میں نے معلوم کرا لیا ہے۔ جو پتا تم نے بتایا تھا وہاں تمہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔'' ہاجرہ بیگم نے اپنا سپاٹ لہجہ برقرار رکھا۔

خاموشی کا ایک مختصر اعتراف کا وقفہ آیا جو مجھے زیادہ طویل محسوس ہوا۔ میں فوری طور پر طے کرنے سے قاصر تھا کہ ان کے سوال کے جواب میں مزید جھوٹ بولوں یا سچ بتاؤں تو اتنا ہی جتنا ضروری ہے۔ ریشم نظر جھکائے چپ بیٹھی تھی اور کبھی کبھی آنکھیں اٹھا کے مجھے دیکھ لیتی تھی۔ میں نے زیادہ سے زیادہ وقت لیا۔ جواب کا ہاجرہ بیگم کو انتظار تھا۔ ان کے پھر پوچھنے تک میں نے جواب تیار کر لیا۔

''سوچ لیا نیا جھوٹ؟'' بالآخر انہوں نے تلخی سے کہا۔

''میری مجبوری تھی بیگم صاحب... ہم دونوں کی جان خطرے میں تھی... اور ہے۔''

''یعنی سچ نہیں بتا سکتے تم... ٹھیک ہے۔ میں بھی رسک نہیں لے سکتی۔ تم دونوں اپنا سامان اٹھاؤ ابھی... اپنے پیسے لو اور چلے جاؤ۔'' انہوں نے سرہانے رکھا ہوا بیگ اٹھایا۔

میں نے کہا۔ ''یہ بات نہیں... آپ پر بھروسا کرتے ہوئے مجھے ڈر محسوس نہیں ہوتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہماری وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے حق میں بھی بہتر تھا کہ ہم گمنام رہیں۔ میں آپ کو سچ بتا دوں گا لیکن اس کے بعد ہمارا یہاں رہنا مشکل اور خطرناک ہو جائے گا۔ ہمارے لیے بھی اور آپ کے لیے بھی۔ اس لیے کہ آپ دوبارہ تصدیق کرائیں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تصدیق کرنے والا کون ہے... یہ نہ ہو کہ وہ بھی پھنس جائے۔''

''تم سب کی فکر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیا سوچ کے آئے تھے تم یہاں۔ کہاں سے... یہ لڑکی کون ہے؟ تمہاری بہن نہیں ہے تو شرم آنی چاہیے تمہیں... کہاں سے بھگا کر لائے ہو اسے؟''

میں نے انہیں روک دیا۔ ''بس ہاجرہ بیگم... ریشم کے بارے میں کوئی غلط سوچ یا کہے... یہ مجھے منظور نہیں۔ ہاں اس کا نام نور نہیں، ریشم ہے۔ اور یہ میری سگی بہن بھی نہیں ہے مگر نہ میں اس کو بھگا کے لایا ہوں اور نہ میرے دل میں کچھ تھا۔ سوائے اس کو بچانے اور کسی دن عزت آبرو کے ساتھ رخصت کرنے کے... جیسے ہی کوئی اچھا رشتہ ملے... میرا نام ہے ملک سلیم اختر... میں آپ کو وہ شناختی کارڈ بھی دکھا دوں گا جو مراداں والی کے چودھری انور علی نے بنوا کے دیا تھا۔''

''یہ مراداں والی کہاں ہے؟'' ہاجرہ بیگم نے کہا۔

''شناختی کارڈ میں میرا یہی مستقل پتا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ میرا اصل نام تو خاور ہی تھا۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ لاہور جا رہا تھا کہ مراداں والی کی نہر پر ایک حادثہ پیش آیا۔ ہم جس گاڑی میں سفر کر رہے تھے وہ حفاظتی جنگلا توڑ کے نہر میں جا گری۔ مجھے تو اس لڑکی نے بچایا۔ میں نہر میں بہتا جا رہا تھا۔ یہ مجھے نکال کے اپنے گھر لے گئی۔ یہ اکیلی نہیں تھی۔ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اس وقت ریشم کا باپ زندہ تھا۔ ماں نہیں تھی۔ باپ بیٹی نے مجھے صحت یاب ہونے تک اپنے گھر میں رکھا۔''

''اور تمہاری بیوی؟''

''اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ڈوب کے مر گئی ہوگی۔ صحت یاب ہونے کے بعد میں کافی عرصے ریشم کے گھر میں تھا اور اس کی تیمارداری نے ہی مجھے نئی زندگی دی۔ میں نے نہر کے ساتھ ساتھ دونوں طرف کے علاقے میں آباد لوگوں سے پوچھا مگر لورین نہیں ملی۔ میری موجودگی میں ہی یہ ہوا کہ ریشم کے باپ کو چودھری اکبر نے قتل کرا دیا۔ وہ مراداں والی کے جاگیردار کا بیٹا تھا اور انتہائی بدچلن اور عیاش... اس کی مدت سے ریشم پر نظر تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ مجھے قتل کے الزام میں گرفتار کرا دے لیکن ریشم کے علاوہ کچھ انصاف پسند لوگوں نے مجھے بچا لیا۔''

''اکبر شادی کرنا چاہتا تھا اور... ریشم سے؟''

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"نہیں جی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور اس کی بیوی پیر اظہر علی شاہ کی بڑی بیٹی تھی۔ پیر صاحب اس کے تایا تھے اور ان کا علاقے میں بڑا اثر رسوخ ہے۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں مرید اور جاں نثار ہیں ان کے۔"

"میں نے نام سنا ہے اس کا۔ شاید ایک ملازم تھا میرا جو اس کا مرید تھا۔"

"اکبر نے بعد میں ریشم کے ساتھ مجھے بھی اٹھوالیا اور حویلی میں قید کر دیا۔ اکبر کا تو کام ہی یہ تھا۔ شراب کے نشے میں دھت رہتا۔ پرائی بہو بیٹیوں کو اٹھواتا... جو شور مچائے اس کی آواز کو طاقت سے یا پولیس کی مدد سے دبا دیتا۔ اس کی بیوی سب برداشت کرنے پر مجبور تھی اور پیر سائیں بھی داماد صاحب کے معاملے میں بے بس تھے۔ نہ جانے کیسے اکبر کی بیوی کو شک ہو گیا کہ اس کا شوہر ریشم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کی عیاشی کو وہ چودھریوں کی عادت اور فطرت سمجھ کے برداشت کرتی تھی۔ لیکن شوہر کی دوسری بیوی کو حویلی کے اندر اپنے برابر کی حیثیت میں قبول کرنا اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ اس نے باپ سے شکایت کی اور پیر سائیں نے اپنے مریدوں سے ریشم کو اٹھوالیا۔ ان کا بیٹی کے گھر میں آنے جانے کا حق برقرار تھا۔ وہ اکبر کے تایا بھی تھے۔ بعد میں اکبر کا قتل ہو گیا۔"

"یہ بھی اس کے سسر نے کرایا ہوگا؟"

"پتا نہیں جی۔ اکبر کی جگہ اس کے بھائی انور نے لے لی۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ اس نے مجھے اپنا مشیر بنا لیا اور میرا یہ شناختی کارڈ بھی بنوا کے دیا۔ لیکن پھر ایک نئی شکل آ گئی۔ پیر سائیں نے مجھے مطلع کیا کہ وہ ریشم سے عقد ثانی کر رہے ہیں۔ اور مجھے پیشکش کی کہ میں ان کی بیوہ ہو جانے والی بیٹی کو نکاح میں لے لوں تو ان کا وارث اور گدی کا جانشین بن سکتا ہوں۔ وہ اچھی عورت نہیں تھی اور خود پیر سائیں ایک فراڈ تھے۔"

"بس بیگم صاحب! میں ریشم کے ساتھ وہاں سے نکل بھاگا۔ مجھے اندازہ ہے کہ پیر نے کتنی بے عزتی محسوس کی ہو گی۔ اس کے منہ پر دو تھپڑ پڑے تھے۔ ریشم نے اس کی دولت اور غیرت پر تھوک دیا تھا اور میں نے اس کی گدی نشینی پر... باپ کے خیال میں تو یہ ہماری بڑی خوش نصیبی اور عزت افزائی تھی۔ یہ ابھی دو ہفتے پہلے کی بات ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ پیر کے حکم پر جان دینے والے مرید ہمارے تعاقب میں ہوں گے اور ہمیں ہر جگہ تلاش کر رہے ہوں گے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی گولی ماردیں گے اور ریشم کو اٹھا کے لے جائیں گے۔ ہم نے اپنا نام اور حلیہ بدل لیا تھا۔ یہ داڑھی میں نے اسی لیے بڑھائی ہے۔ ریشم برقعے میں پھر بھی محفوظ ہے۔ قسمت نے ہمیں آپ کے گھر میں پناہ کا آسرا فراہم کر دیا۔ آپ جیسے چاہیں میری بات کی تصدیق کرائیں۔ بس خیال رہے کہ ہمارے ساتھ خود آپ پر کوئی آفت نہ آئے۔ ہم تو صبر شکر کے ساتھ یہاں وقت گزار رہے ہیں اور خود کو محفوظ بھی سمجھ رہے ہیں۔"

میرے خاموش ہونے کے کچھ دیر بعد ہاجرہ بیگم نے سوال کیا۔ "وہ کون تھی؟ سلونی... اس کا جواب نہیں دیا تم نے؟"

"وہ بھی درگاہ پیر زیادتی کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے فرار میں ہماری مدد کی تھی اور کہا تھا کہ ہم سیدھے یہاں اس کے گھر پہنچ جائیں۔ ریشم کا کچھ زیور اور کچھ میری نقد جمع پونجی اس کے پاس تھی۔ ہم یہاں پہنچے اس سے پہلے ہی سلونی کی نیت بدل گئی۔ وہ بھاگ گئی اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے۔ یہاں ہمارا کوئی آشنا تک نہ تھا۔"

"پھر یہاں کیسے پہنچے؟"

میں نے کہا۔ "اخبار کا اشتہار دیکھ کے... ہمیں جھوٹ بولنا پڑا۔ ورنہ آپ بھی انکار کر دیتیں۔ اب سچ معلوم ہو جانے کے بعد بھی آپ کی مرضی ہے۔ ہم چلے جاتے ہیں۔ خدا کی دنیا بہت بڑی ہے اور اسی پر آسرا ہے۔"

وہ خاموشی سے میری اور ریشم کی صورت دیکھتی رہیں۔ "اگر اس کہانی میں ذرا بھی جھوٹ نکلا تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی اور وہ تمہیں واپس پیر سائیں کی حویلی میں دے دیں گے۔ پھر وہ جانیں اور ان کا کام۔"

"جیسی آپ کی مرضی بیگم صاحب۔" میں نے مسکینی سے کہا۔

"اگر وہ عورت سلونی تھی تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی تک وہ ملتان میں ہے یہیں۔"

"لیکن اب بھاگ جائے گی۔"

"بھاگ کے کہاں جائے گی؟ اس کا گھر بار ہے کوئی؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ہر رات اپنا ٹھکانا بدلنے والی عورت ہے۔"

"جب تم یہ جانتے تھے تو اس پر اعتبار کیوں کیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "بدقسمتی... بے وقوفی... شامت اعمال... شریف آدمی ملا نہیں اور کیا وہ سب قابلِ اعتبار

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہوتے ہیں بیگم صاحب... جو شریف کہلاتے ہیں یا نظر آتے ہیں۔"

"مجھے تم پڑھے لکھے لگتے ہو... اپنی باتوں سے... کہاں تک ہے تمہاری تعلیم؟"

میں نے کہا۔ "چھوڑیں بیگم صاحب! ابھی تو میں شامت کا مارا مفرور مجرم ہوں۔ جان ہتھیلی پر لیے پھر رہا ہوں۔ خود کو بھی بچا رہا ہوں اور اس لڑکی کو بھی... خونی اور ہوس کے بھوکے بھیڑیے ہمارے پیچھے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ خون کے رشتے سے یہ میری بہن نہیں مگر میری زندگی اس کا قرض ہے۔ اس نے مجھے بچایا ورنہ میں ڈوب کے مر جاتا۔ ایک بہن بن کے میری تیمارداری کی۔ اس کے باپ کے قتل کے بعد یہ میری ذمے داری بن گئی ہے۔"

"تمہاری بیوی... کیا نام بتایا تھا تم نے... نورین... جب وہ نہیں رہی..."

"میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ لیکن بیگم صاحب... جب میں ریشم کے گھر میں تھا تو دن رات اس نے جس طرح میری تیمارداری کی وہ ایک بہن ہی کر سکتی تھی۔ حالانکہ میں تو اجنبی تھا اس گھر میں مگر اس کے باپ نے مجھے بیٹا سمجھا اور میں نے بھی ایسا ہی محسوس کیا... میری کوئی بہن نہیں تھی کہ اس کا بھائی نہیں تھا۔ حالات نے ہمیں یہ رشتہ دے دیا جو مانگنے سے نہیں ملتا۔ نورین کے لیے میں کچھ امید تھا کہ وہ ملے گی۔"

اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں اسی ذہنی کیفیت میں تھا جو ہسٹریا کہلاتی ہے۔ مجھے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ میں بے اختیار بولتا چلا گیا اور جب خاموش ہوا تو میں نے ریشم کی نظروں میں اور ہاجرہ بیگم کی آنکھوں میں الگ الگ جذبات دیکھے۔ ریشم خوف کا شکار تھی۔ میرے سچ سے اور اس کے انجام سے۔ ہاجرہ بیگم نے سچ کو محسوس کر لیا تھا میرے لہجے سے اور جذبات سے۔ اب کہنے سننے کو کچھ رہا نہیں تھا تو میں اٹھا اور اپنے کمرے میں آ کے لیٹ گیا۔ وہ دن گزر گیا۔

صبح معمول کے مطابق ہاجرہ بیگم نے مجھے چیک دیا۔ "ان کپڑوں میں جاؤ گے؟ وہ جو میں نے دلوائے تھے وہ کب کام آئیں گے؟ عید پر پہنو گے یا اپنی شادی میں؟ جاؤ پہلے لباس بدل کے آؤ۔"

میں لباس بدل کے پھر سامنے جا کھڑا ہوا۔ انہوں نے اخبار سے نظر ہٹا کے دیکھا، مسکرا کے سر ہلایا۔ میں پھر بھی کھڑا رہا تو انہوں نے ڈانٹا۔ "اب کیا ہے... جاتے کیوں نہیں؟"

"آپ نے بینک میں فون کر دیا ہے۔ یہ پچیس ہزار کا چیک ہے نا؟"

"ذرا آنکھیں کھول کے دیکھو۔ یہ دوسرے بینک کا چیک ہے۔ وہ دور ہے، گاڑی لے کر جاؤ... دیر مت لگانا۔"

میں نے پیچھے کھڑی آنکھیں چمکاتی ریشم کو دیکھا جس کی مسکراہٹ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ کچھ کہے بغیر میں نے چابی کیچ کی جو اس نے میری طرف اچھالی تھی اور پلٹ گیا۔ جو بات عیاں تھی آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ معلوم نہیں کیوں ہاجرہ بیگم کا رویہ ایسا تھا جیسے گزشتہ رات ان کی اور میری کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی اور سب وہی ہے جیسا تھا۔ ان کا اعتماد بھی وہی تھا بلکہ بڑھ گیا تھا۔ نہ جھوٹ سچ کی اہمیت رہی تھی اور نہ تصدیق و تفتیش کی۔ یہ کیسے ہوا تھا اور کیوں... یہ میری خوش فہمی تھی یا حقیقت... ایک معما تھا جسے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

تقریباً سوا گھنٹے بعد میں واپس پہنچا تو انہوں نے کہا۔ "یہ تو پورے تھا۔"

"جی۔" میں نے حیرانی سے کہا۔

"جی کیا... پیٹرول نہیں ڈلوایا۔ ایسے ہی گاڑی واپس لے آئے؟"

"آپ نے کہا نہیں تھا۔"

"اچھا میں نہیں کہوں گی تو تم گاڑی کو پیٹرول کے بغیر ہی چلاتے رہو گے۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔ ایسا ڈرائیور تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ اب پھر جاؤ اور گاڑی راستے میں بند ہو جائے تو دھکا لگا کے لے جانا۔ وہیں سڑک کے بیچ میں مت چھوڑ آنا کہ آپ نے کہا نہیں تھا۔ جاؤ میری صورت مت دیکھو... پورے ہزار کا ڈلوا لینا۔"

ریشم ہنسی تو مجھے بھی مسکرانا پڑا۔ سر کھجا کے میں نے ان سے ہزار کا نوٹ لے لیا۔ ان کے رویے نے ایک دم میرا موڈ اپ کر دیا تھا۔ اس نیک اور فراخ دل عورت نے مجھے دل کی گواہی پر معاف کر دیا تھا۔ اپنا لیا تھا۔ کیا اس میں میری کوشش کا دخل تھا؟ میں نے سوچا... نہیں... میں صورت سے اتنا معتبر نہیں لگتا اور ہاجرہ بیگم بھی زمانہ دیدہ تھیں لفظوں کے فریب میں نہ آتیں۔ یہ کچھ اور تھا جس نے میرے آدھے ادھورے سچ کا اعتبار قائم کیا۔

جب میں واپس پہنچا تو مجھے بیٹھک میں طلب کیا گیا۔ ہاجرہ بیگم ایک اول جلول سے شخص کے سامنے بیٹھی تھیں۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

واقعی چاول کا آدھی لگتا تھا۔ شلوار قمیص استری کے بغیر... پشاوری چپل... سر پر گول قراقلی ٹوپی... گلے پھولے ہوئے... درمیان میں پیٹ کسی مٹکے جیسا۔ اس نے زرد میلے دانتوں کی بھرپور نمائش کی اور مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''یہ ہے میرا وہ بھانجا... جس کا میں ذکر کر رہی تھی۔ یہ کام ہونا چاہیے پکا بیگ صاحب۔''

''ایک دم پکا بیگم صاحب... پہلی بار تو خدمت کا موقع دیا ہے آپ نے۔''

''یہ کل آئے گا اور دیکھو... ڈنڈی مت مارنا... جہاں تعلقات میں آجائیں کچھ لوگ کام ہی نہیں کرتے... ٹالتے رہتے ہیں۔ صرف تمہاری تسلی کے لیے میں نے تمہیں یہاں بلایا۔ ورنہ یہ خود آجاتا۔ پورے پیسے دے گا تمہیں۔''

''آپ کیوں شرمندہ کرتی ہیں بار بار پیسوں کا ذکر کرکے... بس آپ کا کام ایک ہفتے میں ہوجائے گا۔ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' وہ اٹھا اور مجھ سے پھر ہاتھ ملا کے چلا گیا۔ چائے وہ پہلے ہی پی چکا تھا۔

''یہ کون تھا بیگم صاحب؟''

''بے وقوف... اچھا ہوا تم نے اس کے سامنے بیگم صاحب نہیں کہا۔ اپنا بھانجا بتایا ہے تمہیں... یہ فاضل بیگ تھا۔ اسے یتیم خانے سے لائی تھی۔ تیس سال پہلے... چار سال کا تھا۔ میں نے پڑھایا لکھایا اور شادی کی مگر اللہ نے اچھی سزا دی۔ نیکی میں ڈنڈی ماری تھی نا... سوچا تھا کہ بڑھاپے کا سہارا ہوگا۔ اکیلا پن دور ہوجائے گا میرا... خود غرضی والی نیکی اللہ نے قبول نہیں کی۔ اس کی بیوی ایسی بھولی اور نیک نظر آنے والی... پڑھی لکھی... سال بھر بھی نہ گزار سکی میرے ساتھ... زندگی عذاب کردی اس نے میری... میں نے خود ہی نکال باہر کیا دونوں کو... یہ بے چارہ سخت پریشان ہوتا تھا مگر بے بس تھا۔ مجھ سے کہتا تھا کہ طلاق دے دوں۔ میں نے کہا کہ خدا کے لیے مجھے معاف کرو... غلطی مجھ سے ہوئی کہ تمہیں اس کے پلے باندھا۔ اب جاؤ تم بھی چین سے رہو اور مجھے بھی عزت سے رہنے دو۔ وہ خود تو کبھی نہیں آئی پلٹ کے اور نہ فون کیا۔ یہ فون بھی آفس سے کرتا ہے اور آجاتا ہے کبھی ملنے چار چھ مہینے میں۔ آج کام سے بلایا تھا میں نے... کل تم اس کے پاس چلے جانا۔''

''کس لیے بیگم... خالہ...'' میں نے کہا۔

''یہ تمہارا اور ریشم کا نیا شناختی کارڈ بنوا دے گا جس نام سے چاہو۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور سہارا لے کر کھڑی ہوگئیں۔ ''نوکری بھی میں نے ہی دلوائی تھی اسے... اب تو مکان بنوالیا ہے۔ گاڑی لے لی ہے۔ کہتے ہیں بھی سب کہ اللہ نے کمائی میں بڑی برکت دی اور مکان کے اوپر بھی اس نے لکھ دیا ہے... ہٰذا من فضل ربی...'' میرے کان ان کی آواز سن رہے تھے لیکن میرا دماغ حاضر نہیں تھا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے ایک ساتھ ہی کھایا۔ ہاجرہ بیگم خوش تھیں اور اس کا اندازہ ان کے چہرے سے بھی کیا جاسکتا تھا اور ان کی باتوں سے بھی... ان کی طبیعت جو میں نے یہاں آنے کے بعد دیکھی تھی اور جو آج تھی اس میں مجھے بہت فرق محسوس ہوتا تھا۔ ریشم کی خوشی بھی اس کی صورت سے عیاں تھی مگر میں کچھ خاموش تھا۔ معمول کے مطابق ظہر کی نماز پڑھ کے ہاجرہ بیگم سو گئیں تو ریشم میرے پاس آگئی۔

''کیا بات ہے۔ ایسے کیوں منہ لٹکائے بیٹھے ہو؟'' اس نے سوال کیا۔

''تم خوش ہو یہ کافی ہے۔''

''خالہ نے ہم پر اعتبار کیا۔ تصدیق تفتیش کے بغیر ہمیں اپنالیا۔ ہمیں بھٹکنے پھرنے سے بچالیا۔''

میں ریشم کو دیکھتا رہا۔ ''اسے نہ میں ان کی بے وقوفی کہہ سکتا ہوں نہ سادگی یہ ان کی مجبوری ہے۔ اکیلی عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ کسی کو اپنا بنانا چاہتی ہے جو زندگی کے آخری لمحے تک ان کے ساتھ رہے۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو یہ خوف مجھے بھی پریشان کرتا کہ میری زندگی میں معذوری کے آخری دنوں کا کوئی سہارا ہو۔ کوئی میرا خیال رکھے۔ تیمارداری کرے۔''

''ہاں، دنیا میں ایسے بہت سے بے سہارا لوگ ہیں جو معذور یا بیمار پڑے ہیں۔ خیراتی اداروں یا اسپتالوں میں اور ان کے پاس کچھ نہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ شوہر بھی تھا اولاد بھی تھی۔ سب چھوڑ گئے۔''

''آئے دن ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ کوئی لاوارث بڈھا یا بڑھیا مر گئی اور کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ نہ آخری وقت میں کوئی اسپتال لے جانے والا تھا نہ دوا دینے والا... یہ بڑی اذیت ناک موت ہوتی ہے جب آدمی بھوکا پیاسا پڑا رہتا ہے اور مر جاتا ہے۔ جب لاش بو دینے لگے تو پتا چلتا ہے۔ ہاجرہ بیگم نے بھی پڑھے یا سنے ہوں گے ایسے واقعات۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ریشم کا چہرہ رحم دلی اور ترس کی تصویر بن گیا۔ ”بے چاری۔“

”وہ جواری جو اَب تک ہارتی آئی ہیں۔ شاید اسی طرح اپنی نیکی اور فیاضی سے انہوں نے پہلے بھی غیروں کو اپنا بنانے کے لیے اس دولت کو داؤ پر لگایا ہوگا جو اَب ان کے لیے بے مصرف ہوگئی ہے۔ جو اَب تک ان کا سب سے بڑا سہارا تھی اور ہر بار وہ بازی ہارتی رہیں۔ میں بھی آج پچیس ہزار لے کر تمہیں گاڑی میں ساتھ بٹھاتا اور ہم نکل جاتے... تو کیا ہوتا... زیادہ سے زیادہ پولیس میں رپورٹ لکھوا دیتیں... ہم جو پہلے ہی مطلوب ہیں زیادہ مطلوب ہو جاتے۔“

”تمہارے نزدیک یہ بے وقوفی کی انہوں نے۔“

”نہیں، دانائی بھی ہے۔ شاید انہیں احساس ہے کہ یہ آخری بازی ہو سکتی ہے۔ اس میں سب لگا دو... پہلے وہ بچاتی رہیں اور لٹ کے بھی محفوظ رہیں۔ اب یہ ہارے ہوئے جواری والی کوشش ہے۔ آر یا پار... اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم پھر پھنس گئے ہیں۔ جیسے ہم چودھریوں کی حویلی میں اور پھر پیر سائیں کے ڈیرے پر پھنس گئے تھے۔“

”یہاں تو زور زبردستی کچھ نہیں۔“

”یہی تو تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ ہمارے پیروں میں اخلاقی ذمے داریوں کی زنجیریں پڑ رہی ہیں۔ محبت اور احسانات کی زنجیریں جن کو ہم توڑ نہیں سکیں گے۔“

”ہمیں یہاں سے جانے کی ضرورت بھی کیا ہے... اور جلدی...“

میں نے خفگی سے کہا۔ ”دیکھا تمہارے خیالات بدل گئے۔ کیا میرے ساتھ تم یہاں اس گھر کو اپنا گھر بنانے کے لیے آئی تھیں؟ اور ریشم! بات صرف جذبات کے حصار کی نہیں۔ ہم مشکل میں بھی پڑ سکتے ہیں۔“

وہ درکھائی سے بولی۔ ”کیسی مشکل؟“

”دیکھو فرض کرو۔ یہ ناممکن نہیں ہے ریشم... بڑی بی یہ مکان میرے یا تمہارے نام کر دیتی ہیں اور اپنی وہ دولت ہمیں دے جاتی ہیں جس کا ابھی ہمیں کوئی اندازہ نہیں۔“

ریشم کا منہ حیرانی سے کھل گیا۔ ”تم ایسا سوچ رہے ہو بھائی؟“

”سوچنا پڑتا ہے اور سوچ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کی جاسکتی۔ خیال کسی وجہ اور مقصد کے پیدا ہوتا ہے۔ دماغ پر قدغن کیسی... ایسا میں ہرگز نہیں چاہتا۔ نہ میں لالچی ہوں نہ کمینہ مگر خود سوچو... خالہ نے ایسا کیا... پھر... دنیا کو چھوڑو کہ وہ کیا کہے گی... ہمارے لیے قانونی مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ان کے اصل وارث جو آج لاپتا ہیں ایسے نمودار ہو سکتے ہیں جیسے جانور کے جنگل میں مرتے ہی گدھ اور مردار خور... حشرات الارض سب نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ ہم سے سوال کر سکتے ہیں کہ تم کون؟ تم کہاں سے آ گئے ہمارا حق غصب کرنے... اور وہ ہمارا شجرۂ نسب کھنگال سکتے ہیں۔ ہمیں قانون کے کٹہرے میں لے جا کے لالچی... بے ضمیر اور قاتل تک ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ کتنی خطرناک بات ہوگی... اگر ایسا ہوا۔“

ریشم کا رنگ زرد ہو گیا۔ ”پھر کیا کریں بھائی... یہاں سے کہاں جائیں؟“

میں نے کہا۔ ”اوے اتنا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ایسا ہوگا۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جو امریکا کے کسی دور دراز قصبے یا شہر میں شاد آباد ہیں، اپنے ماضی... اپنے رشتوں اور اپنی زمین کے ہر تعلق کو بھول کے... انہیں کون بتائے گا کہ آج وہ عورت نہیں رہی جس نے انہیں جنم دینے کے بعد پال پوس کے اس قابل کیا کہ وہ سات سمندر پار جانے کے قابل ہوں۔ اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ ان کو پتا چلے... اور کہیں سے اڑتی اڑتی خبر ملی تو انہیں یہ خیال کیسے آسکتا ہے کہ بڑھیا کے پاس مرتے وقت اتنا تھا کہ امریکا سے جانے لانے کی ساری مشکل جھیلی جا سکتی ہے۔ عام طور پر ایسی لاوارث رہ جانے والی عورتیں قلاش مرتی ہیں۔ محتاج اور معذور ہو کے... جو اُن کے پاس ہو وہ دنیا پہلے ہی چھین لیتی ہے کیونکہ اسے بچانا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد امکان یہ ہے کہ کوئی وارث نہیں آئے گا۔“

”تم نے مان لیا ہے کہ ان کے پاس بہت دولت ہے؟“

”بہت کیا ہوتی ہے... جو مجھے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ شوہر کی کمائی بہت تھی اور اس نے بینکوں میں ڈال رکھی ہے۔ یہ گھر، گاڑی الگ ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ ان کا دوسرا اکاؤنٹ بھی ہے۔ ایک وہ جس سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ ہزار روپے روز نکالے جاتے تھے۔ دوسرے اکاؤنٹ کا چیک انہوں نے آج دیا... آخر کیوں... مجھے احساس دلانے کے لیے کہ ان کے کتنے اکاؤنٹ ہیں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"تم سوچ رہے ہو ایسا... بلاوجہ ڈر رہے ہو۔"

"بے وقوفی کی بات مت کرو، میں امکانات اور خدشات دیکھ رہا ہوں۔ ابھی وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنا سب کچھ کسی خیراتی ادارے کو بھی دے سکتی ہیں۔ جیسا کہ عموماً لاوارث دولت مند کرتے ہیں۔ اپنی زندگی میں یہ ممکن ہے۔ وارث ان سے ایک پیسا نہیں لے سکتے۔ ہاں ان کے مرنے کے بعد قانون وراثت آ جاتا ہے۔"

ریشم ایک دم اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ یوں جیسے وہ اس موضوع پر مجھ سے بات ہی کرنا نہیں چاہتی۔ رات تک وہ میرے سامنے آئی تو موقع نہ تھا یا اس نے موقع نہیں دیا اور میں اکیلا اپنے پریشان کن خیالوں سے لڑتا رہا۔ میرے لیے ناممکن تھا کہ میں دل سے نورین کی محبت اور نادر شاہ کی نفرت کو نکال دوں۔ میں نے خود سے بھی سوال کیا کہ کیا میں ریشم کو یہاں چھوڑ کے جا سکتا ہوں۔ یہاں اسے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ محفوظ ہے اور زیادہ محفوظ ہے۔ میرے ساتھ پھر غیر محفوظ ہو جائے گی۔ عقل کہتی تھی کہ مجھے عجلت میں جذباتی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں جب چاہوں جا سکتا ہوں۔ ریشم کو بتا کے بھی جا سکتا ہوں اور واپس بھی آ سکتا ہوں۔ وقتاً فوقتاً اس کی خیر خبر دریافت کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

مجھے ایک موقع ملا تھا کہ میں چوتھی بار اپنی شناخت بدلوں تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا بے وقوفی ہوتی۔

اب ایک نیا شناختی کارڈ بنوانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس میں بہت سے رسک تھے۔ میرا چہرہ بدل گیا تھا۔ اگر بعد میں کسی مرحلے پر دوبارہ بدلتا تو قانونی طور پر اس میں کوئی قباحت نہ تھی لیکن شناختی علامات میں سب سے اہم انگوٹھے کا نشان تھا۔ ملک سلیم اختر بننے کے لیے میں نے بائیں اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے فرق سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ اب تیسرے ہاتھ کے تیسرے انگوٹھے کی گنجائش نہ تھی۔ مجھے نام سے فرق نہیں پڑتا تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ اس بار جو نام ہو اس کی ساجھ تین ناموں سے دور کی بھی نسبت محسوس نہ ہو۔

فاضل بیگ ایک کیبن میں کرسی میں پھنسا ہوا تقریباً نیم دراز چائے سڑپ رہا تھا۔ اس نے مجھے ناگواری سے دیکھا اور بولا۔ "یار سیدھے اوپر آ گئے تم۔ کسی سے کہہ کے مجھے اطلاع کرا دیتے۔ میں نیچے آ جاتا۔ خیر، تم چلو میں آتا ہوں۔"

اس بداخلاقی کی مجھے توقع نہ تھی مگر ضرورت مند میں تھا۔ برا مانے بغیر واپس باہر آ کے گیٹ کے بالمقابل کھڑا ہو گیا۔ وہاں ایک اژدحام تھا ان لوگوں کا جو ویزا یا پاسپورٹ تصدیق ناموں اور شناختی کارڈ وغیرہ کے چکر میں ایجنٹوں کے پاس جمع تھے۔ یہ سارے جعلی اور دو نمبر کام والے نہیں تھے مگر تھے سب غرض مند... جو دفتروں کے چکر نہیں کاٹ سکتے تھے یا جن کی ضرورت فوری تھی۔ ایجنٹ ان کے حق میں فرشتۂ رحمت تھے۔

فاضل بیگ دس منٹ بعد نمودار ہوا اور مجھ سے کینٹین میں بیٹھ کا فارم بھروانے لگا۔ وہاں بوسیدہ غلیظ کرسیوں اور بھدی بدصورت میزوں کے گرد حاجت مند اور حاجت روا کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

میں نے جو نام سوچا تھا وہ فاضل بیگ نے بلاتامل لکھ دیا۔ "ندیم اختر راجا... اور باپ کا نام۔"

میں نے کہا۔ "باپ جو تھا سو تھا تم اب کچھ بھی لکھ دو۔"

"چلو پھر نسیم اکبر راجا کر دیتے ہیں۔ تاریخ پیدائش؟" اس نے میری طرف دیکھ کے سر ہلایا۔ "اسی کر یاد ہے... تو... عمر کتنی ہے تمہاری؟"

"اٹھائیس سال۔" میں نے کہا۔

"کتنے کم ہو، 23 مارچ 1962ء..." اس نے کہا۔

میں نے کہا۔ "اگر میں اپنے کسی ہاتھ کا انگوٹھا نہ لگانا چاہوں؟"

اس نے مجھے ناراضی سے دیکھا۔ "پھر کیا میں اپنے ہاتھ کا لگاؤں؟ کرو تم کل کو اور بھروں میں۔"

"کوئی بھی لگوا لو استاد... میں بائیں ہاتھ کا انگوٹھا بھی استعمال کر چکا ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہوئی تھی۔" اس نے پین رکھ دیا۔

"چلو اب کر لیتے ہیں۔ خالہ نے کتنے دیے ہیں؟"

"وہی ہیں... جو سب دیتے ہیں۔" اس نے شکایت کے انداز میں کہا۔ "بڑھیا بڑی کنجوس ہے۔ اب قبر میں لے جائے گی سارا پیسا۔ پنڈی کا ایڈریس لکھ دیا ہے میں نے۔"

مجھے دکھ بھی ہوا۔ غصہ بھی آیا۔ یہ یتیم خانے کا لاوارث اور بے نسب بچہ... وہیں پڑا رہتا تو یہ تعلیم اور یہ عزت کہاں سے حاصل کرتا اور یہ مال کیسے کماتا۔ احسان فراموش نے ان کو بھی نہیں بخشا الٹا شکایت کر رہا ہے۔ ان سے کیا دو لاکھ کی امید رکھتا تھا۔ میں نے کہا۔ "چلو پانچ اس کار خیر کے... کوئی انگوٹھا لاؤ۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "مشکل ہے۔ یہ انگوٹھے جو استعمال نہیں ہوئے مگر بکتے ہیں۔ شہر میں تو سب نے استعمال کر لیے شناختی کارڈ میں۔ گاؤں دیہات کے کسی مرد یا عورت کا تلاش کرنا پڑے گا۔"

اب میں نے داؤ کھیلا۔ میں نے فارم اٹھا لیا۔ "چلو پھر رہنے دو۔ میں خالہ کو بتا دوں گا بعد میں... ابھی کسی اور سے بات کرتا ہوں۔"

یہ ٹرمپ کارڈ تھا جو کام کر گیا۔ "اچھا یار، خالہ کی دھمکی دے رہے ہو تو میں بھی مجبور ہوں۔ نکالو پیسے۔" میں نے پانچ ہزار اس کے حوالے کیے۔ اب مجھے فکر نہ تھی کہ وہ کس سے انگوٹھا لگواتا ہے۔ نشان میرے کسی انگوٹھے کا نہیں تھا۔ میرے لیے یہ اطمینان کافی تھا۔ "مجھے جلدی ہے۔"

"ہاں، ہاں... مجھے پتا ہے تمہارا جہاز نکلا جا رہا ہے۔ دو دن تو لگتے ہیں۔"

"جہاز کا نہیں میرے فیوچر کا سوال ہے۔ یہ موقع بار بار نہیں ملتا۔ دبئی میں نوکری جوائن کرنی ہے۔" میں نے کہا۔

"یعنی اس کے بعد پاسپورٹ بھی بنواؤ گے؟" اس کی آنکھوں میں لالچ کی چمک آ گئی۔

"ظاہر ہے اس کے بغیر میں صرف دوسری دنیا میں جا سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن اس کی بات کریں گے بعد میں... جب یہ کام ہو جائے گا۔ پتا چلے کہ تم کتنے فاسٹ ہو۔"

"بس دو دن کہا ہے تو دو دن۔ پاسپورٹ میں ایک ہفتہ۔ مگر دیکھو... خالہ کو مت بتانا کوئی بات۔ ہمارا آپس کا معاملہ ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "پاسپورٹ کے پچاس ہوں گے۔"

میں نے اسے جانے کے بعد ایک سو ایک گالیاں دیں مگر دل ہی دل میں۔ میں نے اس سے زیادہ ذلیل آدمی بھی نہیں دیکھا تھا۔ شاید باپ کو بھی نہ بخشے۔ میری چال کامیاب تھی۔ پچاس کے لالچ میں وہ خود جلدی کرے گا۔ وہاں سے نکل کے میں نے ریشم کے بارے میں سوچا۔ اس کا شناختی کارڈ بنا ہی نہیں تھا حالانکہ وہ بیس سے اوپر کی تھی۔ اس کی ضرورت تھی مگر جلدی نہ تھی۔

میں گھر پہنچا تو خالہ کھانا کھا رہی تھیں۔ "کام کر دیا بیگ صاحب نے؟"

میں نے کہا۔ "آپ اس ذلیل آدمی کو صاحب کیوں کہتی ہیں۔ نالی کا کیڑا تھا وہ۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کے مجھے خاموش کر دیا۔

"بس... وہ میرا کام تھا۔ یہ اس کا فعل ہے۔ میری نیکی کو خراب مت کرو مجھے بدظن کر کے... مجھے اپنی قبر میں جانا ہے اسے اپنی... یہ بتاؤ کام ہوا؟"

میں شرمندہ ہو کے خاموش ہو گیا۔ "جی... ہو گیا۔"

"اب تمہارا کیا نام ہے سلیم اختر؟"

"ندیم اختر راجا..." میں نے خفت سے کہا۔ "پتا لکھوایا ہے پنڈی کا۔"

"اچھا ہے، اچھا ہے... ریشم... خبردار جو اب اسے سلیم کہا۔ ندیم یا اختر۔"

ریشم بولی۔ "پنڈی میں تو سارے راجا ہوتے ہیں۔ مگر ندیم ٹھیک ہے۔"

"اور تو بھی اب نور کے نام سے بنوا لے اپنا شناختی کارڈ... آگے کام آئے گا۔ اور ایک بات تم دونوں سن لو کان کھول کے... اب تک جو ہوا سو ہوا۔ اب نیت اور ارادہ کر لو کہ زندگی شرافت اور سکون سے گزارنی ہے۔ کسی کے جھگڑے میں پڑے بغیر... سمجھو خدا نے ایک موقع دیا ہے۔ مہلت دی ہے۔"

میں خاموشی سے سنتے رہنے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ میرے اپنے خیالات کا رخ تو مخالف سمت میں تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ قدرت نے یہ موقع اور مہلت اس لیے دی ہے کہ میں محفوظ ہو جاؤں اور اپنا فرض اور قرض چکا دوں۔ خالہ کو میں کیا بتاتا کہ زندگی میں کب میں نے شرافت سے جینا نہیں چاہا تھا۔ میں بڑا آدمی بننا چاہتا تھا کیونکہ یہ میرے بھائی کی بھی خواہش تھی۔ جیسے کہ سب والدین کی ہوتی ہے مگر اس کے اور میرے لیے بڑے آدمی کا تصور دولت مندی سے وابستہ نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا اور میری سوچ اس کی خواہش کے تابع تھی کہ میں جج بنوں... ہائی کورٹ کا اور پھر سپریم کورٹ کا... حادثات نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ میرے بھائی کو بھی اور زندگی کے مقصد کو بھی۔ اب میں ایک راہ گم کردہ مسافر تھا تو اس کا یہ مطلب غلط تھا کہ یہ راہ میں نے خود اپنے لیے چنی تھی۔

اس موضوع پر میری ریشم سے بات ہوئی تو اس نے بھی خالہ کی طرح کہا۔ "تم اس موقع کو غنیمت شمار کرو تو زندگی پھر وہیں سے شروع کر سکتے ہو جہاں سے منزل بدلی تھی۔"

میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "وہ کیسے؟ جو وقت گزر گیا واپس کیسے آئے گا۔ میں لوٹ کے وہاں کیسے جاؤں؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

''میرا مطلب تھا ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ یہ کیوں نہیں سوچتے۔ دو چار سال ضائع ہونے سے عمر تو ضائع نہیں ہوتی۔ دو چار سال تو ڈاکٹر، انجینئر یا وکیل بننے والوں کے بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نکمے ہوں۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو۔ نشانہ خطا ہو جائے تو کمان سے نکلے ہوئے تیر کو پکڑ کے واپس لاتا اور دوبارہ نشانہ لے کر چلاتا... ایسا کون سوچتا ہے... سوچتا ہے تو وہ پاگل ہے۔''

''پاگل ہی ہوتے ہیں وہ جو تمام حادثات کے باوجود منزل کی لگن نہیں چھوڑتے... اب تم جج کیوں نہیں بن سکتے آخر... اگر یہی تھا تمہارا اور بھائی کا خواب تو اس کی تعبیر تم آج بھی پا سکتے ہو۔ قانون پڑھو... وکیل بنو... پھر جج۔''

میں اسے دیکھتا رہا۔ ''کاش یہ میرے اختیار میں ہوتا۔ اب تو مقصد ہی بدل گیا ہے میرا... میں نے دیکھ لیا ہے خود بھگت لیا ہے اس نظام انصاف کو... مجھے نفرت ہو گئی ہے اس سے... میں جانتا ہوں کہ انصاف کیسے لیا جاتا ہے اور میں لوں گا۔ میرے بھائی کا خون اتنا سستا نہیں تھا کہ میں رائگاں جانے دوں۔ نادر شاہ اس کی قیمت اپنی جان دے کر ادا کرے گا۔''

وہ عجیب نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ ''کبھی بتایا نہیں تم نے... نادر شاہ کی کیا دشمنی تھی تمہارے بھائی سے؟''

میں نے اسے ٹالنے کے لیے کہا۔ ''دیکھا جائے تو بات کچھ بھی نہیں لیکن محبت اور جنگ میں کوئی فرق نہیں۔ ایک پیار کے اور دوسری نفرت کے جذبات سے ہوتی ہے اور دونوں کے بارے میں انگریزوں کا قول حقیقت پر مبنی ہے کہ اس میں سب جائز ہے۔ کچھ بھی ناجائز نہیں۔ نادر شاہ اور میرا بھائی دونوں کلاس فیلو تھے۔ ایسی دوستی تھی ان میں کہ لوگ رشک کرتے تھے۔ شاید لوگوں کی نظر لگ گئی کہ وہ دشمن ہو گئے۔''

''مگر کس بات پر؟''

میں نے ایک آہ بھری۔ ''تم کیوں میرے زخموں کو کرید رہی ہو۔ وہ دونوں اسکول، کالج ہر جگہ ساتھ تھے اور گھر میں یا گھر کے باہر بھی۔ دونوں ساتھ ساتھ جاتے تھے جب جاتے تھے۔ کالج کے زمانے میں ایک ہی لڑکی پر عاشق ہوئے اور جب اس کی شادی کسی اور سے ہوئی تو اکٹھے گلے مل کر روتے رہے۔ پھر عہد کیا کہ مل کے اس رقیب روسیاہ کو ٹھکانے لگائیں گے اور عدت پوری ہوتے ہی دونوں اس سے شادی کر لیں گے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

میرا بھائی اور نادر شاہ دونوں ریوالور لے کر گئے اپنے محبوب کو بیوہ بنانے اور ایک ایک گولی چلائی۔ دونوں کے ہاتھ اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں چنانچہ بھائی کا نشانہ خطا گیا اور نادر شاہ کی گولی لگی... اس کی بیوہ نے پولیس کے سامنے نادر شاہ کو قاتل قرار دیا۔ میرے بھائی پر کوئی الزام نہ آیا۔ بس یہاں سے دشمنی کا آغاز ہوا۔ نادر شاہ نے بھائی سے کہا کہ تم نے دھوکا دیا میرے اعتبار کو... اب میں جاؤں گا جیل اور تم عدت کا زمانہ پورا ہوتے ہی اس سے عقد کر لوگے۔''

بالآخر رشم کے ضبط کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ

قارئین متوجہ ہوں

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا سی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پرچا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے
ثمر عباس
03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ کراچی

35802552-35386783-35804200
ای میل: jdpgroup@hotmail.com

SCANNED BY DIGESTPK

احتجاجاً واک آؤٹ کر گئی۔ دو دن اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ دو دن بعد فاضل بیگ میرا شناختی کارڈ لے کر آیا تو مجھے پتا چلا کہ خالہ نے اس سے ریشم کا شناختی کارڈ بھی بنا کر لانے کے لیے کہا تھا۔ لیکن یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ریشم کہیں نہیں جائے گی۔ ضابطے کی ساری کارروائی گھر پر ہو گی چنانچہ وہ اپنے ساتھ ایک فوٹو گرافر کو بھی لایا تھا۔

وہ گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی۔ "بھائی! بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تم تو ناراض ہو مجھ سے۔"

وہ مسکرائی۔ "وہ تو میں ہوں... بلکہ تھی۔ ہمیشہ تو نہیں رہ سکتی۔"

"اچھا تو پھر گھبرانے کی بات نہیں۔ جاؤ بنوا لو شناختی کارڈ بھی... تمہیں کس کا ڈر ہے جب پہلے بنا ہی نہیں۔"

"اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"ضرورت پڑ سکتی ہے ریشم... کبھی بھی... کہیں بھی۔"

"نام کیا بتاؤں... نور یا ریشم؟"

میں نے کہا۔ "تم کو کچھ بھی بولنے کی ضرورت نہیں۔ نہ نام نہ ولدیت نہ پتا۔ کوئی تمہیں تلاش نہیں کر رہا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ انور کی محبت اور پیر سائیں کی نفرت دونوں میں اتنا دم نہیں کہ تمہارے خلاف اپنے جذبات کو قتل تک لے جائیں۔ ان کا نشانہ میں رہوں گا ہمیشہ۔"

ماجرہ بیگم کی طبیعت کچھ مضمحل تھی۔ چنانچہ نور کے ساتھ میں بیٹھ گیا۔ اس نے تصویر بنوائی اور پھر فارم بھی خود بھرا۔ فاضل بیگ کی آنکھوں میں ہوس کی جو چمک مجھے نظر آئی، وہ دولت کے لیے تھی۔ وہ پُر امید تھا کہ اب میں اس سے پاسپورٹ بنواؤں گا تو پچاس ہزار کا سودا ہو گا۔ گھر آ کے ریشم کا شناختی کارڈ بنانے کے ہوم سروس کے چارج بھی اس نے زیادہ طے کیے ہوں گے۔ جب ریشم چائے لینے اندر گئی تو میں نے اس سے پوچھا۔

"اس کام کے تم نے کیا طے کیے تھے خالہ سے؟"

"وہی پچیس... جو تم نے دیے تھے۔" وہ مسکینی سے بولا۔

"جب اس میں کوئی غلط بات نہیں تو..."

وہ جلدی سے بولا۔ "گھر آ کے یہ کام کون کرتا ہے؟"

میں نے کہا۔ "احسان فراموشی کا جو مظاہرہ تم کر چکے ہو... کیا وہ کافی نہیں... تم نے اس عورت کو نہیں بخشا جو تمہاری ماں سے زیادہ ہے۔ ماں تو مر گئی یا چلی گئی کہیں تمہیں یتیم خانے میں چھوڑ کے..."

وہ گرم ہو گیا۔ "کیا مطلب ہے آخر تمہارا؟"

"مطلب صاف ہے۔ جو کام تم نے پچیس میں کیا، وہ دوسرے دس میں کرتے ہیں۔ اور جائز کام پانچ میں اگر جلدی کا ہو... ہمیں تو ریشم کے معاملے میں کوئی جلدی نہیں... تم جاؤ... ہم بنوا لیں گے سو روپے میں۔ بے شک مہینے بعد ملے یا دو مہینے بعد۔"

اس کا چہرہ غصے، بے بسی اور احساسِ ذلت کی تصویر بن گیا۔ لیکن فائدے کا خیال پھر غالب آ گیا اور اس نے ڈھٹائی سے مسکرا کے کہا۔ "اچھا یار! پانچ میں کرا دیتا ہوں میں یہ کام... تم پاسپورٹ کی بات کر رہے تھے۔"

میں نے کہا۔ "میں بکواس کر رہا تھا۔ دبئی میں کسی نوکری کے لیے نہیں جاتا۔"

میرا کارڈ میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ مجھے اب اس کی ناراضی کی پروا نہیں تھی۔ یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ وہ مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میرے جرم میں وہ برابر کا شریک تھا۔ شاید زیادہ... فوٹو گرافر اپنے ساتھ پولرائیڈ کیمرا لایا تھا۔ اس کی تصویر چند منٹ میں تیار ہو جاتی ہے۔ اس نے آٹھ پرنٹ میرے حوالے کیے اور فاضل بیگ سے پانچ سو وصول کر کے چلا گیا۔ اسے کہیں جانے کی جلدی تھی یا میری گفتگو سے وہ ڈر گیا تھا کہ میں ایک ناقابلِ اعتبار کلائنٹ ہوں۔ ریشم اندر سے چائے لے کر آئی تو اس میں ایک لفافہ بھی تھا۔ فاضل بیگ کے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے لفافے کو میں نے اچک لیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس میں پچیس ہزار روپے تھے۔

"خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے انہوں نے کہلوایا ہے کہ کام جلدی ہونا چاہیے۔" ریشم بولی۔

"ہو جائے گا۔" وہ بیزاری سے بولا۔ "اگر ارجنٹ فیس ملی۔"

میں نے پانچ ہزار اس کے حوالے کیے۔ "یہ ہے ارجنٹ فیس۔"

اس نے مردہ دلی سے پانچ ہزار لیے اور میری طرف کینہ توز نظروں سے دیکھتا رہا۔ "بیس ہزار مار گئے تم بیچ میں۔"

میں نے کہا۔ "جاؤ خالہ کو بتا دو۔ بھانجا میں ہوں ان کا... تم نہیں... لالچ مت کرو۔ ورنہ یہ پانچ بھی واپس لے لوں گا اور خالہ کو بتا دوں گا کہ یہ سو روپے کا کام ہے۔ جائے بیٹا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

''لعنت اس جائیداد پر۔'' وہ بگڑ کے اٹھا۔ ''تم پچھتاؤ گے ایک دن۔''

میں نے ہنس کے کہا۔ ''مجھ سے زیادہ اس دن تم پچھتاؤ گے فاضل بیگ... یہ سونے کی کان تمہارے لیے بھی جیل کی کوٹھری بن جائے گی۔''

میں نے خالہ کو بیس ہزار واپس کیے تو وہ حیران رہ ہوگئیں۔ پھر میں نے ان کو فاضل بیگ کے لالچ اور احسان فراموشی کے بارے میں بتایا تو وہ دکھی نظر آنے لگیں۔ ''اب بتاؤ... کس پر بھروسا کرے کوئی؟''

''کم سے کم آپ کو بخش دیتا لیکن خالہ! پرانے لوگ خون کے نظریے پر جو اعتقاد رکھتے تھے غلط نہ تھا، اصل سے وفا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔ یہ نہ جانے کس بے ضمیر کا خون تھا۔''

''چلو جانے دو بیٹا۔ میں نے اپنی طرف سے برا نہیں کیا تھا۔ اب بدگمانی کیوں کروں۔''

''کہیں آپ پھر وہی غلطی تو نہیں کر رہی ہیں مجھے بیٹا کہہ کے؟'' میں نے کہا۔

وہ اداس ہو گئیں۔ ''نہیں۔'' انہوں نے کہا اور پھر چادر کو سر تک تان کے سو گئیں۔ شاید ان کو میرے سوال نے دکھ پہنچایا تھا۔ وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ شام تک ان کا موڈ اور طبیعت دونوں اس حد تک بحال ہو چکے تھے کہ وہ پارک سے پھر شاپنگ کے لیے گئیں اور اپنی مرضی سے بیش قیمت زنانہ کپڑے خریدتی رہیں۔ ریشم کے اعتراض پر انہوں نے اسے ڈانٹ دیا۔ ''مجھے تمہارے مشورے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں تمہارے لیے کچھ لے رہی ہوں۔'' ریشم کھسیانی ہو کے چپ ہوگئی۔

رات کو پھر وہ ہمارے ساتھ ایک بہت مہنگے ریسٹورنٹ میں کھانے کے لیے گئیں۔ معلوم نہیں وہ کس بات پر خوش تھیں۔ ہم سے انہوں نے یہی کہا کہ ندیم نے بیس ہزار بچائے ہیں تو ڈنر اسی کی طرف سے سمجھ لو۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ہم سے اپنی جذباتی وابستگی کو وہ کتنی عجلت میں آگے بڑھا رہی ہیں۔ وہ ریشم سے ایسے پیش آتی تھیں جیسے ان کی اپنی بیٹی ہو۔ خود ریشم اپنے لباس اور اطوار سے خادمہ نظر ہی نہیں آتی تھی۔ جب ہم کار سے اترتے تھے اور میں انہیں اتارتا تھا تو عام دیکھنے والوں کو ہم ایک فیملی لگتے تھے۔ ریشم اب وہ دیہاتی لڑکی نہیں رہی تھی جس نے مجھے نہر میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ حویلی میں سلونی کی گرومنگ نے اور انور کی رفاقت نے اسے جدید شہری لڑکی کے طور طریقوں

مکھی مارنے کا جدید ترین آلہ

سے پوری طرح آشنا کر دیا تھا۔

اس رات ریشم کو پھر خالہ کے سو جانے کے بعد مجھ سے بات کرنے کا موقع ملا تو وہ خوش خوش میرے پاس آکے بیٹھ گئی۔ ''یہ ڈھیروں جوڑے آخر کس کے لیے خریدے ہیں خالہ نے؟''

میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''تمہارے لیے اور کس کے لیے؟''

وہ ہنسی۔ ''انہوں نے تو مجھے ڈانٹ دیا تھا اور صاف کہہ دیا تھا کہ تمہارے لیے نہیں ہیں۔''

''جھوٹ بولا تھا انہوں نے۔'' میں نے خفگی سے کہا۔

''چلو تم بتا دو سچ کیا ہے؟''

''سچ یہ ہے کہ اب انہوں نے تمہیں اپنی بیٹی بنا لیا ہے اور تمہاری رخصتی کا سوچ رہی ہیں۔''

ریشم کا رنگ کچھ لال ہوا۔ ''خوش فہمی ہے تمہاری۔''

میں بھڑک اٹھا۔ ''خوش فہمی؟ تم خود بھی جانتی ہو کہ حقیقت یہی ہے۔ میں نے ہی کہا تھا ان سے کوئی اچھا رشتہ ملے تو یہ فرض ادا کر دوں۔ اس وقت ایسا کہنا میری ضرورت تھی۔ میں اپنا اور تمہارا اعتبار قائم کرنا چاہتا تھا، میرا مقصد ہرگز خالہ کو یہ اختیار دینا نہیں تھا کیونکہ ہم یہاں عارضی پناہ کے لیے آئے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں رہا۔ خالہ نے سب بدل دیا ہے۔ بہت جلد تم دیکھ لوگی یہ سب... تمہیں باقاعدہ بھانجی کا اسٹیٹس دے دیا جائے گا اور وہ میری ذمے داری خود پوری کرنے کی کوشش شروع کریں گی۔ یہ سب تیاری ہر ماں کرتی ہے۔ وہ تمہارا جہیز جلدی جلدی اکٹھا کریں گی کیونکہ تیاری بہت دیر سے شروع ہوئی ہے۔ سچ بتاؤ... تم کر لوگی شادی اگر کوئی اچھا رشتہ مل گیا؟''

اس کے چہرے پر اب تشویش آمیز سنجیدگی آگئی۔

''ہرگز نہیں... بالکل نہیں۔''

SCANNED BY DIGESTPK

''مگر کیوں؟ اب انکار کی وجہ انور تو نہیں ہو سکتا۔''

''انکار کی وجہ تم ہو گے سلیم... ندیم... میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔''

''تم خود کو کیا سمجھتی ہو؟ میری نگراں... خوامخواہ اماں مت بنو۔''

''میں نگراں، اماں سب بن کے تمہارے ساتھ رہوں گی۔ کیونکہ تم ایک بگڑے ہوئے بچے ہو جو غلط راستے پر جا رہا ہے۔ تمہیں روکنے والا کوئی تو ہونا چاہیے۔ میں یہ نہیں کر سکتی کہ تم کو تباہی کے راستے پر جانے کے لیے چھوڑ دوں اور اپنا گھر بسا کے بیٹھ جاؤں۔''

''رہنے دو ریشم... ابھی زندگی بہت لمبا سفر ہے جس کا تمہارے لیے صرف آغاز ہوا ہے۔ اس کے علاوہ... تم میں اور مجھ میں ایک بڑا فرق ہے۔''

''ہاں، تم مرد ہو۔ میں عورت ہوں۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔ ''یہ انکشاف ہے میرے لیے۔''

وہ خفا ہو گئی۔ ''نہیں، تم بہت عقل مند ہو۔ میں بڑی بے وقوف۔'' اور وہ اٹھ کر جانے لگی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''یہ بھی ہے مگر بہنا... نہ میں ایسا کہہ سکتا ہوں اور نہ کسی کو ایسا کہنے کی اجازت دوں گا۔ میں عادت یا فطرت کی بات کر رہا تھا۔ میں تم جیسا ہو سکتا تو مسئلہ ہی کیا تھا۔''

وہ مجھے دیکھتی رہی۔ ''ایسی کیا بات ہے مجھ میں؟''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''تو جذبات میں اس حد تک مغلوب نہیں ہوتی کہ عقل ساتھ چھوڑ جائے۔ تیرے باپ کا قتل ہوا۔ یہ قتل کیوں ہوا اور کس نے کیا۔ اب تو قاتل اپنے انجام کو پہنچا لیکن انتقام کی خواہش نے تجھے پاگل نہیں کیا۔ ورنہ تو انور کے سامنے یہ شرط رکھ دیتی کہ میرا دل جیتنے کے لیے تمہیں میرے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا ہوگا۔ مجھے اکبر سے اپنے بے گناہ باپ کے قتل کا بدلہ لینا ہے۔ شیریں کا دل جیتنے کے لیے فرہاد نے پہاڑ کاٹ کے دودھ کی نہر نکالی تھی۔ انور بھی یہ شرط پوری کرتا۔ وہ اکبر کو باندھ کے تیرے سامنے ڈال دیتا۔ تمہارے ہاتھ میں وہی خنجر دیتا اور کہتا کہ لو یہ تمہارا مجرم ہے تو انصاف بھی تم ہی کرو۔ کاٹ دو اس کی گردن۔''

ریشم نے ایک جھرجھری لی۔ ''توبہ... کیسی باتیں کرتے ہو تم بھائی۔ ایسا سوچا بھی نہیں میں نے... میں نے اپنا انصاف خدا پر چھوڑ دیا تھا۔ صبر کر لیا تھا۔''

''ہاں، یہ ایک فرق تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تو نے انور کو بھلا دیا۔ کیا واقعی یہ اتنا آسان تھا؟ میں نورین کے معاملے میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ محبت اور نفرت کے جذبات میں تیری طرح کیوں نہیں ہوں۔ زندگی مجھے بالکل بے مقصد نظر آتی ہے اگر مجھے نورین نہ ملے یا میں اپنے بھائی کے قتل کا انتقام نہ لوں، وقت کے ساتھ میرے جذبات کی شدت کم نہیں ہوئی۔ جس دن نورین مل گئی اور میں نے نادر شاہ کو ختم کر دیا اس دن میں نارمل ہو جاؤں گا۔''

''فرض کرو بھائی، نورین مل گئی۔ تم نے اسے اپنا لیا۔ لیکن نادر شاہ سے انتقام کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ تو کیا تم اسے چھوڑ کے نکل جاؤ گے نادر شاہ کی تلاش میں؟ یہ سوچے بغیر کہ جنگ میں کسی فریق کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ یہ ناممکن نہیں ہے کہ شکاری خود شکار ہو جائے۔''

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔''

''پھر؟ کیا یہ خیال تمہیں روکے گا نہیں کہ نورین تمہاری ذمے داری ہے اور تم نہ رہے تو اس کا کیا بنے گا؟ وہ بیوگی کی عمر اکیلے کیسے گزارے گی اور اگر... تمہارا بیٹا یا بیٹی پیدا ہوگی، یتیم ہوں گے تو قصور کس کا ہوگا؟ ان کی محبت اور تمہاری ذمے داری... کیا تم خود غرض بن کے صرف اپنے انتقام کی خواہش کو زیادہ اہم سمجھو گے؟''

میں نے چلا کے کہا۔ ''بکواس بند کرو۔ تم اس طرح مجھے کمزور نہیں کر سکتیں۔''

''کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس... اسی لیے چلا رہے ہو۔ مگر میرے چپ ہو جانے سے سوال ختم نہیں ہوتا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔ ''تمہیں کچھ معلوم نہیں اس لیے بول رہی ہو۔''

''کیسے معلوم ہوگا مجھے؟ جب تم نے کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ کچھ بتاؤ۔''

میں نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔ ''ٹھیک ہے، تم بھی سن لو میرے پاگل پن کی وجہ کیا ہے۔ یہ جانتی ہو تم کہ میرا اصل نام نہ خاور تھا نہ سلیم... باپ نے تو فریدالدین رکھا تھا۔ وہ بابا فرید شکر گنج کے عقیدت مند اور مرید تھے اور ہر سال عرس پر پاکپتن جانا ان کا معمول تھا۔ میں نے انہیں دیکھا نہیں۔ میں ان کی موت کے تین ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ ان کی ایک فریم کی ہوئی تصویر ہمارے لاہور کے دھرم پورے والے گھر میں لگی ہوئی تھی۔ انتقال کے وقت ان کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ پچاس سال کے تھے مگر تصویر میں ستر کے لگتے تھے۔ بھائی نے بتایا کہ یہی ان کی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آخری تصویر تھی۔ گھٹے ہوئے چہرے پر گہرے حلقوں میں ڈوبی ہوئی لال جلالی آنکھیں۔ بڑے بڑے پیچ دار بال اور سر پر گول جالی دار ٹوپی۔ لمبوترا چہرہ بالشت بھر کی بے ترتیب داڑھی میں اور زیادہ لمبا لگتا تھا۔ داڑھی کے بالوں میں سفیدی غالب تھی۔ کندھے پر چار خانے والا رومال اور گول گلے والا سبز کرتہ۔ نصف دھڑ کی انلارج کرائی گئی تصویر کے پس منظر میں مزار کی محرابوں کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے۔ آج کوئی بھی اس تصویر کو دیکھ کر یہی اندازہ قائم کرسکتا ہے کہ وہ کٹر مذہبی عقائد رکھنے والے آدمی تھے اور یہ غلط نہیں ہوگا۔

"بھائی سے مجھے معلوم ہوا کہ ہر بار وہ ماں سے یہی کہہ کے رخصت ہوتے تھے کہ فی امان اللہ... انشاء اللہ اب تم سے جنت ہی میں ملاقات ہوگی۔ انہیں آرزو تھی یا خوف تھا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ بھائی بڑی حیرت کا اظہار کرتا تھا کہ ایک سال قبل ہی وہ حج پر گئے تو انہوں نے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی کہ زندگی کا خاتمہ دیارِ حبیب میں طواف کے دوران ہو تو جنت البقیع میں تدفین کی سعادت ملے۔ اکثر حاجی اس موت کی آرزو کرتے ہیں سب جانتے ہیں کہ طواف کے دوران کیا قیامت کا ریلا آتا ہے۔ انسانی سمندر کی کسی لہر میں گر جانے والا پھر نہیں اٹھتا۔ مگر وہ صحیح سلامت واپس آگئے۔ یہ تصویر انہوں نے مرنے سے کچھ پہلے ہی کھنچوائی ہوگی۔ جب ان کی مسخ شدہ کچلی ہوئی لاش لائی گئی تو تصویر ان کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ خدا نے ان کی سن لی تھی۔ وہ جنتی دروازے سے گزرتے ہوئے سیدھے جنت جا پہنچے۔

"اس کے بعد ایک لمبی داستان ہے... ماں نے بڑی مشکلوں سے ہم کو پالا پوسا اور ایک دن ہمیں اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔ میرا بھائی بڑا حوصلے والا اور ذمے دار آدمی تھا۔ وہ میرے جیسا نہیں تھا۔ جذبات کے بجائے عقل سے کام لینا جانتا تھا۔ اس نے صبر کیا اور میری پرورش کی ذمے داری اٹھائی۔ میں انٹر کر رہا تھا۔ ہم دونوں بھائی صرف رات کو ملتے تھے۔ بینک کی نوکری ایسی ہے کہ واپسی میں دیر ہو جاتی ہے۔ ہم نے گھر کے کام کاج کے لیے ایک ملازمہ رکھ لی تھی جو ہمارا کھانا بھی پکاتی تھی اور رات کو سونے کے لیے گھر چلی جاتی تھی۔ بھائی کی تنخواہ اب بہت تھی اور گریڈ کے اعتبار سے وہ افسر تھا۔ اگرچہ بہت جونیئر... لیکن اپنی محنت، ذہانت اور اچھے تعلقات کے باعث اس کا ترقی کرکے اعلیٰ عہدے تک جانا یقینی تھا۔

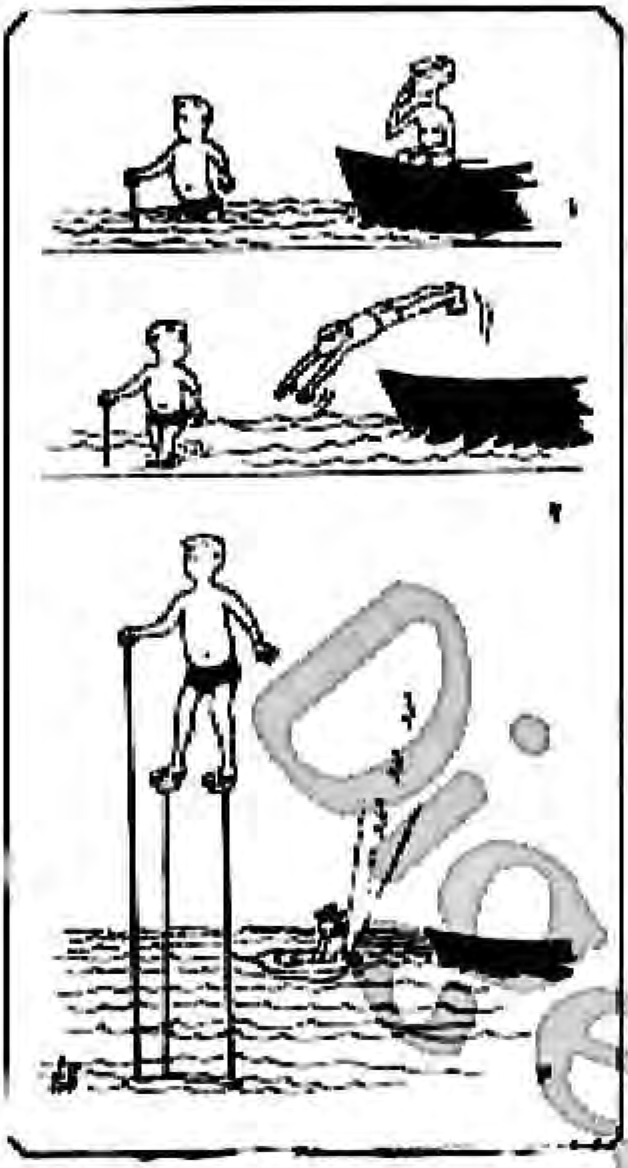

ایک دن وہ بینک سے واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ اسے ایک برانچ کا منیجر بنا دیا گیا تھا۔ ہم قبرستان گئے اور ماں کی قبر پہ بیٹھ کے روتے رہے۔

"واپسی پر بھائی مجھے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھلانے لے گیا تو مجھے پھر رونا آیا۔ آج ماں ساتھ ہوتی تو کتنا فخر کرتی۔ کتنا خوش ہوتی۔ یہ اس کے خوابوں کی تعبیر سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ بھائی کے پاس اعلیٰ عہدہ تھا۔ اچھی تنخواہ اور نئی کار... میں نے بھائی سے کہا۔ "بھائی! ایک بات کہوں۔ اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔"

وہ مسکرا کے بولا۔ "فضول باتیں مت کرو۔ کھانا کھاؤ۔"

"اس میں فضول بات کیا ہے۔ یہ تمہاری بھی ضرورت ہے اور... میری بھی..."

"پھر تم شادی کر لو... ہے کوئی نظر میں تو مجھے بتاؤ؟"

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ایک لڑکی گزرتے گزرتے مسکرائی اور بھائی کھڑا ہوا تو اس نے بھائی سے ہاتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ملایا۔ وہ بہت خوب صورت اور ماڈرن لڑکی تھی۔ اس کا لباس جدید ترین فیشن کا اور بہت قیمتی تھا مگر اس میں عریانی نہیں تھی۔ مجھے اس کے مزاج کی انکساری، نرم خوئی اور پُراعتماد انداز نے متاثر کیا۔ بھائی نے اسے کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی تو اس نے کہا۔ ''سوری، اگر میں اکیلی ہوتی تو ضرور شامل ہو جاتی۔ یہ کون ہے؟'' اس نے رواں انگریزی میں پوچھا۔

''اکیلا یہ میرا سب کچھ ہے۔ بھائی کہو یا بیٹا... فرید۔''

اس نے تعریفی نظر سے بھائی کو دیکھا اور پھر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ''یہ تمہاری خوش قسمتی ہے فرید۔'' اور آگے بڑھ گئی۔

عمر کے فرق کے باوجود ہمارے درمیان بے تکلفی کا رشتہ تھا۔ میں نے مسکرا کے پوچھا۔ ''اب بولیے، آپ میری نظر کی بات کر رہے تھے۔ آپ تو پہلے ہی کسی کی نظر میں ہیں۔''

وہ یکلخت سیریس ہو گئے۔ ''تم غلط سمجھ رہے ہو۔''

''آپ اسے اتنی بے تکلفی سے اکیلا کہہ رہے تھے۔''

''فرید! میں اس بارے میں تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ نہ آج نہ پھر کبھی۔ آئی بات سمجھ میں؟'' انہوں نے انگریزی میں کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ ناراض ہو گئے ہیں۔ جب وہ کسی بات کا برا مانتے تھے تو مجھے انگلش میں ڈانٹتے تھے۔ میں چپ ہو گیا۔ جب میں نے بی اے کر لیا تو بھائی صاحب کی خواہش تھی کہ میں یونیورسٹی میں ایم اے کی کلاس میں داخلہ لوں۔

میں نے صاف انکار کر دیا۔ ''میں ایم اے ضرور کروں گا... لیکن پرائیویٹ۔''

''اس کی وجہ؟''

''میں کوئی جاب کروں گا اور ساتھ ساتھ پڑھائی۔''

وہ بولے۔ ''یہ تمہارا خیال ہے۔ تعلیم کا سلسلہ ایک بار منقطع ہو جائے تو پڑھائی ختم... جاب اور تعلیم ایک ساتھ نہیں چلتے اور پھر تمہیں ضرورت کیا ہے؟''

''میں آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔ گھر کی ذمے داریوں میں۔''

وہ ہنسنے لگے۔ ''تمہیں کس چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے، مجھے بتاؤ؟''

''مجھے کمی محسوس ہوتی ہے ماں کی... وہ اب واپس نہیں آسکتی۔ اس کی جگہ بھابی آسکتی ہے لیکن آپ بلاوجہ اپنی زندگی خراب کر رہے ہیں۔''

''یہ تم نے کیوں فرض کر لیا ہے آخر؟''

''بھائی صاحب! میں بچہ ہوں صرف آپ کے لیے... ورنہ جانتا ہوں کہ ایک شریکِ حیات آپ کی ضرورت ہے۔ صرف اچھے گھر، اچھی نوکری اور اچھی کار سے وہ خلا پُر نہیں ہوتا جو ایک اچھی بیوی کرتی ہے۔''

وہ مسکراتے رہے۔ ''ویری گُڈ، مجھے تو معلوم ہی نہیں تھی یہ بات۔''

''مذاق مت کریں۔ آج آپ کو بتانا پڑے گا کہ شادی کب کریں گے۔ دن رات ایک کر رہے ہیں آپ بینک کی نوکری کے لیے۔ اپنی صحت خراب کر لی ہے۔ اس کے باوجود کبھی آپ نے غور کیا کتنے ہینڈسم ہیں آپ۔ وہ خوش قسمت ہوگی جس کو آپ جیسا شوہر ملے گا۔ صورت اور سیرت میں جس کا ثانی نہیں۔''

''چل ٹھیک ہے لیکن یہ ہوگا تیرے ایم اے کرنے کے بعد... میری بھی شرط ہے۔''

''یعنی دو سال بعد۔ نہیں بھائی۔''

''ہاں بھائی۔ اب وعدہ کر لیا تجھ سے تو ہاتھ ملا لیکن اس کے بعد تیری باری۔''

''اس کے بعد کیوں بھائی۔ اس وقت تک میں بھی بوڑھا ہو جاؤں گا۔'' میں نے ہاتھ ملا لیا۔

''اس سے پہلے ہوگی تو پھر تیرا ایم اے گیا۔ نوکری اور بیوی دونوں سے نمٹنے کے بعد وقت کہاں ہوگا تیرے پاس؟''

چند دن تک وہ مجھے اخبارات میں ''ضرورت ہے'' کے کالم پڑھتا اور درخواست لکھتا دیکھتے رہے۔ ایک ہفتے بعد ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا۔ ''نوکری ایسے نہیں ملتی بے وقوف۔''

''پھر کیسے ملتی ہے؟'' میں نے کہا۔

''سفارش چاہیے ورنہ رشوت۔ مجھے بتا کہاں کہاں درخواست دی ہے۔''

''ٹھیک ہے بھائی! نہ آپ کی سفارش چاہیے مجھے اور نہ آپ رشوت دیں گے میرے لیے۔''

وہ چپ ہو گئے۔ ایک مہینے بعد جب میں ایک سو ایک جگہ درخواستیں دے چکا تھا اور خاصا مایوس تھا، انہوں نے پھر رات کے وقت کہا۔ ''کل نادر شاہ سے مل لے۔ وہ کرا دے گا تیرا کام... جہاں تو چاہے گا۔''

''وہ کیا ہے۔ صدرِ پاکستان یا وزیرِ اعظم؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"پتا چل جائے گا تجھے۔ پلیز سنئے! خدمت کر ایک بار مل لے اس سے۔"

"یہ ان کے لہجے کا اثر بھی تھا اور میری عقل بھی کچھ ٹھکانے آگئی تھی کہ اگلے دن میں نادر شاہ سے ملنے چلا گیا۔"

"یہ نادر شاہ وہی ہے جس کی جان کے دشمن ہو تم؟" ریشم نے سوال کیا۔

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ "ہاں یہ وہی ہے لیکن اس کی جان کا دشمن میں اس لیے ہوں کہ اس نے میرے بے گناہ بھائی کا جو میرے لیے باپ سے زیادہ محترم تھا، قتل کیا اور اسی پر بس نہیں کیا۔ اس نے بھائی کا قاتل مجھے ثابت کر کے عدالت سے سزائے موت دلا دی اور جیل میں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا۔ وہ جو مشہور ہے کہ مارنے والے سے بچانے والے کا ہاتھ زبردست ہے۔ اگر یہ سچ نہ ہوتا تو میں بھی آج کسی گمنام قبر کی گہرائی میں سو رہا ہوتا۔ سوچو ذرا، ظلم اور ناانصافی کی کوئی حد ہوتی ہے۔"

"آخر وہ کرتا کیا ہے؟"

"یہ پوچھو کہ وہ کیا نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے ہر غیر قانونی اور غیر اخلاقی دھندے میں ملوث ہے۔ منشیات سے اسلحے تک۔ کرائے کے قاتلوں سے بردہ فروشوں تک۔ اس کے جرائم سب سے ہیں اور یہی اس کی طاقت کا راز ہے۔ اس کے قبضے میں جرائم پیشہ افراد، کرائے کے قاتل اور دہشت گردوں کی طاقت ہے جو اس کی دولت کے غلام ہیں۔ پولیس اس کے اشاروں پر چلتی ہے کیونکہ اس کا تعلق دنیا کے بڑے بڑے جرائم پیشہ گروہوں سے ہے جو اس کی بات نہ مانے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

ریشم نے کانپتی آواز میں کہا۔ "اور تم اس سے ٹکر لو گے۔ یہ سوچا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اگر تم نے اسے مار بھی دیا تو کیا اس کی طاقت ختم ہو جائے گی؟ تم اس کی جگہ لو گے؟ عقل سے کام لو بھائی۔"

"عقل سے کام لینے کا وقت گزر چکا ہے۔ مجھے اس کی بالکل فکر نہیں کہ بعد میں کیا ہوگا۔ یہ نادر شاہ کی مجھ سے ذاتی دشمنی ہے۔ جو اس کی جگہ لے گا ضروری نہیں کہ میرا دشمن ہو اور نادر شاہ کے قتل کا بدلہ مجھ سے لے۔ ایسے لوگ نہ کسی سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں اور نہ دوستی۔ ہر گروہ میں اندر کے لوگ ہی گروہ کا سرغنہ بننے کے خواب دیکھتے ہیں اور ایک کی جگہ دوسرا آتا ہے تو صرف اپنی فکر کرتا ہے۔ خود کو مضبوط اور محفوظ بناتا ہے۔ جیسے ہمارے مغل بادشاہ کرتے تھے۔ دنیا میں نادر شاہ کے نہ جانے کتنے جانی دشمن ہوں گے۔ کسی کو کیسے پتا چل سکتا ہے کہ اسے کس نے مارا اور کیوں؟"

"تمہارا بھائی اسے کیسے جانتا تھا۔ وہ تو شریف آدمی تھا؟"

"میں ایک رات میں ساری کہانی نہیں سنا سکتا۔ چل اب جا کے سو جا ورنہ دن بھر اونگھتی رہے گی۔" میں نے کہا۔

اگلے چند دن میں نے رنگیلا اور سلونی کو تلاش کرتے ضائع کیے۔ وہ ایسے غائب ہوئے تھے کہ اپنا کوئی سراغ چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ دوسری رات ریشم پھر آموجود ہوئی جب میں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

"اچھا بتاؤ تم اس سے ملے؟ اور یہ لو کافی آج میں بھی پی کے دیکھتی ہوں۔"

میں اٹھ بیٹھا۔ "خالہ نے کوئی سوال تو نہیں کیا تھا کہ رات بھر کیا باتیں کرتی رہی بھائی سے۔"

"شاید وہ سوتی رہیں۔ آج بھی سو گئی ہیں۔ انہوں نے نیند کی گولیاں زیادہ کر دی ہیں۔"

"یہ خطرناک بات ہے ریشم، تو نے روکا نہیں۔" میں نے کہا۔

"میں کیسے روک سکتی ہوں انہیں۔ وہ مانتی ہیں کسی کی؟ تم باقی بات بتاؤ۔"

میں سوچتا رہا۔ "یہ تو الف لیلہ ہے ریشم۔"

"وہ کیا ہوتی ہے؟" اس نے اپنی فطری معصومیت سے پوچھا۔

"عربی زبان کی بہت پرانی کہانیاں ہیں۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ روز شادی کرتا تھا اور صبح اپنی بیوی کو قتل کرا دیتا تھا۔ پھر ایک ہوشیار لڑکی نے خود اس سے شادی کی اور اسے ایک کہانی سنائی جو اتنی دلچسپ تھی کہ بادشاہ سنتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ نئی ملکہ نے کہا کہ اب باقی کہانی آج رات سناؤں گی۔ بادشاہ کہانی کا انجام جاننے کا اتنا مشتاق تھا کہ معمول کے مطابق صبح اسے قتل نہ کرا سکا اور وہ دوسرے دن بھی زندہ رہی۔ رات کو اس نے کہانی آگے شروع کی جو رات بھر چلتی رہی مگر بڑی ہوشیاری سے ملکہ نے انجام تک نہیں پہنچائی اور یہی کہا کہ اب باقی رات کو۔ بادشاہ پھر مجبور ہو گیا کہ اسے قتل نہ کرے۔ تیسری رات پھر یہی ہوا۔ پھر چوتھی رات۔ کہانی ختم نہیں ہوئی اور اشتیاق کا مارا بادشاہ اس کو قتل نہ کرا سکا۔ وہ کہانی کا انجام جاننا چاہتا تھا۔ مگر انجام ایک ہزار راتیں گزرنے کے باوجود نہ آیا۔ اردو میں اسے ہزار داستان کہتے ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''کہانی کا انجام کیا ہوا؟ بالآخر وہ ماری گئی ہوگی۔''

میں ہنس پڑا۔ ''میرا خیال ہے کہ تین سال بعد بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی ہوگی۔ اسے ہر رات کہانی سننے کی لت پڑ گئی ہوگی یا ان کے دو تین بچے ہو گئے ہوں گے۔ ان کی ماں کو وہ کیسے قتل کراتا؟''

''تم نادر شاہ سے ملاقات کی بات کر رہے تھے۔'' ریشم نے مجھے یاد دلایا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ''میں اس خیال سے چلا گیا کہ اس شخص سے ملنے میں کیا حرج ہے جس نے بالواسطہ طور پر ہماری مدد کی تھی اور ہمیں بہت پریشانی اور رسوائی سے بچایا تھا۔ وہ یقیناً بہت طاقتور، اثر و رسوخ والا دولت مند اور صاحب حیثیت ہوگا اور اسے شاید یاد بھی نہ ہو کہ اس نے میری کیا مدد کی تھی اور کیوں۔ خیر، میں اس سے ملنے گیا تو اس کا قلعہ نما گھر دیکھ کے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ سب بڑے لوگ اسی قسم کے حفاظتی حصار میں رہتے ہیں کیونکہ ان کی زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے۔ دس فٹ اونچی فصیل میں فولادی گیٹ تھا محافظ نے اسے کھولنے بغیر کیمرے کی مدد سے دیکھا اور مجھے حیرانی ہوئی جب سوال جواب کیے بغیر اس نے میرے لیے الیکٹرانک لاک والا گیٹ کھول دیا۔

''تم فریدالدین ہو؟'' اس نے مجھے دیکھ کے کہا۔ ''تم کو آنے سے پہلے ٹائم لینا چاہیے تھا۔''

''کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں آؤں گا اور تم مجھے پہچانتے ہو؟'' میں نے ایک غیر ضروری سوال کیا۔

اس نے مسکرا کے اقرار میں سر ہلا دیا۔ ''میں شاہ جی سے پوچھ لیتا ہوں۔ اگر وہ فارغ ہوں گے تو بلالیں گے۔''

مجھے بلا لیا گیا۔ اندر سے ایک خطرناک شکل و صورت والا ملازم برآمد ہوا جو مجھے اندر لے گیا۔ ایک اور آٹومیٹک گیٹ سے گزر کے میں ملازم کے پیچھے چلتا گیا۔ ایک لمبے کاریڈور میں وہ اچانک رک گیا اور مجھے ہاتھ سے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے دروازہ کھولا تو نادر شاہ کو ایک صوفے پر فون ہاتھ میں تھامے کسی سے گفتگو کرتا دیکھا۔ دوسرے ہاتھ کے اشارے سے اس نے مجھے اپنے سامنے والے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔ اس کے سامنے میز پر خوب صورت بلوریں جام میں کوئی سرخ مشروب تھا جو شراب بھی ہو سکتی تھی۔ کمرے کی آرائش ایسی ہی تھی جیسی دولت مندوں کی ہوتی ہے۔ وہ تقریباً چالیس سال کا صحت مند اور گورا چٹا آدمی تھا جو دیکھنے میں باذوق بلند رنگتا تھا۔ کلین شیو چہرے پر اس کی آنکھیں بہت چمک دار تھیں۔ شاید وہ کسی کو نظر بھر کے دیکھتا تو اسے جانچا تاڑ کر لیتا۔

اس نے ایک شفیق مگر پر اعتماد لہجے میں پوچھا۔ ''کیسے ہو فرید، کیا لو گے؟''

''کچھ نہیں سر۔'' میں اب اس سے متاثر یا مرعوب ہو چکا تھا۔

''یہ تمہارے مطلب کی چیز نہیں۔'' اس نے جام اٹھا کے ایک گھونٹ لیا۔ ''چلو چائے پی لو۔'' اور میز پر ماچس جیسی چیز کا بٹن دبا دیا۔

میں نے کہا۔ ''سر پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کر دوں گا جو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے میری اور بھائی کی جو مدد کی تھی وہ ایک احسان تھا۔''

اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

''تم نے ایم اے کر لیا ہے اور اب ڈگری لیے نوکری ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔''

میں اب اس سے خاصا متاثر ہو چکا تھا، میں نے کہا۔ ''یس سر۔''

''اچھا چائے پیو۔'' اس نے چائے اور لوازمات سے بھری ٹرے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا جو کوئی ملازم وہاں چھوڑ گیا تھا۔ ''کیسی نوکری چاہیے؟''

''کوئی بھی، اچھی سی۔ جس میں آمدنی معقول ہو اور باعزت ہو۔''

''معقول آمدنی تم کسے کہتے ہو؟ اور تمہارے نزدیک عزت کا معیار کیا ہے؟'' وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

''یہی سر، کہ دس پندرہ ہزار مل جائیں۔ آمدنی میں تھوڑا بہت اضافہ ہوتا رہے۔ آدمی کوئی چھوٹا موٹا گھر بنانے کی سوچتا ہے۔ گھر ہے میرے پاس۔ اتنی بچت ہو جائے کہ گاڑی لے سکوں۔ نئی نہ سہی پرانی۔''

''ایسا کون سا کام ہے تمہاری نظر میں؟''

میں نے کہا۔ ''اگر میں لیکچرر بن جاؤں تو شام کے وقت ٹیوشن بھی پڑھا سکتا ہوں۔''

وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''تم ایک کم ہمت، احمق اور گدھے ہو۔ ایم اے پاس کنوئیں کے مینڈک۔''

مجھے شاک ہوا مگر میں بولا نہیں۔

''اور تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ''مجھے امپریس کرنے کے لیے ورنہ ہر نوجوان چاہتا ہے کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

گلبرگ میں اس کی چار کنال کی کوٹھی ہو۔ اس کے پاس ایک لگژری کار ہو۔ ٹویوٹا یا مرسیڈیز۔ اس کی جیب اتنی بھری ہوئی ہو کہ وہ دنیا کے بازار سے کچھ بھی خرید سکتے۔ اپنے لیے، بیوی بچوں کے لیے اچھے کپڑے، گہنے، شاندار ہوٹلوں میں جائے۔ ہوائی جہاز میں سفر کرے اور لندن، پیرس دیکھے۔ وہاں ایک سے ایک شاندار ہوٹل ہے جس میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی دستیاب ہے۔ یہ مت کہنا کہ تم ایسی زندگی کا خواب بھی نہیں دیکھتے۔ یہ ایک اور جھوٹ ہو گا۔"

میں نے سر جھکا لیا۔ "خواب دیکھنا تو کوئی مشکل کام نہیں سر۔"

"ہاں، مگر تعبیر حاصل کرنا مشکل ہے۔ کیوں مشکل ہے؟ جو دنیا میں لاکھوں کروڑوں نے حاصل کیا۔ میں نے حاصل کیا، وہ تم کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہارے پاس کیا نہیں جو میرے پاس ہے۔ صحت مند جسم، عقل اور تعلیم۔ میرے تمہارے ہاتھ پاؤں، ناک، کان، آنکھیں سب ایک جیسی ہیں۔ فرق صرف ایک ہے جو نظر نہیں آتا، پوچھو کیا؟"

میں نے منمنا کے کہا۔ "کیا سر؟"

"خواہش، حوصلہ، ہمت، ارادہ، یہ ایک ہی پیکیج ہے۔ بڑی کامیابی بھی آسانی سے نہیں ملتی۔ مجھے بتاؤ کہ دولت مند بننے کے لیے تم کیا کر سکتے ہو؟ تم نے کہا کہ مجھے دولت نہیں چاہیے تو یہ تیسرا جھوٹ ہوگا۔"

"میں ایسا نہیں کہوں گا کہ مجھے دولت چاہیے۔"

"کتنی؟" وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔

"جتنی مل جائے۔" میں نے ہمت سے کام لیا۔

"یہ تو تمہاری دولت سے محبت پر منحصر ہے۔ محبت میں شیریں کے لیے فرہاد نے پہاڑ کاٹا تھا اور دودھ کی نہر نکالی تھی۔ میں نے یہ دولت کسی لاٹری کے ٹکٹ سے نہیں کمائی۔ نہ مجھے باپ سے ورثے میں ملی۔ میں تمہارے جیسا ہی لاوارث شخص تھا۔ مگر میں نے دولت کو مقصد بنا لیا۔ ہاں، دولت کو، عزت کو نہیں۔ کیونکہ جب دولت آتی ہے تو عزت بھی آجاتی ہے خود بخود۔ جب کوئی ایسی محل جیسی کوٹھی میں رہتا ہو، نئی مرسیڈیز سے اترے اور ہزاروں لاکھوں لٹائے تو ہاتھ خود بخود سلام کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ پھر کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ پیسا کہاں سے آیا۔ غبن کر کے، ڈاکے ڈال کے، ٹیکس بچا کے، نقلی دوائیں بیچ کے، رشوت سے، ناجائز منافع سے۔"

"میں ایسی عزت کے بارے میں نہیں سوچتا۔"

"تو پھر تم شاعر یا مصور، ایکٹر یا سنگر بن جاؤ۔ پروفیسر یا صحافی بن جاؤ۔ وہ بسوں میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ پانچ مرلے کے گھر میں رہتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ ان کی بہت عزت ہے۔ فیصلہ کر لو کہ عزت چاہیے یا دولت۔ ٹاس کر لو۔"

اور مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں نے ایک دم کہہ دیا۔ "اوکے سر! مجھے منظور ہے۔"

اس نے جیب میں سے سونے کا ایک سکہ نکالا۔ "اس میں ایک طرف چہرہ ہے یعنی ہیڈ، دوسری سائڈ ٹیل ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہیڈ، یعنی دولت۔ ٹیل کا مطلب عزت۔"

اس نے سکہ اچھالا۔ وہ شیشے کی میز پر گرا تو اس نے ہتھیلی سے دبا لیا۔ "یہ تمہاری قسمت کا فیصلہ ہے۔ تم پچھتاؤ گے نہیں ہو گے۔"

میں نے کہا۔ "کیا آپ اپنے سب فیصلے اسی سکے سے کرتے ہیں؟"

"جی نہیں۔ میں اتنا بے بس نہیں کہ کوئی سکہ میری زندگی کے فیصلے کرے۔"

میں گھبرانے لگا۔ "اگر ہیڈ نہ آیا تو؟"

"تمہیں دس پندرہ ہزار کی نوکری مل جائے گی۔ جیسی تم چاہتے ہو۔ کیا میں ہاتھ ہٹاؤں؟"

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ "اب فیصلہ تدبیر کا نہیں تقدیر کا ہے۔"

اور فیصلہ ہو گیا۔ مجھے سکے پر کسی مڈل ایسٹ کے سلطان کا چہرہ نظر آرہا تھا۔

اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ "تم خوش قسمت ہو۔ ایک سکے نے وہ فیصلہ کر دیا جو میں چاہتا تھا کہ تم کرو۔"

"اور اس کے بعد؟"

"تم میرے لیے کام کرو گے۔ کام کچھ بھی ہو۔ تم انکار نہیں کر سکتے۔" اس نے ایک میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک کتاب نکالی۔ "تم مرزا فرحت اللہ کو جانتے ہو؟"

"جی، وہ پاکستان برین ٹرسٹ کے بانی اور فیوچر اسکالرز کالج کے پرنسپل ہیں۔ ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔ بہت شاندار کوٹھی ہے ان کی۔"

وہ مسکرایا۔ "یہ ان کو پہنچانی ہے۔ شام تک۔ کتاب انہیں مل جائے گی تو وہ فون کر دیں گے مجھے۔ تم کتاب کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کھول کر نہیں دیکھو گے۔ یہ بہت اہم اور تمہاری پہلی آزمائش۔ تم اس میں کامیاب رہے تو اس کام کا معاوضہ پروفیسر فرحت اللہ دیں گے۔ ورنہ مجھے فون پر بتا دیں گے کہ تم پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے کتاب مجھے تھما دی۔

یہ بڑے سائز کی ضخیم اور خاصی بھاری کتاب تھی۔ دھڑکتے دل اور تذبذب کے ساتھ میں نے کتاب لے لی۔ معاملات کی پُراسراریت نے مجھے بے حوصلہ کر دیا تھا کہ میں کوئی سوال نہ کر سکا۔ اس نے مجھے مہلت بھی نہیں دی۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

میں کسی سحر زدہ شخص کی طرح باہر نکلا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک خیال تھا۔ مجھے اس آزمائش میں پورا اترنا ہوگا۔ کیا ضرورت ہے مجھے اس کتاب کو کھول کر دیکھنے کی۔ کتاب تو کتاب ہوتی ہے خواہ کسی بھی موضوع پر ہو۔ ایک جنون تھا جو مجھے آگے دھکیل رہا تھا۔ خوابوں کی تعبیر کی طرف۔ کامیابی کی کشش مجھے کھینچ رہی تھی۔ اگرچہ کامیابی کی نوعیت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا مگر میں کھلی آنکھوں سے اس عزت کا خواب دیکھ رہا تھا جو میرے عزت کے تصور سے بہت مختلف تھا اور یہ تبدیلی نادر شاہ سے ملاقات کے بعد آئی تھی۔ اس نے جیسے مجھے ہپناٹائز کر دیا تھا۔

باہر آ کے میں نے رکشا پکڑا اور اسے ماڈل ٹاؤن کا پتا بتا دیا۔ تقریباً چالیس منٹ کے بعد میں پروفیسر مرزا فرحت اللہ کی جدید عالی شان کوٹھی کے دروازے پر کھڑا کال بیل بجا رہا تھا۔ ایک بار پھر ویسا ہی ہوا جیسا نادر شاہ کے قلعے میں داخل ہوتے وقت ہوا تھا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ یہ الیکٹرانک لاک تھا۔ انٹرکام سے آواز آئی۔

"اندر آ جاؤ۔" شاید کلوز سرکٹ کیمرے پر مجھے دیکھ لیا گیا تھا۔ پروفیسر صاحب سے میں آخری بار کئی سال پہلے ملا تھا تو وہ کسن آباد میں تھے اور ان کا معمولی سا گھر تھا۔ پھر چند ہفتے پہلے ایک دوست کے ساتھ وہاں سے گزرا تو اس دوست نے کہا۔ "یہ ہمارے پروفیسر فرحت اللہ کی کوٹھی ہے۔"

میں بھونچکا رہ گیا۔ "مگر وہ تو کسن آباد میں پانچ مرلے کے گھر میں تھے۔"

"اب یہاں ہیں۔ سنا ہے ان کو باپ سے ورثے میں لاکھوں نہیں کروڑوں ملے تھے۔"

"کیا تھے ان کے والد؟"

"غالباً بہت بڑے زمیندار۔"

میں اندر داخل ہوا تو پروفیسر برآمدے میں آ گئے تھے۔ پورچ میں دو شاندار کاریں کھڑی تھیں۔ ایک وائٹ نئے ماڈل کی کرولا۔ دوسری سیاہ رنگ کی چم چم کرتی ہنڈا سوک۔ وہ ہاتھ ملا کے بڑی شفقت سے مجھے لپٹا لے گئے۔ میں نے کتاب ان کی خدمت میں پیش کر دی جسے انہوں نے بے دھیانی سے ایک طرف رکھ دیا اور مجھ سے میرے کیریئر کے بارے میں پوچھتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے پہچانتے ضرور تھے مگر جانتے نہیں تھے۔ چند منٹ بعد جب میں نے اجازت چاہی تو انہوں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "فرید میاں! کھانے کا وقت ہے۔ ہم تمہیں ایک گلاس پانی پر ٹرخا دیں۔ یہ تمہاری نہیں ہماری بے عزتی ہوگی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

میں مجبور ہو گیا اور ان کے ساتھ میز پر بیٹھ کے ایک پُرتکلف لنچ میں ان کی بیوی اور بیٹی کے ساتھ شریک بھی ہوا۔ ان کی بیٹی جتنی حسین تھی اس سے زیادہ شوخ۔ البتہ ان کی بیگم ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آئیں۔ انہوں نے اپنے بیٹوں کے بارے میں بتایا جو اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا گئے ہوئے تھے۔ چلتے وقت انہوں نے مجھے ایک لفافہ دیا۔

"یہ جیب میں رکھ لو احتیاط سے۔"

"کیا ہے اس میں سر؟" میں نے پوچھا اگرچہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس میں نوٹ ہیں۔

"یہ باہر جا کے دیکھنا۔" انہوں نے ہنس کر کہا اور خدا حافظ کہہ کے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے چند قدم چل کے لفافہ کھولا۔ اس میں دس ہزار روپے تھے۔ میرا دماغ چکرا گیا۔ بے خیالی میں کئی میل پیدل چلنے کے بعد رکشا میں بیٹھنے تک میرے دماغ میں ایک سوالیہ نشان نے اپنا روپ بدل لیا اور خطرے کی علامت بن گیا۔ ایک کھوپڑی اور کراس میں دو ہڈیاں۔ لیکن میں لوٹ کر نادر شاہ کے گھر یہ پوچھنے نہ جا سکا کہ وہ کتاب کیا تھی اور اسے لے جانے کا یہ معاوضہ چہ معنی دارد۔ ڈاک سے وہ دس بیس روپے میں جا سکتی تھی۔

رات تک میں بے چین رہا۔ جب بھائی لوٹ کے آیا تو میں نے اسے ساری بات بتائی اور دس ہزار اس کے سامنے رکھ دیے۔ اس کا چہرہ سنجیدہ سے تشویش زدہ ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں خوف اتر آیا۔

بر سحاذ پر ایک نئے داؤ کی منتظر
حواری کی تدبیریں اگلے ماہ پڑھیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

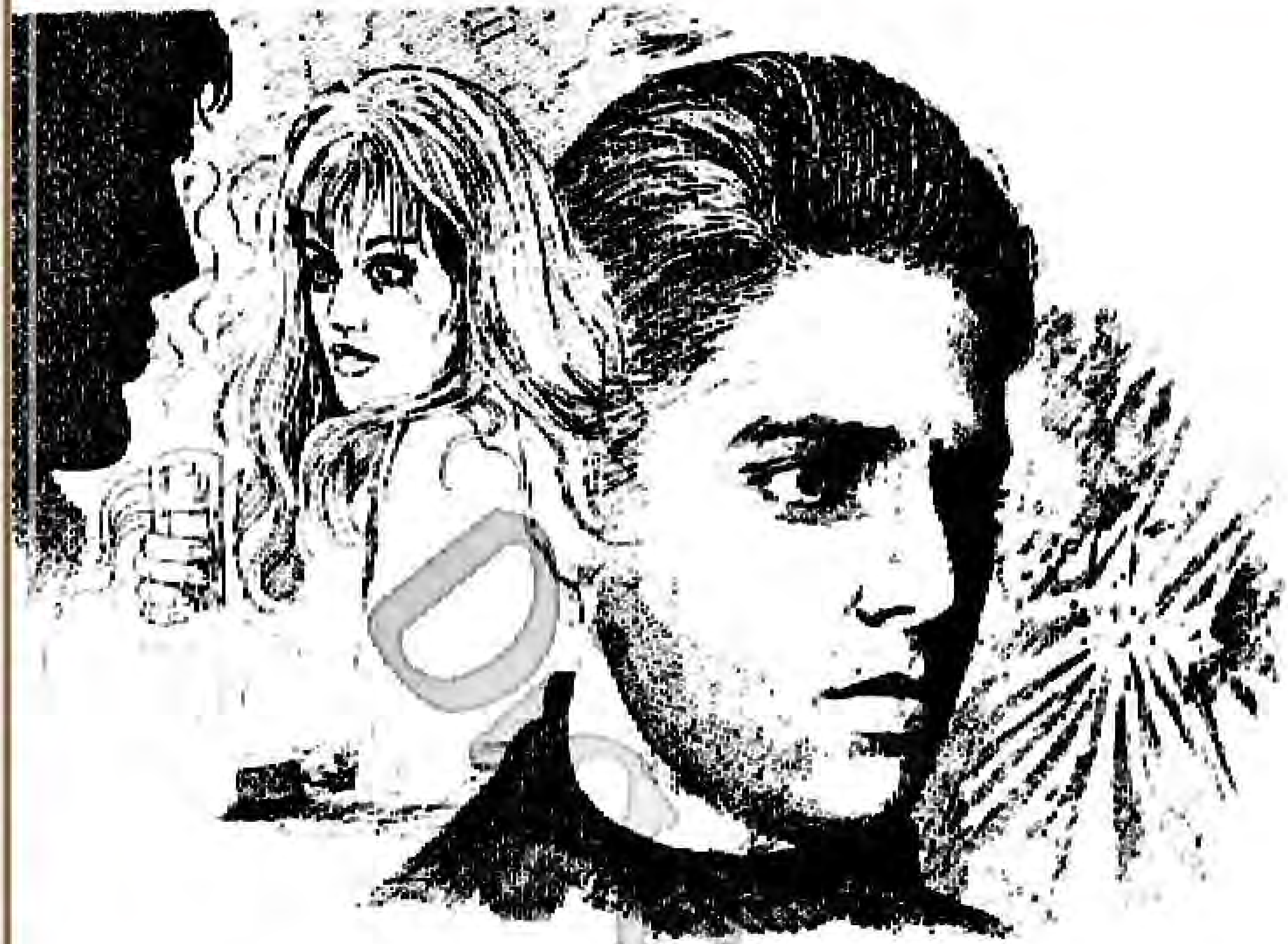

تحفہ

منظر امام

عید کی خوشیوں اور پر بہار ساعتوں میں اس وقت چار چاند لگ جاتے ہیں... جب کوئی چاہنے والا تحفہ دے... ایک ایسے ہی گھرانے کے روز و شب... جہاں ہر شخص کی اپنی الگ دنیا تھی...

محبت اور چاہت کی چاشنی سے لکھی گئی پر مزاح شگفتگی

"اے حامد ذرا ادھر آنا۔" استاد گھیرو نے حامد کو آواز دی۔

حامد اس وقت سبزیاں لینے جا رہا تھا لیکن استاد کی پکار پر ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ "جی استاد کہو۔"

پورا محلہ استاد گھیرو کا احترام کرتا تھا۔ استاد کسی اسکول یا کالج وغیرہ کے استاد نہیں تھے بلکہ گتکا چلانے، لٹو گھمانے اور پتنگیں اڑانے کے استاد تھے۔ پورا شہر ان سے ان سب ہنر کی تکنیک سیکھا کرتا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

استاد کسی زمانے میں پہلوانی بھی کر چکے تھے اس لیے ہاتھ پاؤں کے بھی مضبوط تھے۔

ان کی گزر بسر ان چند دکانوں کے کرایوں سے ہوا کرتی۔ وہ دکانیں انہوں نے بہت پہلے خرید لی تھیں۔ ایک بیٹا تھا راجو جس کی شادی ہو چکی تھی۔

راجو کسی فیکٹری میں سپروائزر قسم کی کوئی چیز تھا۔

''ابے تو کیا کرتا ہے؟'' استاد نے اپنے پاس کھڑے حامد سے پوچھا۔

''کچھ نہیں استاد، ایک دکان پر کام کرتا ہوں۔ اس کے بعد گھر آ جاتا ہوں۔ شام کے وقت کرکٹ کھیلنے چلا جاتا ہوں۔''

''ابے کہیں عشق وغیرہ بھی کرتا ہے یا نہیں؟'' استاد نے پوچھا۔

''کیسی بات کرتے ہو استاد۔'' حامد نے دانت پھاڑ دیے۔

''ابے دانت مت نکال ۔ میرے سوال کا جواب دے۔''

''نہیں استاد، اپنی تقدیر ہی ایسی نہیں ہے۔'' حامد نے کہا۔ ''عشق کرنے میں خرچا بہت ہوتا ہے۔''

''ابے خرچا میں دے دیا کروں گا۔ تو میرے بل پر کسی سے عشق شروع کر دے۔''

''استاد! آج یہ تم... کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' حامد نے حیرت سے پوچھا۔

''ابے تیرے بھلے کی بات کر رہا ہوں۔ رات میں نے تیرے لیے خواب دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تو کسی لڑکی کا ہاتھ تھامے بادلوں کی طرف اڑا چلا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب سمجھتا ہے؟''

''نہیں استاد۔''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو کسی لڑکی کی وجہ سے ترقی کرے گا۔'' استاد نے کہا۔ ''جا ڈھونڈ کسی لڑکی کو۔''

''استاد یہ رمضان کا مہینہ ہے۔'' حامد نے کہا۔ ''اس مہینے میں لڑکی کہاں ملے گی؟''

''ابے کلو قصاب کی لڑکی ہے اس محلے میں۔ اسی کو پکڑ لے۔''

''استاد! وہ تو ایک نمبر کی ظالم ہے۔ اس کے ہاتھ اتنے بھاری ہیں جیسے چاپڑ۔ ایک بار اس نے جو چانٹا مارا تھا، وہ ایک سال تک یاد رہا تھا۔ قسم سے استاد کیا ہاتھ ہے۔ پورا گال ایک طرف سے سوج گیا تھا۔''

''اچھا اس کو چھوڑ، وہ فضلو دکان والے کی بیٹی کیسی رہے گی؟'' استاد نے پوچھا۔

''استاد! وہ تو پہلے ہی کسی کے ساتھ چکی ہوئی ہے۔'' حامد نے بتایا۔ ''میں خود کئی بار اسے کسی کے ساتھ دیکھ چکا ہوں لیکن ایک بات تو بتاؤ استاد! تمہیں مجھ سے ایسی کیا دلچسپی ہو گئی کہ تم میرے عشق کی پلاننگ کر رہے ہو؟''

''ابے میں مست ملنگ قسم کا آدمی ہوں۔'' استاد نے کہا۔ ''اپنا تو کام ہی دوسروں کی بھلائی ہے اور تو تو ویسے ہی محلے کا ہے۔ تیرے مرحوم باپ سے میری دوستی رہی ہے۔ ایک بار میں نے اس کو دو ہزار روپے ادھار بھی دیے تھے۔''

''استاد! یہ بات تم مجھے دس بار بتا چکے ہو۔'' حامد برا ماننے لگا۔

''ابے تو کیا ہوا۔ سانچ کو کیا آنچ۔'' استاد نے کہا۔ ''چل چھوڑ اس ذکر کو۔ میں تو بھول ہی گیا ہوں۔ تو بس اپنے مستقبل کی فکر مت کر۔ پکڑ لے کسی لڑکی کا ہاتھ اور بادلوں کی طرف پرواز کر جا۔''

''استاد تمہارے خواب کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ کسی لڑکی کا ساتھ ملتے ہی میں مر جاؤں گا اور میری روح بادلوں کی طرف پرواز کر جائے گی؟''

''ابے جاہل، کیا ایسا سنا ہے کہ کوئی روح کسی لڑکی کا ہاتھ تھام کر پرواز کر رہی ہو؟'' استاد نے پوچھا۔

''نہیں استاد ایسی تو کوئی بات نہیں سنی۔''

''تو بس جان لے کہ قدرت نے تیرے لیے مجھے اشارہ دیا تھا۔ اب جا... شروع ہو جا اور ہاں، لڑکیوں کو تحفے وغیرہ بھی تو دیتے ہیں نا۔''

''ہاں، استاد دیتے تو ہیں لیکن میں کہاں سے دوں گا؟''

''اس کی فکر مت کر، میں نے کہا ہے کہ سارا خرچا پانی میری طرف سے۔ تیرا کام بس ترقی کرنا ہے۔ اب جا میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔''

حامد حیران اور پریشان سا ہو کر ایک طرف چلا گیا۔

استاد سبزی کے ٹھیلے کے پاس پہنچ گیا۔ سبزی والا بھی استاد ہی کی طرح پتنگ باز تھا۔ ''کیا بات ہے استاد! کل کی ہو جائے؟ میدان میں چلتے ہیں۔''

''ابے نہیں یار، روزے میں پتنگ نہیں اڑائی جاتی۔ سارا دھیان افطاری کی طرف لگا رہتا ہے۔'' استاد نے کہا۔

''استاد! ایک بات تو بتاؤ۔ یہ شبراتی کے لونڈے نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

تمہاری پتنگ کیسے کاٹ دی تھی؟''

''ابے وہ اناڑی ہے اور اناڑی کچھ بھی کرسکتا ہے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ اناڑی سے کیا پریشانی؟''

''ابے اناڑی ہی سے پریشانی ہونی چاہیے۔ اب مثال کے طور پر آج کل چوری چکاری بہت ہونے لگی ہے۔ موبائل چھیننے کا زمانہ آگیا ہے' ہے نا؟''

''ہاں استاد، میرے سالے کا موبائل بھی چھن گیا۔''

''اب دیکھ، ایک وہ ہے جو سامان لے کر تیرے سر پر آجاتا ہے لیکن وہ پروفیشنل ہے یعنی اس کام میں مہارت رکھتا ہے۔ اس نے اگر حملہ بھی کیا تو بڑے اطمینان کے ساتھ ٹانگ وانگ میں گولی مار کر چلا جائے گا لیکن کوئی اناڑی سامنے آگیا تو وہ اتنا گھبرایا ہوا ہوگا کہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔ کہیں بھی گولی مار دے گا۔''

''یہ بات تو ہے استاد۔''

''اسی لیے اناڑی سے مت بھڑا کر۔ دو کلو آلو تول دے۔ بہو انتظار میں بیٹھی ہوگی۔''

استاد سبزی وغیرہ لے کر گھر پہنچے تو بہو جمیلہ ان کے انتظار میں ہی بیٹھی تھی۔ استاد کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھی۔ ''کیا بات ہے ابا! اتنی دیر سے کیوں آرہے ہو؟''

''وہ راستے میں کچھ لوگ مل گئے تھے۔ ان کو رمضان کے روزوں کی فضیلت بتا رہا تھا۔'' استاد نے چور نگاہوں سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جانے دو ابا۔ کبھی تم نے رمضان کے روزے رکھے؟'' جمیلہ نے پوچھا۔

''بیٹا! کم از کم دوسروں کو تو اس کے فائدے بتاتا پھرتا ہوں۔ اس محلے کے کتنے لونڈے میری وجہ سے روزے رکھنے لگے ہیں۔ ان کا تھوڑا بہت ثواب تو ملے گا نا مجھے۔ تو بس قیامت میں کام چل جائے گا۔ ابے مجھے جنت میں دو چار کمرے بھی مل جائیں تو وہی بہت ہیں۔ ہزاروں کمروں کو لے کر کیا کروں گا؟''

جمیلہ نے آلو کا شاپر اٹھایا اور کچن کی طرف چلی گئی۔

استاد اپنی بہو کو دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی جمیلہ اس سے بہت ناراض ہو جاتی اور کبھی اسے چپ لگ جاتی۔ استاد جانتا تھا کہ اس کے مزاج میں اتنی الٹ پھیر کیوں رہتی ہے۔

جمیلہ کچھ دیر بعد کچن سے کسی کام سے باہر نکلی تو استاد نے کہا۔ ''بات سن۔ اس عید پر میں تجھے ایسا تحفہ دوں گا کہ زندگی بھر میرا احسان مانے گی۔''

''رہنے دو ابا، کچھ تحفہ تمہارا بیٹا دے دیتا ہے، کچھ تم دے دو گے۔''

''ابے یقین کر میری بات کا۔ بہت قیمتی تحفہ ہے۔'' استاد نے کہا۔ ''اب میں اس کے بندوبست کے لیے جارہا ہوں۔''

''یہ کہو نا کہ پتنگ اڑانے جارہے ہو۔''

''ابے نہیں، رمضان میں تو صرف ہوش اڑتے ہیں۔ پتنگیں کہاں اڑتی ہیں۔'' استاد مسکرا کر بولے۔ ''میں ایک لونڈے کو راہ راست پر لانے جارہا ہوں۔ کم بخت پر بڑی محنت کرنی پڑ رہی ہے۔''

جمیلہ نے کچھ نہیں کہا۔ استاد مکان سے باہر آگیا۔ اسے حامد کی تلاش تھی۔ جسے کچھ دیر پہلے عشق کرنے کا مشورہ دے کر آیا تھا۔

استاد نے پھر اشارے سے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔

''بتا کیا سوچا تو نے؟'' استاد نے پوچھا۔

''کس بارے میں استاد؟''

''ابے جو تجھے لیکچر دے کر گیا ہوں۔ اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تو نے؟ کس سے عشق کر رہا ہے؟''

''استاد تم تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ خود سوچو کس سے عشق کروں؟''

''میں تجھے ایک مشورہ دوں؟''

''بتاؤ استاد۔''

''تو میری بہو کو پھانس لے۔'' استاد نے کہا۔

''کیا؟'' حامد نے بوکھلا کر استاد کی طرف دیکھا۔ ''کیا کہہ رہے ہو استاد؟ یہ کیسی بات کردی؟''

''ایک بات بتا۔ کیا میری بہو خوب صورت نہیں ہے؟'' استاد نے پوچھا۔ ''جواب دے' شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ہاں استاد ہے تو خوب صورت۔'' حامد نے اعتراف کیا۔

''لگتا ہے تو نے اس کو پہلے سے نظر میں رکھا ہوا ہے؟''

''ارے نہیں استاد، توبہ توبہ کیسی بات کر رہے ہو۔ وہ تو آتے جاتے اس کو دیکھ لیتا ہوں۔''

''چل، اب اس سے باقاعدہ عشق شروع کر دے۔'' استاد نے کہا۔ ''یہ بھول جا کہ وہ کسی کی بیوی اور کسی کی بہو ہے۔ بس یہ سوچ کہ وہ ایک جوان اور خوب صورت عورت ہے اور تجھے اس سے عشق کرنا ہے۔''

''استاد! ایسی الٹی بات تو میں نے کبھی نہیں سنی ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

گی۔" حامد نے کہا۔ "لوگ تو اپنی بہو بیٹیوں کی طرف کسی کو کھلی آنکھ سے دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے اور تم اس سے عشق کرنے کی بات کررہے ہو۔"

"ابے مجھے تجھے ترقی کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔" استاد نے کہا۔ "کوئی بات ہے۔ جب ہی تو کہہ رہا ہوں۔ ورنہ کون اپنی بہو کے لیے کسی کو ایسا مشورہ دیتا ہے۔ ابے ہمت پکڑ لے، بے حیا بن جا میرے سامنے اور اس سے عشق کا اظہار کردے لیکن ڈائریکٹ عشق پر مت پہنچ جائیو۔"

"تو پھر کیا کرنا ہوگا استاد؟" حامد کچھ کچھ بے حیا بننے لگا۔

"یہ بتا میرے بیٹے راجو سے تیری جان پہچان ہے نا؟"

"ہاں استاد! اچھی خاصی جان پہچان ہے۔" حامد نے بتایا۔

"اب آج یا کل بہت سے فروٹ وغیرہ خرید کر افطار کے وقت پہنچ جا۔" استاد نے بتایا۔ "راجو پوچھے تو اس سے کہنا کہ پتنگ بازی کے گر سیکھنے آیا ہوں۔ میں تجھے افطار پر روک لوں گا کیونکہ تو فروٹ لے کر آیا ہوگا۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا استاد؟" حامد نے پوچھا۔

"دھیان سے سن رہ۔ افطار کے بعد چائے کا دور چلے گا، گپ شپ ہوگی۔ اس دوران میری بہو دو چار بار ہمارے سامنے سے گزرے گی۔ تو بس اس کو دیکھ کر مسکرا دینا۔ یہ پہلے دن کا کام ہوگا۔ اس کے بعد جیسے جیسے بات بڑھتی جائے گی، میں تجھے بتاتا جاؤں گا۔"

"استاد میں تو حیرت سے مرا جارہا ہوں۔" حامد نے کہا۔

"ابے حیرت کو چھوڑ اور اپنے بھلے کا سوچ۔ یہ سب میں تیرے بھلے کے لیے کررہا ہوں۔ تیرے باپ سے میری دوستی رہی ہے حالانکہ اس نے میرے دو ہزار روپے واپس نہیں کیے تھے۔"

حامد برا سا منہ بنا کر رہ گیا لیکن استاد کی تجویز پر عمل کرنے کے لیے ایک شام افطاری سے پہلے استاد کے گھر پہنچ گیا۔

استاد کا بیٹا راجو گھر پر ہی تھا۔ استاد نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ سب کچھ اسی طرح ہورہا تھا جس طرح استاد نے پلاننگ کی تھی۔

استاد نے حامد کو افطاری پر روک لیا۔ راجو کی ڈیوٹی فیکٹری میں آٹھ بجے رات سے تھی۔ وہ افطار کے بعد چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد استاد نے حامد سے کہا۔ "دیکھ، میں اب بہانے سے واش روم کی طرف جارہا ہوں۔ میری بہو تیرے لیے چائے لے کر آئے گی اور وہی کرنا جو میں نے کہا ہے۔"

"استاد! میں تو ابھی سے گھبرا رہا ہوں۔" حامد نے کہا۔

"اب کس بات کی گھبراہٹ ہے؟"

"کہ کہیں کوئی سازش نہ ہو۔"

"ابے کیا پاگل ہوگیا ہے۔ تیرے خلاف کون سازش کرے گا۔ تیرے پاس سازش کرنے کو رکھا ہی کیا ہے۔ سارے خوف دل سے نکال دے اور چوکس ہوجا۔ میں کمرے سے باہر جارہا ہوں۔"

استاد کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی بہو جمیلہ چائے لے کر کمرے میں آگئی۔ "ابا کہاں ہیں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ واش روم میں ہیں۔" حامد اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

جمیلہ نے ٹرے ایک طرف رکھ دی اور جب وہ جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی تو حامد نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ "ایک منٹ، ذرا میری بات سنو۔"

"کیا ہے؟" وہ دروازے کے پاس ہی کھڑی رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔" حامد شپٹا گیا۔ "میں نے سوچا شاید تمہیں مجھ سے کوئی بات کرنی ہوگی۔"

"پاگل ہوگئے ہو۔ تم سے کیا بات کروں گی؟" جمیلہ کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔ "اپنی اوقات میں رہنا سمجھے۔"

حامد پسینے پسینے ہوگیا۔

استاد کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تو حامد جانے کے لیے کھڑا ہوگیا۔ "مجھے تو جانے دو استاد۔"

"کیوں، کیا بات ہوگئی؟ اتنا پریشان کیوں ہے؟"

"یہ سب اپنے بس میں نہیں ہے استاد۔ تمہاری بہو تو پھاڑ کھانے کو دوڑتی ہے۔"

"بس، ابھی سے گھبرا گیا۔ ابے شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو نے مجنوں کے بارے میں نہیں سنا۔ اٹھارھویں چکر کے بعد لیلیٰ نے اس کی شکل دیکھی تھی۔"

استاد نے اپنی جیب سے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر حامد کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "یہ لے، یہ رکھ لے۔"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

”سمجھ میں نہیں آتا، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ حامد نے کہا۔ ”میں تمہارے پیسے کیوں رکھوں؟“

”ابے عید آنے والی ہے۔ اس کے لیے کچھ تحفے وغیرہ خرید کر اسے دے دینا۔“

”اور اگر اس نے واویلا مچا دیا تو سب سے پہلے تم ہی میری ٹھکائی کرو گے۔“

”ابے کیا پاگل ہو گیا ہے۔ میں کیوں ماروں گا؟“ استاد نے کہا۔ ”معاملہ بڑھ گیا تو پھر میں تجھے صاف نکال لے جاؤں گا۔ اس کی فکر مت کر۔ بس اپنا کام کرتا رہ۔ لے رکھ لے۔“

حامد نے ہچکچاتے ہوئے پانچ سو کا نوٹ رکھ لیا۔

دوسری شام جمیلہ نے استاد سے کہا۔ ”ابا! تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“

”ہاں، بیٹا! کہو۔“

”ابا! تم منع کر دینا اس ذلیل کو اور... یہ... لو۔“ اس نے ایک شاپر استاد کی طرف بڑھا دیا۔ ”یہ منہ پر مار دینا اس کے۔“

استاد سمجھ تو گئے تھے کہ جمیلہ کس کے لیے کہہ رہی تھی پھر بھی انجان بن کر پوچھنے لگے۔ ”کیا ہوا بیٹا! کس کے لیے کہہ رہی ہو؟“

”اسی ذلیل کے لیے جسے آپ اپنا مہمان بنا کر لائے تھے۔“ جمیلہ نے کہا۔ ”وہ آج مجھے یہ سامان دے گیا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں سمجھا دوں گا اس کو۔“

”اچھی طرح سمجھا دینا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“

استاد نے پھر حامد کو جا پکڑا۔ ”ابے تو تو ایک نمبر کا اناڑی ہے۔ تو نے تو میری بہو کو بھڑکا کر رکھ دیا۔ ابے اتنی جلدی تحفے نہیں دیتے۔ پہلے آہستہ آہستہ اس کو اپنے اعتماد میں لیتے ہیں پھر تحفے تحائف دیتے ہیں۔“

”استاد! تم ہی نے تو مجھے پانچ سو دیے تھے۔“ حامد نے کہا۔

”ابے وہ تو تیرے خرچے کے لیے دیے تھے۔ بہانہ یہ بنایا تھا کہ تحفے دے دینا۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تو اتنی جلدی کرے گا۔ خیر کوئی بات نہیں، معاملہ ابھی بھی کنٹرول میں ہے۔ میں تیری طرف سے اس کا دل صاف کر دوں گا۔“

”استاد! تم کیوں اس بے چاری کے پیچھے پڑے ہو؟ وہ تمہاری اپنی بہو ہے۔“

”ابے، یہ سب میں تیری بھلائی کے لیے کر رہا ہوں۔“

”لیکن کیوں؟ میری بھلائی سے اسی کیا دلچسپی ہو گئی تمہیں؟“

”ابے خواب میں حکم ہوا ہے کہ تیری بھلائی کروں۔ اس بھلائی کے لیے یہی بتایا گیا ہے کہ تجھے کسی سے عشق کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد تیرے دن بدل جائیں گے۔“

”استاد! تمہارا بیٹا راجو بہت غصے والا ہے۔“ حامد نے کہا۔ ”اگر اس کو پتا چل گیا تو وہ مجھے جان سے مار دے گا۔“

”ہاں، اتنے دنوں میں تو نے بس یہی عقل مندی والی بات کی ہے۔“ استاد مسکرایا۔ ”میں یہی چاہتا ہوں کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تو اس کی بیوی کو پسند کرنے لگا ہے۔ اس کے عشق میں پاگل ہو رہا ہے۔“

”اب یہ تم نے دوسری کہانی چھیڑ دی۔“

”میری بات سن، میں تیرے کام کو آسان بنا رہا ہوں۔ تجھے میری بہو سے ملنے ملانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ بس تو دوستوں میں بیٹھ کر اس کی تعریف کر۔ اس کے انداز کی۔ اس کی باتوں کی، اس کے حسن کی اور دوستوں سے کہہ کہ بے چاری بدقسمت ہے جو شادی کے بعد ایک معمولی سے گھر میں اور ایک بے ڈھنگے آدمی کے ساتھ آ کر رہنے لگی ہے۔ اگر ایسی عورت ڈیفنس میں ہوتی تو اس کو سر آنکھوں پر بٹھاتے۔“

”استاد! یہ تو اور خطرناک کام بتا رہے ہو۔“

”ابے، اب اس میں کیا خطرہ ہے۔ تجھے کون سا سامنے آنا ہے۔ بس دوستوں میں بیٹھ کر بولتا رہ اور بہت سے دوست راجو کے بھی دوست ہیں، وہ تیری کہانی راجو تک پہنچا دیں گے۔ اس کے بعد میں سنبھال لوں گا۔“

”دیکھ لو استاد۔“

”ابے سب دیکھ بھال کر کر رہا ہوں۔“ استاد نے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر اس کی جیب میں ٹھونس دیا۔ ”بس جو سمجھایا ہے وہی کر۔ تجھے کچھ نہیں ہو گا۔ راجو کی مجال نہیں جو تجھے ہاتھ بھی لگائے۔ بس تو آج شام ہی سے شروع ہو جانا۔“

استاد نے جو جال بچھایا تھا، اس کا رزلٹ تین چار دنوں کے بعد ہی سامنے آ گیا۔ جب اسے پتا چلا کہ اس کا بیٹا راجو، حامد کو اس کے گھر جا کر ڈھیر ساری گالیاں دے کر آیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ہے۔

اتفاق سے حامد اس وقت گھر میں نہیں تھا ورنہ راجو اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

استاد نے اس خبر کو سنتے ہی راجو کو اپنے پاس بلا لیا جو اس وقت پورے آنگن کے چکر کاٹ رہا تھا۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''ابے، تو حامد کے گھر کیا کر کے آیا ہے؟'' استاد نے پوچھا۔

''ابا! اس معاملے میں کچھ مت بولنا۔ میں جان سے مار دوں گا اس کو۔'' راجو نے کہا۔

''ابے دھیرج دھر۔ ایسی کیا تیزی آ گئی تجھ میں۔ وہ تو بے چارہ ایک شریف انسان ہے۔''

''شریف، ابا! وہ ایک نمبر کا بدمعاش اور لوفر ہے۔''

''آخر بات کیا ہوئی؟ کچھ پتا تو چلے۔''

''ابا! وہ جمیلہ کے بارے میں پورے محلے میں کیا کیا بولنے لگا ہے۔'' راجو نے بتایا۔ ''جمیلہ حسن کی دیوی ہے۔ ایسی اچھی لڑکی کہاں سے راجو کے پلے بندھ گئی۔ اس کو تو شیشے کی طرح نزاکت سے رکھنا چاہیے۔ پورے علاقے میں اس کا جواب نہیں ہے۔ کیا حسن پایا ہے اور پتا نہیں کیا کیا۔''

''چل، وہ یہ سب بول بھی رہا ہے تو پھر تجھے کیا؟'' استاد نے کہا۔

''کیا مطلب ابا؟'' راجو نے حیران ہو کر استاد کی طرف دیکھا۔ ''وہ کمینہ میری بیوی کے لیے بول رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تجھے کیا؟''

''ایک بات بتا۔ ایسی باتوں سے تجھ پر کیا فرق پڑتا ہے؟'' استاد نے کہا۔ ''جمیلہ اگر حسن کی دیوی ہے تو اس حسن کی دیوی کو باہر والوں نے بتایا ہے نا، تو نے اس کی کون سی قدر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جمیلہ کو شیشے کی طرح نزاکت سے رکھنا چاہیے اور تو اس کا دل توڑتا رہتا ہے۔ تو نے کبھی اس کی قدر نہیں کی۔ کبھی پیار بھری نگاہوں سے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ جواب دے۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں ابا، تم کہتے تو ٹھیک ہی ہو۔'' راجو کی آواز دھیمی ہو گئی۔

''تو پھر، پھر آج کیوں جمیلہ کی محبت جاگ اٹھی؟''

''ابا! کیونکہ کسی اور کے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگیں۔'' راجو نے کہا۔

''اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ تو ڈر گیا۔''

''ڈر گیا؟ کس بات سے ڈر گیا؟''

''اس بات سے کہ تو جس ہیرے کی قدر نہیں کر سکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہیرا کسی اور کے پاس چلا جائے۔ اسی لیے تو اتنا تن بدن ہو رہا ہے۔ تجھے خوف ہو گیا ہے کہ اب دوسروں نے جمیلہ کو سراہنا شروع کر دیا ہے اسی لیے تو تڑپ اٹھا ہے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟''

''ہاں ابا، بات تو کچھ یہی ہے۔''

''اب جا۔ اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرا خوف سچ ہی ہو جائے۔''

''ابا! لیکن وہ حامد...''

''بھول جا اس کو۔ اس سے کچھ مت کہنا۔ اس کو میں نے ہی کہا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا وہ میرے ہی کہنے پر کیا تھا۔''

''تمہارے کہنے پر؟ وہ کیوں؟''

''اس لیے کہ میں یہ چاہتا تھا کہ تیرا کوئی رقیب پیدا کر دوں۔ یاد رکھ، محبت کا جذبہ اسی وقت بھڑک اٹھتا ہے جب اس کے چھن جانے کا اندیشہ ہو۔ جب کوئی رقیب سامنے ہو۔ ورنہ دیسے بھی قدر نہیں ہوتی۔''

''تم سچ کہہ رہے ہو ابا۔'' راجو نے اعتراف کیا۔ ''میں نے واقعی اس کی قدر نہیں کی لیکن اب تو ایسا لگ رہا ہے جیسے جمیلہ کے لیے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہو۔''

''شکر ہے۔ تجھے احساس ہو گیا۔'' استاد نے کہا۔

اس دوران جمیلہ بھی کمرے سے نکل کر باہر آ گئی تھی۔ وہ ان دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔

''ابے سوچ کیا رہا ہے، مرد بن۔'' استاد نے راجو سے کہا۔ ''تیرے سامنے کھڑی ہے۔ معافی مانگ لے اس سے۔ بہت بڑا دل ہے اس کا۔ ہر عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ معافی مانگ لے۔''

راجو نے جمیلہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''مجھے معاف کر دو جمیلہ۔'' راجو نے کہا۔ ''معاف کر دو۔''

''معاف کر دے بیٹا۔'' استاد نے کہا۔ ''اور یاد کر کہ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اس عید پر میں تجھے ایک قیمتی تحفہ دوں گا۔ تو وہ یہی تحفہ ہے، بیدا راجو۔''

''ابا!'' جمیلہ دوڑ کر استاد سے لپٹ گئی۔

اب وہ تینوں رو رہے تھے اور اس چھوٹے سے گھر میں عید کی خوشیاں داخل ہو گئی تھیں۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

سبقت

تنویر ریاض

زندگی کی بازی جیت لینے کے حقدار وہی ٹھہرتے ہیں جو دشمن کی چال سے پہلے اپنی چال چل دیتے ہیں۔۔۔ اپنی تمام تر کمزوریوں اور مصیبتوں سے گزرتے ہوئے بہرحال اسے ایک موقع مل گیا تھا۔۔۔ اور کامیابی اسی کے حصے میں آئی جو پہل کرتا۔۔۔

پرفریب راستوں میں گم ہو جانے والی دو دوستوں کی کہانی۔۔۔۔

جب ماریا نے فون کر کے مجھے بتایا کہ اس نے پیرس جانے کے لیے دو ٹکٹ بک کروا لیے ہیں تو میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اتنے عرصے بعد میری یاد کیسے آ گئی۔ کالج کے زمانے میں چار سال تک وہ میری روم میٹ رہی۔ اس دوران میں ہمارے تعلقات میں اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ کبھی تو ہم دونوں سگی بہنوں کی طرح محبت کرنے لگتیں تو کبھی ہمارے درمیان بول چال بھی بند ہو جاتی۔ گریجویشن مکمل کرنے کے بعد میں گھر

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

واپس آ گئی اور مختلف جگہوں پر ملازمت کے لیے درخواست دینے لگی لیکن کہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ والدین کی حقارت آمیز نظروں سے بچنے کے لیے کوئی معمولی سی ملازمت ہی کر لینی چاہیے۔ خواہ وہ ٹوائلٹ صاف کرنے کا کام ہی کیوں نہ ہو۔

جب میں نے ماں کو اس سفر کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے پر دعائیہ تاثرات ابھرے اور وہ بولی۔ ”مجھے ہمیشہ سے پیرس جانے کی خواہش تھی۔ تم خوش قسمت ہو اپنی کہ تمہیں ماریا جیسی دوست ملی۔“ میں نے ماں کے سامنے ماریا کی کبھی برائی نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ اسے ایک مخلص دوست سمجھتی تھی۔ اس نے سامان پیک کرنے میں میری مدد کی جبکہ والد پس منظر میں رہ کر مختلف کام نمٹاتے رہے۔ میرے والدین ماریا سے دو مرتبہ مل چکے تھے اور جب ماں اس کی خوب صورتی اور حسن اخلاق کی تعریف کر رہی تھی تو والد تائیدی انداز میں مسکرا رہے تھے کیونکہ انہیں ماریا کی شخصیت کے تاریک پہلو کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔

ماں نے مجھے اپنی گاڑی میں پورٹ لینڈ تک چھوڑا جہاں سے مجھے نیویارک کے لیے بس مل سکتی تھی۔ جب میں ماریا کے اپارٹمنٹ پہنچی تو یوں لگا جیسے کسی غلط جگہ پر آ گئی ہوں۔ ایک لمحے کے لیے یہ خیال بھی ذہن میں آیا کہ کہیں اس نے اپنا ارادہ بدل تو نہیں دیا۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا تھا۔ جب اپنے بوائے فرینڈ رچرڈ سے اس کے تعلقات ختم ہوئے تو اس نے مجھ سے ہوائی چلنے کے لیے کہا اور جب میں اپنا بھرا ہوا سوٹ کیس لے کر واپس آئی تو وہ دوبارہ رچرڈ سے تعلق استوار کر چکی تھی۔ اس سے کچھ بھی ممکن تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور مجھ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولی۔ ”میں تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔ ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔“

میں فوری طور پر اس کا مطلب نہیں سمجھ سکی لیکن جب اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا تو اندازہ ہو گیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ کمرے میں جا بجا شاپنگ بیگز، رسالے، سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ہوئی ایش ٹرے اور ووڈکا کی خالی بوتلیں نظر آ رہی تھیں۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ میں نے وہاں کچھ ایسی فریم شدہ تصویریں دیکھیں جن میں ایک مرد کا سر بڑی صفائی کے ساتھ دھڑ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ میں اس کے نئے اپارٹمنٹ میں پہلی بار آئی تھی لیکن یہ تصویریں پہلے والے اپارٹمنٹ میں بھی آویزاں تھیں۔ اس لیے یہ جاننے میں دیر نہیں لگی کہ ان تصویروں میں جس شخص کا سر قلم کیا گیا، وہ کون ہے۔

”رچرڈ کیسا ہے؟“ میں نے صوفے پر بکھری ہوئی چیزوں کو ایک طرف کرتے ہوئے اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔ وہ بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔

”اس نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔“ وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ ”میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔“

میں انتظار ہی کرتی رہی لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔ اگلے روز ہمیں رات کی پرواز سے پیرس جانا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ بہت ساری گولیاں رکھ لی تھیں۔ جہاز کے فضا میں بلند ہوتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ پر کمبل تان لیا۔ میں تقریباً رات بھر جاگتی رہی۔ میری آنکھوں کے سامنے ان فلموں کے مناظر چلتے رہے جن میں پیرس کے حسین اور دلکش مناظر دکھائے گئے تھے۔ یہ یقیناً دل موہ لینے والی رومانی پرور جگہ تھی۔ ائرپورٹ سے باہر آنے کے بعد ہم نے ٹیکسی کرائے پر لی اور میں کھڑکی سے جھانک کر گزرتے مناظر دیکھنے لگی۔ جس ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکی۔ اسے دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔ وہ ایک تنگ سڑک پر واقع خستہ حال عمارت تھی۔ میں سمجھی کہ شاید ماریا سے ہوٹل بک کروانے میں غلطی ہو گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ڈرائیور کو میرا سامان اتارنے کا اشارہ کیا اور خود دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے مجھے ایک لفافہ تھما دیا اور بولی۔

”یہ رکھ لو۔ یہاں کریڈٹ کارڈ نہیں قبول کیے جاتے۔“

اس نے ڈرائیور کو چلنے کے لیے کہا تو میں گھبراتے ہوئے بولی۔ ”ماریا! تم کہاں جا رہی ہو؟“

”احمقانہ باتیں مت کرو۔ تم اب پیرس میں ہو۔“

میں حیران و پریشان کھڑی ٹیکسی کو دیکھتی رہی پھر مایوسی کے عالم میں سر ہلاتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ استقبالیہ پر بیٹھی عورت نے میرا استقبال کیا اور مجھ سے شناختی کارڈ مانگا۔ اس نے میرا نام پڑھا اور رجسٹر پر نظریں دوڑاتے ہوئے بولی۔ ”اینی لارنس... تمہارے لیے کمرا نمبر 602 مخصوص ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں سیڑھیاں چڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔“

”معاف کرنا۔ میں کچھ سمجھی نہیں۔“ میری حیرانی بڑھتی جا رہی تھی۔

”بہت خوب صورت اور روشن کمرا ہے۔ وہاں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

باہر کا بہت عمدہ نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ تمہیں کمرا نمبر 604 کے ساتھ باتھ روم شیئر کرنا پڑے گا۔ تم جانتی ہو کہ ہم مردوں کو نہیں ٹھہراتے اور یہ ہاسٹل صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے۔"

میں نیم روشن سیڑھیاں چڑھتی ہوئی چھٹی منزل پر پہنچی جو دراصل ساتویں منزل تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس کی دیواروں پر گہرا نیلا رنگ کیا گیا تھا اور اس میں ایک ڈبل بیڈ، کرسی اور میز رکھی ہوئی تھی۔ ایک بڑی کھڑکی سے میں چرچ کے مخروطی مینار دیکھ سکتی تھی۔ نیچے گلی میں دو مشکوک سے آدمی سر جھکائے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے منشیات کا لین دین کر رہے ہوں۔

میں نے باتھ روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہاں ایک شاور موجود تھا جس کے گرد پردہ لٹکا ہوا تھا۔ دوسری جانب ٹوائلٹ اور سنک لگا ہوا تھا۔ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ مجھے سات دن پیرس میں قیام کرنا تھا۔ یہاں پہنچ کر محسوس ہوا کہ میرا دیرینہ خواب پورا ہو گیا لیکن اس وقت تو مجھے ماریا پر غصہ آ رہا تھا جو مجھے اس گھٹیا سے ہوٹل میں چھوڑ کر خود نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔

"اوہ... معاف کرنا۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دوسرے دروازے پر سنہری بالوں والی عورت کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ایک لمحے کے لیے ماریا کا گمان ہوا۔ بالکل وہی قد، بیضوی چہرہ اور نیلی آنکھیں۔

"یہ باتھ روم زیادہ تر میرے استعمال میں رہتا ہے۔ اس لیے یہاں میری چیزیں پڑی ہیں۔ میرا نام ایلس ہے۔ تم غالباً ابھی آئی ہو۔ استقبالیہ پر بیٹھنے والی عورت نے مجھے بتایا تھا کہ اس کمرے میں کوئی آنے والا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم آج ہی آجاؤ گی۔"

"میرا نام ایمی ہے اور چند منٹ پہلے ہی یہاں آئی ہوں۔"

"کیا تم چائے پینا پسند کرو گی؟ میرے پاس سارا سامان ہے۔"

اس کا کمرا بھی میرے جیسا ہی تھا لیکن زیر استعمال ہونے کی وجہ سے بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ دیواروں پر پوسٹرز لگے ہوئے تھے اور میز پر پھولوں کا گلدان رکھا ہوا تھا اور اس کے برابر ہی ایک تصویر میں وہ کسی مرد کے ساتھ نظر آرہی تھی جسے دیکھ کر میرے جبڑے بھنچ گئے۔ وہ رچرڈ تھا۔

وہ دونوں سمندر کے کنارے بنی ہوئی ایک پختہ پگڈنڈی پر کھڑے.... تھے اور انہوں نے اپنے بازو ایک دوسرے کے گرد حمائل کیے ہوئے تھے۔

میں نے ایک سرد آہ بھری۔ اسی لمحے ایلس نے چیخ ماری۔ پھر اس نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک پلاسٹک سلنڈر نکالا جس میں ایک سوئی لگی ہوئی تھی پھر اس نے بڑی صفائی سے وہ انجکشن اپنے بازو میں لگا لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پُرسکون ہو گئی اور بولی۔ "کیا تم نے کچھ دیر پہلے مونگ پھلی کھائی ہے؟"

میں خوف زدہ ہو گئی اور کوئی جواب دینے کے بجائے باتھ روم میں جا کر اپنے ہاتھ دھونے لگی۔ کچھ دیر پہلے میں نے بیگ میں موجود مونگ پھلی کے ریپر کو ہاتھ لگایا تھا۔ وہی بو میرے ہاتھوں میں بس گئی تھی۔

"پریشان مت ہو۔" ایلس نے کہا۔ "میں مونگ پھلی سے الرجک ہوں لیکن یہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ فرانسیسی اسے شمالی امریکا کے لوگوں کی طرح استعمال نہیں کرتے۔"

"مجھے واقعی افسوس ہے۔" میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "آئندہ احتیاط کروں گی۔"

میں نے تصویر کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ "یہ میرا دوست رچرڈ ہے۔ ہماری ملاقات وینکوور میں ہوئی تھی۔ وہی میرا آبائی شہر ہے لیکن میں اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے پیرس چلی آئی۔"

"رچرڈ نورس؟" میری زبان سے بے اختیار نکلا۔

"تم اسے جانتی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی لیکن وہ حیران نظر نہیں آرہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ میری ایک اسکول کی سہیلی سے بھی ڈیٹنگ کرتا رہا ہے۔"

"وہ کاروبار کے سلسلے میں وینکوور آیا تھا۔ اسی کے کہنے پر میں پیرس چلی آئی۔ مجھے یہ شہر پسند ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت کاروبار کے سلسلے میں سفر کرتا رہتا ہے۔ ان دنوں بھی جنیوا گیا ہوا ہے۔"

"اب مجھے چلنا چاہیے۔" میں اٹھتے ہوئے بولی۔ "کچھ دیر آرام کروں گی۔"

"ایمی! کیا میں امید کروں کہ تم مونگ پھلی والی بات کسی سے نہیں کہو گی؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"میں کس سے کہہ سکتی ہوں؟" میرے ہونٹوں سے الفاظ پھسل پڑے لیکن میں سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ کس کی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

جانب تھا۔ "بے فکر رہو، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"

میں ہوٹل سے باہر جا رہی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی عورت نے مجھے ایک پرچہ پکڑا دیا جس پر صرف اتنا لکھا تھا۔ "چھ بجے... ناترے ڈیم پر۔"

پیغام نامکمل تھا لیکن میں اسے نظرانداز نہ کر سکی اور ناترے ڈیم کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ سارا پیرس ہی وہاں آ گیا ہو۔ میں گرجا کے پاس ہی رک کر ماریا کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد ہی وہ آ گئی اور سرگوشی میں بولی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے لے کر ایک کیفے میں چلی گئی۔ ہم باہر رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ویٹر نے ہمارے سامنے مینیو لا کر رکھ دیا اور وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "ہوٹل کیسا لگا؟"

"ٹھیک ہی ہے۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں کہا۔ میں اس سے بہت ناراض تھی اس لیے کوئی شکوہ کرنا ضروری نہ سمجھا۔

"کیا تمہاری وہاں کسی سے ملاقات ہوئی؟" اس نے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"ہاں، برابر والے کمرے میں رہنے والی ایلس سے۔" میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک ہی باتھ روم استعمال کرتے ہیں۔"

"ایلس بروکس۔" اس نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے کہا۔

"کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ یہ سب کیا ہے؟"

اس نے منگنی کی انگوٹھی انگلی سے اتاری اور میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "رچرڈ نے مجھے دھوکا دیا۔ اس عورت سے اس کی ملاقات وینکوور میں ہوئی، جب وہ کاروبار کے سلسلے میں وہاں گیا تھا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا۔" میں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہماری صلح ہو گئی تھی۔ رچرڈ اسے چھوڑ کے آ گیا تھا لیکن وہ اس کا پیچھا کرتی ہوئی پیرس آ گئی اور اب وہ اسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

میں اسے بتانا چاہ رہی تھی کہ رچرڈ اپنے رویے کا خود ذمے دار ہے لیکن وہ یہ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ میں نے پوچھا۔

"رچرڈ کہاں ہے؟"

"کاروبار کے سلسلے میں چین گیا ہوا ہے۔"

"تم اس کی غیر موجودگی میں اس کی گرل فرینڈ سے الجھنا چاہتی ہو؟"

"وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں ہے۔" ماریا سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے بولی۔ "البتہ وہ اپنے طور پر یہی سمجھتی ہے۔ اس نے رچرڈ کے شنگھائی جانے کے بعد مجھے فون کر کے کہا کہ اس کی زندگی سے نکل جاؤں۔"

"اس لیے تم مجھے لے کر پیرس چلی آئیں؟"

ماریا تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "وہ انتہائی احمق ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی ہے اور کہا کہ اگر میں کبھی پیرس آؤں تو اس سے ضرور ملوں۔ اس حماقت کی وجہ سے اس سے پیچھا چھڑانا آسان ہو جائے گا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم رچرڈ سے بات کرو۔"

"شٹ اپ۔" ماریا نے انگوٹھی دوبارہ پہنتے ہوئے کہا۔ "میں اسے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہوں اور تم اس کام میں میری مدد کرو گی۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"تمہیں صرف اس سے قریب ہونا ہے تاکہ وہ تم پر بھروسا کرنے لگے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ بات ہم دونوں کے درمیان راز رہے گی۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے بہت سے راز میرے پاس ہیں اور تم اس سے انکار نہیں کر سکتیں۔ تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

یہ سراسر دھمکی تھی جسے نظرانداز کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ میں خاموشی سے واپس چلی آئی۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی لہٰذا میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی۔ میرا خیال تھا کہ ایلس کو میری آمد کا علم نہیں ہوا ہوگا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اس کی چہکتی آواز سنی۔

"ایمی!"

"ہائے ایلس۔"

"ڈرو تو نہیں گئیں۔ اگر پرائیویسی چاہتی ہو تو باتھ روم میں کھلنے والا دروازہ اندر سے بند کر لیا کرو۔" اس نے ایک زنگ آلود چٹخنی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میرے ساتھ ڈنر کرنا چاہو گی؟ کچھ اور دوست بھی ہوں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ کمرے کی لائٹ بند تھی ورنہ وہ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پریشان ہو جاتی۔ میں کہنا چاہ رہی تھی کہ یہاں سے دور چلی جاؤ۔ میری پاگل دوست تمہیں مارنا چاہتی ہے لیکن اس کے بجائے میری زبان سے صرف یہی نکلا۔ ''میں بہت تھک گئی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، تم آرام کرو۔ اگر نہانا چاہو تو میری جیلی استعمال کر سکتی ہو جو باتھ روم میں چھوڑ آئی ہوں۔''

یوں لگا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''کل میں مصروف ہوں۔ اگر تم چاہو تو سہ پہر میں شیکسپیئر اینڈ کمپنی بک اسٹور پر مجھ سے مل سکتی ہو۔ میں نے اس کا پتا ایک کاغذ پر لکھ دیا ہے۔ ویسے وہ بہت مشہور جگہ ہے۔ تمہیں تلاش کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

میں نے اسے خدا حافظ کہا اور وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ اس کے بعد میں اٹھی اور باتھ روم سے گزرتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے بھی کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے کمرے کی بتی جلائی اور اپنی نظریں اس تصویر پر جما دیں جس میں وہ ورجِز کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا جس پر مشہور مصور گستاؤ کلمٹ کی پینٹنگ بنی ہوئی تھی اور اندر کی جانب ورجِز کے لیے کچھ پُرجوش کلمات لکھے گئے تھے۔ میں سوچنے لگی کہ کلمٹ اپنی ہر تصویر میں عورت کو اس طرح کیوں پینٹ کرتا ہے کہ اس کی گردن ٹوٹی ہوئی نظر آئے۔ مجھے یوں لگا کہ ماریا اور ایلس دونوں ہی ایک دوسرے کو راستے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔

اگلے روز میں دوبارہ تالاب کے ڈیم گئی اور مجھے شیکسپیئر اینڈ کمپنی بک اسٹور تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ میں نے دروازے کے باہر رکھے ہوئے پیپر بک اسٹینڈ پر نگاہ دوڑائی پھر دکان کے اندر جھانکا لیکن وہاں مجھے ایلس نظر نہیں آئی۔

''ایکسکیوز می۔ کیا تم نے فاکنر کو پڑھا ہے؟''

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ جینز اور سفید قمیص میں ملبوس ایک وجیہہ شخص مجھ سے مخاطب تھا۔

''نہیں۔'' میں نے دیکھا کہ وہ ایب سلام، ایب سلام ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔

''لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ اسے ضرور پڑھوں لیکن مزہ نہیں آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میری انگریزی کمزور ہے۔''

ایک عورت

ایک عورت اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر ایک سہیلی سے ملنے گئی۔ چھوٹے بچے کو دیکھ کر سہیلی نے کہا۔ ''اس کی آنکھیں بالکل ماں کی طرح ہیں۔''

ماں بولی۔ ''اور ناک باپ کا ہے۔''

''اور پاجامہ بڑے بھائی کا ہے۔'' اس کے بڑے بچے نے کہا۔

بانیہ عزیز... کراچی

تراش خراش

ایک سپاہی دوسرے سے۔ ''تم پولیس میں بھرتی کیوں ہوئے؟''

دوسرا سپاہی بولا۔ ''میری بیوی نہیں ہے اور میں مرنا چاہتا تھا اور تم؟''

پہلا سپاہی۔ ''میری بیوی تھی اور مجھے سکون کی موت چاہیے تھی۔''

مبشر حسن، حیدرآباد

''میں اپنی انگریزی کو الزام نہیں دوں گی لیکن میں نے اسے پڑھنے میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا تمہیں کسی نے بتایا ہے کہ امریکن ہونے کے باوجود تم دیکھنے میں فرانسیسی لگتی ہو؟'' یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں بھی نسلاً فرانسیسی ہی ہوں لیکن مجھے زبان پر عبور حاصل نہیں۔''

''میری فرانسیسی تو انگلش سے بھی زیادہ بُری ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔'' وہ خجالت سے بولا۔

''اگر تم فاکنر کو پڑھ سکو تو سمجھ لینا کہ تمہاری انگریزی اتنی کمزور نہیں ہے۔''

''تمہارے خیال میں مجھے اس کے علاوہ اور کیا پڑھنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور پیپر بک اسٹینڈ پر نظر دوڑانے لگی۔ اچانک ہی ایلس کی آواز نے

SCANNED BY DIGESTPK

مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ''انیز! تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔'' یہ کہہ کر اس نے اس شخص کی طرف دیکھا اور اسے گھورنے لگی۔

''ہم ابھی اپنا تعارف ہی کروا رہے تھے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ ''ولیم وی لینگ۔ میرا تعلق ایمسٹرڈیم سے ہے۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔''

''انیز... میں مین کی رہنے والی ہوں۔'' یہ کہہ کر میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

''تمہیں کچھ اور دوستوں سے بھی ملنا ہے۔'' ایلس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کھینچتی ہوئی دور لے گئی۔ میں نے پلٹ کر ولیم کی طرف دیکھا تو اس نے شانے اچکا دیے۔ مجھے اس سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا اور اس وقت بالکل بھول گئی تھی کہ ماریا مجھ سے کیا چاہتی ہے لیکن پیرس میں رہتے ہوئے میرے چاہنے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

ماریا کے کہنے پر میں نے اگلے دو روز ایلس کے ساتھ ہی گزارے۔ پیرس میں اس کے دوستوں کا وسیع حلقہ تھا جن میں زیادہ تر انگریزی بولتے تھے۔ مجھے دن بھر کی رپورٹ ماریا کو دینا ہوتی تھی۔ اس وقت مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی تھی۔

''کیا تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟'' ایلس نے ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے پوچھا۔ ہم ڈنر کے بعد ایفل ٹاور چلے گئے تھے جس کی وجہ سے واپسی میں دیر ہوگئی تھی۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' میں نے اسے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ سامی تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔'' اس نے سرخ بالوں والے ایک آسٹریلین کا نام لیتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' میں نے ولیم کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے اس روز سہ پہر کے وقت بک اسٹور میں ملا تھا اور ہم کافی پینے چلے گئے تھے۔ چند منٹوں بعد ایلس بھی وہاں آگئی اور بن بلائے مہمان کی طرح ہمارے ساتھ کافی میں شریک ہوگئی۔ وہ اس سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن ولیم کافی پینے کے بعد فوراً ہی وہاں سے چل دیا۔

''ولیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

''وہ مجھ سے دور بھاگتا ہے۔'' ہمیشہ مثبت اور پرجوش نظر آنے والی ایلس کے لہجے میں یہ تبدیلی میرے لیے حیرت انگیز تھی۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ وہ منشیات کا کاروبار کرتا ہے؟''

''نہیں۔'' میں یہ سن کر ششدر رہ گئی۔ ''مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''تمہاری اس کے ساتھ بمشکل پانچ منٹ ملاقات رہی تھی۔ تمہیں اس سے فاصلہ رکھنا ہوگا۔''

پیرس آنے کے بعد ہی میں الجھنوں کا شکار ہوگئی تھی لیکن اب اس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ''کیا تم نے اس سے منشیات خریدی تھی جو یہ بات کہہ رہی ہو؟'' میں نے چڑتے ہوئے کہا۔

''میں نے جو سنا وہی بتا رہی ہوں۔ کچھ لوگ بظاہر بڑے شریف نظر آتے ہیں لیکن اندر سے...'' اس کی آواز اچانک ہی تیز ہوگئی۔ ''رچرڈ بہت اچھا انسان ہے لیکن بعض اوقات وہ مجھے حیران کر دیتا ہے۔ سابق محبوبہ اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ہم نے اکٹھے رہنے کی بات کی تھی لیکن وہ کہتا ہے کہ اگر ایسا کیا تو وہ اسے مار ڈالے گی۔ اس نے ایسی عورت کے ساتھ تعلق کیوں قائم کیا تھا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔ ''استقبالیہ کلرک نے تمہیں کس کا پیغام دیا تھا؟''

''میری ماں کا خط تھا۔''

کمرے میں داخل ہو کر میں نے سب سے پہلے باتھ روم کا دروازہ دیکھا۔ اس کی چٹخنی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ پھر میں نے اپنی جیب سے وہ مڑا تڑا کاغذ نکالا۔ اس پر لکھا تھا۔ ''کل دوپہر نوٹرڈیم پر ملو۔''

وہ رات میں نے تقریباً جاگتے ہوئے گزار دی۔ میرا ذہن رچرڈ، ماریا اور ایلس کی شخصیت میں الجھا ہوا تھا۔ نیند میں بھی اپنے آپ کو شعلوں میں گھرا ہوا دیکھا۔ جیسے جہنم میں ہوں۔ مجھے ان شعلوں میں ماریا اور ایلس کی پرچھائیاں بھی دکھائی دیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہم تینوں آگ میں جل رہے ہوں۔

میں ایلس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی اس لیے صبح جلدی اٹھ گئی۔ وہ ایک خوب صورت دن تھا۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور ہوٹل سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر تاریخی مقامات دیکھے۔ ان میں نپولین کا مقبرہ اور وہ جگہ بھی شامل تھی جہاں گلوٹین سے لوگوں کے گلے کاٹے جاتے تھے۔ میں وینڈوم پلازا بھی گئی جہاں شہر کی بہترین دکانیں ہیں اور ان میں رکھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ہوئی خوب صورت و قیمتی اشیا لاکھوں کا دل لبھاتی ہیں۔ میرے پرس میں تو اتنی رقم بھی نہ تھی کہ کوئی معمولی سی چیز ہی خرید سکتی۔ لہٰذا ونڈو شاپنگ پر ہی اکتفا کیا۔

ماریا مجھے نوٹرے ڈیم کے سامنے ہی مل گئی۔ اس نے سفید لباس، بڑا سا دھوپ کا چشمہ اور سر پر اسکارف لے رکھا تھا اور وہاں سے گزرنے والا ہر شخص گردن گھما کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی سڑک پر لے گئی اور ایک ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک ہوٹل پہنچ گئے جس کے دروازے پر باوردی دربان کھڑے تھے۔ ماریا کا سوئٹ چھٹی منزل پر تھا لیکن لفٹ ہونے کی وجہ سے اوپر جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یہ ایک شاندار کمرا تھا جس میں فرش پر قیمتی پھول دار قالین اور انتہائی نفیس فرنیچر موجود تھا۔ کمرے میں جابجا شاپنگ بیگز بکھرے پڑے تھے جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اپنا وقت کیسے گزار رہی ہوگی۔

''میں اس کھیل سے تنگ آچکی ہوں۔'' میں نے کھڑکی کے پاس پڑے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

''اب یہ کھیل ختم ہونے والا ہے۔'' وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ ''آج رات تم اس کے ساتھ ڈنر کر رہی ہو کیونکہ وہ کل کام پر نہیں جائے گی۔ اس لیے منگل تک کسی کو بھی علم نہیں ہوگا۔ اس کام کے لیے یہ مناسب وقت ہے۔''

''گمشدگی؟'' میں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''میں آج رات اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔''

''پاگل ہوگئی ہو۔ تم اسے نہیں مار سکتیں۔''

''لیکن تم یہ کام کر سکتی ہو۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ مجھ پر بم کا گولہ بن کر گرے۔ میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم نے تو صرف اس پر نظر رکھنے کے لیے کہا تھا۔''

''کیا تم بالکل ہی سٹھیا گئی ہو؟ میں تمہیں صرف اس کی جاسوسی کرنے کے لیے نہیں لائی تھی۔''

''لیکن تم۔'' میں کمزوری آواز میں بولی۔ ''اگر تمہیں انتقام لینا ہے تو ایلس کیوں؟ تمہیں رچرڈ سے حساب چکانا چاہیے۔''

''میں رچرڈ جیسے وجیہہ اور امیر آدمی کو نہیں کھونا چاہتی۔ یہ ناممکن ہے۔''

''رچرڈ تم دونوں سے کھیل رہا ہے۔ اس نے ایلس سے کہا ہے کہ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا اور یہ کہ اس کی سابق گرل فرینڈ یعنی تم ابھی تک اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ تمہارے بارے میں وہ اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔''

ماریا نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔ ''وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ معلوم ہے کیوں؟ شنگھائی سے واپس آنے کے بعد رچرڈ مجھ سے دوبارہ منگنی کرے گا اور میں نہیں چاہتی کہ یہ عورت کوئی رکاوٹ کھڑی کرے۔''

''اگر شنگھائی میں بھی اسے کوئی گرل فرینڈ مل گئی تو کیا اسے بھی مار ڈالوگی؟''

''ہاں، میں اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرتی چلی جاؤں گی اور تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالے۔ میں نے قریب ہو کر انہیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ دونوں بازو سینے کے گرد لپیٹ کر اپنی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

''کیا مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ اگر میں یہ کاغذات لے کر حکام کے پاس چلی گئی تو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟'' اس کا لہجہ یکا یک ہی بدل گیا تھا۔ ''تم جیل چلی جاؤ گی اور تمہارے گھر والے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ شاید وہ تم سے قطع تعلق کر لیں۔''

''تم جانتی ہو کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔'' میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

روہانسی آواز میں بولی۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا کیا لیکن یہ کاغذات تمہیں جیل پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ البتہ اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ راز ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ کسی وقت میں یہ تمہیں دے دوں۔'' یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذات دوبارہ اپنے بیگ میں رکھ لیے۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور چلاتے ہوئے بولی۔ ''میں یہ نہیں کر سکتی۔''

''تمہارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سوٹ کیس کھول کر اس کے خانے میں سے کوئی چیز نکالتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں صرف یہ اسے دینی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھ پر ایک چھوٹی سی شیشی رکھ دی۔ میں ایک نظر میں ہی جان گئی کہ اس میں کیا ہے۔

''تمہیں صرف اس کے مشروب میں اسے ڈالنا ہے۔''

''میں اسے نہیں مار سکتی۔''

''وہ صرف بے ہوش ہو گی۔'' میں نے اس کے شیریں لہجے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

''اس کے بعد تم ہوٹل کے قریب واقع پل پر چلی آنا۔ میں تمہیں وہیں ملوں گی۔ بس تمہیں اتنا ہی کام کرنا ہے۔''

وہ صریحاً جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ میں ایلس کو زہر دے کر پل پر آ جاؤں۔ پھر اس نے مجھے رام کرنے کے لیے کہا۔

''میں بالکل بھول ہی گئی۔ تمہارے لیے ایک تحفہ لائی تھی۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک بڑے بیگ میں سے چوکور ڈبا نکال کر لائی جس کے گرد ایک ربن لپٹا ہوا تھا۔ ''اسے کھولو۔''

میں نے کانپتے ہاتھوں سے وہ ڈبا کھولا۔ اس میں ایک خوب صورت سلک کا اسکارف تھا۔ میں نے ڈبا بند کر دیا۔

''آج رات تم اس کے مشروب میں یہ محلول ڈالو گی۔ اس سے وہ نہیں مرے گی۔ باقی کام کوئی اور کرے گا۔'' اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔ ''کل ہم شاپنگ کے لیے جا سکتے ہیں یا پولیس اسٹیشن... اور تمہیں حوالات میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔''

میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ وہ بولی۔ ''میں دس بجے کے بعد پل پر تمہارا انتظار کروں گی۔ اس کام میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔''

میں اس کی دی ہوئی دونوں چیزیں لے کر دریائے سین کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی اور میرے ذہن میں گزشتہ واقعات کسی فلم کی طرح گھوم رہے تھے۔ ماریا کو پہلے دن سے ہی میری کمزوریوں کا علم ہو چکا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس نے فراخ دلانہ انداز میں پیشکش کی تھی۔ ''تمہیں جو کچھ چاہیے میری الماری سے لے لو۔ میرے پاس ضرورت سے زیادہ کپڑے ہیں۔'' مجھے ہمیشہ سے فیشن ملبوسات اور خوب صورت جوتوں کا شوق تھا لیکن میں انہیں صرف فیشن میگزین کے صفحات پر ہی دیکھ سکتی تھی۔ جب میں اسکول میں داخلہ لینے کے لیے نیویارک آئی تو میرے والدین کو ڈر تھا کہ جرائم کی دلدل میں نہ اتر جاؤں۔ وہ میرے ساتھ پڑھنے والے لڑکوں، منشیات اور دیگر برائیوں سے خوف زدہ تھے تاہم میں نے اپنا حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ کوئی بھی مجھے ضرورت مند سمجھ کر اپنی غرض پوری کر سکتا تھا۔ البتہ میں کبھی بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے قابل نہ ہو سکی۔ شروع شروع میں ماریا کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا لیکن بعد میں کریڈٹ کارڈ سے خریداری کرنے لگی لیکن اس سے میرا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔

''ایمی!'' کسی نے میرا نام لے کر پکارا تو میں اچھل پڑی۔

''ولیم... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میری نظر تم پر پڑی اور میں تمہارے پیچھے چل پڑا۔ تم اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں کہ تمہیں پتا ہی نہیں چلا۔''

ہم دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔ ''میں پیرس چھوڑنے سے پہلے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ میں نے یہاں کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں ملازمت کرتے ہو۔'' میں نے تعجب سے کہا۔ ''تم کیا کام کرتے ہو؟''

''مختلف نوعیت کے کام لیکن کسی غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جانا۔ میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتا۔ مثلاً میں سراغ رساں کے طور پر کام کر رہا تھا۔''

میں چلتے چلتے رک گئی۔ ماریا نے کہا تھا کہ ایلس کو ٹھکانے لگانے کا کام کوئی اور کرے گا لیکن اس نے اس کی شناخت نہیں بتائی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ میں کہیں بک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اسٹور پر ہی اس سے نہ الجھ جاؤں۔ وہ ایلس کی نگرانی کرتا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کیا ایلس کو اس کا احساس نہیں تھا اور اس نے مجھے ولیم سے دور رہنے کے لیے کیوں کہا تھا؟

میں نے جل کر کہا۔ ''تم نے مجھ سے صرف اس لیے بات کی کیونکہ تم کسی اور پر نظریں جمائے ہوئے تھے؟''

''ہاں، میں نے کسی مقصد کے تحت اپنا تعارف کروایا تھا۔'' وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ ''لیکن آج میں تمہیں اس مقصد کے تحت تلاش نہیں کر رہا تھا۔ میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا لیکن لگتا ہے کہ تمہیں جاننے لگا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تمہیں بہتر طور پر جان سکوں۔''

میں نے اپنے سینے میں اٹھنے والی لہر کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ''تم نے ملازمت کیوں چھوڑ دی؟''

''مجھ سے وہ کام کرنے کے لیے کہا گیا جو میں نہیں کر سکتا۔''

''کیا؟''

''ہاں، جس عورت نے میری خدمات حاصل کی تھیں وہ چاہتی تھی کہ میں ایک قتل میں اس کی مدد کروں۔''

''قتل؟'' میں نے دہراتے ہوئے کہا۔

''اس کا کہنا تھا کہ بظاہر یہ خودکشی نظر آئے۔ میں نے بہت سے کام کیے ہیں جن پر فخر نہیں کیا جا سکتا لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔''

ایک سرد لہر میرے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ ماریا کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ ''آج رات تمہیں اس کے مشروب میں یہ دوا ڈالنا ہے۔ اس سے وہ نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا شخص یہ کام انجام دے گا۔ کیا ولیم ہی وہ شخص تھا؟ یہ ایک جوا تھا۔ اگر میں ایلس کو بار کے بجائے ہاسٹل میں ہی وہ دوا پلا دیتی تو کیا ہوتا؟ کیا ماریا نہیں جانتی کہ ہاسٹل میں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ ماریا کا منصوبہ کتنا ناقص تھا لیکن اس نے دوسرا منصوبہ بھی تیار کر رکھا ہوگا اور وہ یہ کہ ولیم کے انکار کرنے کی صورت میں وہ مجھے اس کام کے لیے مجبور کر سکتی تھی۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ سب سن کر حیرت ہوئی ہے۔'' ولیم نے کہا۔ ''لیکن تم کچھ بولو گی نہیں؟''

میں نے کچھ کہنے کے بجائے رونا شروع کر دیا۔ ولیم نے مجھے اپنے قریب کر لیا اور میں اس کے سینے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ جب علیحدہ ہوئی تو اس نے مجھے آنسو صاف کرنے کے لیے ایک رومال دیا اور بولا۔ ''کیا تم مجھے رونے کی وجہ بتاؤ گی؟ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تمہیں میرے جانے کا دکھ ہے۔ یہی بات ہے نا؟''

''اس وقت تم کیا کرو گے جب کوئی تمہیں کسی خطرناک کام کے لیے مجبور کرے اور تمہارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ ہو؟''

''پھر تو مجبوری ہے۔''

''مجھ سے دو سال پہلے ایک غلطی ہو گئی تھی اور آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہی ہوں۔ میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب ماریا نے مجھے گرفتار کروایا تھا۔ وہ پولیس کے سامنے چلا چلا کر کہہ رہی تھی ' مجھے یقین نہیں آ رہا آفیسر... یہ میری بہترین دوست ہے۔ یہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔' بات صرف اتنی تھی کہ ماریا نے مجھے تعلیمی سال کے دوران کچھ رقم ادھار دی تھی اور کہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر میں اس کے بینک کارڈ سے مزید رقم نکال سکتی ہوں۔ میں نے ایک یا دو مرتبہ ایسا کیا پھر ایک روز پولیس مجھے گرفتار کرنے آ گئی۔ ماریا نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے اس کے کارڈ کا کوڈ نمبر دیکھ لیا ہے اور اس کے ذریعے پیسے نکالتی رہی ہوں۔ میرے پاس صفائی میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بعد میں اس نے اس شرط پر یہ الزام واپس لے لیا کہ میں تحریری طور پر اس چوری کا اقرار اور رقم کی واپسی کا وعدہ کروں۔ رقم کا سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں بیس سال کام کر کے بھی یہ رقم ادا نہیں کر سکتی تھی۔ بہرحال میں نے اس کاغذ پر دستخط کر دیے۔ اس نے مجھ سے کچھ اور کاغذات پر بھی دستخط کروا لیے۔ اس وقت میری حالت ایسی نہ تھی کہ انہیں پڑھ سکتی۔ اس وقت تک مجھے پاور آف اٹارنی کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن ایک ہفتہ قبل اس نے مجھے بتایا کہ میں اُسے اختیار دے چکی ہوں۔ وہ جب چاہے مجھے جیل بھیج دے۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کے کہنے پر عمل نہیں کیا تو وہ مجھے جیل بھجوا دے گی۔''

''ایلس تم سے کیا چاہتی ہے؟'' ولیم نے پوچھا۔

''ایلس!'' میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ جس عورت نے اسے ملازم رکھا ہے، اسی نے میری زندگی بھی جہنم بنا دی ہے۔ میں نے کہا۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''واقعی؟ میں تو اسے ہی سمجھ رہا تھا۔ لگتا ہے کہ سراغ رسانی میرے بس کا روگ نہیں۔ مجھے اپنے کام پر لوٹ جانا چاہیے۔''

''تمہارا اصل کام کیا ہے؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

”پڑھا لکھا بدمعاش ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”میرا مشورہ ہے کہ تم ان دونوں عورتوں سے دور رہو۔“

اس کا مطلب ہے کہ وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر حیران رہ گئی۔ وہ میری طرف جھکتے ہوئے بولا۔ ”ماضی کی غلطیاں نہ دہراؤ جن سے تمہارے مستقبل کو نقصان پہنچے۔“

”اگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تب میں کیا کروں؟“

”کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آتا ہے ایلی۔“ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک کارڈ تھما کر چل دیا۔ میں نے کارڈ دیکھا۔ اس پر ولیم کا نام، فون نمبر اور ای میل ایڈریس درج تھا۔ پشت پر ایمسٹرڈیم جانے والی ٹرینوں کے اوقات لکھے ہوئے تھے۔ میں نے وہ کارڈ اپنی جینز کی جیب میں رکھا اور ہاسٹل کی طرف روانہ ہوگئی۔

رات گئے میں نے ماریا سے مقررہ مقام پر ملاقات کی۔ میں نے جان بوجھ کر دیر لگائی تاکہ پیرس کے لوگ سو جائیں۔ اس وقت صرف ایک جوڑا وہاں موجود تھا۔ ماریا نے پوچھا۔ ”کیا تم نے اپنا کام کر دیا؟“

”ہاں۔ وہ بے ہوش ہے۔“

”وہ اس سے زیادہ بری حالت میں ہے۔“

”کیا؟“ میں چونکتے ہوئے بولی۔

”وہ مرچکی ہے... بے وقوف۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟“

میں ہکا بکا رہ گئی۔ آخرکار ماریا نے مجھے قاتل بنا ہی دیا۔ ”نہیں، وہ بے ہوش ہے۔ تم نے مجھے جو شیشی دی تھی وہ ٹوٹ گئی لیکن میں یہاں ایک شخص سے ملی اور اس نے مجھے بے ہوش کرنے کے لیے ایک اور دوا دی۔“

ماریا غصے سے بولی۔ ”تم پاگل ہو۔ میں تم پر یقین نہیں کرسکتی۔ بہت گڑبڑ ہوگئی۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔“ میں جانتی تھی کہ وہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کرے گی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ”اب جانے بھی دو ماریا۔“

”مجھے دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ وہ جان جائے گی کہ اُسے بے ہوشی کی دوا دی گئی ہے لیکن وہ ہے کہاں؟“

”میرے ہاسٹل کے کمرے میں۔“

”کمرے کی چابی کہاں ہے؟“

میں نے جیب سے چابی نکالی اور کہا۔ ”اسی سے دروازہ کھلتا ہے۔“

ماریا ایک لمحے کے لیے ہچکچائی۔ میں سوچ رہی تھی کہ وہ مجھے پیرس پولیس کے حوالے کردے گی یا ان کاغذات کی اہمیت صرف امریکا میں ہے۔ میں نے اپنی طرف سے بہت بڑا جوا کھیلا تھا۔ ماریا نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں چابی ڈالتے ہوئے بولی۔ ”تم جاسکتی ہو۔“

”لیکن...“ میں نے کچھ کہنا چاہا۔

”اپنا منہ دوسری طرف کرو۔“

میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا لیکن سب کچھ غلط ہوگیا۔ وہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چاقو چمک رہا تھا۔ میری چیخ گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھا تو میں پیچھے کو ہٹی اور پل کی ریلنگ سے ٹکرائی۔ دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ پانی نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ میں نے اوپر آنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکی۔ میری ناک اور منہ میں پانی بھر گیا تھا۔ مجھ سے سانس لینا دشوار ہوگیا۔ پھر کسی نے مجھے پل پر سے دیکھ کر آواز لگائی اور ایک ٹیوب پھینکی۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور سطح آب پر آگئی۔ تب تک غوطہ خور وہاں پہنچ چکے تھے جو مجھے اوپر لے کر آئے۔ ایک پولیس والے نے مجھے اسپتال پہنچایا جہاں ایک ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور بولا۔ ”بے وقوف لڑکی۔ تم نے کیا سوچ کر دریا میں کودنے کی حماقت کی؟“

”کسی نے مجھے پانی میں دھکا دیا تھا۔ اُس نے میرا بیگ بھی چھین لیا۔“ میں نے دانستہ ماریا کا نام نہیں لیا۔

”وہ تمہیں گرتا دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا ہوگا جبھی وہ تمہارا بیگ پل پر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب وہ پولیس کے پاس ہے۔“

میرا معائنہ کرنے کے بعد اس نے کچھ دوائیں دیں اور بولا۔ ”تم بالکل ٹھیک ہو۔ فی الحال آرام کرو۔“

ایک پولیس والے نے میرا بیان لکھا اور کہا کہ جیسے ہی ڈاکٹر نے اجازت دی وہ مجھے ہاسٹل چھوڑ آئے گا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ آج رات تمہیں یہیں رہنا ہوگا۔ وہاں ایک حادثہ ہوگیا ہے۔ وہاں ایک نوجوان عورت ایلس بروک ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ کھڑکی سے گرگئی۔ سب کا خیال ہے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔“

دوسرے دن میں نے بیکری سے دو ہلال نما روٹیاں خریدیں اور انہیں ایک ڈبے میں رکھ کر ماریا کے ہوٹل کی طرف چل دی۔ اس کے کمرے کے دروازے پر ”ڈونٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ڈسٹرب'' کی تختی لگی ہوئی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی تو ماریا کی جگہ ایلس نے دروازہ کھولا۔ وہ مجھے کھینچتے ہوئے اندر لے گئی اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ ''تم کہاں رہ گئی تھیں؟''

''گزشتہ رات ماریا نے مجھے سیڑھیوں میں دھکا دے دیا تھا۔''

''میرا خیال تھا کہ شاید وہ مجھے ہی مارنا چاہتی تھی۔''

''شاید اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اب میں اس کے کسی کام کی نہیں۔'' میں ایلس سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ ہاسٹل میں ماریا کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا میں واقعی یہ خونی تفصیل جاننا چاہ رہی تھی یا نہیں۔ ''پولیس نے آج صبح مجھ سے چند سوالات پوچھے۔'' میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''مثلاً یہ کہ تم دل برداشتہ نظر آرہی ہو کیونکہ بوائے فرینڈ تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''انہوں نے تم سے یہ بات کیوں پوچھی؟''

''کیونکہ انہیں ماریا کے بیگ سے رچرڈ کی ای میلز ملیں۔ وہ اسے میرا ایگ سمجھ رہے تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ماریا کی لاش کو بھی تمہارا نام دیا جارہا ہے۔''

''حقیقت معلوم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ میرا خیال ہے کہ ساتویں منزل سے گرنے کے بعد اس کی لاش بری طرح مسخ ہوگئی ہوگی۔''

ایلس نے خودکشی سے پہلے جو لکھا تھا۔ شاید وہ بھول گئی ہو۔ ایک پولیس آفیسر نے مجھے بتایا کہ اسے ایلس کی میز پر سے ایک خط ملا ہے جس میں اس نے اپنی مایوسی کا اعتراف کرتے ہوئے مرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ پولیس کو بے وقوف بنانے کی یہ ایک اچھی ترکیب تھی۔ میں حیران تھی کہ ایلس نے یہ خط لکھا۔ وہ بہت آگے کا سوچتی تھی۔

''ماریا مجھے چاقو کے ذریعے قتل کرنے آئی تھی۔ اگر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہ آتی تو میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔''

میں نے ایلس کو ماریا کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔ میں نے ماریا سے جھوٹ بولا تھا کہ ایلس کو بے ہوشی کی دوا دے چکی ہوں۔ مجھے امید تھی کہ ماریا اس کی تصدیق کرنے ایلس کے ہاسٹل ضرور جائے گی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکی اور ایلس نے اُسے کھڑکی سے دھکا دے دیا۔

''خوش قسمتی سے مجھے رچرڈ نے اس پاگل لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتادیا تھا۔ اسی لیے میں نے اس کی چال اسی پر الٹ دی۔ معاف کرنا میں رات بھر سو نہیں سکی۔ کیا تم میرے ساتھ ڈرنک کرنا پسند کروگی؟''

میں نے ایک گھونٹ لیا اور اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میری وجہ سے ماریا کی جان گئی۔ میں بے اختیار رونے لگی۔

''چپ ہوجاؤ۔'' ایلس نے تیز آواز میں کہا۔ اس سے پہلے وہ مجھ سے ہمیشہ نرم لہجے میں بات کیا کرتی تھی۔ ''اب تم اپنے آپ کو اس واقعے سے علیحدہ نہیں کرسکتیں۔ ماریا اسی سلوک کی مستحق تھی۔ تم اس کی بہترین دوست تھیں اور وہ تمہیں ہی بلیک میل کررہی تھی۔''

''تم اس بارے میں جانتی ہو؟''

''مجھے رچرڈ نے سب کچھ بتادیا ہے۔ اس نے تمہیں بے وقوف بناکر کاغذات پر دستخط لیے اور تمہیں اپنا غلام بنالیا۔''

''اب وہ کاغذات کہاں ہیں؟''

''یہاں نہیں ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی لیکن آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ میں جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے لیکن اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ ''پریشان مت ہو۔ تمہارے تمام راز میرے پاس محفوظ ہیں۔''

مجھے یوں لگا جیسے میں ایک بلیک میلر کے قبضے سے نکل کر دوسرے کے ہتھے چڑھ چکی ہوں۔ میرے پاس ولیم کی باتوں پر غور کرنے کے لیے کافی وقت تھا جو اس نے گزشتہ روز کی تھیں۔ ''ایلس تم سے کیا چاہتی ہے؟'' اس کا خیال تھا کہ وہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کررہی تھی جو وہ ولیم سے چاہتی تھی۔ وہ ایلس کی جاسوسی نہیں بلکہ اس کے لیے کام کررہا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' ایلس نے پوچھا۔ ''تمہارا چہرہ زرد لگ رہا ہے۔''

''شاید ماریا کی موت کا کچھ زیادہ ہی اثر ہوگیا ہے۔'' میں نے کمزور آواز میں کہا پھر اپنے بیگ میں سے بیکری کا ڈبا دکھایا اور بولی۔ ''میں تو بھول ہی گئی۔ یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔''

''تمہیں میری پسندیدہ بیکری یاد رہی۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔ ''بہت بھوک لگ رہی ہے۔ مجھے یہ روٹیاں بہت پسند ہیں۔''

''ایلس! کیا تم نے ماریا کو وہیں بلایا تھا؟''

''کیا؟''

''ماریا نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے اُسے فون کرکے

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

رچرڈ کے بارے میں بتایا۔ تم کوشش کر رہی تھیں کہ کسی طرح وہ واپس آجائے تاکہ تم اس سے چھٹکارا حاصل کر سکو۔ رچرڈ تمہیں چھوڑ چکا تھا۔ اس لیے تم ماریا کو منظر سے ہٹا دینا چاہتی تھیں۔"

"تم نے اپنا بیان کیوں بدل دیا، پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ ماریا مجھے مارنا چاہتی تھی۔"

"میں نے سچ کہا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تم نے ماریا کو قتل کرنے کے لیے ولیم کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا تھا کہ دونوں میں سے پہلے کون اپنے حریف کو ختم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔"

"تم واقعی بہت چالاک ہو جبکہ رچرڈ تمہیں بے وقوف سمجھتا ہے لیکن میں جانتی تھی کہ تم بہت ہوشیار ہو۔" وہ میرا کندھا پکڑتے ہوئے بولی۔ "لیکن ابھی تمہیں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ شاید ہی تمہیں اس کی مہلت مل سکے۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے، میں ایسے شخص کو چھوڑ دوں گی جو مجھے جیل پہنچا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تمہیں موت کی نیند سلانے کے لیے یہ تکیہ کافی ہوگا۔"

میں ایلس کا بدلا ہوا روپ دیکھ رہی تھی۔ پہلے ماریا اور اب ایلس۔ میں ان کے بیچ کھلونا بنی ہوئی تھی اور دونوں ہی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ میرا دم گھٹ رہا تھا لیکن منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں فرش کی جانب جھک گئی اور میرے ہاتھ سے گلاس گر پڑا۔ مجھے یوں لگا کہ ہوش و حواس کھوتی جا رہی ہوں۔

جب آنکھ کھلی تو میرا منہ بری طرح خشک ہو رہا تھا۔ کمرے کی روشنی سے اندازہ ہو گیا کہ سہ پہر ڈھل رہی ہے۔ میں آہستہ سے اٹھی تو دیکھا کہ میرے سامنے ایلس چاروں شانے چت پڑی ہے۔ یقیناً اسے الرجی کی دوائیں نہیں مل سکی ہوں گی جو میرے پاس تھیں۔ میری ٹانگیں بری طرح دکھ رہی تھیں لیکن ذہن پوری طرح کام نہیں کر رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ ایلس کو اپنی دوائیں ساتھ لانے کا موقع نہیں ملا ہوگا اور وہ اپنی سب چیزیں ہاسٹل میں ہی چھوڑ کر آگئی ہوگی۔ گوکہ وہ بہت اچھی منصوبہ ساز تھی اور خودکشی والا خط لکھ کر اس نے یہ بات ثابت کر دی تھی لیکن وہ جلدی میں اپنی دوائیں لینا بھول گئی۔

مجھے اس کی طرف رینگ کر جانے میں کچھ وقت لگا۔ وہ صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں نے اس کی نبض ٹٹولی۔ وہ ساکت تھی۔ اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا اور منہ سوجا ہوا تھا۔ اس کی موت کی ذمے داری مجھ پر نہیں تھی بلکہ اس نے خود مجھے پہلے روز ہی لوپاتن کے آنے کے بارے میں بتایا تھا۔ کچھ فرانسیسی بیکریاں اس سے پیسٹری تیار کرتی ہیں جو بے حد خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ آپ کو مونگ پھلی سے الرجی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ مہلک ہے۔

میں بمشکل کھڑی ہوئی اور کمرے کا تفصیلی معائنہ کیا۔ وہ کاغذ جس پر میں نے چوری کا اعتراف کیا تھا، دوسرے کاغذات کے ساتھ ایک لفافے میں رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ماریا کا پرس بھی اٹھا لیا جس میں اچھی خاصی رقم تھی۔ اس سے میں ٹھیک ٹھاک شاپنگ کر سکتی تھی لیکن میرے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا اور میں نے وہ پرس واپس ماریا کے بیگ میں رکھ دیا۔

جب میں چلنے کے قابل ہوئی تو وہ لفافہ جیب میں رکھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ ہر قدم کے ساتھ میرے اعصاب پرسکون ہوتے گئے اور میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ ہوٹل سے دو بلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے ٹیکسی پکڑی اور اسٹیشن پہنچ گیا۔ ولیم کا دیا ہوا کارڈ ابھی تک میری جیب میں تھا۔ ایک گھنٹے بعد مجھے ایمسٹرڈیم جانے والی ٹرین مل سکتی تھی۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ میں نے ایمسٹرڈیم جانے کا فیصلہ کب کیا لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا اور میں پہلی بار اپنے لیے انتخاب کا حق استعمال کر رہی تھی۔ ولیم پر مجھے بھروسا تھا کیونکہ اس نے ہی مجھے ان دونوں عورتوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ورنہ میں تو ایلس کو بہت معصوم سمجھ رہی تھی لیکن ولیم سے معلوم ہوا کہ ایلس بھی ماریا کو مارنا چاہتی ہے۔ گویا دونوں ہی اپنے محبوب کو پانے کی خاطر ایک دوسرے سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھیں جس میں ایلس کو کامیابی ہوئی اور وہ سبقت لے گئی۔ میں نے جب پولیس والے سے اس کی خودکشی کا سنا تو اس کا سارا منصوبہ میرے ذہن میں آگیا اور میں اس سے اپنے کاغذات لینے پہنچ گئی لیکن ماریا کی طرح ایلس بھی مجھے اپنے اشاروں پر چلانا چاہ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ صرف میں ہی جانتی تھی کہ ایلس کو مونگ پھلی سے الرجی ہے۔ اسی لیے میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر مونگ پھلی کے آٹے سے بنی ہوئی روٹیاں اپنے ساتھ رکھ لی تھیں۔ اب میں جان گئی ہوں کہ پہل کرنے والا ہی بازی جیتتا ہے۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

دندان شکن

کاشف زبیر

تکلیف کسی بھی نوعیت کی ہو... جسم کی پھرتی اور چستی کو سستی میں بدل دیتی ہے... جلیل اور راجا کی جوڑی بھی اسی طرح کی ہے... ایک سست تو دوسرا چست... اس بار راجا نے کمال کرتے ہوئے اپنے دانتوں کی قربانی کا زبردست سودا کرلیا...

تبسم کی نیرنگی اور شرارتوں کی رنگینی میں ڈوبا فسانہ مسکراتا سلسلہ

راجا نے ایسی دل خراش چیخ ماری کہ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میرے آس پاس بیٹھے لوگوں کا حال زیادہ برا تھا کیونکہ راجا کے بعد ان کی باری تھی اور میں صرف راجا کے ساتھ آیا تھا۔ چیخ دراصل اس واویلے کا نقطۂ آغاز تھا جو راجا نے چیخ کے بعد شروع کیا تھا۔ ”ہائے ہائے... آئے ہائے... مر گیا... ابے او مردود... تو کیا مجھے قتل کر رہا ہے... آہ... اووف... اتنی تکلیف تو مُردے کو عذاب کے فرشتے بھی نہیں دیتے۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"کیوں مرا جا رہا ہے۔" ڈاکٹر صف شکن نے کہا۔ "ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔"

راجا کے ساتھ باقی لوگ بھی اچھل پڑے تھے۔ راجا نے چلّا کر کہا۔ "بغیر کچھ کیے اتنی تکلیف دے رہا ہے تو بعد میں کیا حال ہوگا؟"

"جب کروں گا تو پتا چل جائے گا۔" صف شکن نے کہا۔ اس کے کلینک کے بورڈ پر بے شمار نامعلوم، لایعنی اور پُراسرار ڈگریوں کے ساتھ لکھا ہوا واحد قابلِ شناخت لفظ بھی تھا یعنی اس کا نام۔ ویسے برابر میں بیٹھے سال خوردہ حکیم نے اسے دندان شکن قرار دیا تھا۔ راجا کے واویلے سے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ راجا نے اگلی چیخ ماری تو لگا کہ اس کا دانت نہیں جبڑا مع بتیسی کے نکالا جا رہا ہے۔ مجھے تشویش لاحق ہوگئی کہ راجا آخرکار میرا یار ہے مددگار اور ذلیل و خوار تھا۔ اگرچہ صرف چھ گھنٹے اور پینتالیس منٹ پہلے میں اسے قتل کرنے کے مصمم فیصلے پر قائم تھا۔ پچھلی بقرعید پر ہم نے نادر شاہ کے بکرے کے ساتھ جو کیا تھا وہ راجا بدبخت نے عارفہ کے سامنے پھوٹ دیا تھا اور وہ بھی اسم بامسمّیٰ ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے باپ کو بتانے میں ذرا تاخیر نہیں کی۔

اس مخبری کا نتیجہ میری ایک مختصر تھانے یاترا کی صورت میں نکلا۔ میں صرف آدھے گھنٹے میں واپس آ گیا تھا۔ مگر آنے جانے کے اس مختصر وقت نے میری جسمانی حالت میں دور رس تبدیلیاں مرتب کی تھیں۔ مثال کے طور پر میری بائیں آنکھ لقوے کے عارضی مریض یا چال چلن کی مستقل خرابی کے شکار نوجوان کی طرح بند تھی۔ یہ تو دیکھنے والے کی سمجھ پر منحصر تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ چلنے کے ساتھ ساتھ دیکھنے والوں کو میری چال میں بھی خرابی واضح نظر آ رہی ہوگی۔ میں صرف محسوس کر سکتا تھا۔ راستے میں ایک نجومی کے دھندلے آئینے میں اپنا حال دیکھنے کی کوشش کی۔ یقیناً اس میں دوسروں کو اپنا مستقبل مخدوش ہی نظر آتا ہوگا۔ نجومی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صرف تباہ کن پیش گوئیاں کرتا ہے۔ دوسروں کو برے حال کی نوید سناتا ہے اسی لیے اس کا اپنا حال برا تھا۔ بہرحال اس کے منحوس آئینے میں، میں اپنا حال بھی نہیں دیکھ سکا کیونکہ میری گردن مخالف کرکٹ ٹیم کے اس کھلاڑی کی سی پوزیشن میں تھی جو شاہد آفریدی کا کیچ پکڑنے کے لیے گیند کی زمین پر واپسی کا انتظار کر رہا ہو۔

یہ دیکھنا ممکن نہیں تھا اس لیے گھر تک پہنچنے کے دوران میں مزید سانحات سے دوچار ہوا۔ ایک کتے نے مجھے تقریباً کاٹ لیا تھا۔ وہ نظر کی خرابی میں مبتلا تھا اور اسے خاصی تاخیر سے پتا چلا کہ اس نے جو ٹانگ منہ میں دبوچ رکھی ہے وہ میری نہیں ہے۔ پھر ایک فقیر بہت دیر تک کتے کی طرح بھونکتا رہا تھا۔ میں نے دونوں کی دموں پر پاؤں رکھا تھا، کم سے کم کتے کے بارے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کی دم پر ہی پاؤں رکھا تھا۔

مزید برآں ایک بڑے میاں کی کونڈی کو لات ماری جو دانتوں کی عدم موجودگی میں پھالیا کونڈی میں کوٹ رہے تھے۔ انہوں نے پوپلے منہ سے جو مجھے کہا اس پر خدا انہیں معاف کرے، میں نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ ایک کھلے مین ہول میں ٹھیک پاؤں جانے سے میری لنگڑاہٹ دور ہوگئی تھی کیونکہ اب میں دونوں پیروں سے لنگڑا رہا تھا۔ اس پورے سفر میں بس یہی اچھا ہوا کہ میں کسی بس یا ٹرک کے نیچے نہیں آیا۔ کسی نالے میں نہیں گرا جس میں پبلک نے کچرے کی دلدل سی بنا دی ہے۔ واحد حادثہ جس سے میں بچ رہا وہ قدرے کی باقیات تھی جو ایک بلڈنگ سے پھینکے جانے والے کچرے میں شامل تھی۔ کرکٹ کی ایک بال بھی میرے سر پہ نہیں گری۔

اماں نے پہلے گرم پانی سے سینکائی کر کے میری آنکھ، ناک اور گردن کو ان کی اصل پوزیشنوں پر بحال کیا اور پھر میرے دونوں پیروں میں آیوڈیکس کی مالش کی۔ آخر میں زبردستی دودھ میں ہلدی ملا کر پلائی۔ البتہ خلیل مصر تھا کہ مجھے کسی اچھے آرتھوپیڈک کو دکھایا جائے جو مجھے کم سے کم ایک مہینا ہڈی وارڈ میں لٹکا کر رکھے۔ اماں نے میری بات پر یقین کر لیا تھا کہ ایک شرابی ڈرائیور نے بائیک مجھ پر چڑھا دی تھی مگر خلیل بھانپ گیا تھا۔ اماں کے جاتے ہی اس نے مجھ سے اگلوا لیا کہ اصل واقعہ کیا پیش آیا تھا۔ اس نے راجا کو چند نفیس اور برگل گالیوں سے نوازا اور مجھ سے جلے کٹے انداز میں بولا۔

"تمہارا یہ نام نہاد یار کسی دن تمہیں قبر میں پہنچا دے گا۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔" میں نے ایک عزم سے کہا۔ "راجا بدبخت اس سے پہلے قبر میں ہوگا۔ تم مجھے ذرا ٹھیک ہو لینے دو۔"

مرہم پٹی کے بعد اماں اگلے راؤنڈ میں صلواتیں سنانے آئی تھیں مگر میں اس سے پہلے ہی مصنوعی خراٹے لینے لگا۔ اماں جانتی تھیں کہ میں سوتا بنا ہوا ہوں لیکن انہوں نے فی الحال معاف کر دیا۔ میں نے تنہائی پاتے ہی راجا کو کال

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کی اور اسے بے بھاؤ کی سنانے کے بعد مشورہ دیا۔ ”بیٹے ابھی سے اپنی قبر بک کرا لے بلکہ کھدوا لے۔ تیرا باپ تو تجھے کسی گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دے گا۔ دعا تک نہیں مانگے گا۔“

راجا معافی مانگ رہا تھا۔ ”یار عارفہ حرافہ نے پوچھا بھی اس وقت تھا جب آدمی جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔“

اس پر میں نے عارفہ کو بھی خاصی سنائی تھیں۔ راجا مجبوری میں سنتا رہا ورنہ جن دنوں عارفہ اس پر مہربان ہوتی تھی وہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنتا تھا۔ دل کی بھڑاس نکلنے سے پہلے بیلنس ختم ہوگیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فون کمپنیوں والے یہ چند روپے کا بیلنس بھی کیوں دیتے ہیں۔ شاید زکوۃ خیرات نکالتے ہیں ہم غریب غربا کے لیے۔ اگلے دن چھت کے ڈیٹ پوائنٹ پر شنو مجھے بائیں آنکھ سے زیادہ رنگین نظر آئی۔ اس آنکھ میں ابھی تک لالی برقرار تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسی اور خاصی دیر ہنستی رہی۔ جب میں نے جھنجلا کر پوچھا۔ ”کیا میری صورت کسی کامیڈین سے ملنے لگی ہے؟“

”نہیں۔“ شنو نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ جیسے سے اس کے اعضا یوں ہل رہے تھے جیسے گل کو چھنے بچے کے ملتے ہیں وہ آج کل کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔ اگر وہ نارمل ہنس رہی ہوتی تو میں اسے بھی نہ ٹوکتا۔ مغربی ممالک میں اعضا کی شاعری کے لیے خواتین کو رقص وغیرہ کرنا پڑتا ہے، ہمارے ہاں خواتین ہنسی اور قہقہوں سے یہ شاعری بخوبی کر لیتی ہیں۔ ”تمہاری شکل تو آپس میں نہیں مل رہی ہے، کسی کامیڈین سے کیا ملے گی۔“

”شنو، میرے ساتھ کل بہت برا ہوا۔“ میں نے سرد آہ بھری۔

”راجا جیسے دوست سے اور کیا توقع رکھتے ہو۔“ شنو نے بھی جلی کٹی سنائیں۔ راجا سے اسے ویسے ہی اللہ واسطے کا بیر تھا۔ ”شکر کرو کہ واپس آگئے۔“ شنو نے بھی طفیل والی بات ذرا دوسرے پیرائے میں کی۔ ”لاتے نہیں گئے۔“

شنو کے سامنے بھی میں نے عزم مصمم دہرایا کہ راجا کی زندگی کے دن مختصر رہ گئے ہیں۔ اگرچہ اماں کے دیسی علاج کے بعد میں اندر سے بالکل ٹھیک محسوس کر رہا تھا مگر شنو سے رقم نکلوانے کے لیے میں نے اپنی حالت خراب ہی ظاہر کی۔ ٹیلر کی دکان مستقل بند ہونے سے میری آمدنی کا گراف پھر سے دو سال پہلے والی پوزیشن پر آ گیا تھا اور اب میں سرکار کی پیروی کرتے ہوئے قرض ادھار پر گزارہ کر رہا تھا۔ سرکار کا قرض عوام اتارتی ہے اور میرا شنو اتارتی ہے۔ مگر عوام سے رقم نکلوانا جتنا آسان ہے، شنو سے رقم نکلوانا انتہائی مشکل کام تھا۔ بہرحال میں نے کسی نہ کسی طرح شنو کے سیف ڈیپازٹ سے پانچ سو کا ایک نیم گرم نوٹ نکلوا ہی لیا۔

میرا ارادہ اگلے دن بھی آرام کرنے کا تھا مگر بجلی والوں کو میرا ارادہ پسند نہیں آیا۔ عین بھری دوپہر میں محلے کی پی ایم ٹی میں دھماکا ہوا، کچھ شعلے وغیرہ نکلے اور گھروں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا چھا گیا کیونکہ اب یہ چوبیس گھنٹے سے پہلے ٹھیک ہونے والی نہیں تھی۔

راجا سے حساب کتاب کرنا تھا۔ اس کے لیے میں شام کا انتظار کر رہا تھا کہ مکمل فٹ ہو جاؤں اور راجا کو جان بچانے کا موقع نہ ملے مگر اہلیت کی کم شدگی نے مجھے وقت سے پہلے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے کیفے ڈی پھوس سنسان اور ویران تھا۔ شدتِ گرمی سے فتو اور اس کا ڈیک ایک سے انداز میں ہانپ رہے تھے۔ فتو کا زیادہ برا حال تھا کیونکہ وہ چولھے کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں صرف بولنے والا تھا ورنہ پنکھا تک گرم ہوا پھینک رہا تھا۔ فتو مجھے دیکھ کر خوش اتنا ہوا حالانکہ صبح یا شام کے رش آور میں اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ ایک نحس جانور کے بال کا حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ وہ فتو کی آنکھوں میں پیدائشی موجود تھا۔ سنا ہے والد ماجد نے تلاش کر کے خود ڈالا تھا۔ فتو کی تربیت خاص خود فرمائی تھی جس کا ایک واقعہ فتو نے یوں بیان کیا کہ ایک بار والد گرامی نے الماری پر بٹھا کر کہا۔ ”بیٹا کود جاؤ، میں پکڑ لوں گا۔“

اس وقت فتو کم سے کم اپنے باپ پر اعتبار کرتا تھا۔ اس نے چھلانگ لگا دی اور والد ماجد عین موقع پر ہٹ گئے۔ منہ کے بل لینڈنگ کا نشان آج بھی فتو کے منحوس منہ پر موجود ہے۔ بہرحال والد صاحب نے جو سبق دیا تھا اسے فتو نے گرہ سے باندھ لیا کہ اس کے بعد باپ پر کبھی اعتبار نہیں کیا۔ بہرحال یہ وقت ایسا تھا کہ فتو کے لہجے میں بھی مٹھاس آ گئی اس نے پوچھا۔ ”جلیل کڑک پیے گا یا دودھ پتی۔“

محاورہ ہے کہ گرمی کو گرمی مارتی ہے اس لیے میں نے کڑک کا آرڈر دیا۔ اس نے براہِ راست کپ میں ڈال کر چینی کی اور منہ کی طرف اشارہ کیا۔ ”پیڈ ینٹ چینٹ کرایا ہے یا کسی نے کر دیا۔“

گرم چائے سے زبان جلی تو آہ کے ساتھ راجا کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لیے بے شمار ناگفتنی منہ سے نکل گئیں۔ فتو ہنسا۔ ’’اسی لیے تو راجا سے یاری ترک کر دی۔ جلیل، وہ دوستی کے قابل نہیں ہے۔‘‘

’’تو نے صحیح کہا لیکن وہ دشمنی کے قابل ضرور ہے۔‘‘

فتو تجسس سے بولا۔ ’’کیا کرے گا؟... یہ مرد و دور تیری لائن نہیں ہے۔‘‘

’’یہ بھی تو نے ٹھیک کہا لیکن اس سے کم کرنے کو دل نہیں مان رہا۔‘‘

’’چھوڑ جلیل، راجا میں بچا ہی کیا ہے، دو تین سال اور عارف کے شکنجے میں رہا تو خود قبر میں پہنچ جائے گا۔ وہ خون پینے والی چڑیل سے کم نہیں ہے۔‘‘

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ’’میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔‘‘

فتو فکر مند ہو گیا۔ ’’تو اس بار سنجیدہ لگ رہا ہے۔‘‘

’’میں قطعی سنجیدہ ہوں۔‘‘ میں نے کپ میز پر پٹخ کر کہا۔ ’’اگر وہ ذلیل اس وقت یہاں آ گیا تو سمجھ لے کہ تیرا ہوٹل جائے واقعہ بن جائے گا۔ اخبارات اور ٹی وی میں اس کی تصویریں آئیں گی۔ لوگ دور دور سے یہاں چائے پینے اور باسی کیک، بسکٹ کھانے آئیں گے۔‘‘

برا ماننے کے بجائے فتو کا منہ کھل گیا تھا۔ اس نے ہاتھ سر پر پھیرا اور پھر یوں جھٹکا جیسے دفع ہونے کا اشارہ کر رہا ہو۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ ’’خیریت، اچھا بھلا منہ سے بولتے ہوئے تو نے اچانک اشاروں کی زبان میں بات کیوں شروع کر دی۔‘‘

’’کچھ نہیں۔‘‘ فتو نے بوکھلا کر کہا اور دوبارہ ہاتھ جھٹکا۔ وہ میرے پیچھے دیکھ رہا تھا اور اس بار میں نے بھی دیکھا۔ راجا دبے قدموں ریلوے کینٹین میں جا رہا تھا۔ مگر میرے دیکھتے ہی اس نے رخ اور گیئر بدلا اور گولی کی طرح روانہ ہوا۔ میں نے اسے اور فتو کو مشترکہ گالی دی اور میز الٹ کر راجا کے پیچھے لپکا۔ راجا یوں بھاگ رہا تھا جیسے سو میٹرز کی دوڑ میں حصہ لے رہا ہو۔ میرے گھٹنوں کے بال بیرنگ پوری طرح رواں نہیں ہوئے تھے۔ راجا ہر گزرتے لمحے دور ہوتا جا رہا تھا۔ عین اس وقت جب وہ تقریباً صبح کا ستارہ بن گیا تھا اس کی بدبختی کا ستارہ چمکا۔ بدقسمتی ایک کیلے کے چھلکے کی صورت میں راجا کے پیروں تلے آئی۔ راجا نے ایک شاندار قلابازی کھائی اور اس کے بعد فلمی انداز میں الٹتا پلٹتا ہوا ایک خاتون کے قدموں میں جا کر رکا۔ خاتون نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور ایک ناز بھری چیخ ماری۔ ہاتھ رکھنے سے کسی قدر پردہ پوشی ہوئی تھی کیونکہ دوپٹا نہ ہونے کے برابر تھا۔ شکل تو عام سی تھی مگر خود کو خاص بنانے کے کچھ اور گر خاتون کے پاس تھے۔ ان کا لباس تقریباً اسکن فٹ تھا اور راجا کو یہ نظارہ خاصا سنسنی خیز لگا تبھی وہ اسی پوز میں منجمد ہو گیا اور فرار ہونے کا جو وقت اس کے پاس تھا وہ اس نے اس نظارے کی نذر کر دیا۔ میں ہانپتے ہوئے راجا تک پہنچا اور جھک کر اس کی گردن دبوچی تو راجا منمنایا۔

’’جلیل مجھے معاف کر دے، میرا پہلے ہی برا حال ہے۔‘‘

میں نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تو برا حال فوراً نظر آ گیا۔ اس کا گال ایک طرف سے پھولا ہوا تھا اور یہ دوسری طرف کے پچکے گال سے کہیں بہتر لگ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ ’’کوئی بات نہیں، میں ابھی تیرا دوسرا گال بھی ایسا ہی کر دیتا ہوں۔ ویسے یہ کس نے کیا؟... جس نے بھی کیا اس نے میرا ہی کام کیا۔‘‘

میں نے کہتے ہوئے راجا کے ٹھیک جبڑے کے لیے مکا گھمایا مگر وہ عین موقع پر نیچے بیٹھ گیا۔ میں نے بروقت دیکھ لیا کہ راجا کے پیچھے خاتون تھیں اور انہوں نے اپنی جگہ سے سرکنے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے مکا روکتے روکتے بھی ان کے منہ کو چھو گیا۔ چوٹ نہ ہونے کے برابر تھی مگر ان کے منہ سے جس قسم کی آواز برآمد ہوئی ایسی دہاڑ تو گولی کھانے والے بھی نہیں مارتے ہوں گے۔ چیخ کے ساتھ دوسرا لفظ جو ان کے منہ سے نکلا وہ ’منی کے ابا‘ تھا۔ اِدھر ان کے منہ سے نکلا اور اُدھر منی کے ابا آن موجود ہوئے۔ خاتون کی صحت کے مقابلے میں منی کے ابا آدھے بھی نہیں تھے۔ مگر ان میں جوش و جذبہ اتنا بھرا ہوا تھا کہ پچپن انچ کے سینے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ صرف یہ جذبہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کئی منیوں کے ابا بننے کی سکت رکھتے تھے۔ بیگم کے واویلے پر لبیک کہتے ہوئے انہوں نے مجھ پر یلغار کی۔ ان کا چلایا ہوا مکا راجا کے درست جبڑے پر لگا جہاں میں ضرب لگانا چاہتا تھا۔ راجا جو میرا وار خالی جانے سے خوش تھا، کراہ کر لڑکھڑایا اور خاتون پر جا گرا۔ خاتون نے اس کا بالکل برا نہیں منایا مگر ان کے مدقوق شوہر نے ضرور منایا۔

’’اے دور ہٹ... ہماری زوجہ سے... مردود۔‘‘ انہوں نے چلّا کر کہا اور ایک بار پھر میرے چہرے کو نوازنے کی کوشش کی لیکن میں نے کامیابی سے ان کا مکا بلاک کیا اور پھر پیٹ پکڑ کر رکوع میں چلا گیا کیونکہ انہوں نے اتنی ہی تیزی سے اپنا استخوانی گھٹنا میرے پیٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

میں مارا تھا۔ میرے جھکنے کا نقصان یہ ہوا کہ راجا جو خاتون سے بادلِ ناخواستہ الگ ہو کر آگے آ رہا تھا اس نے تاک کر ہاتھ چلایا اور میاں جی کی ناک کو فلوستاک بنا دیا۔ انہوں نے تقریباً بیگم جیسی چیخ ماری اور شور کرنے لگے۔

"ہائے... ہائے، جی مار دیا... ناک کا ملبا کر دیا۔"

راجا کے واجبی سے مُکّے سے ان کی ناک کو کوئی خاص نقصان نہیں ہوا تھا مگر شاید واویلا کرنا ان میاں بیوی کا مشغلہ تھا۔ آس پاس جمع تماشائی بیک وقت تماشے اور خاتون کے جامے سے باہر ہوتے حسن سے محظوظ ہو رہے تھے۔ میاں جی کو مکا راجا نے مارا تھا مگر خاتون نے اسے بخش دیا اور تھما کر مجھے اپنا ہینڈ بیگ رسید کیا جس کا وزن دو ڈھائی کلوگرام تو تھا اور مجھے دن میں تارے وغیرہ نظر آ گئے، دنیا گھومنے لگی۔ مجھے چکراتے پا کر میاں جی نے آسان ہدف سمجھا اور عقب سے میری گردن دبوچ کر فری اسٹائل کشتی کے انداز میں نیک لاک لگا دیا۔ اس داؤ میں سانس رک جاتا ہے اور میرا بھی سانس رک گیا۔ بدقسمتی سے میاں جی نے بالکل درست داؤ لگایا تھا اور میں کوشش کے باوجود خود کو چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ میری سانس رکنے لگی اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتے ہی وہ تمام اجرام فلکی غائب ہو گئے جو خاتون کی ضرب کلیم کے بعد نظر آئے تھے۔

دن دہاڑے میں کچھ دیکھنے سے قاصر تھا اور عین اس وقت جب مجھے لگ رہا تھا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور مجھے کلمہ شریف پڑھ لینا چاہیے، اچانک میری گردن چھوٹ گئی اور میں یوں سانس لینے لگا جیسے ایک سال بعد سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ یقیناً میاں جی نے ترس کھا کر میری جاں بخشی کی تھی۔ مگر جب میری سانس بحال ہوئی اور آنکھوں کے آگے آنے والا اندھیرا چھٹا تو میں نے میاں جی کو کسی معصوم بچے کی طرح فٹ پاتھ پر محوِ خرام پایا۔ اگرچہ ان کی بیگم کے واویلے سے لگ رہا تھا کہ وہ ہمیشہ کی نیند سو چکے ہیں۔ مگر اس غلط فہمی کی تردید ان کا پسلیوں والا سینہ کر رہا تھا جو سستی سے سہی لیکن اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا کہ مجھے لٹانے کے بجائے وہ خود لیے لیٹ گئے تھے۔ ابھی میں اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ راجا نے مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"جلیل نکل یہاں سے۔"

تماشائی اب بھی تماشے اور خاتون سے محظوظ ہو رہے تھے جو کہ یکجا ہو گئے تھے۔ اس لیے کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی اور فرار کی راہ میں دخل اندازی سے گریز کیا۔ ذرا آگے نکلنے کے بعد میں نے توجہ دی تو راجا کے ہاتھ میں وہی بیگ پایا جس نے مجھے ناک آؤٹ کیا تھا۔ میں رک گیا۔ "یہ بیگ تو اس خاتون کا ہے۔"

"کبھی بڈھے کے سر پر ٹھیک لگا۔" راجا نے اطمینان سے کہا۔ "تو قریب المرگ تھا جب میں نے بیگ گھما کر اس کے سر پر مارا۔"

راجا بیگ کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے بیگ سے جو پہلی چیز نکالی اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ رسالوں، فلموں اور انٹرنیٹ پر اس قسم کی اشیا بارہا دیکھی تھیں لیکن ذاتی طور پر پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ راجا بھی دم بخود تھا غالباً اس نے سوچا بھی نہیں ہوگا کہ خاتون کے پرس سے ایسی کوئی ممنوع چیز برآمد ہو سکتی ہے۔ اس نے گھبرا کر اسے ایک طرف پھینکا۔ اب مجھے پتا چلا کہ کس چیز نے مجھے ناک آؤٹ کیا تھا۔ راجا بھاگا تو میں اس کے پیچھے لپکا۔ بیگ کا باقی معائنہ اس نے ایک تنگ و تاریک گلی میں کیا۔ مگر اس کے سوا کوئی چیز ممنوع نہیں تھی۔ راجا نے ماتھے پر آیا پسینا صاف کیا۔ یہ پسینا گرمی سے زیادہ کسی اور وجہ سے آ رہا تھا۔ "میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہمارے ہاں بھی اس قسم کی چیزیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔"

"سوچا تو میں بھی نہیں تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اگر پرس سے پستول، چرس یا دستی بم نکل آتا تب بھی مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی۔"

کچھ دیر بعد ریڑھی والے سے گنے کے تازہ رس کے دو یخ بستہ گلاس پی کر حواس مکمل طور پر ٹھکانے آئے تو مجھے یاد آیا کہ میں تو راجا کے قتل کے ارادے سے آیا تھا۔ یاد آنے پر میں پچھتایا کیونکہ بہرحال راجا نے میری جان بچائی تھی۔ ورنہ میاں جی کتنے ہی مدقوق سہی میں نے ان کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ "راجا تو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، نادر شاہ نے میرے ساتھ تھانے میں وہ سلوک کیا جو اصل نادر شاہ نے دلی کے ساتھ بھی نہیں کیا تھا۔"

"میں سمجھ سکتا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں خود کئی بار ان ہی حالات سے گزر چکا ہوں۔ تو بے شک لنگڑا بھگوڑی کی طرح سہی لیکن اپنے پیروں پر چل رہا ہے، مجھے تو اٹھا کر لایا جاتا رہا ہے۔"

"پھر بھی تو اس حرافہ... کے پاس گھسا رہتا ہے۔"

راجا نے دانت نکالے۔ "کیا کروں یار، وہ کمینی ہے، حرافہ ہے، موقع پرست ہے مگر یار وہ عارفہ بھی تو ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مُکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مُکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

SCANNED BY DIGESTPK

اس کا تو مجھے بھی اعتراف تھا کہ عارفہ کسی لحاظ سے کم نہیں تھی بلکہ بعض مقامات سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس نے راجا میں کیا دیکھا۔ شاید یہ بھی کسی قسم کی کج روی تھی کیونکہ دونوں میں بہرحال عشق و عاشقی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میاں جی کی ضرب نے راجا کے ٹھیک رخ کو بھی کسی قدر سجا دیا تھا مگر دوسرا رخ جو پہلے سے سوجا ہوا تھا، وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ ”یہ کیا ہوا ہے؟“

راجا نے منہ بنایا۔ ”ایک ڈاڑھ مسئلہ کر گئی ہے۔“

”اور یہ مسئلہ شروع کیسے ہوا؟“

استاد جانی چپ رہے تو اسے کسی نے بتایا کہ ہم نے پچھلی بقرہ عید پر اس کے بکروں کے ساتھ کھپلا کیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ مار کر یہ ڈاڑھ ہلا دی۔“

میں فکر مند ہو گیا۔ ”اس نے یقین نہیں کیا ہوگا ورنہ ہاتھ نہیں کوئی مارتا۔“

”یہی بات ہے۔“ راجا نے اپنا منہ دبایا۔ ”زخم اندر تک چلا گیا اور دانت کھوکھلا ہو گیا۔“

”اس کا ایک ہی علاج ہے۔“ میں نے اشارے سے دانت نکالنے کا مظاہرہ کیا۔

”مجھے معلوم ہے۔“ راجا نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”لیکن میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور کوئی ڈاکٹر مفت میں دانت نکالنے کے لیے تیار نہیں ہے۔“

”میں تو تیری جان نکالنے آیا تھا۔“ میں نے اعتراف کیا۔ ”اگرچہ دانت میں بھی نکال سکتا ہوں لیکن نکالا تو غلط ہی نکل آئے گا۔“

”یہ پیشکش تو ابا نے بھی کی تھی۔“ راجا نے سرد آہ بھری۔ ”کہہ رہے تھے سارے نکال دیتا ہوں اس میں یہ بھی نکل جائے گا۔“

میں نے راجا کا چہرہ دیکھا تو مجھے ترس آنے لگا۔ وہ کچھ بھی سہی تھا تو میرا یار۔ مگر میری جیب میں بس وہی پانچ سو کا نوٹ تھا جس سے شنو کی خوشبو آرہی تھی اور میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے خود سے جدا کروں۔ دوسری طرف راجا کا بھی کچھ کرنا تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ جمن خانے کے پاس ایک گلی میں دیسی علاج کرنے والے بیٹھتے ہیں۔ ان میں شاید کوئی دندان شکن یعنی ڈینٹسٹ بھی ہو۔ وہاں سستے میں کام چل سکتا تھا۔ میں نے راجا سے کہا۔ ”چل میرے ساتھ ایک جگہ ہے جہاں تیری بتیسی نکالی جا سکتی ہے۔“

”مجھے صرف ایک دانت نکلوانا ہے جو کھوکھلا ہو گیا ہے۔“ راجا نے گھبرا کر کہا۔

”بیٹا جب ایک دانت جاتا ہے تو باقی دانت اس کے پیچھے ایسے جاتے ہیں جیسے ہماری بینگ لائن ایک کے بعد ایک گرتی جاتی ہے۔ میرا مشورہ ہے، اس سے ہول سیل میں بات کر لینا کہ وقفے وقفے سے ساری بتیسی نکالنے کے کیا لے گا۔“

راجا اپنی اوقات پر آ گیا، اس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ ”بکواس نہ کر، بس یہ ایک دانت نکل جائے یہی کافی ہے۔“

ہم مذکورہ گلی میں آئے جہاں آغاز میں ہی عبرت ناک قسم کے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ ایک پہلوان کے پنجۂ ستم میں دبا ہوا مظلوم چیخ و پکار کر رہا تھا۔ پہلوان غالباً اس کے گھٹنے سے نیچے پاؤں کو آگے کی طرف مڑنے کے قابل بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے بالمقابل جراح مقابلے پر ایک مضروب کی کہنی کا جوڑ بٹھانے میں مصروف تھا۔ مقابلہ ان کے ستم رسیدوں کی چیخ و پکار کا تھا۔ راجا دہشت زدہ نظر آنے لگا۔ ”جلیل یہ کہاں لے آیا؟“

”تیرے ساتھ ہڈی کا نہیں، دانت کا معاملہ ہے۔“ میں نے اسے تسلی دی۔ مگر کچھ ہی آگے ایک دندان ساز دندان شکنی میں مصروف تھا۔ اس کا کشتہ آواز بھی نہیں نکال پا رہا تھا کیونکہ اس کے منہ میں دندان ساز مع اپنے اوزاروں سمیت گھسا ہوا تھا۔ البتہ وہ جاں کنی کے مریض کی طرح ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا۔ راجا نے اسی وقت فیصلہ سنا دیا۔

”میں الیکٹرک چیئر پر بیٹھنا پسند کروں گا بہ نسبت اس کی کرسی پر بیٹھنے کے۔“

”اگر تو امریکا میں ہوتا تو تیری یہ خواہش اب تک پوری ہو چکی ہوتی۔ مگر دندان شکن کرسی ہی استعمال کرتے ہیں۔ میز صرف آپریشن یا پوسٹ مارٹم کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ویسے فکر مت کر، میں تجھے جس کے پاس لے جا رہا ہوں وہ باقاعدہ کلینک رکھتا ہے، مفت پاتھ پر تشدد کے یہ مظاہرے نہیں کرتا۔“

”ان سب کو دیکھ کر مجھے نادر شاہ جیسے پولیس والے بھی رحم دل نظر آنے لگے ہیں۔“

”فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تشدد سے پہلے اپنی فیس وصول کر لیتے ہیں پولیس والے بعد میں لیتے ہیں۔“

صف شکن کا کلینک میں خود بھی بھول گیا تھا۔ ایک حکیم نے بادلِ ناخواستہ مراقبے سے نکل کر صف شکن کے کلینک کا پتہ بتایا۔ البتہ اس نے اسے دندان شکن قرار دیا اور دعویٰ کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کہ اس کی بنائی ہوئی دوا نہ صرف دانتوں کو گرنے سے روکتی ہے بلکہ گرے ہوئے دانت دوبارہ نکل آتے ہیں۔ نیز کھوکھلے دانت یوں بھر جاتے ہیں جیسے اکتوانی حسن رکھنے والی لڑکیاں شادی کے ایک سال بعد بھر جاتی ہیں۔ حکیم مذکورہ کے نہ صرف پاؤں بلکہ باقی اعضا بھی تقریباً قبر رسیدہ ہو چکے تھے لیکن لڑکیوں اور خواتین کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لہجے میں رس آگیا تھا۔ وہ اس حوالے سے اپنی دوا کے مزید چشم کشا راز افشا کرنے پر آمادہ تھے۔ یہ انکشافات بھی شادی کے بعد کے حالات و واقعات کے بارے میں تھے اور راجا بھی دلچسپی لے رہا تھا لیکن میں اسے کھینچ کر ڈاکٹر صف شکن کے کلینک تک لے آیا جیسے بقرہ عید پر قربانی کے جانور کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صف شکن کے بورڈ پر لایعنی اور ناقابلِ فہم ڈگریوں کے ساتھ دوسری سمجھ میں آنے والی چیز اس کا ریٹ تھا۔ وہ صرف پچاس روپے میں آپ کا دانت نکال کر آپ کے ہاتھ میں رکھ سکتا تھا۔ اندر جانے سے پہلے راجا نے منمنا کر کہا۔

"یار حرج کیا ہے اس کی دوا آزما لینے میں؟"

"راجا گدھے تو نے اس حکیم گدھے کو رال بہاتے دیکھ کر غور نہیں کیا اس کے اپنے منہ میں کوئی دانت نہیں ہے۔ اپنی دوا خود کیوں نہیں کھا لیتا۔"

"لیکن اس کے باقی اثرات..." راجا نے کہنا چاہا مگر میں اسے اندر دھکیل چکا تھا جہاں ایک سیاہ فام اور بھاری جسامت والی نرس نے راجا کو یوں دبوچا جیسے قصائی بکرے کو دبوچتا ہے۔ راجا اس وقت بھی بکرے کی طرح منمنا رہا تھا۔ نرس کے شکنجے میں آنے کے بعد اس نے فریاد طلب نظروں سے میری طرف دیکھا مگر میں کچھ نہیں کر سکتا تھا البتہ فکرمند ہو گیا۔ کلینک کا ماحول خاصا پُراسرار سا لگ رہا تھا۔ چند سہمے ہوئے مریض پہلے سے موجود تھے۔ میرا خیال تھا کہ راجا کی باری ان کے بعد آئے گی۔ مگر نرس راجا کو دبوچے ہوئے پہلے ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں سے راجا کی لایعنی قسم کی آوازیں آئیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو لیکن کہہ نہ پا رہا ہو۔ میری تشویش بڑھ گئی۔ راجا کی عصمت کو قطعی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے پاس گنوانے کے لیے واحد چیز جان تھی اور مجھے اسی کی فکر تھی۔ پھر اسے زندہ سلامت باہر آتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگرچہ وہ اب بھی سیاہ فام نرس کے قبضۂ قدرت میں تھا جو جسامت سے نادر شاہ کا زنانہ ایڈیشن لگ رہی تھی۔ وہ اسی طرح دبوچے ہوئے اسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس پر پہلے سے موجود ایک مریض نے احتجاج کیا۔

"باری تو ہماری ہے۔" اس نے منمنا کر کہا۔

"نرس کو وہ زیادہ پسند آیا ہے۔" دوسرے نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار رشک کے جذبے کے ساتھ کیا۔ "پتا نہیں پہلے اسے اکیلے کمرے میں کیوں لے گئی تھی۔"

مگر ایک منٹ بعد احتجاج کرنے والا اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ نہیں گیا اور دوسرا اپنے رشک و حسد دونوں سے دست بردار ہو گیا تھا۔ میرے دانتوں میں دور دور تک کوئی مسئلہ نہیں تھا اس کے باوجود راجا کا واویلا سن کر میرا دل جو پہلے حلق میں آیا تھا اب پھسل کر معدے میں جا چکا تھا اور اس سے بھی نیچے کہیں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے سوچ لیا کہ اگر مجھے دانتوں میں کوئی مسئلہ ہوا اور کرۂ ارض پر ڈاکٹر صف شکن واحد ڈینٹسٹ بچا تب بھی میں اس کے پاس نہیں پھٹکوں گا۔ آخر میں اندر سے ایسی آوازیں آئیں جیسے راجا خراٹے کر رہا ہو۔ پھر ایک بیل کی سی چیخ سنائی دی اور اندر پُراسرار سی خاموشی چھا گئی۔ احتجاج کرنے والے نے کانپتی آواز میں کہا۔

"تمہارا دوست گزر گیا ہے۔"

میں راجا کی لاش ڈھونے کے خیال سے متوحش ہو گیا۔ میں نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اول تو ایک دانت نکالنے سے آدمی نہیں مرتا ہے اور دوسرے راجا اتنا غیرت مند ہے بھی نہیں۔"

"کیا پتا اس نے کیا کیا نکال لیا ہو۔" حاسد روہانسے لہجے میں بولا۔ "کاش میں نے خوشگی فیس نہ دی ہوتی۔"

میں دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا چند لمحے بعد پردہ سرکا اور تنومند نرس راجا کی باقیات میرا مطلب ہے لاش اٹھائے اندر سے نمودار ہوئی اور تقریباً پھینکنے کے انداز میں میرے حوالے کیا۔ "لے جاؤ اسے۔"

"راجا مر گیا؟" میں نے گھبرا کر کہا۔ "نادر شاہ مجھے ذاتی طور پر پھانسی چڑھاوے گا۔"

"جبلیل کیا ہو گیا ہے تجھے، میں زندہ ہوں۔" راجا نے مجھے ہلایا تو میں ہوش میں آیا اور تب مجھے پتا چلا کہ میں خیالوں میں کچھ زیادہ ہی دور نکل گیا تھا۔ راجا بالکل صحیح سلامت میرے سامنے کھڑا تھا اس کا منہ بجز اسب ٹھیک لگ رہا تھا۔ جہاں پہلے سوجن تھی وہاں اب گڑھا سا نمودار ہوا تھا۔ اپنی وفات کے بارے میں میرے خدشات سن کر راجا خفا ہو گیا تھا۔ سیاہ فام نرس اب احتجاجی کو دبوچ کر لے جا رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی احتجاج کر رہا تھا کہ اسے کیوں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

لے جا رہی ہے، پہلے حاسد کو لے جائے۔

''راجا بدبخت تو نے اندر جتنا واویلا کیا تھا اتنا تو آدمی مرتے وقت بھی نہیں کرتا ہے۔''

''آہ پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن اب پتا چلا کہ دانت نکلوانے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔'' راجا نے اپنا جبڑا دبایا۔ ''مگر اب سکون ہے۔''

ہم باہر آئے تو مجھے یاد آیا۔ ''ڈاکٹر نے فیس تو لی نہیں۔''

راجا بھی حیران ہوا۔ ''ہاں اس نے فیس نہیں لی بلکہ نرس نے مجھے آئس کریم بھی کھلائی تاکہ خون رک جائے اور سوجن اتر جائے۔''

''یہ کہاں سے اتنا سخی آ گیا۔'' میں نے فکرمندی سے کہا۔ ''راجا نرس نے تیرے ساتھ تنہائی میں کیا کیا؟''

''خبیث الزماں وہ سب نہیں کیا جو تیرے ذہن میں فتور کی طرح چکرا رہا ہے۔'' راجا نے جواب دیا۔ ''اس نے میرا منہ کھلوا کر تقریباً اندر گھس کے میرا معائنہ کیا تھا اور اس کے بعد مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔''

''اس معائنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ اصل کام تو ڈاکٹر نے کرنا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو تیرے بارے میں کچھ بتایا تھا؟''

''ہاں لیکن کان میں اور اس کے بعد ڈاکٹر یوں میری طرف لپکا جیسے دانت کے بجائے جان نکالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے نیچے بھی دے دیتا اور کھڑے کھڑے میرا دانت نکال کر ہاتھ میں رکھ دیتا۔''

''اس نے سن کرنے والا انجکشن لگایا تھا؟''

''کوئی انجکشن نہیں لگایا۔ بعد میں بھی نہیں لگایا۔ البتہ دوا لکھ کر دی ہے۔'' راجا نے جیب سے پرچہ نکالنا چاہا لیکن میں نے روک دیا۔

''اسے اندر ہی رکھ۔'' میں نے کہا۔ میرا پانچ سو کا نوٹ بچ گیا تھا اور میں اسے چھوڑ دینے اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ مگر ڈاکٹر صف شکن کا رویہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا اس نے نہ صرف فری میں راجا کا دانت نکالا بلکہ اسے آئس کریم بھی کھلائی۔ بہرحال راجا کا کام ہو گیا تھا اور وہ میرے ہاتھوں مقتول ہونے سے بھی بچ گیا تھا۔ ابھی چند دن اسے ان تمام اشیا سے پرہیز کرنا تھا جن سے وہ صبح سے شام تک شغل کرتا تھا۔ یعنی گٹکا اور چائے وغیرہ۔ جمی خانے کے پاس سے میں اس سے جدا ہوا۔ راجا یقیناً آسانی سے جدا ہونے والا نہیں تھا مگر جیسے ہی وہ سامنے سے گزرتی لڑکی کی طرف متوجہ ہوا میں ساتھ والی گلی میں گھس گیا اور چند گلیوں بعد دوسری سڑک پر نکلا تھا۔ اب راجا کا باپ بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ کمینے ڈی پھوس میں فتو نے پھر مجھے رشک آمیز نظروں سے دیکھا اور پوچھا۔

''پولیس نے اب تک تجھے پکڑا نہیں۔''

میں نے اسے مطلع کیا۔ ''آرام سے پکڑے گی جب میں اپنے تمام یاروں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔''

فتو فکرمند ہو گیا۔ ''راجا کی حرامزدگی تو واضح تھی باقیوں نے کیا قصور کیا ہے۔''

''وہ بھی راجا سے کم کمینے نہیں ہیں۔'' میں نے فتو کو گھورا۔ اس نے فوری چھوٹے کو اشارہ کیا اور وہ میرے لیے دودھ پتی لے آیا۔ چائے نوشی کے دوران میں ان طریقوں پر روشنی ڈال رہا تھا جن سے کسی کمینے دوست کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ کوشش یہ ہو کہ وہ زیادہ سے زیادہ تکلیف سے مرے۔ فتو نے اس میں اضافہ کیا۔

''سب سے تکلیف دہ طریقہ شادی ہے، آدمی سسک سسک کر چالیس پچاس سال میں مرتا ہے۔ ہر لمحے جاں کنی کی کیفیت ہوتی ہے اور جان بھی نہیں نکلتی۔''

''بس اسی وجہ سے تو اب تک بچا ہوا ہے۔'' میں نے خالی کپ اس کے سامنے رکھا اور اس بار بھی بل دیے بغیر روانہ ہو گیا۔ آج گھر میں دال تندے پکے تھے اس لیے میں نے نہاری کی نیت کی اور آتش نشاں نہاری کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی میں آتش نشاں نہاری کی پلیٹ پر (جو پیٹ میں منتقل ہو چکی تھی) دوسری بار گولڈ ڈرنک انڈیل رہا تھا کہ مجھے راجا کی صورت نظر آئی۔ مجھے اچنبھا لگا کیا جب تک میں کھانس کر فارغ ہوتا راجا نے پرہجوم نہاری ہاؤس میں مجھے تلاش کر لیا اور تیر کی طرح میری طرف آیا تھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی سوجن تھی لیکن اس سے زیادہ وحشت تھی۔ اس نے بلا تمہید کہا۔

''راجا وہ کمینہ ہاتھ دکھا گیا۔''

''کون؟''

''وہی ڈاکٹر صف شکن...'' راجا نے میرے آس پاس ناچتے ہوئے کہا۔ شکن کے بعد کے باقی الفاظ نہایت ناقابلِ اشاعت تھے۔

''تیرا مطلب ہے اس نے غلط دانت نکال دیا۔''

''نہیں دانت تو ٹھیک نکالا ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہوا ہے؟''

راجا نے مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں نے کاؤنٹر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

پرادا نگی کی اور ہم باہر آ گئے جہاں راجا نے اسٹریٹ لیمپ کی طرف منہ کر کے اپنا منہ بھاڑ کی طرح کھولا۔ ”اندر دیکھ۔“

نہاری حلق تک بھر کر میرا راجا کے منہ میں جھانکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے بادلِ ناخواستہ میں نے اندر جھانکنا چاہا تو اچانک آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا تھا۔ صرف آنکھوں کے آگے نہیں بلکہ آس پاس ہر جگہ اندھیرا چھا گیا تھا۔ بجلی والوں نے بروقت لائٹ بند کی تھی۔ لائٹ کی تلاش میں ہمیں دو کلومیٹرز دور جانا پڑا تھا۔ راستے میں راجا نے صرف ڈاکٹر کی شان میں گستاخیاں کی تھیں اور منہ سے پھوٹ کر نہیں دیا تھا کہ اس نے راجا کے ساتھ کیا کیا تھا۔ ”اس کے ساتھ جو میں کروں گا وہ دیکھنا۔“

”تو کیا کرے گا؟“

راجا نے واضح کیا کہ وہ نکاح تک نہیں کرے گا۔ میں ہنسا۔ ”وہ تو تو نے عارفہ سے بھی نہیں کیا ہے۔“

”جس نے کیا نکاح کا انتظار وہ بیٹھا رہ گیا۔“

”ٹھیک کہا تو نے۔“ میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”یارانِ تیز گام کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ لتو کے منہ تک اس کی بیوی کے کئی بچے ہو گئے ہیں۔ جبکہ بھی کئی بار شادی کی منزل سے ہمکنار ہوتے ہوتے رہ گیا۔“

”بس ایک تو ہے جو منگیتر ہوتے ہوئے بھی ابھی تک تصویروں پہ گزارہ کر رہا ہے۔“ راجا نے دانت نکالنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کے منہ سے ڈاکٹر صف شکن کے لیے کئی ناگفتنی نکل گئیں۔ اس کا جبڑا ٹھیک تھا یعنی اتنا ہی سوجا ہوا تھا جتنا آپریشن کے بعد تھا۔ جو اسٹریٹ لیمپ روشن ملا اس کا بلب ضعیفی کی وجہ سے ٹمٹما رہا تھا اور مجھے راجا کے منہ میں ٹھیک سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اس کی غائب ڈاڑھ کا خلا کچھ بڑا محسوس ہوا تھا۔ میں نے راجا کو بتایا تو اس نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔ ”یہی تو بتا رہا ہوں۔ اس کمینے نے میرا صحیح دانت بھی نکال لیا ہے۔ خراب ڈاڑھ کے برابر والا۔“

میں حیران ہوا۔ ”لیکن کیوں؟“

”یہی تو پتا چلانا ہے اور مجھے اپنا دانت واپس لینا ہے۔“

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”دانت نکالا جاتا ہے لیکن اسے دوبارہ لگانے کا ذکر میں نے کبھی نہیں سنا۔“

”مصنوعی تو لگتے ہیں۔“

”اسے وہ مصنوعی ہوتے ہیں۔“

”اتنے بھی مصنوعی نہیں ہوتے، میں نے خود بھینس کے دانت گھس کر انسانوں کو لگاتے دیکھا ہے۔“

”یہ تو میں نے بھی دیکھا ہے۔“

”تب انسان کے دانت بھی تو کسی کو لگ سکتے ہیں۔ جیسے لوگوں کے گردے، پھیپھڑے، دل، جگر اور دوسرے اعضائے رئیسہ اور غیر رئیسہ دوسروں کو لگ سکتے ہیں۔“

راجا نے پتے کی بات کی تھی۔ واقعی جب دوسرے اعضا لگ سکتے تھے تو ایک انسان کا دانت کسی دوسرے انسان کو کیوں نہیں لگ سکتا تھا۔ آخر مصنوعی دانت بھی تو لگتے تھے تو اصل دانت لگنے میں کیا قباحت تھی جبکہ میری معلومات کے مطابق دانت میں جان نہیں ہوتی ہے یعنی جسم اسے رد بھی نہیں کرتا ہے۔ میں نے راجا کی طرف دیکھا۔ ”تیرا مطلب ہے اس نے تیرا ایک اضافی دانت نکال لیا کسی دوسرے کے لیے، جو ٹھیک تھا۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”ظاہر ہے خراب دانت تو کسی کو لگ نہیں سکتا۔ ورنہ میرے منہ میں نہ لگا رہتا۔ اسی لیے اس نے فیس نہیں لی اور اپنی طرف سے آئس کریم بھی کھلائی تھی۔“

”فرض کر اس نے ایسا کیا ہے تب بھی ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تیرا دانت اگر کسی اور کی بتیسی میں فٹ ہو گیا ہوگا تو اسے واپس کیسے حاصل کریں گے؟“

”اتنی جلدی تو نہیں ہوا ہوگا۔“ راجا نے امید سے کہا۔ ”جلیل کچھ کر۔ مجھے میرا دانت ہر صورت واپس چاہیے۔“

”چھوڑ راجا، جانے والی چیز گئی اور اگر تجھے واپس مل بھی جائے تو کچھ عرصے بعد تجھ میں دال چاول چبانے کی سکت نہیں رہے گی دانت کا کیا کرے گا۔“

اس پر راجا نے مردانہ دانتوں کے کچھ ناقابلِ بیان استعمال پر روشنی ڈالی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بس، ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔“

”تب تو میرے ساتھ چل رہا ہے۔“ راجا خوش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی پتلون کی جیب سے لوہے کی فٹ بھر لمبی راڈ نکالی۔ ”یہ میں اس کے لیے لایا ہوں۔“

میں فکرمند ہو گیا۔ ”دیکھ راجا میں تشدد کے خلاف ہوں۔“

”وہ شرافت سے کہاں مانے گا؟“ راجا نے راڈ لہرائی۔ ”دیکھنا میں اس سے کیسا کام لیتا ہوں۔ وہ اپنے باپ کے ڈھانچے سے دانت نکال کر میرے منہ میں فٹ کرے گا۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''پہلے مل تو جائے۔'' میں نے کہا اور ہم نے اس گلی کی طرف مارچ شروع کر دی۔ وہاں اس وقت تاریکی تھی اور فٹ پاتھ پر دندان شکن کی کرسی پر ایک فقیر بادشاہ براجمان تھا۔ فقیر کا اسٹائل شاہانہ تھا اور وہ خود کو یقیناً کسی شہنشاہ سے کم نہیں سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے چرس کا سوٹا لگا رکھا تھا۔ چرس ایسی چیز ہے جو بادشاہ اور فقیر کو ایک ہی صف میں لے آتی ہے۔ دونوں انجانی دنیاؤں کی سیر کو نکل جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس وقت کلینک بند تھا بلکہ وہاں سب کچھ ہی بند تھا۔ اس لیے معلومات کا واحد ذریعہ وہی فقیر تھا۔ راجا نے بلا تکلف راڈ سے اس کا گھٹنا بجایا۔ ''اٹھ جا فقیر بادشاہ، سخی داتا کچھ دینے آئے ہیں۔''

وہ بلبلا کر ہوش میں آیا اور بھنا کر بولا۔ ''سخی داتا تکلیف دینے آئے ہیں؟''

اس بار راجا نے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کرسی سے نیچے کھینچ لیا۔ وہ دھڑام سے گرا اور چلایا۔ ''ہائے مار دیا... ظالم فقیر کے ساتھ دست درازی کرتا ہے... اللہ کرے تیرے ہاتھ پر فالج گرے۔''

''پریکٹس نہیں۔'' میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ ''جلدی سے ہوش میں آجاؤ، ہمارے کچھ سوالوں کے جوابات دو اور اس کے بعد سکون سے سوتے رہو۔''

''کیسے سوالات؟'' اس نے اعتراض کیا۔ ''میں کیوں جواب دوں؟''

''راجا کہیں سے پانی لاؤ، فقیر بادشاہ ابھی ہوش میں نہیں آئے ہیں۔''

''پانی کی کیا ضرورت ہے۔'' راجا نے راڈ لہرائی۔ ''ضرورت ہے ان کا نشہ ہرن ہو جائے گا۔''

''خدا کے لیے۔'' فقیر بادشاہ نے فریاد کی۔ ''پانی مت ڈالنا، بڑی مشکل سے ایک سگریٹ ملی تھی۔ مارکیٹ میں شارٹ ہے، ایک سگریٹ سو روپے کی مل رہی ہے۔''

راجا نزدیک ہی ایک گھڑے سے پیالہ بھر کر لے آیا اور یوں فقیر بادشاہ کے سر پر کھڑا ہو گیا جیسے اشارہ ملتے ہی اس پر الٹ دے گا۔ منشیات استعمال کرنے والے کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتے ہیں جتنا کہ پانی سے ڈرتے ہیں کیونکہ پانی نشہ اتار دیتا ہے۔ میں نے کلینک کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کے بارے میں جانتے ہو؟''

اس نے سر ہلایا۔ ''دانت کا ڈاکٹر ہے، پر ہر روز نہیں آتا، کبھی ہفتے میں دو دن آتا ہے کبھی ایک دن آتا ہے۔ کلینک اکثر بند پڑا رہتا ہے۔''

''کہاں سے آتا ہے کہاں جاتا ہے؟''

فقیر بادشاہ کو اس بارے میں علم نہیں تھا مگر جب راجا نے اس پر پانی چھلکایا تو اس نے بلبلا کر انکشاف کیا کہ وہ سیاہ فام نرس کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ نزدیک ہی رہتی تھی۔ فقیر بادشاہ بھی کبھی اس کا پیچھا کیا کرتا تھا ایسے ہی بطور تھرل۔ میں نے ملامت سے کہا۔ ''تمہیں شرم آنی چاہیے، ایسی چیز سے تو آدمی دور بھاگتا ہے اور تم اس کا پیچھا کرتے ہو؟''

فقیر بادشاہ نے دانت نکالے۔ ''کیا کرے عورت بھی تو ہے۔''

نرس کے گھر کا پتا سمجھ کر میں نے راجا کے ہمراہ لانگ مارچ کا اگلا حصہ شروع کیا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ نہاری کے ساتھ چار تندوری روٹیاں کھانے اور اوپر سے ایک جگ پانی پینے سے پیٹ جو ہوا بھری فٹ بال بن گیا تھا اب کسی قدر نرمی پر آمادہ تھا۔ میں نے راجا سے کہا۔ ''بے شک وہ تجھ جیسے چار آدمیوں سے خالی ہاتھ نمٹ سکتی ہے اور دیکھنے میں کسی گینڈے کی طرح وزنی لگتی ہے مگر اس نے ایک بھی چیخ ماردی تو آس پاس پبلک ہمیں پاپڑ بنا دے گی۔ آج کل پبلک میں تشدد کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ تو نے اس پر دست درازی نہیں کی۔''

''صرف اپنے جیسی پبلک کے خلاف۔'' راجا نے سچ بیانی سے کہا۔ ''تو نے آج تک سنا ہے کہ مزدوروں نے کسی سیٹھ کو پیٹا ہو، یا پبلک نے کسی دولت مند کو گاڑی سے اتار کر کوٹا ہو جس نے کسی بچے پر گاڑی چڑھا دی ہو۔ وہ تو اسلحہ بردار ڈاکوؤں سے بھی دور بھاگتی ہے ہاں اپنے جیسا کوئی کنگلا جس پستول پر واردات کرنے والا ہاتھ آجائے تو اس کا ضرور پاپڑ بنا دیتی ہے۔''

میں نے راجا سے اتفاق کیا اور اسے یاد دلایا کہ ہمارا شمار بھی پبلک میں ہوتا ہے اس لیے پاپڑ بننے کے امکانات خاصے روشن ہیں۔ راجا نے اتفاق کیا اور طے پایا کہ پہلے آس پاس سے نرس کے بارے میں معلومات جمع کی جائیں اور ان کی روشنی میں کوئی قدم اٹھایا جائے۔ وہ ایک مارکیٹ بلڈنگ میں اوپر کہیں رہتی تھی اور نیچے ایک دکان میں چلنے والے ہوٹل کے چھوکرے نے نرس کے بارے میں چشم کشا انکشافات کیے۔ اول اس کا شوہر بس نام نہاد شوہر تھا۔ سارا دن نشہ کر کے گھر میں پڑا رہتا تھا اور یہ دن رات کماتی تھی۔ رات کی کمائی ایک نزدیکی کلینک میں ہوتی تھی جہاں رات کی تاریکی میں گناہوں کا بوجھ صاف کیا جاتا تھا۔ میں نے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

راجا کے ساتھ جا کر کلینک دیکھا اور طے کیا کہ اسے کلینک ہی بلایا جائے۔ اس کام کے لیے ہوٹل کے اسی بیرے کو آمادہ کیا گیا اور اس نے صرف سو روپے لیے۔ آدھے گھنٹے بعد سیاہ فام نرس اتر کر نیچے آئی اور کلینک کی طرف روانہ ہوگئی۔ کلینک گندے نالے کے ساتھ تھا یعنی ایک آسانی اور تھی۔ راجا جوشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا نیز وہ نرس کے زورِ بازو سے بھی بہ خوبی واقف تھا اس لیے اس نے راست اقدام کیا اور جیسے ہی نرس کلینک کی حد میں داخل ہوئی راجا نے عقب سے اس کا سر لوہے کی راڈ سے بجایا۔ وہ کراہ کر گری اور میں اچھل پڑا۔

''یہ کیا کیا؟''

''دیکھتا رہ۔'' راجا نے پہلے نرس کو خود اندر لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے کھسکا بھی نہیں سکا۔ پھر میں نے اس کی مدد کی۔ کلینک کا تالا راجا نے اپنی فنکاری سے کھول لیا اور ہم نرس کو اندر لے آئے۔ اسے بہ مشکل اس ٹیبل پر ڈالا جس پر وہ خود دوسروں کو ڈالتی رہی ہوگی۔ پھر بیلٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور آخر میں راجا نے اس کی آنکھوں اور منہ پر میڈیکل ٹیپ لگا دیا جو بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے امونیا سونگھائی تو وہ فوراً کراہنے لگی۔ راجا نے آگے آ کر کہا۔ ''تم میری آواز سن رہی ہو سر ہلاؤ۔''

اس نے سر ہلایا۔ راجا نے مطمئن ہو کر کہا۔ ''مجھے ڈاکٹر صف شکن کا پتا چاہیے۔''

نرس نے نفی میں سر ہلایا تو راجا نے نشتر اس کے سر کے زخم پر چبھایا۔ اچانک تکلیف ہوئی تو وہ اچھل پڑی اور پھر مچلنے لگی۔ اس کے مچلنے سے ٹیبل ہلنے لگی تھی کیونکہ اس کے نیچے پہیے لگے تھے۔ راجا نے ایک چاقو سے اس کے ہاتھ پر کٹ لگایا اور پھر اس پر نشتر ڈالا تو وہ ناک کے بل دہاڑنے لگی۔ مگر اس کی یہ دہاڑیں اس کمرے سے باہر نہیں جا رہی تھیں۔ تیسرا کٹ لگوانے اور اس پر نشتر ڈلوانے کے بعد نرس نے اثبات میں سر ہلایا تو راجا نے اس سے کہا۔ ''میں منہ کھول رہا ہوں لیکن ذرا بلند آواز نکلی تو دوبارہ سر پر لوہے کی راڈ لگے گی۔''

اس دوران میں، میں نے نرس کی تلاشی لے کر اس کا جدید ترین اسمارٹ فون نکال لیا اور اس کا کیمرا ویڈیو موڈ پر کر کے اسے ایک طرف رکھ دیا۔ نرس کو پتا نہیں تھا کہ اس کی مووی بن رہی ہے اور آواز ریکارڈ ہو رہی ہے۔ منہ کھلنے پر اس نے آواز دھیمی رکھی تھی مگر اس کے منہ سے جو الفاظ نکلے

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

SCANNED BY DIGESTPK

تھے راجا کی شان میں وہ سب کے سب ناقابلِ اشاعت کے زمرے میں آتے ہیں۔ جواب میں راجا نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا کر پہلے سے موجود زخموں پر چھرا ڈالا اور اسے خبردار کیا۔ "اب صرف کام کی بات نکلے منہ سے ورنہ پورا جسم چھروں سے بھر جائے گا۔"

اس بار اس کی ہمت جواب دے گئی اور جب راجا نے ٹیپ ہٹایا تو وہ رو رہی تھی۔ اس نے روتے روتے ڈاکٹر صف شکن کے دوسرے کلینک کا پتا بتایا جو خاصے پوش علاقے میں تھا۔ اگلا سوال میں نے کیا۔ "ڈاکٹر اس کلینک میں کیا کرتا ہے؟"

"لوگوں کے دانت نکالتا ہے۔" وہ بولی۔

"جھوٹ مت بولو۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں، وہ خراب کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکال لیتا ہے۔ اس کلینک میں وہ یہی کام کرتا ہے۔"

"صحیح دانت کا کیا کرتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"وہ ہم ڈاکٹر سے پوچھ لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس کے لیے کیا کرتی ہو؟"

وہ آسانی سے بتانے پر آمادہ نہیں تھی مگر جب میں نے اس کا منہ دبایا اور راجا نے چھرا زنی کی تو وہ آمادہ ہو گئی۔ کلینک چلتا اسی کی وجہ سے تھا۔ وہ دانتوں کے مریضوں سے رابطہ کرتی تھی اور انہیں یہاں بلواتی تھی۔ اس کا سیل نمبر چلتا تھا۔ جب کئی مریض جمع ہو جاتے تو ڈاکٹر صف شکن آتا اور ایک ساتھ ان لوگوں کے خراب دانتوں کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکال کر لے جاتا تھا۔ ایک بار دانت نکال کر وہ کئی دن یا ہفتے بھر کے لیے غائب ہو جاتا تھا اور بے چارے دانت زنی کا شکار چکر لگا کر چلے جاتے تھے۔ راجا کی بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر یہاں صحیح دانت نکال کر دوسروں کے منہ میں فٹ کر رہا تھا اور یقیناً وہ اس کی اچھی خاصی فیس لیتا ہوگا۔ میں نے نرس کے یونیفارم کی جیب سے موبائل نکالا تھا اور ساتھ میں چابیوں کا گچھا تھا مگر کوئی رقم نہیں تھی۔ مگر جب راجا نے جامہ تلاشی لی تو اس کے خفیہ والٹ سے رقم بھی برآمد ہو گئی۔ یہ نوٹوں کا لپٹا ہوا رول تھا جس میں خاصی رقم تھی۔ راجا نے اسے اپنی جیب میں رکھا۔ اس کے منہ پر وہ پہلے ٹیپ لگا چکا تھا۔ وہ مچل رہی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

ہم باہر آئے اور میں نے راجا سے کہا۔ "اب کیا کرنا ہے؟"

"ڈاکٹر کے کلینک چلتا ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ اس وقت کلینک پر نہیں ہوگا۔"

"تب اسے وہیں بلا لیتے ہیں۔" راجا نے کہا۔ "میں نرس کی پچھلے بانس جیسی آواز کی نقل اتار سکتا ہوں۔"

"ہاں کیونکہ تیری اپنی آواز بھی کچھ ایسی ہی ہے۔" میں نے تائید کی تو راجا نے گھورا اور نرس کے موبائل کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس شرط پر دیا کہ وہ واپس کر دے گا۔ راجا نے سر ہلایا اور موبائل میں موجود ڈاکٹر صف شکن کا نمبر نکال کر نرس کی ایسی آواز نکالی کہ میں دنگ رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ راجا اداکاری کر سکتا تھا۔ وہ بجا طور پر پہلے فلم اور اب ٹی وی انڈسٹری میں جانے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ اس نے یہاں صداکاری کے ساتھ اداکاری کے جوہر بھی دکھائے اور ڈاکٹر کو آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے کلینک آئے کیونکہ وہ اسے ایک نہایت اہم اطلاع دینے آ رہی تھی۔ فون بند کر کے راجا نے مسرت سے کہا۔

"وہ آ رہا ہے، کاش کہ تیرے پاس بائیک ہوتی۔"

بائیک گستاخ بانداری کی نذر ہو چکی تھی اور میں ایک بار پھر وہی پیدل جلیل تھا۔ بہرحال ایک رکشے نے ہمیں تقریباً ہوا کی رفتار سے ڈاکٹر صف شکن کے کلینک پہنچا دیا اور رات کے وقت تنگ کرنے کا ہرجانہ لے کر پچھتے سائلنسر سے ایک سو ایک توپوں کی سلامی دیتا ہوا روانہ ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر کانوں میں اس کا شور گونجتا رہا۔ ڈاکٹر کا کلینک ایک عالی شان اپارٹمنٹ کے گراؤنڈ اور فرنٹ والے فلیٹ میں تھا اور اس میں آمد و رفت کا راستہ بھی الگ تھا۔ بند گیٹ سے ظاہر تھا کہ ڈاکٹر ابھی تک نہیں پہنچا ہے۔ میں نے راجا سے پوچھا۔

"اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے وہی نرس والا؟"

"بالکل۔" راجا نے پُرعزم انداز میں راڈ لہرائی۔ "آج یہ دوسرا سر پھاڑے گی۔"

"بیٹے تیرا ارادہ دانت واپس اسی نے لگانا ہے ایسا نہ ہو کہ خود اس کے ساتھ کیس ہو جائے، تیری ضرب کلیم اسے مجذوب کر دے۔"

راجا فکرمند ہو گیا۔ "تو ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

"یہ راڈ میرے حوالے کر دے۔" میں نے کہا تو راجا نے راڈ مجھے تھما دی۔ اب میں نے اسے بتایا کہ اسے کیا کرنا تھا۔ اسے سمجھا کر میں خود پاس کی ایک پھولدار بیل کے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

پیچھے روپوش ہو گیا۔ وہاں خوشبو تھی مگر ساتھ ہی مچھر اور دیگر حشرات الارض بھی بہت تھے۔ وہ سب کاٹنے کے ساتھ کلاسیکی راگ بھی الاپ رہے تھے۔ یہ خاصے صبر آزما مراحل تھے اور میں دبکے رہنے پر مجبور تھا۔ راجا مزے سے فٹ پاتھ پر ہوا خوری کر رہا تھا۔ ڈاکٹر بہت دیر سے آیا۔ اس وقت تک مچھر اور دوسرے خون آشام کیڑے میرا کوئی ایک لیٹر خون پی چکے تھے۔ میں مسلسل حالتِ جنگ میں تھا۔ راجا مایوس ہو کر وہیں فٹ پاتھ پر لیٹ گیا تھا۔ اس لیے ہمیں ڈاکٹر کی آمد کا ذرا دیر سے پتا چلا۔ اس کی بے آواز کار رکی اور اس سے اتر کر ڈاکٹر کلینک کی طرف بڑھا۔ راجا اٹھ کر اس کے پیچھے لپکا۔ "ڈاکٹر..."

"معاف کرو بابا۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ "آدھی رات کو بخش دیا کرو۔"

اگر راجا کے پاس راڈ ہوتی تو وہ یقیناً ڈاکٹر کے مجذوب ہونے کی پروا کیے بغیر اس کے سر پر آزماتا۔ اس سے پہلے وہ غصے میں آ کر کام خراب کرتا، میں ان کے عقب میں پہنچ گیا اور راڈ کی نوک ڈاکٹر کے گردے پر لگا کر کہا۔ "آدھی رات کو آنے والے ہی تو نہیں بخشتے ہیں۔ خبردار ہلنا مت ورنہ گولی آر پار ہو جائے گی۔"

راجا نے پھرتی سے اس سے چابیاں چھین لیں۔ اس نے کلینک کا تالا کھولا اور ہم اندر آ گئے۔ یہ خاصا بڑا اور شاندار کلینک تھا جس میں دندان سازی اور سرجری کے تمام جدید اوزار اور مشینیں دستیاب تھیں۔ ڈاکٹر ساکت تھا اور اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی کہ مجھے "گولی" چلانی پڑتی۔ راجا نے باہر والا دروازہ لاک کر دیا اور کھڑکیوں پر ونڈو بلائنڈ گرا دیے تھے۔ اب باہر سے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ اے سی آن کر دیا اور تب میں نے راڈ نکال کر ڈاکٹر کو دکھائی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ البتہ راجا کو اس نے کچھ دیر بعد شناخت کر لیا۔ "تم... تم وہی ہو نا جس کا..."

"تم نے ایک دانت اضافی نکال لیا تھا۔" راجا نے اسے پھرتی سے تھپڑ مارا۔ ڈاکٹر صورت سے معزز لگ رہا تھا اور غالباً خود کو معزز سمجھتا بھی تھا اس لیے تھپڑ پر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے خون کے گھونٹ پی کر پوچھا۔

"کیا چاہتے ہو تم... صوفی کہاں ہے؟"

"کون صوفی؟"

"جس نے مجھے کال کر کے بلایا تھا۔"

"وہ صوفی تو ایک دوسرے کلینک میں پڑی ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں اس صوفی نے بلایا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب جلدی آ جائیں۔" راجا نے صوفی کی نقل اتاری تو ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کیا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر کو دھکیل کر ایک کرسی پر بٹھا دیا تھا پھر راجا نے اسے ٹیپ کی مدد سے کرسی سے باندھا اور یہی ٹیپ اس کی آنکھوں پر لگا دیا۔ میں نے نرس کے موبائل کا کیمرا آن کر کے ایک طرف رکھ دیا اور ڈاکٹر سے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ ایک طرف تم نے اس غریب سی جگہ کلینک کھولا ہے اور صرف پچاس روپے میں لوگوں کے دانت نکال رہے ہو۔"

"بلکہ وہ پچاس روپے بھی نہیں لیتے۔" راجا نے لقمہ دیا۔ "الٹا اس کی رقم بھی اپنی جیب سے کھلاتے ہو۔"

"کیونکہ اس کے بدلے تم مریض کے خراب دانت کے ساتھ ساتھ اس کا ایک بالکل ٹھیک دانت بھی نکال لیتے ہو۔" میں نے کہا۔ "دوسری طرف یہ تمہارا عالی شان کلینک ہے یہاں تمہاری فیس ہی یقیناً ہزاروں میں ہوگی اور دانتوں کو ہاتھ لگانے کے عوض بھی تم اچھی خاصی رقم وصول کر لیتے ہو گے۔"

"مجھے تسلیم ہے کہ ایک دانت مجھ سے غلطی سے نکل گیا۔ یقین کرو یہ صرف غلطی تھی۔" اس نے گھگیا کر کہا۔ "میں تلافی کے لیے تیار ہوں۔"

"وہ بھی کر دو گے لیکن پہلے میرے سوالوں کا جواب دو۔ تم نکالے گئے صحیح دانتوں کا کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے جھوٹ بولنا چاہا۔ "میں نے بتایا نا کہ اس کا دانت غلطی سے نکل گیا تھا۔"

"یہ اس طرح نہیں مانے گا۔" میں نے راجا کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے اس کے ساتھ بھی صوفی والا ٹریٹمنٹ کرنا پڑے گا۔"

کلینک میں نشتر کی موجودگی لازمی تھی۔ ایک چھوٹا سا چاقو بھی مل گیا۔ راجا نے پہلا کٹ لگا کر اس پر سپرٹ چھڑکا تو ڈاکٹر نے ناک سے ایسی چیخ ماری تھی کہ ہم اچھل پڑے۔ راجا نے کہا۔ "اس کی ناک بھی بند کرنا پڑے گی۔"

"احمق پھر یہ سانس کیسے لے گا۔"

ڈاکٹر صف شکن نام کے برعکس خاصے چھوٹے دل کا تھا۔ دوسرے کٹ پر اس نے ناک سے دہاڑیں مار کر رونا

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

شروع کر دیا۔ اب وہ زور وشور سے سر ہلا رہا تھا۔ میں نے راجا کو روکا۔ ''ایک منٹ شاید یہ مان گیا ہے۔''

''اتنی جلدی مان گیا۔'' راجا نے مایوسی سے کہا۔ ''یہ تو اس عورت سے بھی گیا گزرا ہے۔''

میں نے اس کے منہ سے ٹیپ اتارا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''بتاتا ہوں... خدا کے لیے... اب مزید کچھ مت کرنا۔''

ڈاکٹر صف شکن نے کسی قدر تذبذب کے بعد تسلیم کر لیا کہ وہ جان بوجھ کر مریضوں کے اضافی دانت نکالتا تھا۔ یہ دانت وہ اس کلینک میں آنے والے مریضوں کو لگاتا تھا۔ دانت ایک جدید تکنیک سے لگائے جاتے تھے۔ جس میں یہ بغیر جڑ کے ہمیشہ کے لیے بتیسی میں فٹ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ دانت اصل ہوتے تھے اس لیے ڈاکٹر ان کی بہت بھاری قیمت وصول کرتا تھا۔ آپریشن اور دوسرے اخراجات الگ ہوتے تھے۔ میں اور راجا سن کر دنگ رہ گئے کہ وہ ایک دانت کے ایک سے ڈیڑھ لاکھ روپے تک وصول کرتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس بے شمار دولت تھی ان کے لیے لاکھ ڈیڑھ لاکھ کچھ نہیں تھے۔ ڈاکٹر غریبوں کے کلینک سے لوگوں کے دانت نکال کر یہاں امراء کے کلینک میں لگاتا تھا اور یقیناً وہ دونوں ہاتھوں سے کما رہا تھا۔ راجا یہ سن کر جذباتی ہو گیا تھا۔ اس نے چیخ کر پوچھا۔

''او خبیث آدمی تو نے میرا دانت کتنے میں بیچا ہے۔''

''ابھی تو نہیں بیچا، وہ رکھا ہوا ہے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ڈاکٹر اب تمہاری جان بخشی کی ایک ہی صورت ہے، میرے دوست کا دانت واپس لگاؤ اور اس کا جو خراب دانت نکالا تھا اس کی جگہ بھی دوسرا دانت لگاؤ تو ہم خاموشی سے واپس چلے جائیں۔''

''ورنہ تیرے ساتھ تیرے کلینک کا بھی ملبا کر جائیں گے۔'' راجا نے اسے دھمکی دی۔ ڈاکٹر ڈر گیا مگر وہ دوسرا دانت لگانے کو تیار نہیں تھا۔

''وہ میں کہاں سے لاؤں؟''

''کہیں سے بھی۔'' میں نے کہا۔

''یہ آسان کام نہیں ہے، پہلے دانت چیک کرنا پڑتا ہے پھر جبڑے کا ایکسرے ہوتا ہے تب کہیں جا کر آپریشن کر کے میں دانت فکس کرتا ہوں۔ یہاں ایکسرے کیسے کروں؟''

''مشین تو ہے۔'' میں نے کہا۔ ''اور تمہیں ایک آدمی کی مدد کی ضرورت ہوگی تو میں ہوں نا۔ بس تم اپنا کام کرو۔''

ڈاکٹر بادلِ ناخواستہ راضی ہوا۔ میں نے اسے کھولا اور وارننگ دی کہ اس کی کسی غلط حرکت یا چلانے پر میں لوہے کی راڈ استعمال کرنے میں ذرا پس وپیش سے کام نہیں لوں گا۔ نمونے کے طور پر میں نے اس کی میز پر رکھی پلاسٹر آف پیرس کی بنی کھوپڑی توڑ دی جو بتیسی دکھا رہی تھی۔ ''اس سے زیادہ آسانی سے تمہاری کھوپڑی ٹوٹ جائے گی اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو امکان ہے کہ مجذوب ہو جاؤ گے۔''

وفات سے زیادہ مجذوب ہونے کے امکان نے اسے سہما دیا اور اس نے یقین دلایا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے سب سے پہلے راجا کے جبڑے کا کئی زاویوں سے ایکسرے لیا۔ جب اس نے اس کا رزلٹ نکالا تو میں نے دیکھ کر راجا سے کہا۔ ''اس میں بھی تو اتنا ہی منحوس نظر آ رہا ہے جتنا کہ نارمل میں دکھائی دیتا ہے۔''

راجا نے برا منایا اور بولا۔ ''تیرا شادی کا فوٹو اس سے زیادہ منحوس آئے گا۔''

''اللہ تیری زبان مبارک کرے۔'' میں نے دانت نکالے۔ ''منحوس ہی سہی فوٹو تو آئے۔''

ڈاکٹر صف شکن نے صف بندی کی یعنی آپریشن کی تیاری شروع کی اور اپنا خزانہ نکال لایا۔ یہ بہت نفیس سے المونیم کی ٹرے میں سجے ہوئے موتیوں جیسے دانت تھے ان میں راجا کا ذاتی دانت بھی شامل تھا۔ نہ جانے اس پر سے پان گٹکے کے داغ صاف کر دیے تھے۔ راجا کو بھی شک ہوا کہ یہ اسی کا دانت ہے۔ مگر ڈاکٹر نے تصدیق کی کہ یہ اسی کا دانت ہے پھر اس نے چیک کرتا ہوا دوسرا دانت نکالا اور حسرت سے بولا۔ ''یہ کم سے کم ڈیڑھ لاکھ کا ہے، آپریشن سمیت اس کی فکسنگ دو لاکھ تک میں ہوتی ہے۔''

میں نے راجا کو مبارک باد دی۔ ''زندگی میں پہلی بار تیرا خرچ لاکھ سے اوپر گیا ہے۔''

ڈاکٹر نے مجھے سمجھایا کہ مجھے کیا کیا کرنا تھا۔ میں اس کی معاونت کرنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے راجا کو ایک انجکشن لگا کر تقریباً بے ہوش کر دیا پھر اس کا سر ایک شکنجے میں جکڑ دیا اور دوسرے شکنجے نے راجا کا منہ کھول دیا۔ اب ڈاکٹر آرام سے اپنا کام کر سکتا تھا۔ میں اس کی ہدایت کے مطابق اسے اوزار اور دوسری چیزیں اٹھا کر دیتا رہا۔ اس نے خاصی چیر پھاڑ کی اور راجا کا خون جو دیکھنے میں سرخ ہی تھا خاصا بہا تھا مگر ڈاکٹر نے مجھے تسلی دی تھی کہ یہ معمول کی بات ہے۔ کچھ چیزوں کی مدد سے اس نے دونوں دانت فکس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کیے اور آخر میں دانتوں پر ایک ایسی کیپ چڑھا دی جیسی کہ باکسر مقابلے کے دوران دانت بچانے کے لیے پہنتے ہیں۔ پھر اس نے راجا کو یکے بعد دیگرے کئی انجکشن دیے اور مجھ سے کہا۔ ''یہ ایک گھنٹے میں ہوش میں آجائے گا۔''

''ٹھیک ہے تب تک ہم ذرا گفتگو کرتے ہیں، ڈاکٹر میرے پاس تمہیں دکھانے کے لیے کچھ ہے۔''

میں اور ڈاکٹر آفس میں آگئے تھے۔ راجا کو ذرا تاخیر سے یعنی سوا گھنٹے بعد ہوش آیا تھا اور اس کے حواس بحال ہونے میں مزید پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ہم وہاں سے نکل آئے۔ ڈاکٹر نے راجا کو تین دن تک نرم غذا کھانے اور بولنے سے پرہیز کا کہا تھا۔ وہ خاصا رنجیدہ تھا۔ راجا نے باہر آکر بند منہ کے ساتھ ایک گھٹا ہوا قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''کیسا کیا سالے کے ساتھ، تجھ جیسا منہ نکل آیا تھا۔''

کیونکہ اس وقت رکشا ٹیکسی ملنے کا امکان نہیں تھا اس لیے ہم نے پیدل مارچ شروع کیا۔ راجا بہت مسرور تھا۔ لیکن جب میں نے نرس کے پاس سے ملنے والے کیش کی بات کی تو اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ ''اس کی بات کیوں کر رہا ہے، ابھی مجھے دوائیاں لینی ہیں اور نرم غذا کھانی ہے۔''

''راجا چالاکی مت کرو خاصی رقم تھی، میں نے خود سبز اور سرخی نوٹوں کی جھلک دیکھی تھی۔ اس میں سے کچھ نکال۔''

''یہ مجھے ذاتی کوشش سے ملی ہے۔'' راجا نے ڈھٹائی سے کہا۔ ''تو نے بھی تو اس کا موبائل نکالا تھا وہ بھی مہنگا والا ہے۔''

''موبائل میں واپس کر آیا ہوں ڈاکٹر اسے دے دے گا۔ تو جانتا ہے میں نے چوری چھوڑ دی ہے۔''

''یہ بھی تو چوری کا مال ہے۔'' راجا نے عیاری سے کہا۔ ''تجھ پر حرام ہے۔''

''حرام تجھ پر ہے لیکن تو اگر مجھے دے دے گا تو یہ میرے لیے حلال ہوگا۔''

مگر راجا ہمیشہ کی طرح کمینہ ثابت ہوا تھا۔ رقم آتے ہی اس کی آنکھیں بدل جاتی تھیں۔ ''میں اس میں سے ایک روپیہ نہیں دوں گا اور تو نے کیا واقعی موبائل اسے دے دیا ہے۔''

''تیرے خالی سر کی قسم۔''

''جیکل تو نے کوئی چکر تو نہیں چلایا ہے نا۔'' راجا مشکوک ہو گیا تھا۔

''اگر چلایا بھی ہے تو تجھے کیا، تو نے ابھی خود طے کر دیا ہے کہ ذاتی طور پر حاصل کیے ہوئے مال میں دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔''

اس کے بعد راجا کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے مزید پوچھتا، اسے خطرہ تھا کہ میں اپنا حصہ لینے پر نہ تل جاؤں۔ اس لیے وہ جلدی سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''بیٹا خوش رہ اپنے خرچے پر جب تک رہ سکتا ہے۔''

اگر راجا کو پتا چل جاتا کہ اس وقت میری جیب میں پچاس ہزار روپے ہیں تو وہ مجھ سے جونک کی طرح چمٹ جاتا۔ میں نے ڈاکٹر صف شکن کے سامنے صوفی کے موبائل میں ریکارڈ دونوں ویڈیوز رکھیں اور اس سے کہا۔ ''تمہارے سامنے دو راستے ہیں، ایک تو میں اس ویڈیو کو انٹرنیٹ پر شیئر کر دوں اور ٹی وی چینل کو بھیج دوں۔''

''خدا کے لیے ایسا مت کرنا، میں برباد ہو جاؤں گا۔'' اس نے کانپ کر کہا۔

''دوسری صورت یہ ہے کہ تم مجھ سے یہ موبائل خرید لو۔''

ڈاکٹر کے پاس دوسری بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم نزدیکی اے ٹی ایم گئے جہاں ڈاکٹر نے مجھے پچاس ہزار نکال کر دیے اور موبائل لے لیا۔ میں خوش تھا کہ شنو کا نوٹ خرچ ہونے سے بچ گیا تھا مگر میں اسے واپس نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ عیار حسینہ بھانپ جاتی کہ میرے پاس بڑا مال آیا ہے تبھی اسے پانچ سو واپس کر رہا ہوں اور میں ان پچاس ہزار کی شنو کو بھنک بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اگلے دن میں سو رہا تھا کیونکہ ابھی میری صبح نہیں ہوئی تھی، یہ اور بات ہے کہ اماں ہر دس منٹ بعد وقت کا اعلان صلواتوں کے ساتھ کرتی تھیں تب موبائل نے بیل دی۔ یہ راجا کی کال تھی اور وہ دہاڑیں مار کر رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ ''کیا ہوا، خدانخواستہ تو یتیم تو نہیں ہو گیا۔''

''اللہ تیری زبان مبارک کرے۔'' راجا نے زار و قطار روتے ہوئے کہا۔

''پھر کیا ہوا، کیوں صبح صبح رو کر نحوست پھیلا رہا ہے۔''

''کل رات گھر جاتے ہوئے جانی چڑیا سے سامنا ہو گیا تھا۔'' راجا نے کہا اور پھر دہاڑیں مارنے لگا۔ اس سے آگے کی بات سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ جانی چڑیا نے بلاتکلف ہاتھ چلایا ہوگا اور راجا ایک بار پھر اپنے دونوں دانتوں سے محروم ہو گیا ہوگا اور اس بار یہ محرومی ہمیشہ کی تھی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آوارہ گرد

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

قسط: 9

مندر، کلیسا، سینی گاگ، دھرم شالے اور اناتھ آشرم... سب ہی اپنے اپنے عقیدے کے مطابق بہت مقدس جگہیں سمجھی جاتی ہیں لیکن جب یہ مافیوں کے بعد مکمل شکنجے میں والوں کے ہاتھ آتی ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے... محترم پوپ پال نے کلیسا کے نام پر [illegible] الزامات میں نکالا ہے [illegible] وقت اور حالات کے [illegible] ایک فلاحی ادارے کی بنیاد میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

تحریر... سنسنی اور ایکشن سے بھرپور

ادب اور ایک سلسلہ...

ٹرین چلی تو مجھے ہوش آیا۔

میں نے سامنے والی سیٹ پر بیٹھی شکیلہ سے بات کی۔ "شکیلہ! مجھے یہاں اترنا ہوگا... وقت [illegible] ایک بات ذہن نشین کر لو۔"

وہ حیران پریشان ہو گئی [illegible] نے سرمد بابا کی رہائش گاہ کا پتہ بتا دیا۔

"تم سرمد بابا کے ہاں محفوظ رہو گی۔ عابد و بھی وہاں ہے۔ تمہیں کوئی خطرہ نہیں جبکہ میں خطرات میں گھرا ہوا ہوں اور جس کی وجہ سے تم ان خطرات میں گھر اتھا... مجھے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اچانک پلیٹ فارم پر نظر آ گیا ہے۔ خدا حافظ۔"

میں نے کہا اور میری جیب میں جتنے پیسے تھے، وہ میں نے شکیلہ کے ہاتھ میں تھما دیے۔

ٹرین دھیرے دھیرے رفتار پکڑنے لگی، پلیٹ فارم ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ میں اترا اور چند قدم دوڑتا رہا تاکہ گر نہ پڑوں۔

میں فوراً پلٹا... وہ دونوں مجھے مسافروں کے ہجوم میں کھڑے نظر آ گئے۔ وہ ریلوے کے کسی اہلکار سے باتیں کر رہے تھے، پھر آگے بڑھے۔ میں بھی ان کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں بڑا سا سوٹ کیس تھا جبکہ لڑکی نے چھوٹا سا شولڈر بیگ اٹھا رکھا تھا۔

دونوں ایک ایکسپریس ٹرین کی سلیپر بوگی میں سوار ہو گئے۔ یہ ایکسپریس ٹرین لاہور جا رہی تھی۔ میں بھی ان کے پیچھے ٹرین میں سوار ہو گیا۔ ٹرین کی روانگی میں شاید ابھی کچھ وقت باقی تھا۔

دونوں راہداری سے گزرتے ہوئے اپنے مطلوبہ سلیپنگ کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو ان کے پیچھے میں بھی تیزی اندر گھس آیا اور عقب میں سلائڈنگ ڈور ایک جھٹکے سے بند کر دیا۔

دونوں ابھی اپنا سامان رکھ رہے تھے کہ دروازہ بند ہونے کی آواز پر چونک کر مڑے۔ دونوں کی ایک وقت مجھ پر نظر پڑی اور گویا دونوں ہی مجھے پہچان کر بری طرح ٹھٹک گئے، مجھے پہچاننے کے بعد دونوں کے چہروں پر مختلف تاثرات رونما ہوئے۔

لڑکا تو مجھے اپنا محسن کے روپ میں پہچاننے کے بعد ایک خوشگوار سی حیرت میں مبتلا تھا مگر اس کی ساتھی لڑکی مجھے دیکھتے ہی خوف زدہ سی نظر آنے لگی۔

"تم..."

"ہاں، میں..." میں نے لڑکی کی طرف گھورنے کے انداز میں دیکھ کر کہا۔ جبکہ لڑکی کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس کا ساتھی لڑکا مجھے پہچانتا ہے۔

"تم دونوں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔" میں نے اس بار لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تت... تم وہی ہو نا... جس نے ملتان والی کے ایک سیاسی جلسے میں پھنسی ہوئی میری کار..."

"ہاں، میں وہی ہوں، اور اس نیکی کی سزا ابھی بھگت رہا ہوں۔" میں نے اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل کہا اور ساتھ ہی تیکھی سی نظروں سے اس کے قریب سیٹ پر سکڑی سمٹی بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں سے شرمندگی اور الجھن کے ملے جلے تاثرات مترشح ہوتے محسوس ہوئے۔ میں نے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے مزید بتایا۔ "اس لڑکی کی ایک احمقانہ مہم جوئی کے باعث تم سے کی گئی میری نیکی الٹا میرے گلے آن پڑی ہے۔ یہ تمہاری کیا لگتی ہے؟"

"یہ میری منگیتر ہے آسیہ اور میرا نام ملک ریحان ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

اس کی بات پر مجھے ایک جھٹکا لگا۔ کیونکہ جس نجی ٹی وی چینل پر موقع واردات کی فوٹیج اور ویڈیو کلپ دکھائی گئی تھی، اس کی اینکر پرسن کے مطابق اس خونی واردات کی اپنے سیل پر فوٹیج بنانے والی لڑکی کا نام خولہ بتایا گیا تھا۔ جو شفقت راجا کی منگیتر اور ملتان کے بڑے زمیندار چودھری الف خان کی اکلوتی بیٹی اور ممتاز خان کی بہن تھی۔ بات تعجب اور تفکر کرنے والی تھی۔ یہی بات میں نے فوراً اس سے پوچھی۔

"وہ لڑکی میں ہی تھی، خولہ نہیں۔ تم نے یقیناً مجھے پہچان لیا ہوگا؟" میں نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اس نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ میں اس الجھی گتھی کو سلجھانا چاہتا تھا۔ اس لیے میری پوری توجہ اس لڑکی پر مرکوز تھی۔

"میرا نام آسیہ ہے۔ میں ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ ملک ریحان میرے منگیتر ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور لو میرج کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت اس بات کا بعد میں مجھے بھی احساس ہوا تھا کہ اس فوٹیج کو آشکارا کرنے سے پہلے میں اپنے طور پر تھوڑی بہت تصدیق کر لیتی مگر مجھے اس کا موقع ہی نہ ملا، ہمارے چینل کے ڈائریکٹر یاسین ملک اسے فوراً نشر کرنا چاہتے تھے۔ وہ میڈیا کی اس اندھی اور بے قاعدہ دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے، حالانکہ میں نے ان سے تھوڑا صبر کرنے کو کہا تھا مگر وہ نہ مانے۔ مجھ سے بھی غلطی ہو گئی کہ میں نے اس کا تذکرہ جوش میں آ کر ان سے کر ڈالا تھا۔

"بہرحال اب جو انہوں نے دیکھا کہ میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہی ہوں تو انہوں نے میرے علم میں لائے بغیر اس سنسنی خیز خبر کو سب سے پہلے اپنے ٹی وی چینل سے نشر کرنے کے جنون میں ایک غلط قدم اٹھا لیا۔ سوئے اتفاق... نیوز روم کی انچارج مس سفینہ... چودھری

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

الف خان کی بہن خولہ کی پرانی اور گہری دوست ہے۔ وہ اکثر وہاں آتی جاتی تھی۔ وہ فطرتاً سادہ مزاج ہے۔ اپنے موبائل پر چھوٹے چھوٹے دلچسپ اور کامیڈی ریکارڈ کرنا اس کی ہابی تھی۔ میڈم سفینہ جس پروگرام کی انچارج تھی، اس میں ''دوست کلپ'' کے عنوان سے اس طرح کی مختصر ویڈیو کلپ تفریح کے لیے دکھائی جاتی تھیں۔ بس وہیں جلد بازی اور میری ہچکچاہٹ کے باعث یا سیٹن ملک سے غلطی ہوگئی۔ یا میڈم سفینہ سے کہ میرے ''پروفائل'' کے بجائے خولہ کا ''پروفائل'' مذکورہ کلپ کے ساتھ چل گیا۔ بعد میں پتا چلا تو میں نے احتجاج کیا اور میڈم سفینہ کے ذریعے خولہ سے بھی معذرت کرلی گئی، بعد میں اس کی تردید بھی آگئی تھی۔ جو شاید تمہاری نظروں سے نہیں گزری ہو گی۔''

وہ اتنا بتا کر خاموش ہوگئی۔ میں بے اختیار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ کوئی اتنا بڑا ایشو نہیں تھا۔ اصل مسئلہ تو اپنی جگہ جوں کا توں موجود تھا... اور پھر آسیہ کی طرف دیکھا جو میری طرف ہی ... تکے جارہی تھی۔ ''آپ مجھے صرف اس سوال کا جواب دیں کہ آپ نے مجھے ایک خونی قاتل ثابت کرنے کے لیے وہ ویڈیو کلپ میڈیا چینلز کو جاری کی تھی۔ کیا آپ نے مجھے یہ خون خرابہ یا قتل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟''

میرے اس چبھتے سوال پر وہ کچھ گڑبڑا سی گئی، مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ''کیا وہ قتل آپ نے نہیں کیا تھا؟ میرا مطلب ہے زید خان کے بیٹے راجا شفقت کا قتل تم نے نہیں کیا تھا؟''

''آپ پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ گڑبڑاتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''اس وقت سچویشن کچھ ایسی تھی کہ...''

''کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ سکیں کہ تم تین مسلح لوگوں کی آن دی اسپاٹ ویڈیو بنا رہی ہو، وہ اگر اس قدر وحشی قاتل ہوتے تو تمہیں بھی فائرنگ کرکے ہلاک کر سکتے تھے۔''

''میرا خیال ہے آسیہ سے واقعی ایک بڑی بھیانک غلطی ہوگئی ہے۔'' اس بار اس کے منگیتر ریحان نے مداخلت کی۔ ''یہ اس وقت اتفاق سے ان کے سیاسی جلوس کی لائیو کوریج وغیرہ کے سلسلے میں وہیں تھی۔ اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میں بھی اپنی بیمار ماں کو کار میں لیے وہاں سے گزر رہا تھا۔''

''اوہ... تو یہ بات ہے۔'' میں نے پھر آسیہ کو کڑی نگاہ سے دیکھا۔ ''گویا تم لوگوں کو صرف خبر کی جلدی ہوتی ہے، حقیقت کی نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے بالآخر اصل حقیقت سے آگاہ کردیا۔ اور اس ''آگاہی'' کو صرف اس حد تک ہی محدود رکھا جس حد تک میرا خبر سے تعلق بنتا تھا۔

''او مائی گاڈ! یہ میں نے کیا کردیا۔'' حقیقت جان لینے کے بعد آسیہ باقاعدہ پشیمان سی ہونے لگی۔ ''اگر یہ سچ ہے تو واقعی میں نے ایک بڑی بھیانک غلطی کر ڈالی اور اپنے پروفیشن کے منافی کام کیا ہے۔''

''ہاں آسیہ صاحبہ! یہی سچ ہے کہ وہ قتل میں نے یا میرے ساتھی نے نہیں کیا تھا۔'' میں نے مستحکم لہجے میں کہا۔ ''تمہارے منگیتر کی کار جلوس میں پھنسنے سے ساری کہانی کی ابتدا ہوئی تھی، اور اس پاداش میں راجا شفقت نے اس معمولی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ہم سے دشمنی مول لی اور اپنے مسلح کارندوں کے ذریعے انہیں یرغمال بنا کر اپنی بیٹھک میں لے گیا۔''

میری بات سن کے ریحان بھی فکرمند نظر آنے لگا۔ دونوں ہی مجرموں کی طرح میرے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

میں نے ایک گہری سانس لی پھر ریحان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''تمہاری ماں کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

اس نے نہایت ممنون بھرے لہجے اور شرمندہ سی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری وجہ سے ہی میری ماں کی جان بچ گئی تھی، دوست! اس کی حالت بہت خراب تھی، اگر مجھے مزید دیر ہوجاتی تو...'' وہ آگے کہنے کی ہمت نہ کرسکا۔

''خدا کا شکر ہے۔ اللہ نے تمہاری ماں کو زندگی عطا کی، شکر ہے میری قربانی ضائع نہیں گئی۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

اسی وقت ٹرین نے وسل دی۔ میں چونکا۔ میرے پاس ٹکٹ نہ تھا۔ میں بے چین سا ہوگیا۔ میری بے چینی بھانپتے ہوئے ریحان مجھے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''فکر نہ کرو دوست۔ تم اب ہمارے ساتھ چلو گے اور اس وقت تک ہمارے ساتھ رہو گے جب تک آسیہ... اپنے ویڈیو کلپ کی باقاعدہ تردید کا کوئی بندوبست نہیں کردیتی۔'' اس کی بات پر مجھے کچھ تسلی ہوئی، ٹرین نے دوسری وسل دی اور حرکت میں آگئی۔ میں نے سیٹ سے کمر ٹیک دی اور سر بھی ٹکا کر تھکے تھکے انداز میں آنکھیں موند لیں۔ میرے کانوں میں ان دونوں کے دھیمے لہجے میں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

باتیں کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ اس کے بعد ریحان اٹھ کر میرے قریب آن بیٹھا اور دوستانہ انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا۔ میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور بوگی کی چھت کو گھورنے لگا۔

ٹرین نے رفتار پکڑ لی تھی۔ سامنے والی سیٹ پر پشیمان سی بیٹھی آسیہ کبھی میرا اور کبھی ریحان کا چہرہ تکنے لگتی۔

"دوست! ہمیں تمہاری دلی کیفیت اور پریشانیوں کا بخوبی اندازہ ہے اس لیے میں نے اور آسیہ نے اس کا ازالہ کرنے کا فیصلہ بھی کرلیا ہے۔ اب تمہیں زیادہ فکرمند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس کی بات پر میرے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ عود کر آئی۔ ممکن ہے آسیہ کو اس حقیقت کا اندازہ ہو مگر شاید اس کے منگیتر ریحان کو نہ تھا اس لیے وہ اس طرح کی بچوں جیسی باتیں کررہا تھا۔ میں نے اس کی طرف سر گھما کر دیکھا اور کہا۔

"ریحان صاحب! غلطی کا تو ازالہ ہوجاتا ہے مگر خطرناک غلطی کا ازالہ مشکل سے ہوتا ہے۔ اس کے لیے بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ آپ لوگوں کو شاید اندازہ نہیں، اس غلطی کی وجہ سے میں کتنے مسائل اور خطرناک حالات کا شکار ہوگیا ہوں۔ ملتان کی ایک عدالت میں میرا کیس بھی چل رہا ہے، جو میں تقریباً جیتنے ہی والا تھا۔ میری اس جیت سے نجانے کتنے بے گناہ اور معصوم مظلوم لوگوں کو ظالموں کے شکنجے سے نجات ملنے والی تھی۔ بدقسمتی سے جن لوگوں کے خلاف میں نے حق کی آواز بلند کی تھی، وہ وزیر خان وغیرہ کے حلیف نکلے۔ انہیں میرے خلاف کیچڑ اچھالنے کا موقع مل گیا اور اب وہ دونوں مشترکہ طور پر میرے خلاف میدان میں اتر آئے ہیں اور میں تنہا رہ گیا ہوں۔" میری بات پر ریحان کے چہرے پر گہری تشویش چھا گئی۔ آسیہ کی آنکھیں آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"اوخدایا! یہ تو مجھ سے واقعی ایک بڑی اور خطرناک غلطی ہوگئی... لیکن..." فرط جذبات سے اس کا لہجہ رندھا ہوا تھا اور وہ جملہ بھی مکمل نہ کرپائی، تاہم کچھ توقف کے بعد بولی۔ "میں واقعی آپ سے بہت شرمندہ ہوں، شہزاد صاحب! آپ نے ہمارے بارے میں شاید ٹھیک ہی اندازہ لگایا ہے۔ ہم صحافیوں اور اینکر پرسن کو صرف گرماگرم اور سنسنی خیز خبروں کو اڑانے کی جلدی ہوتی ہے حقیقت کی نہیں، اب حقیقت یہی ہے کہ میرا اپنے اس پروفیشن سے ہی دل خراب ہونے لگا ہے۔ میں تو سچے اور نیک عزم کے ساتھ اس فیلڈ میں آئی تھی، تاکہ سماج سدھار کا فرض ادا کرسکوں اور معاشرے میں انسانی رویوں میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشاندہی کرسکوں، جو عام آدمی کی نظروں سے مخفی ہیں۔ لیکن افسوس میں اس کے معیار تک نہ پہنچ سکی... مجھے ساری زندگی اس کا افسوس رہے گا۔"

مجھے وہ خاصی حساس طبیعت کی محسوس ہوئی... میرا تجربہ تھا ایسے انسان زیادہ جذباتی ہوتے ہیں اور اپنے مثبت کاز میں سچے بھی۔ اس نے جرنلزم میں ماسٹر کر رکھا تھا اور نجانے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچی ہوگی مگر ایک غلطی نے اسے ڈھا کر رکھ دیا تھا۔ میرے پاس اسے دلاسا دینے کے لیے کوئی مناسب الفاظ نہ تھے، میں خود اپنی پریشانیوں میں گھرا بیٹھا تھا۔

"آسیہ! اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تم اب اس فیلڈ کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا چاہتی ہو..." ملک ریحان نے اس سے کہا۔ "اصل بات تو پہلے یہی ممکن بنانی ہے کہ اس ویڈیو کلپ کی تردید میں مؤثر انداز سے ہو کہ شہزاد صاحب پر لگا دھبا بھی دھل جائے اور انہیں مستقبل میں کسی مصیبت کا بھی سامنا نہ کرنا پڑے۔" اس کی بات مکمل ہونے پر میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا، جو بدستور کسی گہری سوچ میں غرق ہی نظر آتا تھا۔ وہ ایک نگاہ مجھ پر ڈالنے کے بعد ریحان سے بولی۔

"کوشش تو میری پوری یہی ہوگی کہ... تردید اس طرح کی جائے کہ اس کی اثرپذیری زائل نہ ہونے پائے، میں کل تک ہوم ورک کرکے... ایک لائحہ عمل اس سلسلے میں سوچ لوں گی، لیکن..." اس نے یہ کہتے کہتے کچھ سوچ انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور اچانک مجھ سے مخاطب ہوکے مستفسر ہوئی۔

"شہزاد صاحب! کیا آپ نے اب تک کوئی وکیل ہائر کر رکھا ہے؟"

"اب تک تو میں نے ایسا کوئی وکیل ہائر نہیں کیا کیونکہ اب تک ملتان کی عدالت میں پراسیکیوٹر ہی میرے حق میں دلائل دیتا رہا ہے جس سے میں خود بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔"

"ارے... تم باجی سے اس سلسلے میں مدد کیوں نہیں لے لیتیں؟" دفعتاً جیسے ریحان کو کچھ یاد آیا۔

"ہاں! میں یہی سوچ رہی تھی اس لیے میں نے شہزاد صاحب سے یہ سوال پوچھا تھا۔" اس نے ریحان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

فون پر ان سے رابطہ کرو اور مشورہ لو۔ وہ بھی تو ملتان ہی میں رہتی ہیں۔"

"کیا آپ کی باجی صاحبہ وکیل ہیں؟" میں نے آسیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ ایڈووکیٹ ہیں۔ خانم شاہ نام ہے ان کا۔ ملتان میں ہی رہتی ہیں۔ وہ پیپرا ینڈ الیکٹرانک میڈیا میں لیگل ایڈوائزر بھی رہ چکی ہیں۔ وہ مجھے اس سلسلے میں زیادہ بہتر طور پر گائیڈ کرسکتی ہیں۔" اس نے جواباً کہا۔

"بلکہ میں تو یہ چاہوں گا کہ ہمیں خود جاکر ان سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔" ریحان، آسیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ بھی ہو جائے گا لیکن فوری طور پر ہمیں پہلے شہزاد صاحب کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ پولیس نہ صرف ان کو تلاش کرتی پھر رہی ہے بلکہ... ان کے خلاف ڈیتھ وارنٹ بھی نکل چکا ہے۔ گویا ایک شریف اور امن پسند آدمی کو اس قدر خطرناک اور انتہائی مطلوب مجرم کے طور پر پیش کردیا ہے کہ اس قانون پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"ایک سے زائد قتل کرنے کی واردات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" آسیہ نے ریحان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور اس پرسوا... جب دشمن پہلے سے دانت نکوسے بیٹھے ہوں..."

"تمہاری بات ٹھیک ہے ریحان۔ باجی سے تو مل ہی لیں گے لیکن ابھی لاہور پہنچتے ہی فوری طور پر مجھے باجی سے فون پر ہی رابطہ کرکے اس سلسلے میں مدد اور مشورہ لے لینا چاہیے۔"

اس کی بات پر صاد کرتے ہوئے ریحان نے اپنے سر کو اثباتی جنبش دی۔

سفر جاری تھا۔ اس دوران میں آسیہ نے اپنے بیگ سے کچھ کھانے پینے کی اشیا نکالی تھیں۔ ٹکٹ چیکر بھی آیا تھا۔ میں ہر ایک سے اپنا چہرہ غیر محسوس انداز میں چھپانے کی کوشش کررہا تھا۔ میرا لاہور تک کا ٹکٹ کٹوادیا گیا تھا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اطفال گھر کے حوالے سے آسیہ کو کچھ علم نہ تھا، حالانکہ میرا خیال تھا اسے کچھ نہ کچھ معلوم ہوگا۔ میں نے بھی ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔

اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میرے بارے میں بھی انہوں نے دریافت کیا۔ حقیقتاً ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اب تک کوئی خاص تعارف ہی نہیں ہوا تھا۔ میرا بھلا کیا تعارف تھا۔ میں نے وہی بتادیا جو میری ذات سے متعلق اور میرے ماضی سے آسیب کی طرح چمٹا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا ان کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی کے جذبات بھی ابھرے تھے۔

اپنے متعلق ریحان نے یہی بتایا تھا کہ وہ لاہور کے ایک مقامی کالج میں لیکچرار تھا۔ آسیہ اس کی فرسٹ کزن تھی۔ دونوں نے بچپن سے اکٹھے وقت گزارا تھا۔ ریحان کا باپ مرچکا تھا۔ ایک ماں تھی بوڑھی، جبکہ آسیہ کے امی ابو حیات تھے۔ ابو کسی کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھے۔ اس دوران میں مجھے اول خیر کا بھی خیال آیا۔ میں اس کی خیریت جاننا چاہتا تھا۔ مجھے صرف اول خیر کا سیل نمبر ہی یاد تھا۔ میرے پاس تو سیل تھا نہیں، پھر مجھے سرمد بابا سے بھی بات کرنا تھی، بالخصوص عابدہ میرے لیے پریشان ہورہی ہوگی، یقیناً اب تک میرے بارے میں نشر ہونے والی خبریں اس نے بھی سنی ہوں گی، اپنی خیریت کی اطلاع کے ساتھ مجھے سرمد بابا کو شکیلہ کے بارے میں بھی بتانا تھا جو ملتان پہنچنے والی تھی۔

میرے چہرے کی پُرسوچ بے چینی کو بھانپتے ہوئے... ریحان نے میری طرف مستفسرانہ نظروں سے دیکھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ پاکر میں نے اس سے کہا۔ "کیا آپ اپنا سیل فون مجھے تھوڑی دیر کے لیے دے سکتے ہیں؟"

"یس! شیور..." یہ کہتے ہوئے اس نے فوراً اپنی شرٹ کی جیب سے اپنا سیل فون نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے "شکریہ" کہا اور سب سے پہلے اول خیر کا نمبر پنچ کیا۔ ظاہر ہے وہ خود تو فون اٹینڈ کرنے کے قابل نہ تھا، فون وہی ریسیو کرسکتا تھا، جو اس وقت اس کے قریب موجود ہوگا۔ تیسری بیل جانے کے بعد دوسری جانب سے شناسای آواز ابھری۔ یہ ارشد تھا۔

"ہیلو۔"

"ہاں۔ ارشد بول رہے ہو؟" میں نے پہلے تصدیق چاہی۔

"ارے... شہزی... تم؟ کہاں ہو؟ کدھر ہو...؟ خیریت سے تو ہونا... یہ کس کا نمبر ہے؟ تمہارا؟"

میری آواز پہچانتے ہی وہ بولتا چلا گیا۔ میں نے جواباً کہا۔ "میں فی الحال خیریت سے ہی ہوں۔ مجھے پہلے اول خیر کے بارے میں بتاؤ جلدی، وہ کیسا ہے؟" یہ پوچھتے کے دوران میرا دل انجانے وسوسوں سے دھڑکنے لگا۔

"اللہ کا فضل ہوا شہزی! ورنہ چھوٹا استاد گیا تھا۔" دوسری جانب سے ارشد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

بتایا۔

"وہ ٹھیک ہے اب، آرام کر رہا ہے۔ اس کا فون میں نے ہی سنبھال رکھا ہے۔ اب مجھے تو اپنے بارے میں بتا جلدی۔ یہاں سب تیرے لیے پریشان اور تشویش میں مبتلا ہیں۔۔۔ خاص طور پر بیگم صاحبہ۔"

"یار، بات لمبی ہو جائے گی، ابھی چھوڑ، مناسب وقت پر میں دوبارہ۔۔۔"

"یار! تو بند کر اپنا فون، میں کال کرتا ہوں تجھے۔"

اس نے میری بات کاٹی۔

"کہاں۔۔۔ ہاں ابھی نہیں، میں بعد میں بات کروں گا۔۔۔ اور میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تو ٹھیک نہیں ہے شہزی!" وہ تڑپ کر بولا۔ "تو خطروں میں گھرا ہوا ہے، یار تو سمجھتا کیوں نہیں، تو جہاں بھی ہے فوراً ملتان آجا۔۔۔ یا ہمیں بتا تو کہاں ہے۔ ہم تجھے لینے آجاتے ہیں۔ بیگم صاحبہ تجھے بچا لیں گی۔"

"مجھے صرف اللہ کی ذات بچا سکتی ہے اور اس نے ہی بچنے کا ایک سامان پیدا کر دیا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔"

میں نے رابطہ منقطع کر کے سرمد بابا کا نمبر ملایا۔ میری آواز سن کر دوسری جانب یکدم سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر گویا ارتعاش کی لہروں جیسی سفر کرتی آواز ان کی ابھری۔

"ارے بیٹا! شہزی! تم ٹھیک تو ہو نا۔۔۔ کہاں۔۔۔؟ کیسے ہو۔۔۔ اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

متوقع سوالات کی ایک بوچھاڑ تھی، اس میں تشویش تھی شفقت بھی اور محبت و اپنائیت کی گرمی بھی۔۔۔

"بابا، میں بالکل ٹھیک ہوں اور ان شاء اللہ بہت جلد ملتان آؤں گا۔ عابدہ کو میری خیریت کے بارے میں بتا دینا۔ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟"

میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ عابدہ کے ذکر پر جانے کیوں میں رقت زدہ سا ہونے لگا۔ وہ بھی کیا سوچ رہی ہوگی، کیسا عجیب من تھا ہمارا بھی۔ پہلے اطفال گھر میں گھٹ گھٹ کر زندگی گزاری پھر وہاں سے باہر کی دنیا نصیب ہوئی تو ہم خوش تھے۔ میں نے بھی عام آدمی کی طرح عابدہ کے ساتھ محبت بھری ہنسی خوشی کی زندگی گزارنے کے لیے خواب دیکھے تھے۔ یہ کوئی اونچے خواب نہ تھے، بڑے سادہ سے خواب تھے۔ میں محنت مزدوری کروں گا۔ عابدہ میرے ساتھ رہے گی، میری بیوی بن کر۔۔۔ ہم دونوں چاہے سادہ سہی۔۔۔ ہنسی خوشی، محبت بھری زندگی گزاریں گے۔ مگر وہ تقدیر ہی کیا کہ جیسا سوچا جائے ویسا ہو جائے۔ میرے ساتھ تو تقدیر کا ایسا الٹ پھیر ہوا تھا کہ میں ابھی تک چکر در چکر دگرگوں حالات کے بھنور میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

اتھاہ اور عمیق خاموشی میں مجھے ڈوبا پا کر دوسری جانب سے سرمد بابا کی آواز نے میری سوچوں کو ٹھوکا دیا۔ وہ مجھے پکار رہے تھے۔ "شہزی بیٹا۔۔۔ کہاں کھو گئے۔۔۔؟ میں تمہیں عابدہ کی خیریت سے متعلق بتا رہا ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے مگر تمہارے لیے پریشان اور تشویش زدہ رہنے لگی ہے۔"

"جی بابا! اسے تسلی دیجیے گا۔ آپ اس وقت۔۔۔ دفتر میں ہیں؟" میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا تو انہوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں بیٹا۔۔۔ لیکن۔۔۔ ہم اور عابدہ تمہارے لیے بہت فکرمند اور پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا تمہیں اپنے حالات کا اندازہ بھی ہے؟" میں جان گیا، ان کا اشارہ کس طرف تھا۔ آج کل کے میڈیا نے ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے ایک کونے سے چڑیا کی آواز تک دنیا کے دوسرے کونے تک پہنچانے کا انتظام کر رکھا تھا۔

"تمہارے خلاف ڈیتھ وارنٹ۔۔۔ اور۔۔۔"

"بابا۔۔۔ مجھے سارے حالات کا بخوبی اندازہ ہے اور میں ان حالات سے نبرد آزما ہوں۔"

"بیٹا! تمہاری جان کو خطرہ ہے۔" ان کے لہجے کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی، میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش چاہی اور شکیلہ کے سلسلے میں انہیں آگاہ کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ میں بہت جلد ملتان پہنچوں گا۔۔۔ اور رابطہ منقطع کر دیا۔

سامنے کی سیٹ پر ریحان اور آسیہ خاموش بیٹھے مگر بغور میری یہ فون پہ ہونے والی ساری گفتگو سن رہے تھے۔ میں نے شکریے کے ساتھ ریحان کو اس کا سیل فون تھما دیا۔

ٹرین ذرا لیٹ ہی لاہور پہنچی تھی، شام کے سائے رات کی تیرگی میں بدلنے لگے تھے، میں اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے ٹرین سے اترنے اور اسٹیشن کی بلڈنگ سے باہر نکلنے اور ایک ٹیکسی میں سوار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

مجھے احساس تھا کہ اس وقت میں خود بھی ان دونوں کے لیے کسی بم سے کم نہ تھا۔۔۔ جس کی پن کسی وقت بھی کوئی نکال سکتا تھا، اور پھر میرے ساتھ ان کی بھی خیر نہ ہوتی، اس خطرناک حقیقت کا یقیناً میرے ان دونوں نئے خیرخواہوں کو بھی اندازہ ہوگا۔ ان ساری باتوں کے باوجود کہ۔۔۔ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آج جن دگرگوں حالات کا شکار تھا، ان کی وجہ یہ دونوں ہی تھے، میں پھر بھی ان کا شکر گزار تھا کہ یہ لوگ اپنی غلطی کا ازالہ نیک نیت اور پختہ ارادے سے کرنے کے لیے تیار تو تھے۔ مجھے انہوں نے تنہا نہیں کیا تھا اور مجھے اپنے ہمراہ رکھنے کا رسک بھی لے لیا تھا۔

ٹیکسی نے آدھے گھنٹے بعد ہمیں اقبال ٹاؤن کے ایک بنگلے نما مکان کے سامنے اتار دیا۔ ریحان نے کرایہ دے کر ٹیکسی والے کو فوراً رخصت کر دیا۔ اس کے بعد کال بیل بجادی۔ جواب میں ایک ادھیڑ عمر ملازمہ نے پہلے اندر سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھا، اس کے بعد ان دونوں کو پہچان کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ تاہم وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے تکنے لگی۔

ہم اندر آ گئے۔ مجھے ایک کشادہ اور آرام دہ نشست گاہ میں بٹھانے کے بعد دونوں تھوڑی دیر تک مکان کے اندرونی گوشے میں غائب ہو گئے۔ اس کے بعد ریحان ہی اندر سے برآمد ہوا۔ اس نے مجھے بتایا کہ آسیہ اپنے گھر جا چکی تھی۔ مجھے اس نے میرے کمرے تک پہنچایا۔ میں غسل وغیرہ کر کے تازہ دم ہوا پھر کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر میں اور ریحان آپس میں باتیں کرتے رہے۔ چائے بھی پی۔ اس نے مجھے بتایا کہ کل شام تک آسیہ... اپنی باجی خانم شاہ سے رابطہ کرنے اور ساری تفصیلات جاننے کے بعد ادھر آئے گی۔ اس کے بعد ہی آئندہ کا کوئی لائحہ عمل طے کر پائیں گے۔

ریحان نے مجھے آرام کا مشورہ دیا نیز اس نے ایک دوسرا سیل فون مجھے دے دیا تھا۔ اپنے اس نمبر والی سم بھی ڈال دی تھی جس نمبر سے میں نے اپنے بہی خواہوں سے رابطہ کیا تھا، ممکن تھا وہ اس نمبر پر دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے۔ ریحان کے پاس ایک اور سم تھی۔

مگر میں نے سوتے وقت اپنا سیل آف ہی کر دیا تھا۔

صبح اٹھا۔ ناشتے کے بعد ریحان نے مجھے اپنی بیمار ماں سے اپنے دوست کی حیثیت سے ملوایا۔ ریحان کی والدہ... سادہ طبیعت کی ایک بزرگ خاتون تھیں۔ انہیں معدے اور جوڑوں کے درد کی تکلیف تھی، اس لیے زیادہ تر ان کا وقت بستر پر ہی گزرتا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر ملازمہ ہر وقت ان کی مدد کو موجود رہتی تھی۔ ایک ملازم بھی تھا۔

ریحان نے اپنے اور آسیہ کے متعلق یہ بھی بتایا تھا کہ دونوں کی عنقریب شادی ہونے والی تھی اور اس سلسلے میں تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ نیز وہ ایک روز میں تاریخ بھی طے پانے والی تھی۔

وہ دن ہلکے پھلکے انداز میں گزرا۔ ریحان کالج بھی گیا تھا اور دو تین گھنٹے بعد لوٹ آیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم نے ساتھ کھایا۔ پانچ بجے کے قریب آسیہ بھی تازہ خبروں کے ساتھ آن وارد ہوئی، اور میں اور ریحان اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں نے باجی سے تفصیلاً بات کی تھی، ان کا بھی یہی کہنا تھا کہ بالمشافہ ملاقات ہی بہتر رہے گی، لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر فوری طور پر ان کا مشورہ یہی تھا کہ کسی ذمے دار پولیس آفسر سے ملاقات کر کے شہزاد صاحب کو پہلے اپنی گرفتاری دینی چاہیے۔ لیکن یہ کام بھی کسی وکیل کی سرپرستی میں کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جبکہ رہی بات ویڈیو کلپ کی... اس کی سب سے پہلے متعلقہ ٹی وی چینل کی جانب سے ہی تردید ہونا لازمی ہے... مگر ان کا نہیں خیال کہ مذکورہ ٹی وی چینل اس کی تردید کی جرأت کرے گا۔ کیونکہ میڈیا کی دوڑ میں ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے جنون میں مبتلا ہے۔ کسی کی بھلائی یا بہتری کی خاطر کوئی چینل ایک قدم پیچھے ہٹنا گوارا نہیں کرے گا۔ باجی نے یہ بھی کہا کہ ہم لوگ آپس میں مشورہ کر لیں پھر دوبارہ مجھے آگاہ کر دیں۔ اگر مجھے لاہور بھی آنا پڑا تو میں آ جاؤں گی۔"

وہ اتنا بتا کر خاموش ہو گئی۔ ماحول میں چند ثانیے کے لیے پُرسوچ خاموشی طاری رہی پھر ریحان نے ہی اس خاموشی کو توڑا اور آسیہ سے سوال کیا۔

"تم نے اپنے ٹی وی چینل سے بات کی اس سلسلے میں؟"

"ہاں!" وہ ایک سرد ہنکاری بھرتے ہوئے بولی۔ "باجی کی بات درست ثابت ہوئی تھی، انہوں نے ایسی کسی تردید کا ٹیپ چلانے سے انکار کر دیا تھا، نیز مجھے بھی ڈائریکٹر آف پروگرام کی جانب سے یہ سرزنش سننی پڑی کہ اس سلسلے میں اب خاموشی ہی بہتر رہے گی، اور اس کی ذمے داری بھی انہوں نے مجھ پر ہی ڈال دی ہے کہ مجھے مکمل کنفرمیشن کے بعد اس کلپ کو آن ایئر کروانا چاہیے تھا۔"

"تم نے کیا سوچا پھر؟" ریحان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تردید تو بہرحال کرنا پڑے گی چاہے اس کے لیے مجھے کسی دوسرے ٹی وی چینل سے ہی کیوں نہ رابطہ کرنا پڑے۔ باجی سے بھی فون پر میں نے اس سلسلے میں بات کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

تھی۔" وہ بتانے لگی۔ "انہوں نے ایک خدشے کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے میری ایسی کسی حرکت پہ متعلقہ ٹی وی چینل والے مجھ پر مقدمہ بھی کر سکتے ہیں۔ نوکری سے تو خیر ہاتھ دھونا ہی پڑے گا، لیکن... پھر مجھے بھی ایک عدد مقدمے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

"یہ تو واقعی گمبھیر صورتِ حال ہو گئی ہے۔" ریحان فکر مندی سے بولا۔ اس دوران میں بظاہر خاموشی سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا مگر میرا ذہن ان باتوں کے تناظر میں کچھ سوچنے میں محو تھا۔

"مجھے نوکری کی پروا نہیں ہے لیکن میں چاہ رہی تھی اس کی تردید بھی متعلقہ ٹی وی چینل ہی کرے تو زیادہ بہتر تھا... ورنہ دوسرے چینل سے اس ویڈیو کلپ کی تردید وہ مطلوبہ اثر نہیں رکھے گی جس کا فائدہ شہزاد صاحب کو پہنچنا چاہیے۔"

"اس صورت میں پھر... شہزاد صاحب کی از خود گرفتاری بھی خطرے سے کم نہ ہوگی، میرا مطلب تھا اگر ضمانت قبل از گرفتاری ہو جاتی تو زیادہ بہتر تھا۔" ریحان نے کہا۔

"ڈیتھ وارنٹ کی صورت میں اس قسم کی ضمانت ناممکن ہی ہے..." آسیہ جواباً بولی۔ "مگر بقول باجی کے شہزاد صاحب کی گرفتاری ازبس ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر مفرور رہتے ہوئے یہ خود کو مجرم ثابت کرتے رہیں گے اور ڈیتھ وارنٹ کی تلوار الگ سر پہ جھولتی رہے گی، اور کوئی بعید نہیں کہ..." وہ اچانک میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ ریحان نے فوراً اس کی طرف دیکھ کر پوچھ لیا۔ "کیا ہوا؟ تم کچھ کہتے کہتے چپ کیوں ہو گئیں؟"

"میں دراصل شہزاد صاحب کو خوفزدہ نہیں کرنا چاہتی لیکن... باجی کو اپنے پیشہ ورانہ تجربات کا اندازہ ہے، جس کے مطابق انہوں نے اس خدشے کا بھی اظہار کر ڈالا کہ... شہزاد صاحب کے دشمن... انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں۔"

"تو... تمہارا مطلب ہے پولیس کے ذریعے..." ریحان سنسناتے ہوئے انداز میں کچھ بولتے بولتے رہ گیا۔

"ہاں میرا مطلب یہی تھا۔" بالآخر آسیہ نے ایک سرد سی سانس کھینچتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی دزدیدہ نظروں سے میری طرف بھی دیکھا۔

میرے اندر دھکڑ پکڑ مچی ہوئی تھی، مفر کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ مایوسی اور تشویشناک پریشانی نے مجھے کچھ دیر کے لیے گم صم سا کر کے رکھ دیا تھا۔ مجھے ریحان اور آسیہ کی نیک نیتی پر کوئی شبہ نہ تھا، مگر میں سمجھ رہا تھا کہ یہ دونوں بھی اس معاملے میں بے بس ہی نظر آ رہے تھے۔ بالآخر میں نے ایک گہری سانس خارج کر کے آسیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آسیہ صاحبہ! معاملے کی نزاکت کے پہلوؤں پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سب سے پہلے ازبس ضروری ہے کہ اس ویڈیو کلپ کی تردید ہونی چاہیے خواہ وہ کسی اور ٹی وی چینل پر ہی کیوں نہ نشر کی جائے۔ میرا نہیں خیال کہ آپ کو دوسرے ٹی وی چینل والے نظر انداز کر سکیں گے۔ بلکہ وہ ہاتھوں ہاتھ آپ کو لیں گے۔ کیونکہ اس میں دوسرے چینل کی سبکی کا پہلو [illegible] عنصر شامل ہوگا۔ دوسری ایک اہم بات یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا چینل اس ویڈیو کی تردید نشر کرنے پر اگر رضامند ہو جاتا ہے تو آپ اس تردید کو بذاتِ خود ناظرین سے مخاطب ہو کے ایک باقاعدہ پروگرام کا بندوبست بھی کریں... اور اس پروگرام میں مجھے بھی شامل کریں اور میں کیمرے کی آنکھ سے سوال جواب کے انداز میں آپ کو ساری حقیقت آن لائن آگاہ کروں گا۔ مقصد لوگوں کو سچائی بتانا ہوگا اور پھر میں کچھ بھی نہیں چھپاؤں گا، الف تا یے شروع سے لے کر اب تک کی ساری کتھا گوش گزار کر دوں گا، بلکہ ان لڑکیوں کو بھی پروگرام میں شامل کرنے کا بندوبست کریں جو میری اس ساری مہم جوئی کی چشم دید گواہ بھی ہیں۔"

میں نے دیکھا۔ میری بات سے آسیہ کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔ وہ بلاشبہ ایک سچی صحافت کی ترجمان تھی اور لوگوں کو حقیقت اور سچ دکھانے کے پختہ اور سچے عزم سے سرشار بھی... یہی سبب تھا کہ میری بات جو باقاعدہ ایک مربوط منصوبہ بندی تھی، سن کر وہ یکدم ہی پُرجوش نظر آنے لگی تھی، وہ مجھے بڑی ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"شہزاد صاحب! آپ بلاشبہ بہت ذہین انسان ہیں... آپ نے بالکل صحیح مشورہ دیا ہے۔ اس تردید کو باقاعدہ ایک پروگرام کی صورت میں ہی ٹی وی چینل پر پیش کیا جانا چاہیے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے ساتھ وہ تمام لڑکیاں بھی شامل ہوں... جنہیں آپ نے گناہوں کی دلدل میں پھنسنے یا قید ہونے سے بچایا۔ بقول آپ کے... اس روز ظلال اپنی خوں ریز واردات میں راجا شفقت کی بیٹھک میں جس شخص کا پہلے اس کے حواریوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کے ہاتھوں قتل ہوا تھا' اس کی لاش کا بھی پتا چلنا چاہیے اور اوکاڑہ کی حتمی بائی... جس کا وہ آدمی تھا... کیا نام تھا اس کا...؟''

اس نے استفساریہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ فرطِ جوش سے اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''چھنا میاں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں!'' وہ آگے بولی۔ ''ایسا سنسنی لائیو پروگرام کوئی بھی ٹی وی چینل ..... ہاتھوں ہاتھ لے گا... میں آج ہی ایک مشہور ٹی وی چینل سے رابطہ کرتی ہوں...'' اتنا کہہ کر وہ رکی اور پھر تائید طلب نگاہوں سے ریحان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''تمہارا کیا خیال ہے ریحان! یہ بہت زیادہ بہتر نہ ہوگا شہزاد صاحب کے لیے؟''

میں نے ریحان کی طرف دیکھا اور تھوڑا چونک سا گیا۔ میں نے اس کا چہرہ ایکا ایکی کسی گہری سوچ میں مستغرق پایا۔ تاہم وہ آسیہ کی آواز پر سوچوں کے بھنور سے ابھرا اور نہایت پُرسوچ متانت سے آسیہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

''آسیہ! ممکن ہے کہ یہ سب شہزاد صاحب کے لیے بہتر ہو لیکن شاید یہ تمہارے حق میں کچھ اچھا ثابت نہ ہوگا۔'' میں نے اس کی طرف دیکھا تو آسیہ نے کہا۔

''کس کے حق میں کیا بہتر ہے کیا نہیں، یہ تو اب کرنا ہی ہوگا...'' پھر میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی۔ ''میری غلطی کا ازالہ ہوجائے اور شہزاد صاحب کو اس مصیبت سے نجات مل جائے یہی بہت ہے مجھے اپنی نوکری کی پروا نہیں ہے۔''

''بات صرف نوکری کی ہوتی تو مجھے بھی پروا نہیں تھی۔'' وہ بولا۔ ''معاملہ دشمنی اور جان پر پڑ جائے گا۔ بالخصوص تمہاری اپنی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف تائید طلب لہجے میں پوچھا۔ ''کیا خیال ہے شہزاد صاحب؟ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟'' مجھے اس کا یوں تائید طلب انداز میں استفسار کرنا خالی از علت نہیں لگا۔ گویا اس کا مطلب تھا کہ میں بھی اس کی خطرناکی اور نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور اس کی حمایت میں آسیہ کو اس بات سے باز رکھوں۔ مجھے اس کا یہ بدلا ہوا انداز اچھا نہیں لگا۔ لہٰذا الٹا میں نے اس پر سوال داغ دیا۔

''تو پھر آپ کا کیا خیال ہے ریحان صاحب! اس معاملے کو ادھر ہی چھوڑ دیا جائے؟''

''نن... نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا شہزاد؟'' وہ یکدم گڑبڑا سا گیا۔ ''میں چاہ رہا تھا اس مسئلے کا جب دوسرا حل موجود ہے تو پھر دیدہ و دانستہ اوکھلی میں سر دینے کا کیا فائدہ...؟ ظاہر ہے تم بھی نہیں چاہو گے کہ... آسیہ بھی بلاوجہ تمہارے دشمنوں کی زد میں آئے۔ ایسی خودغرضی کی تو کم از کم میں تم سے امید نہیں رکھوں گا۔''

ریحان نے اچانک ہی کینچلی بدل لی تھی۔ بدلتا ہے انسان روپ کیسے کیسے... کے مصداق مجھے اس کی بات پر سچ کی حیرت محسوس ہوئی تھی۔ وہ گویا مکارانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا تھا کہ میں اس کی منگیتر کو اپنے مفاد کی خاطر کسی خطرے میں نہ ڈالوں۔ میں نے کن انکھیوں سے آسیہ کی طرف بھی دیکھا اور اسے اپنے منگیتر ریحان کی طرف کچھ چونکتی ہوئی نگاہوں سے تکتے ہوئے پایا۔ بہرحال جواب میں ریحان کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی قسم کا لحاظ کیے بغیر کہا۔

''ریحان صاحب! یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے، زمانہ صحافت کو لوگوں نے باقاعدہ پروفیشن کی طرح اپنا رکھا ہے۔ اور اس دشت کی سیاحی میں روپیہ، عزت اور شہرت اپنی جگہ لیکن اس میدان کے کھلاڑیوں کو خطرے سے بھی کھیلنا پڑتا ہے۔ یقیناً اس کا اندازہ آسیہ صاحبہ کو ہی نہیں بلکہ ہر اس شخص کو ہوگا جو اس پروفیشن میں آتا ہے۔'' یہ بتاتے ہوئے میں نے اسے ایک دوسرے نجی ٹی وی چینل کی صحافی خاتون اور اینکر پرسن کا حوالہ بھی دیا... جس کی کچھ سیاسی اور بااثر لوگوں سے دشمنی ہوگئی تھی، اور وہ لوگ اس کے چھوٹے بھائی کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے، بالآخر ایک دوسرے ٹی وی چینل نے اسے ہائر کیا... اور اس کی وساطت اور تعاون سے اس خاتون صحافی نے اپنے مستقل بچاؤ کی تدبیر بھی کی۔

''کہنے کا مقصد یہ ہے ریحان صاحب کہ اس طرح کے کاموں میں ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ آسیہ نے بغیر کسی تصدیق اور تحقیق کے پیشہ ورانہ جوش میں آکر ایک ایسی ویڈیو کلپ لائیو جاری کروی کہ جس سے ایک بے گناہ انسان بلاوجہ ایک بڑی مصیبت کا شکار ہوگیا... اب اس کا ازالہ تو کرنا چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے میں یہ بھی نہیں چاہوں گا کہ اپنے تحفظ سے آدمی بے پروا رہے۔ مگر کچھ نہ کچھ قدم تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ کہیں نہ کہیں خطرہ تو مول لینا پڑتا ہی ہے۔''

''میرے کہنے کا مقصد کچھ اور تھا۔'' ریحان پورے دھیان سے میری بات سننے کے بعد بولا۔ اس کے چہرے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

سے لگتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کھل کر کہنے سے اجتناب برت رہا تھا... ممکن ہے، وہ کچھ ایسی باتیں آسیہ سے کرنا چاہتا ہو، جو میرے سامنے نہیں کر پا رہا ہو۔ بہرحال... میں اس کی بات سننے لگا، وہ کہہ رہا تھا۔

''بسا اوقات سچ سامنے لانے کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو جاتا ہے، جو ناقابلِ تلافی بھی ہو سکتا ہے۔ کہنے کا مطلب ہے کہ ہم اس طرح سچ کو سامنے تو لا رہے ہیں۔ مگر دیکھنا یہ کہ اس کے کتنے سودمند اور مثبت اثرات برآمد ہونے کی امید ہو سکتی ہے؟ یا کہیں الٹی آنتیں گلے پڑنے کے مترادف نہ ہو جائے۔''

''میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کروں گی ریحان!'' آسیہ نے اس کی طرف دیکھ کر گہری سنجیدگی سے کہا۔

''سانچ کو آنچ نہیں، اس پر میرا ایمان ہے کہ سچ ایک نہ ایک دن اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ پھر شہزاد صاحب کے معاملے میں تو کہیں بھی کھوٹ نہیں، یہ بے چارے تو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ... اوکاڑہ جا رہے تھے۔ یہ شفقت راجا کو جانتے تک نہیں تھے۔ تمہاری کار اس کے سیاسی جلوس میں پھنسی ہوئی تھی اور اندرائی جال بے ڈب پڑی تھیں۔ ذرا سی بھی دیر خدانخواستہ ان کی جان بھی لے سکتی تھی، ایسے میں شہزاد صاحب محض انسانی ہمدردی کے طور پر آپ کی مدد کو آئے۔ آپ کو ایک مشکل سے نکال کر وہ خود پھنس گئے اور باقی رہی سہی کسر میں نے پوری کر دی۔ لہٰذا اب ان باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں، اب نتائج خواہ کچھ بھی ہوں۔ میں ان کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی...'' آسیہ نے آخری جملہ میری طرف دیکھتے ہوئے ادا کیا... وہ شاید میری طرح اپنے منگیتر کی بات کا مقصد سمجھ گئی تھی، جبکہ میں اب ریحان کی طرف سے ایک نامعلوم سی کھٹک کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اب بالکل خاموش ہو گیا تھا... جبکہ آسیہ اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کو باقاعدہ طور پر تشکیل دیتے ہوئے مجھ سے تبادلۂ خیال کرتی رہی۔ جبکہ میرا دھیان ریحان کی طرف لگا رہا۔ اب یہ بات صاف طور پر محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ کچھ اور ہی سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی جب ذرا وسعت نظری سے غور کیا تھا تو ریحان مجھے اتنا غلط بھی نہیں لگا تھا۔ اپنے تحفظ کے بارے میں سوچنا ہر کسی کا حق ہے... مگر میرا خود سے یہ سوال تھا کہ ایسے تحفظ کو میں کیا نام دوں جو دوسرے کی بربادی کا سبب بنے؟

اس وقت میرے سیل فون کی بیل گنگنائی، یہ سادہ سا موبائل فون سیٹ فوری ضرورت کے پیشِ نظر ریحان نے ہی مجھے دیا تھا۔ ریحان نے مجھے بتایا تھا کہ اس نمبر کی سم میں اس کے بہت کم نمبرز درج ہیں جو غیر اہم اور خال خال ہی استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم احتیاط کے پیشِ نظر اگر ریحان کی کوئی کال ہوتی تو میں وہ اسے تھما دیتا۔ اب جو بیل آ رہی تھی، اسے دیکھ کر مجھے چونکنا پڑا۔ یہ بیگم صاحبہ کی کال تھی، میں دونوں سے معذرت کر کے اپنے کمرے میں آ گیا اور بیگم صاحبہ کی کال ریسیو کرتے ہوئے فون کان سے لگا کے دھیرے سے ''ہیلو'' کہا۔

''...شہزاد!... تت... تم...'' دوسری طرف سے بیگم صاحبہ کی مترنم آواز کو فکر و تشویش کی گرفت میں پا کے میرے اندر کچھ عجیب اور نامعلوم سا احساس جاگا۔ باوصف کوشش کے جسے میں کوئی عنوان نہ دے سکا۔ میں جان تو گیا تھا کہ یہ نمبر ارشد نے ہی دیا ہوگا اور مجھ سے بات کرنے کے فوراً ہی بعد اس نے بیگم صاحبہ سے اس کا ذکر بھی کیا ہوگا۔

''دشمن... شہزاد!'' وہی آواز ایک مختصر ترین وقفے کے بعد دوبارہ ابھری۔ ''...تم... تم آخر کس مٹی کے بنے ہوئے ہو... میری کوئی بات کوئی مشورہ... ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتے... ایک طرف میرے کارندے ہیں جو میری ایک ذرا جنبشِ ابرو پر سر جھکانے میں دیر نہیں لگاتے... مگر تم...''

''میں آپ کا کارندہ نہیں ہوں۔ بیگم صاحبہ!'' میں نے سنجیدگی سے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ تنک جیسے ادھار کھائے بیٹھی تھیں، تڑنت بولیں۔

''...اور میں بھی یہ ہرگز پسند نہیں کرتی کہ تم بھی اپنے کسی ادنیٰ و اعلیٰ کارندے کے روپ میں بھی دیکھوں... تم نے اپنے ذہن اور دل سے یہ خیال کیوں نہیں نکال دیتے شہزاد کہ میں نے تمہیں کبھی ایسی نگاہ سے دیکھا ہی کب ہے؟ ہم دوست ہیں اور ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں... تم... تم... ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہو... دشمن کوئی نئی چال چلنے کا سوچ لیا چکا ہے۔''

''مجھے اس کا اندازہ ہے بیگم صاحبہ!'' میں نے دھیرے سے کہا۔

''نہیں ہے تمہیں اس کا اندازہ۔'' وہ یکدم بولیں۔ ''تمہارے تصور میں بھی نہ ہوگی یہ بات کہ چوہدری ممتاز خان اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے راتب خوار انسپکٹر روشن خان کے ذریعے تمہیں جعلی پولیس مقابلے میں ہلاک کروانا چاہتا ہے۔ جس کی منصوبہ بندی تیار کی جا چکی

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہے۔ وسقہ وارنٹ کی آڑ میں تمہیں دیکھتے ہی وہ گولی مارنے کے لیے پاگل جنونیوں کی طرح تمہیں ڈھونڈ رہا ہے۔ میں... میں... دوبارہ تمہیں... نہیں کھونا چاہتی... لئیق شاہ...!'' وہ بے اختیار فرطِ جذبات سے رو پڑیں۔ ان کے آخری الفاظ پر مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا تھا اور میرے ذہن کی سوئی ان کے اس آخری جملے پر اٹک گئی۔

''...میں... میں... تمہیں... دوسری بار... نہیں کھونا چاہتی... لئیق شاہ۔'' پھر وہ جذباتی ہو کر رو پڑیں۔

لئیق شاہ کون تھا؟ پھر میں بیگم صاحبہ کی نگاہ میں کیا تھا؟ کیا مر کر زندہ ہوا تھا؟ یا میں نے کسی لئیق شاہ نامی اجنبی شخص کا دوسرا جنم لیا تھا؟ میں نے اپنے ان لغو خیالات پر لعنت بھیج دی۔

دوسری جانب سے معاً ہی بیگم صاحبہ کی ذرا سنبھلی ہوئی آواز ابھری۔

''...معافی چاہتی ہوں شہزی! میں پریشانی اور تفکرات کے باعث تمہارے ساتھ جانے کیا اول فول بک گئی... دراصل میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم جہاں بھی ہو، بے شک خیریت سے سہی لیکن... تم محفوظ نہیں ہو... فوراً سے پیشتر میرے پاس آجاؤ... یا جہاں ہو... مجھے پتا دو۔ آندھی طوفان کی طرح میرے کارندے تمہیں لینے کے لیے وہاں پہنچ جائیں گے۔''

''میں صرف اللہ کی امان ہی میں خود کو محفوظ سمجھتا ہوں بیگم صاحبہ!'' میں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''بالکل وہی انداز... وہی ضدی پن... وہی قلندرانہ باتیں۔'' دوسری جانب سے بیگم صاحبہ بے اختیار زیرِ لب بڑبڑائیں۔ ان کا یہ انداز مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا کرتا تھا۔ آخر وہ ماضی کے کن گمشدہ حوالوں سے اور کس کے ساتھ میرا تعلق جوڑنا چاہتی تھیں؟ آخر وہ مجھے کیا سمجھے ہوئے تھیں؟ ان کے اسرار بھرے انداز سے کبھی کبھی تو میں خود الجھ جایا کرتا تھا۔ میں کون تھا آخر؟ میری ذات سے آخر ان کا کیا تعلق تھا؟ اتنے بڑے گینگ کی سربراہ جس کے سامنے سب سر جھکا کے باتیں کرتے تھے، اور وہ خود ان سب کو اپنی جنبشِ ابرو کے اشارے پر رکھتی تھیں مگر میرے ساتھ... ان کا یہ ایسا رویہ کیوں تھا، جسے وہ بظاہر دوستی کا جذبہ کہتی تھیں مگر معاملہ درونِ خانہ کچھ اور ہی تھا؟ وہ مجھے کیا سمجھے ہوئے تھیں آخر...؟ کیا کسی غلط فہمی کا شکار تھیں یا پھر میرے ماضی کا کوئی باب ابھی تک میری نظروں سے اوجھل تھا؟

''میں آپ کو ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکا ہوں بیگم صاحبہ!'' بالآخر میں نے بھی کہہ ڈالا۔ ''مجھے آپ سے بہت الجھن سی محسوس ہونے لگتی ہے کبھی کبھی۔'' دوسری طرف سے بے اختیار ان کی کھنکتی ہوئی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہوگئیں اور حسبِ عادت موضوع بدل کر بولیں۔

''شہزی، ضد مت کرو... آجاؤ... مجھے تمہاری بہت فکر ستا رہی ہے۔''

میں یہ سوچ کر ممکن ہے وہ مجھے اس لیے اہمیت دے رہی ہوں کہ میں ان کے ازلی دشمن چوہدری الف خان کے خلاف ایک اہم ہتھیار کی حیثیت رکھتا تھا... جس کے ذریعے وہ چوہدری الف خان اینڈ سنز (ممتاز خان) کو زیر کرنا چاہتی تھیں۔

اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے میں نے کہا۔ ''بیگم صاحبہ! آپ میری فکر نہ کریں... میں جہاں بھی ہوں۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا ہوا ہوں... اپنا بندوبست کرنے اور ان مصیبتوں سے نجات پانے کی خاطر تگ و دو میں مصروف ہوں، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس وقت یہاں اپنے نیک خواہوں کے پاس بیٹھا ہوں اور ماشاء اللہ جلد ہم ایک لائحہ عمل تیار کرنے والے ہیں... بس آپ ٹی وی دیکھتی رہیں، عنقریب میں ایک زوردار دھماکا کرنے والا ہوں... خدا حافظ۔'' یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔

جب نشست گاہ میں داخل ہوا تو میں نے ریحان کو آسیہ کے بالکل قریب ہو رہیوں متوجہ دیکھا جیسے وہ اسے کسی اہم بات پر سمجھانے کے لیے پُرزور کوشش میں مصروف ہو... مگر آسیہ کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ اس کی کسی بات سے متفق نہیں ہو رہی تھی۔

آخری الفاظ ریحان کے منہ سے پُرزور انداز میں برآمد ہوئے... ''...پلیز...! آسیہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو... ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

اچانک مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ چپ ہو گیا اور آسیہ سے ذرا دور ہو کے بیٹھ گیا۔ میں نے آسیہ کے چہرے کا بہ غور جائزہ لیا تو چونکے بنا نہ رہ سکا... اس نے جب میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا تو میں نے اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک دیکھی پھر وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئی مگر زیادہ دیر نہ بیٹھ سکی... اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مجھے کچھ بے چین اور فکرمندی دکھائی دے رہی تھی، کبھی اچانک سوچتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف تکنے لگتی تو کبھی...

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ریحان کی طرف... واضح طور پر وہ ایک عجیب سی الجھن کا شکار تھی۔ کچھ ایسا لگتا تھا جیسے میرے ذرا دیر کے لیے یہاں سے جانے کے بعد دونوں کے درمیان کوئی گرما گرم بحث ہوئی ہو، یہی سبب تھا کہ... وہ فوراً وہاں سے چلی گئی۔ میں حیران حیران سی نظروں سے ریحان کی طرف تکتا ہوا ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

جانے کیوں پل کے پل میرے دل کو بے چینی سی محسوس ہونے لگی۔ میں خود کو یہاں ایک نامعلوم سی الجھن کا شکار ہوتا محسوس کرنے لگا۔ میں سردست چپ بیٹھا گویا ریحان ہی کے بولنے کا منتظر رہا... مگر... اس نے بھی مجھ سے کوئی بات نہ کی اور محض ایک عجیب سی کھردرے انداز کی نظر میرے چہرے پہ ڈالنے کے بعد وہ بھی کمرے سے نکل گئے۔ میں ذرا دیر گم صم اور الجھا الجھا سا نشست گاہ میں تنہا بیٹھا رہا پھر اس کے بعد ناچار اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

ابھی کمرے میں آئے مجھے ذرا ہی دیر ہوئی ہوگی کہ اچانک میرے سیل فون کی بیل گنگنائی، میں نے چونک کر اسکرین پر نمبر دیکھا جو میرے لیے اجنبی ہی تھا۔ پہلے پہل میں یہی سمجھا ہو سکتا ہے یہ ریحان کے کسی جاننے والے نے کیا ہو۔ تاہم یہ سوچ کر کہ اگر ایسا ہوا تو ہولڈ کروا کے یہ فون ریحان کے حوالے کر دوں گا۔ مگر جب فون میں نے کان کی طرف لے جا کر ہیلو کہا اور دوسری جانب سے ایک شناسا سا آواز ابھری تو میں بری طرح ٹھٹک گیا۔ وہ آسیہ کی آواز تھی۔

☆☆☆

''شہزاد صاحب! آپ اس وقت اپنے کمرے میں ہیں؟ میرا مطلب ہے ریحان تو نہیں آپ کے ساتھ؟''

اس نے پوچھا۔ انداز رازدارانہ تھا۔ میں سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کا مطلب کیا تھا اس طرح مجھے فون کرنے کا۔ تاہم جواباً بولا۔ ''جی ہاں! مگر...''

''میری ایک بات غور سے سنیں۔'' وہ فوراً بولی۔ بدقت میں اس سے کچھ پوچھتے پوچھتے رہ گیا۔ اس کا انداز بڑا پُراسرار اور عجیب سا تھا۔

''آپ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جائیں اور ملتان پہنچنے کی کوشش کریں، اپنی باجی خانم شاہ کا میں آپ کو پتا دے رہی ہوں، میں انہیں فون بھی کر دوں گی۔ وہ آپ کی ہر طرح سے بھرپور مدد کریں گی۔''

''کیا مطلب؟ یہاں مجھے کوئی خطرہ ہے؟'' میں نے اس کے انداز گفتگو سے کچھ اخذ کرتے ہوئے پوچھا۔

''خطرہ تو آپ کے چاروں طرف ہے۔'' وہ تیزی سے بولی۔ ''بس آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔''

''یہاں سے آپ کی کیا مراد ہے آسیہ صاحبہ؟'' میں نے ذہن میں اچانک ابھرنے والے ایک خیال کے تحت پوچھا۔ ''ریحان کے گھر سے یا لاہور سے؟''

دوسری جانب لمحے بھر کو پُرسوچ خاموشی طاری رہی پھر آسیہ کی مبہم سی آواز ابھری۔ ''آپ ریحان کی رہائش گاہ سے نکل جائیں۔ اور انہیں اپنے کسی آئندہ کے پروگرام کے متعلق بھی مت بتایئے گا۔''

''کیا آپ کو ریحان کی طرف سے کسی گڑبڑ کا خطرہ ہے؟'' بالآخر میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے خدشے و خطرات کو پیرائے میں ادا کر ہی دیا۔

''شاید... ہاں!'' وہ عجیب گومگو سے لہجے میں بولی پھر ذرا صراحت آمیزی سے بولی۔

''ریحان کی طرف سے آپ اپنا دل خراب مت کیجیے گا شہزاد صاحب پلیز... مگر میں آپ کو بھی اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہ رہی ہوں۔ مگر پلیز...! ابھی آپ یہاں سے چلے جایئے۔ ریحان... آپ کے خلاف... کک... کچھ کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ میں زیادہ نہیں بتا سکتی۔ میں خود ایک امتحان سے گزر رہی ہوں... آپ بھی...''

''مجھے اندازہ ہے آسیہ صاحبہ!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میرے چہرے پہ تلخ سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔ ''بہرحال... ٹھیک ہے، آپ کا بہت بہت شکریہ...''

آسیہ نے مجھے اپنی باجی کا پتا اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا اور آخر میں ملائمت سے بولی۔

''شہزاد صاحب میری طرف سے آپ بے فکر رہیے گا۔ میں آپ کی کسی بھی مدد اور تعاون سے پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ بے گناہ ہیں، یہ مجھے ثابت کرنا ہوگا اور آپ کو بھی...''

میں نے اس کا اشتیاقی انداز میں شکریہ ادا کر دیا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں بیڈ پہ بیٹھا سوچوں میں ڈوب گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک ایسی حس رکھی ہے جسے چھٹی حس کہتے ہیں مگر یہ محسوس انہی افراد کو ہوتی ہے جو غیر معمولی احتیاط اور وقت و حالات کی مناسبت سے اپنا دماغ ہر وقت بیدار رکھتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ریحان

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کے ساتھ جڑنے والی آخری نشست تک تو مجھے اس کی نیک نیتی پر کوئی شبہ نہ تھا لیکن... اس کے بعد اس کی گفتگو کا بدلا بدلا انداز... اس کا رویہ اور پھر آسیہ کے ساتھ اس کی پُراسرار گفتگو نے درحقیقت مجھے ریحان کی طرف سے چونکا دیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس کی طرف سے میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجانا شروع کردی تھی۔ اور اب آسیہ کے آنے والے فون نے تو اس پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی۔

محبت میں انسان خودغرض ہوجاتا ہے۔ ریحان کے یکدم بدلنے کی وجہ سے میں آگاہ تھا۔ جب اسے بعد میں صحیح معنوں میں حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوا تو اسے مجھ سے زیادہ آسیہ کی فکر ہونے لگی... اور وہ میرے گمبھیر معاملے سے پہلوتہی کرنے لگا۔ اور میری تھوڑی دیر کی غیر موجودگی کے دوران اس کی اس سلسلے میں یقیناً آسیہ کے ساتھ گرما گرم بحث بھی ہوئی تھی۔ ریحان کو میں اپنے معاملے میں اب مخلص نہیں پا رہا تھا مگر آسیہ ایسی نہیں تھی، وہ میرے سلسلے میں پُرجوش تھی۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں تھی، میرے ساتھ وہ بھی خطرے میں گھر سکتی تھی۔ جبکہ ریحان اس خدشے کے پیش نظر آسیہ کو میرے معاملے سے دور رکھنے کی کوشش کررہا تھا اور شاید اب اس کی ضد سے مجبور ہوکے وہ الٹا میرے خلاف ہی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جس کا اندازہ پہلے ہی آسیہ نے بھی لگا لیا تھا۔

میں نے ایسا ہی کرنے کی ٹھانی۔ گویا یہ ٹھکانا بھی کسی وقت میرے لیے مصیبت بننے والا تھا۔ میرے پاس چھپانے کو تھا، کوئی سامان بھی نہ تھا۔ تھوڑی بہت رقم تھی جو میں نے شلیک کو دے دی تھی۔ البتہ یہ موبائل سیٹ تھا جو ریحان کا ہی دیا ہوا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ میں اپنے بہی خواہوں سے کم از کم رابطے میں تو رہ سکتا۔

مزید سوچنے کا وقت نہ تھا۔ میں فوراً کمرے سے نکلا۔ صورتِ حال کی... سنگینی کو محسوس کرکے میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی تھی اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ گویا خطرہ سر پہ آ پہنچا ہو۔ درمیان میں نشست گاہ تھی جو خالی تھی۔ ریحان اندر کسی کمرے میں ہوسکتا تھا۔ میں دبے پاؤں نشست گاہ کے خارجی دروازے کی طرف بڑھنے لگا اور قریب پہنچ کر ٹھٹک کر رکا۔ دائیں جانب ایک دوسرے رہائشی کمرے کے بند دروازے سے مجھے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ بس لمحہ بھر کے لیے میں رکا تو آواز کو پہچان کر میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکا۔

وہ آواز ریحان کی تھی اور شاید وہ دوسری طرف دروازے کے قریب ہی تھا۔ وہ کسی سے غالباً لینڈ لائن فون پر باتیں کررہا تھا۔

''آپ جتنی جلدی ہوسکے آجائیں انسپکٹر صاحب! وہ ادھر ہی ہے۔ میں اسے پہچاننے کے بعد بڑی چالاکی سے اپنے ساتھ یہاں لے آیا ہوں... آپ آسانی سے اسے گرفتار کرسکتے ہیں۔ باقی تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔''

یہ سننے کے بعد میرا پورا وجود سنسنا اٹھا۔ کنپٹیوں میں سائیں... سائیں... ہونے لگی۔ میرے بدترین... خدشات کی تصدیق ریحان کی اس گفتگو کو سن کر ہوچکی تھی۔ نیز آسیہ کے بروقت کال کرنے کا سبب بھی معلوم ہوچکا تھا... پھر میں ایک پل کے لیے بھی نہیں رکا... اور... باہر گیٹ پر پہنچا... وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ ذیلی دروازہ کھول کر میں باہر نکل آیا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف کو چل دیا... پھر مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا مین شاہراہ پر آگیا۔

میں نے موبائل پر وقت دیکھا۔ سہ پہر کے تین بجنے والے تھے۔ میں ایک نسبتاً گنجان بس اسٹاپ پر کھڑا تھا۔ پنجاب کے مختلف شہروں کی طرف آنے جانے والی مسافر بسوں کا یہ اڈا تھا۔ گرمی اور دھوپ پڑ رہی تھی، کبھی کبھی گرم ہواؤں کے تھپیڑے بھی چہرے پہ محسوس ہوتے تھے مگر اس وقت یہ مجھے خوشگوار اور نرم ہواؤں کے جھونکوں سے زیادہ مزے کے معلوم ہورہے تھے، کیونکہ اس بہانے سے میں نے بڑا سا رومال اپنے سر اور چہرے کے ایک حصے پر لپیٹ رکھا تھا۔ مجھے رہ رہ کر ریحان پر بری طرح طیش آرہا تھا۔ ایک حد تک تو میں نے اس کی شخصیت کے اس منفی پہلو کو درگزر کردیا تھا کہ وہ میری مدد کرنے کے بجائے اب اپنی منگیتر آسیہ کے مفاد کے بارے میں سوچنے لگا تھا اور مجھے یکسر نظرانداز کرگیا تھا۔ لیکن اس کا یوں پولیس کو فون کرکے مجھے گرفتار کروانا... بری طرح کھل رہا تھا۔ طیش اور نفرت کی لہر نے مجھے آگ بگولا کردیا تھا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ریحان کو اس طوطا چشمی کا مزہ چکھا کر میں اس کی رہائش گاہ سے کوچ کرتا مگر... پھر آسیہ کے خیال نے مجھے اس جارحانہ حرکت سے باز رکھا۔

لاہور میں میرے بارے پولیس کو اطلاع ملنے کا مطلب تھا پوری انتظامیہ کی توپوں کا رخ لاہور کی طرف ہوجاتا۔ کوئی بعید نہ تھا کہ میرے دشمنوں کا ٹولا بھی اپنے تئیں ادھر کا ہی رخ کرتا... میرے لیے مشکلات کھڑی ہوسکتی تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ میری جیب میں رقم نہ تھی۔ سامان کی صورت میں صرف ایک سستا سا موبائل سیٹ تھا مگر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اسے فروخت نہیں کرسکتا تھا کیونکہ یہ واحد ذریعہ تھا اپنے بہی خواہوں سے رابطے کا۔ اچانک میرے ذہن میں کھٹکتا ہوا خیال ابھرا۔ یہ سیٹ تو ریحان کا تھا۔ سم بھی یقیناً اس کے نام ہوگی، وہ اسے بلاک بھی کروا سکتا تھا۔

تو کیا اس سے پہلے مجھے مدد کے لیے فوراً اپنے کسی ہمدرد سے رابطہ کرکے مدد مانگ لینی چاہیے تھی۔ کم از کم یہ اطلاع ہی دے دیتا کہ میں اس وقت کہاں تھا؟ مگر سب سے اہم اور فوری مسئلہ پیسوں کا تھا۔ میری جیب میں نہ پھوٹی کوڑی تھی کہ میں ٹھنڈے گلاس کا پانی بھی خرید کر پی لیتا۔

اس وقت صرف آسیہ تھی، جو لاہور میں میری فوری طور پر کوئی مدد کرسکتی تھی۔ یہ سوچ کر میں نے فوراً اس کا نمبر پنچ کیا مگر... وہی ہوا جس کا ڈر تھا مجھے۔ ریحان نے سم بلاک کروا دی تھی۔ کیونکہ دوسری جانب سے سم ڈیڈ پڑی ملی۔

آسیہ کا نمبر مجھے ازبر تھا، میں کسی قریبی پی سی او سے بھی بات کرسکتا تھا... مگر اس کے لیے رقم کی ضرورت تھی جو میرے پاس نہ تھی۔

میں نے بالآخر سیٹ فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ اب یہ میرے لیے بے کار تھا۔

لاری اڈے میں بسوں، موٹروں کے ہارن اور لوگوں کی چیختی چلاتی آوازیں اور ٹریفک کا شور مجھے بری طرح بیزار کررہا تھا... بہرحال... میں ادھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا۔ مجھے کسی ایسی دکان کی تلاش تھی۔ جہاں میں یہ سیل فون فروخت کرکے کچھ رقم کا بندوبست کرتا۔

وہاں اڈے پہ مجھے چھپر نما ہوٹلوں اور چائے خانوں کے سوا کچھ نظر نہ آیا تو میں اسٹاپ کی حدود سے ذرا باہر نکل آیا۔ یہاں سڑک کے کنارے کچھ دکانوں کی قطاریں دکھائی دیں۔ ان میں زیادہ تر آڈیو کیسٹ پلیئر، آٹو پارٹس وغیرہ کی دکانیں تھیں۔ ایک جگہ مجھے موبائل کی ایک شاپ نظر آ ہی گئی۔ میں سیدھا وہاں پہنچا۔ کچھ گاہک موجود تھے۔ ایک سیلزمین ٹائپ لڑکا میری طرف متوجہ ہوا، میں نے اسے سیٹ دکھایا اور کہا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔

"ہم چوری کا مال نہیں خریدتے... آگے جاؤ بھائی۔" وہ یہ کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔ میرے دل کو ایک گھونسا لگا۔ کم مائیگی اور عزتِ نفس کو لگنے والے دھچکے نے مجھے پانی پانی کردیا۔ میں دکان سے باہر نکلتے ہوئے سخت قنوطیت کا شکار تھا۔ میں کیا تھا۔ میری حیثیت کیا تھی۔ کچھ بھی نہیں صفر بٹا صفر... میرے آگے زندگی کا اتنا بڑا سفر پڑا تھا اور میں ایک جوان مرد تھا۔ مگر میں کیا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں، زندگی کا سفر کاٹنے کے لیے کچھ نہ کچھ زادِ راہ تو ہونا ہی چاہیے... جو میرے پاس نہیں تھا۔ عابدہ کی محبت اور اطفال گھر سے نجات کے بعد تو میں نے سوچا تھا اب عابدہ کے ساتھ باقی زندگی ہنسی خوشی گزاروں گا۔ مگر ہنسی خوشی زندگی کیسی ہوتی ہے، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ آج کا دور پہلے کی نسبت بہت سخت اور کڑا تھا۔ زندگی بسر کرنے کے لیے روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور حلال کی روزی کمانا تو ویسے ہی ایک مشقت طلب کار مسلسل ہے۔ یا پھر اچھی تعلیم... ایسی تعلیم جو ایک اچھی نوکری کی امید دلاتی ہو۔ بی اے پاس کی کیا اہمیت تھی آج کل۔ کوئی ہنر بھی نہیں جانتا تھا میں۔ عابدہ کے ساتھ تو میں نے زندگی گزارنے کے بہت سے خواب دیکھے تھے۔ اب ان تلخ حقیقتوں کے تناظر میں سوچتا ہوں تو اپنی بے بسی پہ رونا آتا ہے۔ پورے ضلع کی پولیس مجھے ڈھونڈتی پھر رہی تھی، میرے دیدہ و نادیدہ دشمن میرے خون کے پیاسے ہورہے تھے، بے شک میرے بہی خواہوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، مگر کیوں؟ میں ان کی مدد کیوں لیتا؟ ان کے سر پہ بوجھ کیوں بنتا؟ کیا میری ساری زندگی ترس کھاتے اور ہمدردیاں جتاتے ہوئے لوگوں کی محتاجی میں گزرے گی؟

یہ ساری باتیں سوچتے سوچتے میں اس قدر قنوطی اور مایوس سا ہونے لگا کہ جی چاہا اسی وقت خود کو پولیس کے حوالے کردوں۔ پتا نہیں کیوں آج میں اس ساری بھاگ دوڑ اور نامساعد حالات کی کشاکش سے اس قدر بیزار ہورہا تھا کہ اس بارے میں بھی مجھے آخر سوچنا پڑا۔ یہ بھلا کہ... میں جیل چلا گیا تو عابدہ کا کیا ہوگا؟ وہ تو بے چاری زندہ درگور ہوجائے گی، میری راہ میں دن رات بلکہ ہر لمحہ وہ آنکھیں بچھائے بیٹھی ہے۔ زندگی کی تپتی دھوپ کو خوش آمدید اور ٹھنڈی چھاؤں کی آس میں بیٹھی عابدہ کا کون تھا دنیا میں میرے سوا اور میرا ابھی کون تھا عابدہ کے سوا... مجھے شدید پیاس محسوس ہونے لگی۔ دھوپ کی تمازت اور گرمی بھی مجھے اب ستانے لگی تھی۔ میں دکان سے باہر نکل کے یونہی بے مقصد کھڑا رہا۔ میرے گردوپیش میں لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ ٹریفک کا شور اور نجانے کیا کیا نفسانفسی کا ایک طوفانِ بدتمیزی بکھرا ہوا تھا... مجھے اس سارے ماحول سے چڑ ہونے لگی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

پھر اچانک ہی میں دردناک ماضی میں کھو گیا۔ مشکل، تنگ اور کٹھن حالات میں کسی اپنے خونی رشتے کا یاد آنا بھی لازمی امر ہے۔ ایسا خونی رشتہ جس پر انسان کو فخر ہو، غرور ہو... ایک قسم کی طمانیت ہو۔ میرا تو ایک ہی خونی رشتہ تھا، باپ کا... یہ واحد ایسا خونی رشتہ تھا جس نے شروع دن سے آج تک میرے اندر کے انسان کو زخمی رکھا تھا۔ وہ کیا باپ تھا جس نے محض ایک خوبصورت عورت کے کہنے پر مجھے نکال باہر کیا اور خود سے علیحدہ کرنے کے باوجود مجھ سے اپنی پدرانہ محبت و شفقت بھی جتاتا رہا۔ مجھ سے مل کر اور دل کے پھپھولے کر آنسو بھی بہاتا تھا۔ یقیناً اس نے مجھے... یعنی اپنے لخت جگر کو خود سے دور کرتے وقت بڑے پتھر دل و جگر سے کام لیا تھا۔

ماں... جس کی شبیہ... ایک موہوم سی جھلک... مجھے اپنے لاشعور سے الجھتی ہوئی کبھی کبھی محسوس ہوتی تھی۔ جو مجھے اپنی ممتا بھری ٹھنڈی چھاؤں میں رکھتی محسوس ہوتی تھی۔ پھر اچانک کیا ہوا، یہ شبیہ بدل گئی، اس کی جگہ ایک قرانٹ عورت نے لے لی۔ جس کی کرختگی سے میں خوف زدہ ہوکے کسی کونے میں دبکا رہتا۔ ایک معصوم بچے کا کیا ذہن اور کیا دماغ ہوتا ہوگا... مگر احساسات و جذبات کی زبان بولنے سے زیادہ محسوس کرنے کی ہوتی ہے۔ اور وہ سارے محسوسات میرے لاشعور کے ساتھ چپکے رہ گئے۔

میں آج تک یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ مجھے اپنے باپ سے نفرت کرنی چاہیے یا محبت؟ بس اس وہ دماغ میں ایک دھن تھی... باپ سے ملنے کی۔ جو میری شناخت تھی۔ اب جب میں سوچنے سمجھنے کے قابل ہوگیا تھا... تو اس سے ملنے اسے تلاش کرنے کی چاہ دل میں روز بروز بڑھتی گئی تھی اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ خلش دیرینہ سوا ہی ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

اچانک کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میں جیسے ماضی کے گم گشتہ جزیروں کے ویران ساحل سے سر ٹکراتی پرشور موجوں کے چنگل سے یکلخت آزاد ہوگیا اور چونک کر مڑ کے دیکھا۔

ایک پختہ العمر اجنبی شخص بڑی متجسس تیز نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔

”... بیچنا چاہتے ہو؟“ اس نے پوچھا۔ سیل فون ہنوز میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس نے اشارے سے پوچھا۔

”ہاں!“ بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ میرے اندر در ماندہ خیالات اور سوچوں کی یلغار دھیرے دھیرے کم ہورہی تھی۔

”لاؤ... دکھاؤ... کتنے لوگے۔“ اس نے میرے کاندھے سے ہاتھ ہٹا کر میری طرف بڑھایا۔

”پہلے تم قیمت لگاؤ۔“ میں نے موبائل سیٹ اس کی طرف بڑھا دیا اور ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی لینے لگا۔ بظاہر وہ ایک عام سا شخص نظر آرہا تھا۔ شاید دکان پر ہی موجود گاہکوں میں شامل ایسا شکاری جس نے پہلے ہی اپنا شکار میری صورت میں تاڑ لیا تھا اور شاید میری مجبوری کو بھی...

”... پانچ سو سے ایک پائی اوپر نہیں دوں گا۔“ وہ اسے خانہ پری کے انداز میں الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

”صرف پانچ سو؟“ میں اس کی طرف دیکھ کر واجبی سی حیرت سے بولا۔ میں کسی منافع کمانے کی خاطر یہ نہیں بیچ رہا تھا لیکن سیٹ کی حالت اتنی زیادہ پرانی بھی نہیں تھی، میں ہزار یا پندرہ سو کی امید لگائے بیٹھا تھا۔

”ارے میاں کہاں ہو؟“ وہ خرانٹ پن سے بولا۔ ”نیا سیٹ دکان سے خرید کر باہر قدم رکھو تو اس کی قیمت آدھی ہوجاتی ہے۔ اور پھر... تمہارے پاس اس کا ڈبا ہوگا؟ جلدی بولو۔“

میں نے سوچا۔ پانچ سو بھی غنیمت تھے اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے پانچ سو کا نوٹ مجھے پکڑا دیا اور سیٹ لے کے چل دیا۔

میں نے سب سے پہلے ٹھنڈے پانی کے دو تین گلاس پیے، اس کے بعد سوچنے لگا۔ پہلے کسے فون کروں۔ گھوم پھر کے ذہن میں آسیہ کا نام آیا۔ کیونکہ فوری طور پر اس وقت وہ ہی میری ضرورت تھی۔

ایک قریبی پی سی او جا کر میں نے آسیہ کے نمبر پر رابطہ کیا۔

رابطہ ہوتے ہی وہ جیسے ہڑبڑاتی آواز میں بولی۔ ”تت... تم... آپ کہاں ہو اس وقت؟ خیریت سے تو ہو نا شہزی؟“ اس کے بولنے کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ ضرور اسے کسی گڑبڑ کا علم ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قدر پریشان اور بوکھلائی ہوئی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں... آسیہ صاحبہ! ایک پی سی او سے بات کررہا ہوں...“ میں نے جواب دیا اور ذہن سوچ رہا تھا کہ اسے خود غرض اور احسان فراموش منگیتر ریحان کی دغابازی کے بارے میں آگاہ کروں یا نہیں۔ میں نہیں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

چاہتا تھا کہ دونوں کے بیچ کوئی ناچاقی ہو۔

”شکر ہے خدا کا۔“ دوسری جانب سے آسیہ کی قدرے طمانیت بھری آواز ابھری مگر دوسرے ہی لمحے بولی۔

”...ریحان کا فون آیا تھا۔ آپ کے خاموشی سے نکل جانے پر وہ بڑے تُندو اصرار سے آپ کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور خاصا برہم بھی ہو رہا تھا۔ لگتا ہے اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اس کے عزائم سے باخبر کر کے بھگا دیا ہے۔“ لمحہ بھر توقف کے بعد بولی۔ ”لیکن شہزاد! وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا... اس نے پولیس کو آپ کے سلسلے میں اقدام کر دیا تھا اور اب آپ کے فرار کے بعد وہ خود پولیس کے چکر میں آ گیا ہے۔“

اس کی بات سن کر بے اختیار میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسے ریحان کی چوری چھپے کسی پولیس انسپکٹر کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد بولا۔

”اس نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا... آسیہ صاحبہ!... لیکن میرا نہیں خیال کہ پولیس اسے زیادہ الجھائے گی۔ وہ معاملہ نمٹا لے گا... لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ ہو رہا ہے۔“

”ہاں... ہاں... بولیں... میں تو خود آپ کے لیے پریشان ہو رہی تھی، اور کسی طرح رابطے کی کوشش بھی کر رہی تھی آپ سے۔“ وہ پُرخلوص لہجے میں بولی۔

”لیکن مجھے جلد پتا چل گیا کہ ریحان نے وہ سم بلاک کرا دی ہو... جو اس نے آپ کو دی تھی۔ خیر...! مسئلہ بتائیں۔“

”میں ملتان جانا چاہتا ہوں... مگر میرے پاس کرائے وغیرہ کے لیے رقم نہیں ہے۔“ بتاتے ہوئے مجھے اندر سے شرمندگی سی محسوس ہونے لگی۔ بے شک میں آسیہ کی وجہ سے ہی ایک نئی مصیبت کا شکار ہوا تھا مگر پھر بھی اس طرح اپنی مجبوری بتانا مجھے خفت آمیز ندامت سی محسوس ہو رہا تھا۔

”او... مجھے پہلے بتا دیتے آپ۔“ دوسری جانب سے وہ بولی۔ ”خیر... آپ فکر نہ کریں، پیسوں کا بندوبست ہو جائے گا۔“

”مگر یہ مجھ پر آپ کا ادھار رہے گا۔ میں آپ کو لوٹا دوں گا۔“ میں نے جلدی سے کہہ بھی دیا تو وہ نہایت سنجیدگی سے بولی۔

”شہزاد صاحب! آپ ایک عظیم انسان ہیں آپ وہ انسان ہیں جو اپنے لیے نہیں... دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ میں نے آپ سے متعلق کچھ پرانی خبروں کی رپورٹنگ، کالم اور اداریے پڑھے ہیں۔ اور بہت کچھ آپ کی زبانی بھی میں نے سنا ہے اس کے بعد سے تو یقین کیجیے میں خود آپ سے شرمسار ہوں۔ میں آج تک صحافت میں وہ کام نہ کر سکی جو آپ نے اپنے زورِ بازو سے کر دکھایا... اور وہ ہے... باطل کو حق کی طاقت سے زیر کرنا۔ بلکہ میں تو خود پختہ عزم کر چکی ہوں... کہ آپ کا ہر معاملے میں ساتھ دوں جو برائی کے خلاف برسرِپیکار ہو۔ شہزاد صاحب! انسان دنیا میں اسی لیے نہیں آیا کہ بس کھایا پیا اور موج مستی میں گم رہے۔ انسان کو ایک مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ جہاں برائی دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے، جہاں ناانصافی اور ظلم کی آگ کو بھڑکتا دیکھے اسے بجھانے کے لیے کوشاں ہو جائے۔ میں نے بھی اسی مقصد کے لیے ہی صحافت کی دنیا میں قدم رکھا تھا... قلم اور کیمرے کے ذریعے جہاں ناانصافی اور برائی کو دیکھتی اسے منظرِ عام پر لانے کی کوشش کرتی۔ لیکن افسوس کہ آپ کے سلسلے میں مجھ سے ایک بھیانک غلطی ہو گئی، مگر اب میں نے بھی پختہ عزم کر رکھا ہے کہ جب تک میری غلطی کا ازالہ نہیں ہو جاتا، آپ کا ساتھ میں نہیں چھوڑوں گی۔“

میں خاموشی سے اس کی جذباتی گفتگو سنتا رہا اور اس کے بارے میں اندازہ قائم کرتا رہا۔ پہلے پہل وہ بھی مجھے ریحان کی طرح ثابت قدم اور جذباتی لڑکی محسوس ہوئی تھی، لیکن متوقع خطرات کی یلغار کا اندازہ ہوتے ہی ریحان پیچھے ہٹ گیا تھا بلکہ الٹا میرے خلاف قدم بھی اٹھا چکا تھا۔ اس کا مقصد یقیناً یہی رہا ہوگا کہ سب جھوٹ بھی ہو سکتا ہے یا پھر وہ مجھے گرفتار کروا کر اپنی منگیتر آسیہ کو اس سارے خطرناک چکر سے آزاد کرانا چاہ رہا تھا۔ جس میں پڑنے کا وہ عزم کر چکی تھی۔ جبکہ آسیہ... کے جذبات میں مجھے اب نیک نیتی، جوش اور پختگی کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک باعزم لڑکی ثابت ہو رہی تھی جو ثابت قدمی کے ساتھ نہ صرف اس مشکل گھڑی میں میرا پورا پورا ساتھ دینے کا گویا عہد کر چکی تھی بلکہ اسے اپنی غلطی کا بھی احساس تھا۔

”ایک پتا نوٹ کریں... اور فوراً سے پیشتر وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔“ معاً دوسری جانب سے دوبارہ اس کی آواز ابھری۔

”میں کچھ رقم لے کر وہیں پہنچ رہی ہوں۔ مگر خیال

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

رکھتا پولیس آپ کے پیچھے نہ لگے۔ ایک بار پولیس کی نظروں میں آ گئے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں آپ جلد از جلد باجی خانم شاہ کے پاس پہنچ جاؤ... بعد میں وہ بہت کچھ سنبھال لیں گی، اور میں بھی تھوڑے دنوں بعد وہیں آ جاؤں گی۔"

میں نے اس کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر اس کا بتایا ہوا پتا اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔

رابطہ منقطع کرنے کے بعد میں نے پی سی او والے کو پیسے دیے اور باہر آ گیا۔ یہ بھی میں نے آسیہ کو فون کرنے کا رسک لیا تھا۔ مگر مجبوری تھی، اس کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا... میری فون کال ریکارڈ بھی کی جا سکتی ہوگی۔

مجھے حیرت تھی کہ کس طرح ایک بے گناہ اور عام سے انسان کو ایک خطرناک مجرم کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ مگر آسیہ نے بھی میرے ساتھ سچ اور اصل مجرموں کو بے نقاب کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک باعزم اور سچی صحافی خاتون تھی۔

آسیہ کے بتائے ہوئے پتے پر میں ایک رکشے کے ذریعے پہنچا۔ یہ ایک ماڈرن ٹائپ ریسٹورنٹ کا پتا تھا جو آبادی سے قدرے الگ تھلگ سپر ہائی وے کے کنارے واقع تھا۔

پتا نہیں آسیہ نے آبادی سے اتنی دور ریسٹورنٹ کو ہی کیوں منتخب کیا تھا۔ مگر اس کی یہ حکمت بھی سمجھ آتی تھی کہ شاید اس نے کسی پولیس وغیرہ کی نظروں سے بچنے کے لیے ایسا کیا ہو۔

میں اس ریسٹورنٹ کو دیکھ کر [illegible] تو اچھا۔ [illegible] تھا۔ تاہم آسیہ نے مجھے وہ مقام [illegible] جہاں آ [illegible] سے بیٹھ کر اس کا انتظار کرنا تھا۔ وہ [illegible] ہال تھا جو گراؤنڈ فلور پر ہی واقع تھا۔ یقیناً پولیس کا اس ریسٹورنٹ کی طرف کم ہی دھیان جا سکتا تھا۔ شیشے کے بھاری بھرکم دروازے کے قریب پہنچا تو دو باوردی افراد نے ادب سے جھک کر مجھے سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

اندر سینٹرلی اے سی کی ٹھنڈک سے یکلخت ہی جسم و جان میں خوشگوار سی تازگی اتر گئی۔

میں چکنے فرش پر پُراعتماد چال چلتا ہوا ایک کونے والی میز پر جا بیٹھا۔ اس وقت تو اتنا خاص رش دیکھنے میں نہیں آ رہا تھا مگر دن ڈھلنے سے رات گئے تک یقیناً یہاں لوگوں کی آوک جاوک بڑھ جاتی ہوگی۔

میں نے چکن کارن سوپ کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی باوردی ویٹر سے کہہ بھی دیا کہ میری ایک ساتھی آنے والی ہے، شاید ہم لنچ بھی کریں... وہ سر ہلا کر مسکراتا ہوا لوٹ گیا۔ پتا نہیں چکن کارن سوپ کتنے کا تھا۔ دو تین سو ہی میری جیب میں تھے۔ اسے منگانے کا مقصد میرا یہ تھا کہ کہیں وہ بل نہ لے آئے، کیونکہ آسیہ آنے والی تھی، رقم کے ساتھ... پھر مجھے بل کی پروا نہ ہوتی۔

بہرحال مجھے بھی بھوک لگی ہوئی تھی... سوپ سے کسی حد تک کام چل سکتا تھا۔ میں آسیہ کا انتظار کرنے لگا اور گاہے بگاہے ہلکے سبز شیشے کی دیوار سے باہر وسیع و عریض احاطے پر بھی نظر ڈال لیتا۔

ذرا دیر بعد ویٹر سوپ کا بڑا سا باؤل رکھ کر چلتا بنا، میں آہستہ آہستہ سوپ پینے لگا۔

ابھی میں نے نصف پیالہ ہی ختم کیا تھا کہ آسیہ آ گئی۔ مختصر باتیں... ہیلو کے بعد میرے سامنے والی چیئر پر براجمان ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں بڑا سا پرس تھام رکھا تھا۔ [illegible] اس نے میز پر رکھنے کے بجائے اپنی گود میں رکھ لیا اور اسے کھول کر ٹٹولنے لگی۔

"کیا منگواؤں آپ کے لیے؟" میں نے پوچھا۔

"کولڈ ڈرنک کافی ہے۔ میں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی۔ ویسے ہی آپ کو بیٹھنے کا مشورہ دوں گی۔" اس نے کہا۔ وہ عجلت میں تھی۔ اس کی وجہ میں جانتا تھا۔ اسی دوران وہی ویٹر دوبارہ آن دھمکا۔ میں نے اسے کولڈ ڈرنک لانے کا کہا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے بعد آسیہ نے مجھے ایک موبائل سیٹ دیا۔ اس کے اندر سم موجود تھی۔ ایک لفافہ بھی تھمایا جو خاصا پھولا ہوا تھا [illegible] سو اور [illegible] کے نوٹ تھے۔

"یہ رقم [illegible]... اور یہ موبائل سیٹ... اس کی سم میرے نام پر ہے۔ اب آپ فوراً لاہور سے نکلنے کی کوشش کریں اور ملتان پہنچتے ہی... باجی خانم سے ملاقات ضرور کرنا۔" اس نے کہا۔ میں نے یہ ساری چیزیں سنبھال لیں اور اس کا ایک بار پھر تہِ دل سے شکریہ ادا کیا۔

وہ کولڈ ڈرنک پینے لگی، میں اپنا سوپ ختم کر چکا تھا اور آسیہ کے چہرے کی طرف ہی تکے جا رہا تھا کہ دفعتاً میں نے اس کا چہرہ متغیر ہوتا محسوس کیا۔ کولڈ ڈرنک پینے کے دوران اس کا چہرہ شیشے کی دیوار کے پار جھانک رہا تھا کہ معاً میں نے اس کی آنکھیں پھیلتی ہوئی دیکھیں۔ چہرے کے تاثرات میں یکلخت خوف آمیز بوکھلاہٹ سمٹ آئی، نجانے اس نے باہر ایسا کیا دیکھ لیا تھا۔ میں نے بھی قدرے چونک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کر اس کی نگاہوں کی سمت دیکھا تو مجھے آسیہ کی لرزتی آواز سنائی دی۔

”شش... شہزاد...“

تب تک میں صورت حال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ سبز رنگ کی شیشے کی دیوار کے پار سامنے وسیع احاطے کے کھلے گیٹ سے پولیس کی ایک جیپ وہ ٹاپ ڈبل ڈور جیپ جس کی چھت پر بلیو ہوٹر نصب تھا، اور اس کے عقب میں پولیس کی تین موبائلیں بھی اندر گھستی آ گئیں۔ میرا پورا وجود سنسنا اٹھا... آسیہ کی طرح گویا مجھے بھی یہ منظر دیکھ کر چند ثانیے کے لیے سکتہ ہو گیا۔

”مائی گاڈ۔ یہ ہو گیا۔“ میری گم صم سماعتوں میں اس کی ہکلاتی ہوئی آواز ابھری۔ خود میرے اپنے اوسان خطا تھے۔ اور میرا اڑواں اڑواں سائیں سائیں کرنے لگا۔ میں نے فوراً اپنے مختل حواسوں کو سنبھالا... ذہن میں ابھرنے والے ایک خیال سے میں نے آسیہ سے کہا۔

”فوراً مجھ سے دور ہو جاؤ... اور اوپر کسی منزل کے ہال میں گھس جاؤ۔“

اس کی سمجھ میں نہ آیا مجھے نے دانت پیس کر کہا۔ ”جلدی جاؤ۔ پولیس تمہارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ وقت کم ہے۔ جلدی سے مجھ سے دور ہو جاؤ پلیز۔“

وہ اب کہیں جا کر میری بات کا مطلب سمجھی اور فوراً ایک قریبی زینے کی طرف بڑھ گئی جو اوپری منزل کی طرف جاتا تھا۔ میں نے پرس اور موبائل سنبھال لیا تھا۔ چہرے اور سر پہ حاجی رومال ذرا مزید کھسکا لیا مگر اب یہ پولیس کی موجودگی میں مزید شک کا باعث بن سکتا تھا۔ مگر اس کا فوری حل میرے ذہن میں آ چکا تھا۔ ویٹر کو بلا کر میں نے پانچ سو کا نوٹ تھما دیا۔ اس سے واش روم کا راستہ پوچھا۔ کوشش میری تھی کہ میرے انداز و اطوار اور چہرے سے بوکھلاہٹ، عجلت یا پریشانی ظاہر نہ ہونے پائے۔ ویٹر نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ میں سیدھا اشارے کی سمت لپکا۔ میں نے البتہ واضح طور پر ویٹر کے چہرے پر ابھرنے والی پُرسوچ لکیریں بھانپ لی تھیں۔

سرِدست میرے چھپنے کی یہی ایک جگہ تھی۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں جو بڑبونگ مچنے والی تھی، اس کا مجھے اندازہ تھا۔ واش روم خاصا کشادہ تھا اور دیدہ زیب ٹائلوں سے مزین تھا۔ دیوار پر شفاف آئینے نصب تھے اور نیچے فینسی واش بیسن تھے۔

میں ایک باتھ روم میں گھس گیا۔ یہ سرے سے آخری سمت کی دیوار پہ تھا اور اندر کموڈ بنا ہوا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا مجھے ایک سلائڈنگ شیشے والی کھڑکی دکھائی دی۔ میں کموڈ پہ پاؤں رکھ کر اس پر چڑھ گیا۔ اسی وقت مجھے واش روم میں داخل ہوتے بھاری جوتوں کی دھمک سنائی دی۔ میرا دل گویا سائیں سائیں کرتی کنپٹیوں پہ دھڑکنے لگا۔ کسی بھی وقت میرے باتھ روم کا دروازہ چیک کرنے کی باری آ سکتی تھی، مگر اس سے پہلے کہ ایسا ہوتا، میں نے سلائیڈنگ شیشے کی کھڑکی کھول لی۔ اور باتھ روم ہی کی اندرونی دیواروں میں نصب پائپوں کے سہارے کھڑکی سے دوسری طرف کود گیا۔ کھڑکی آدم گزار تھی۔ جس کا میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا۔ ایک اور عقل مندی میں نے یہ کی تھی کہ اپنے باتھ روم کے دروازے کی اندر سے کنڈی نہیں لگائی تھی ورنہ پولیس کو شبہ ہو سکتا تھا کہ کوئی یہاں سے اس کھڑکی کے ذریعے ہی فرار ہوا ہوگا۔ جب وہ دستک کے جواب میں آواز نہ پا کر باتھ روم کا دروازہ توڑ ڈالتے۔

میں دوسری سمت کودنے سے پہلے روشن دان نما کھڑکی کا شیشہ دوبارہ اپنی جگہ سرکانا نہیں بھولا تھا، ایک دعا میری یہ ضرور قبول ہوئی تھی کہ جس دوسری سمت میں گرتا... وہاں کوئی مجھے دیکھ نہ لے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ یہ کچن کا کوئی اسٹور نما چھوٹا سا کمرا نظر آتا تھا۔ اور کچن اس کے ساتھ ہی غالباً ملحق تھا، کیونکہ اسٹور کے بند دروازے کے دوسری طرف مجھے کچھ لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے اسٹور کا جائزہ لیا۔ یہاں کوکنگ آئل کے بڑے بڑے کنستر، میدے اور آٹے کے ڈرم، کیچپ اور دیگر مصالحہ جات کے جار وغیرہ رکھے تھے۔

پولیس سے چھپنے کی فوری طور پر مجھے پناہ تو مل گئی تھی مگر خطرہ ابھی سر پہ ننگی تلوار کی طرح مسلط تھا۔ پولیس یہاں بھی تلاشی کے لیے آ سکتی تھی بلکہ یقیناً اس نے پورے ریسٹورنٹ کو گھیرے میں لے کر میری تلاش شروع کر دی ہوگی۔

اندرونی سمت میں ہونے کے باعث اسٹور کے اندر دن میں بھی نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی جو میرے لیے سودمند ہی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑے تیزی سے جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

دفعتاً کچن کی طرف سے آنے والے شور کی آواز بڑھ گئی... پھر کسی کے منہ سے میں نے ”پولیس“ الفاظ سنا۔ میرا دل یکبارگی جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ شاید پولیس کچن میں داخل ہو گئی تھی، اور کوئی بعید نہ تھا کہ وہ اسٹور میں بھی در آتی،

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

میں فوراً بڑے بڑے ڈرم کے ڈھکن کھول کر دیکھنے لگا۔۔ ایک میں معدہ بہت چکنی سا تیل پڑا تھا میں نے ایک محتاط خیال کے تحت اس ڈرم کو گرایا اور اس کے اندر سکڑ سمٹ کر سما گیا۔۔۔ اور اس کا منہ دیوار کی طرف کر دیا۔ ایسا میں نے جان بوجھ کر کیا تھا تاکہ پولیس بھرے ہوئے ڈرموں کے ڈھکن چیک کرنے کے بعد اس گرے ہوئے ڈرم کو خالی سمجھے۔

ادھر میں نے جیسے ہی اپنی کارروائی نمٹائی، اُدھر میری کھلی ہوئی سماعتوں نے فوراً اسٹور کے دروازے کی دھڑ سے کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس پر بھاری قدموں کی دھمک سنتے ہی میں نے گویا اپنی سانس تک روک لی۔

''اوئے، یار طیفے! دوسرو ادھر بھلا کیسے آئے گا۔۔۔ لے۔۔۔ دیکھ کوئی بھی نہیں ہے۔ چل آگے۔۔۔''

معاً مجھے ایک بیزار سی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی اپنا ساتھی پولیس والے سے میرے متعلق ہی کہہ رہا تھا۔ میرا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا مگر اس خوشی کو خاک ہونے میں بھی لمحے کی دیر نہ لگی تھی۔ کیونکہ اس وقت میری جیب میں موجود سیل فون کی ''میسج ٹون'' گنگنائی۔ مجھے جیسے موت آگئی۔

''اوئے۔ یہ کیسی آواز تھی، موبائل کی لگتی ہے۔''
دوسرے پولیس والے کی آواز ابھری۔

''اوئے۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ کھڑکی دیکھ رہا ہے۔ اس کے پاس کسی۔۔۔ کی جیب سے بجا ہوگا۔ چل نکل۔۔۔ مجھے تو یہاں گھٹن ہو رہی ہے۔''

ذرا دیر بعد جاتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری اور پھر جیسے میرے تنِ مردہ میں زندگی کی رمق دوڑ گئی۔

میں نے ڈرم کے اندر سکڑے سمٹے ہی سب سے پہلے اس منحوس سیل فون کو آف کر دیا کہ ایک پھر اس کی ٹون یہ بیل میرے لیے کسی مصیبت کا باعث نہ بنے۔ یہاں واقعی گرمی اور گھٹن تھی، ظاہر ہے کچن کے اندر اسٹور میں اور کیا ہوتا۔ مگر میں خوش تھا، میری جان بچ گئی تھی، ابھی ابھی میں پولیس کے نرغے میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ دوسرے میری یہی کوشش تھی کہ۔۔۔ پولیس سے میرا کسی قسم کا ٹاکرا نہ ہونے پائے۔ اس صورت میں میرے ناکردہ جرم سنگینی میں بدل سکتے تھے یعنی میرا قانونی طور پر بعد میں اپنا دفاع کرنا مشکل ہو جاتا۔

میں ابھی ایسے ہی سکڑا سمٹا گرمی اور حبس زدہ کچن میں ڈرم کے اندر پڑا رہا۔

کافی دیر گزر گئی، شاید نصف گھنٹے سے بھی زیادہ۔۔۔

اب کچن میں بھی خاموشی طاری تھی۔ میرا ابھی اپنے اس خفیہ ''ٹھکانے'' سے نکلنے کا بالکل ارادہ نہ تھا۔۔۔

مجھے آسیہ کی طرف سے تشویش لاحق تھی۔ میں نے پولیس کو دیکھتے ہی اس لیے اسے خود سے فوراً دور کر دیا تھا۔ اب وہ کہاں تھی؟ میں نہیں جانتا تھا، کوئی بعید نہ تھا وہ پولیس کی زد میں آگئی ہو، اور وہی متوقع گھاگ پولیس انسپکٹر اسے اب تک اپنے زیرِ تفتیش لا چکا ہو یا لا رہا ہو۔

آسیہ اپنا دفاع خاطر خواہ طریقے سے کر سکتی تھی۔۔۔ میرا معاملہ اور ہوتا۔

میرے اندازے کے مطابق جب مجھے مزید نصف گھنٹا اس طرح ڈربے نما ٹھکانے میں گزر گیا تو میری حالت ابتر ہونے لگی۔ میں پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ گرمی اور گھٹن سے تو اب میرا دل بھی بیٹھنے لگا تھا۔ میں نے سوچا کم از کم اس ڈرم سے تو باہر نکل آؤں۔۔۔ اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک گھنٹے تک خود کو تروڑ مروڑ کر ڈرم میں سمائے رکھنے کے باعث جب میں باہر نکل کر سیدھا ہوا تو میرا جوڑ جوڑ دکھنے لگا۔ بڑی مشکل سے خود کو وارم اپ کیا۔۔۔ میری کمر میں ابھی تک درد محسوس ہو رہا تھا۔۔۔

بہرحال۔۔۔ اب میں کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں کچھ سوچ کر اسٹور کے دروازے کی طرف دبے پاؤں بڑھا جو کچن کی طرف کھلتا تھا، اور اس وقت بند تھا۔ میں ذرا جھک کر بغور اس کی کوئی چور جھری تلاش کرنے لگا۔ مگر ایک تو دروازہ کسی عام ہوٹل کا نہ تھا جو محض تختوں کا ہوتا، اس دروازے پر پلائی اور فارمیکا چڑھا ہوا تھا اور ائیر ٹائٹ تھا۔ تاہم کان لگا کر میں نے دوسری جانب سے کچھ سن گن لینے کی کوشش چاہی مگر کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ایک خیال اچانک میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ دروازہ ذرا کھول کر باہر جھانکا جائے، میں نے ایسا ہی کیا، شکر تھا دروازہ لاک نہ تھا، کنڈی کو ذرا گھما کر میں نے دروازے میں سب سے پہلے باریک متوازی جھری بنائی۔

کچن خالی نظر آیا جو خاصا وسیع تھا۔ یہاں سے مقدور بھر۔۔۔ ریسٹورنٹ کے ہال کا بھی منظر دکھائی دیتا تھا۔ وہاں چند لوگ ہی کھڑے اور بیٹھے نظر آئے مگر پولیس دکھائی نہ دی۔

دفعتاً ایک خیال بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے ذہن میں آیا۔

میرا ارادہ آسیہ سے رابطہ کرنے کا تھا مگر پھر یہ سوچ کر کہ نجانے وہ کن حالات کا شکار ہو۔۔۔ سرِدست مجھے اس

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ریسٹورنٹ سے نکل جانا چاہیے۔ میں نے اپنی گزشتہ کارروائی کو ریورس کیا اور۔۔۔ دوبارہ۔۔۔ روشن دان نما کھڑکی سے۔۔۔ کود کر دوسری طرف واش روم میں آ گیا۔ یہاں بھی کوئی نہ تھا۔۔۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں۔۔۔ ریسٹورنٹ میں گنتی کے محض چند ہی لوگ بیٹھے تھے۔ عملے کے لوگ ایک طرف کونے میں مختلف ٹولیاں بنائے کھڑے آپس میں کھسر پھسر کرتے نظر آئے۔ خارجی دروازے کی طرف بڑھنے سے پہلے میں نے شیشے کی دیواروں کے پار دیکھا تھا۔ پولیس جا چکی تھی، اور میرا یہ خدشہ بھی غلط ثابت ہوا تھا کہ جاتے وقت پولیس کے چند اہلکار اریب قریب ہی سرگشت کر رہے ہوں گے۔ شکر تھا کہ ایسا کچھ نہیں تھا۔۔۔ اب مجھے ریسٹورنٹ سے باہر نکلنا تھا۔ یہاں اس بات کا خطرہ تھا کہ مجھے یوں نکلتا دیکھ کر عملے کا کوئی شخص۔۔۔ دیکھ کر چونک سکتا تھا۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش کریں گے۔

لہٰذا میں پُر اعتماد چال کے ساتھ بظاہر اطمینان سے چلتا ہوا خارجی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر اندر سے میرا دل بری طرح دھڑکا ہوا تھا۔ خارجی دروازے کی طرف بڑھنے کے دوران مجھے کسی کے اونچا بولنے کی آواز آئی تھی، اور میرا دل یکبارگی دھڑکا تھا، مگر میں چلتا رہا اور بالآخر شیشے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

پھر میں نے ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی۔۔۔ اور ایک ٹیکسی میں سوار ہونے کے بعد کرایہ طے کیے بغیر ڈرائیور کو۔۔۔ لاری اڈے چلنے کا کہا۔

ایسے گاہک جن سے کرائے کی گنتی پر سر نہ کھپانا پڑے، ان سے ٹیکسی ڈرائیور مرعوب ہوتے ہیں، لہٰذا اس نے فوراً ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

لاری اڈے پہنچ کر میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو منہ مانگا کرایہ دے کر فارغ کر دیا۔ میں نے دانستہ لگژری مسافر کوچ کے بجائے۔۔۔ عام سی لاری کو ترجیح دی تھی اور ملتان جانے والی لاری میں سوار ہو گیا۔

آدھے گھنٹے بعد یہ لاری مسافروں سے کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ اس کے مزید نصف گھنٹے بعد بس نے رینگنے کے انداز میں بڑھنا شروع کر دیا۔

لاہور سے ملتان کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ میں نے لاہور سے ملتان واپسی کا سفر دانستہ ملتان روڈ سے نہیں کیا تھا۔ اس راہ پہ کلاں والی پڑتا تھا۔ اور پھر اس روٹ پہ ائرکنڈیشن لگژری مسافر کوچز نہیں سفر کرتی تھیں۔ جن کی خاص طور پر چیکنگ ہوتی تھی، جبکہ میں نے نسبتاً محفوظ راستہ اپنایا تھا، بے شک یہ راستہ طویل تھا مگر میں سمجھتا تھا کہ طوالت کے باوجود یہ میرے لیے محفوظ راستہ تھا۔ میں نے اپنا فون آن کر لیا تھا۔ آسیہ سے تو میں فی الحال رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا بجز اس کے کہ وہ خود مجھ سے ٹیلی فونک رابطہ کرتی، بالآخر ارشد کو فون کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ مجھے اپنے دوست اول خیر۔۔۔ کی خیر لینی تھی۔

بس میں پنجابی سرائیکی ریکارڈ چل رہا تھا۔ سستے کرائے والی اس بس میں عام اور غربا ہی سفر کر رہے تھے اور سب اپنے آپ میں مگن تھے۔ میں کھڑکی والی سیٹ پر تھا۔ میرے دائیں بازو میں ایک نوعمر لڑکا کانوں سے ائر فون لگائے اپنے موبائل سے پسندیدہ گانے سننے میں محو تھا۔ میں نے ارشد کا نمبر پنچ کر دیا۔۔۔ اور قدرے کھڑکی کی طرف خود کو جھکا کر سیل فون اس طرح اپنے کان سے لگا لیا کہ میرا دوسرا ہاتھ منہ کو ڈھانپے ہوئے تھا۔

دوسری طرف رنگ ٹون جا رہی تھی۔ تیسری رِنگ پر ارشد کی آواز ابھری۔

''ہاں، ارشد! میں بول رہا ہوں شہزادا!'' میں نے حتی الامکان اپنی آواز دھیمی رکھی تھی، یوں بھی بس میں ریکارڈ بج رہا تھا۔۔۔ جس مسافر کو موبائل پہ کسی سے ضروری بات کرنا ہوتی، وہ اس طرح ہی کر رہا تھا۔ اس لیے مجھ پہ کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

''تت۔۔۔ تم۔۔۔ ٹھ۔۔۔ ٹھیک تو ہونا۔۔۔؟ کدھر ہو؟ خیریت سے ہو؟''

میرا جب بھی اپنے کسی بھی خواہ سے رابطہ ہوتا ہے سب سے پہلے وہ یہی سوالات کرتا۔ اسے میں اپنی خوش قسمتی ہی تصور کرتا تھا کہ ان نامساعد حالات میں بھی ابھی میری تقدیر اتنی ستم کار نہیں ہوئی تھی کہ میں خود کو اکیلا سمجھتا۔

''میں بالکل ٹھیک۔۔۔ اور جلد از جلد ملتان پہنچنے والا ہوں۔ مجھے اول خیر کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں؟''
دوسری طرف سے دوبارہ ارشد کی آواز ابھری۔

''وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اب ہوش بھی آ گیا ہے اسے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔''

''تمہیں اسے میری طرف سے تسلی دے دینی چاہیے تھی تاکہ اس کے ذہن اور طبیعت پہ اس کا مثبت اثر

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

پڑتا۔"

"ہاں... ہاں وہ تو ظاہر ہے مگر وہ تمہارے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔"

"وہ ابھی تک ہاسپٹل میں ہے یا..."

"اسے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ وہ اب بیگم والا میں ہے۔" ارشد بھٹو نے بتایا اور بے اختیار میں نے طمانیت بھری سانس لی۔

"تمہارے پاس آخر کتنے نمبر ہیں؟ ہر بار نئے نمبر سے رابطہ کرتے ہو... اور پھر پچھلا نمبر ملتا ہی نہیں ہے تمہارا۔" وہ بولا۔

"اب اس نمبر سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اول خیر کو میرا سلام کہنا... اور فی الحال بہ وقتِ ضرورت میں خود ہی تم سے رابطہ کرتا رہوں گا۔ فون پر زیادہ دیر گفتگو مناسب نہیں، خدا حافظ۔"

میں نے رابطہ منقطع کیا ہی تھا کہ سیل کی بیل گنگنائی۔ میرا دل یکبارگی یونہی دھڑکا۔ اسکرین پر نمبر اجنبی تھا۔ میں نے کان سے لگا کر ہیلو کہا تو دوسری جانب سے ابھرنے والی آواز بھی اجنبی ہی تھی مگر یہ ایک نسوانی آواز تھی۔ جس نے مجھے بری طرح چونکنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

"ہیلو آپ شہزاد احمد خان؟" اجنبی عورت نے دوسری طرف سے استفسار کیا۔

"جی ہاں! مگر آپ کون؟" میری پیشانی پر شکنوں کا جال سا بن گیا۔

"ایڈووکیٹ خانم شاہ بول رہی ہوں۔ ملتان سے۔ آسیہ نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔"

خانم شاہ کا نام سنتے ہی بے اختیار میں پُرسکون سا ہو گیا۔ اور فوراً انہیں احتراماً سلام کر کے بولا۔

"جی... جی... آسیہ صاحبہ نے آپ کا مجھ سے غائبانہ تعارف کروایا تھا۔ اور" میں اس سے آگے نہ کہہ سکا... وہ بول پڑی تھی۔

"میری بات غور سے سنو مگر پہلے یہ بتاؤ، تم کہاں ہو اس وقت؟ پولیس کے نرغے میں تو نہیں ہو؟"

"میں اس وقت ایک مسافر بس میں ہوں اور لاہور سے ملتان کے لیے روانہ ہو چکا ہوں..."

"تھینکس گاڈ۔" بے اختیار اس کے دعائیہ الفاظ ابھرے... میں چونک پڑا۔ وہ بولی۔

"آسیہ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھ سے فون پر رابطہ کیا تھا اور تازہ صورتِ حال کے بارے میں بتایا تھا۔ سرِدست وہ تم سے رابطہ نہیں کر سکتی... ایک مجبوری ہے اسے، مگر مجھ سے بات کر کے اس نے مجھے کہا تھا کہ تمہاری خیریت معلوم کر کے اسے بتا دوں..."

"کہیں وہ پولیس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی ہے؟" میرے لہجے میں تشویش تھی۔

"ایسا ہی سمجھ لو... ریحان نے خود ہی معاملہ خراب کر دیا تھا اور بلاوجہ خود بھی پولیس کے چکر میں آگیا اور آسیہ کو بھی پھنسا دیا۔ یہ تو شکر ہوا کہ تم پولیس کے چھاپے کے دوران ریسٹورنٹ میں پکڑے نہیں گئے۔ ورنہ آسیہ بچ گئی تھی، خیر... میں نے آسیہ کی گلو خلاصی کروا لی ہے۔ تم ملتان پہنچتے ہی سیدھے میرے پاس چلے آنا۔ آسیہ بھی دو ایک روز میں آ جائے گی۔ باقی کا پروگرام تو تمہیں معلوم ہی ہے۔"

وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔ میں بڑے دھیان سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ چند ثانیے توقف کے بعد بولی۔

"تمہارا ملتان پہنچ کر مجھ سے ملنا ضروری ہے۔ شہزاد! بے حد ضروری... تم سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی... جی ہاں بالکل خانم صاحبہ!" میں نے فوراً کہا۔ وہ بولی۔

"میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ بہ قول آسیہ کے، ملتان میں تمہارے اور بھی بہی خواہ اور ہمدرد ہوں گے مگر ابھی تمہارا فوری طور پر اور سب سے پہلے مجھ سے ملنا ضروری ہے۔ میں فون بند کر رہی ہوں اور آسیہ کو تمہاری خیریت کے بارے میں بتاتی ہوں۔ بے چاری بہت فکر مند ہو رہی تھی، او کے؟... خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" میں نے بھی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد میں نے سرمد بابا سے بات کی، مقصد ان کی اور عابدہ کی اپنے بارے میں تسلی کروانا تھی۔ اور یہ نیا نمبر بھی دینا تھا۔ ساتھ ہی میں نے انہیں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں بھی بتا دیا۔

"مگر بیٹا! پھر بھی مجھ سے رابطے میں رہنا اور ملتان پہنچتے ہی مجھے فون کرنا۔ یا میں بھی تم سے رابطہ کرتا رہوں گا۔" انہوں نے کہا۔ میں نے جی اچھا کہہ کر سیل آف کر دیا۔ انہوں نے مجھے شگفتہ کی بھی خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔

اس عام سی مسافر بس کی سیٹیں زیادہ ایزی یا آرام دہ نہیں تھیں... تاہم میں اس کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اور سر ٹکا کر ذرا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

دیر کو آنکھیں موند کر سو جاتا۔ ایک تو اس میں جھٹکے اور ہچکولے بہت تھے۔ پھر یہ ہائی وے سڑک نہ تھی، پنجاب کے چھوٹے بڑے قصبوں اور دیہاتوں کی طرف سے گزرنے والی، عام سی سڑک تھی، بہرطور... میرا تحفظ انہی چھوٹی چھوٹی مشکلات کو سہنے میں تھا اس لیے میں مطمئن تھا۔

رات کے کسی پہر بس ایک روڈ سائڈ ہوٹل میں رکی۔ سارے مسافر اترنے لگے۔ میں بھی اتر گیا۔ مجھے بھوک لگی تھی۔ ہوٹل کے وسیع وعریض کچے احاطے میں کھری چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس پر مسافر لوگ بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اور چائے پی رہے تھے، اور بھی آنے جانے والی مسافر بسیں وہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ میں ہوٹل کے اندر جا کر ایک کونے والی میز پر بیٹھ گیا اور.... چکن کڑاہی اور تندوری نان کا آرڈر دیا۔ ذرا دیر بعد ہی ویٹر نے گرما گرم کھانا میرے سامنے لگا دیا۔

آدھا گھنٹے کا اسٹاپ تھا۔ میں کھانے وغیرہ کھا کے سیر ہو گیا اور پھر سارے مسافر بھی رفتہ رفتہ کھانے پینے سے فارغ ہو کے بس میں سوار ہونے لگے۔ میں بھی اپنی بس میں سوار ہو کے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

اچانک میری نگاہ ایک پولیس موبائل پر پڑی اور میں پریشان سا ہو گیا مگر مجھے اس میں کسی افراتفری کا عنصر محسوس نہیں ہوا۔ وہ شاید معمول کے گشت پہ تھے اور چائے وغیرہ پینے آئے تھے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ کھڑکی کی طرف میری سیٹ تھی۔ اس کے بہت قریب ہی موبائل آ کے رکی تھی، پولیس مجھے پہچان سکتی تھی مگر عام آدمی اتنی جلدی نہیں پہچانتے.... بہرطور.... میں نے اپنا چہرہ چھپائے رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔

خدا خدا کر کے لوگ بس میں سوار ہونے لگے۔ پھر ڈرائیور نے بھی کھا پی کر اپنی سیٹ سنبھال لی۔ بس کا انجن اسٹارٹ کیا اور تھوڑی دیر بعد بس روانہ ہو چکی تھی۔

پیٹ بھر کے کھانا کھانے کے بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی مگر میں بس کی تنی ہوئی سیٹ پر سو نہیں پا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مسافروں کو بٹھانے کے لالچ میں ان بسوں کی سیٹوں کو جان بوجھ کر تنگ کر کے تعداد زیادہ کر رکھی تھی۔

میرا سر نیند کے متواتر حملوں کے باعث کبھی دائیں جھولتا کبھی بائیں کرتا۔ آخر میں نے اپنا سر اپنی سہولت اور محدود گنجائش کے مطابق ایک طرف ٹکا دیا اور سو گیا۔

نجانے میں کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھے بیٹھے سویا رہا تھا

شہر میں موسیقی

شہر میں موسیقی کی ایک بہت بڑی محفل کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ایک صاحب پروگرام منیجر کے پاس آئے اور پروگرام میں شرکت کی اجازت چاہی۔

منیجر۔ ”آپ گانا گاتے ہیں؟“

وہ صاحب۔ ”نہیں۔“

منیجر ”سارنگی بجاتے ہیں؟“

وہ صاحب۔ ”نہیں۔“

منیجر۔ ”تو پھر طبلہ بجاتے ہوں گے؟“

وہ صاحب۔ ”نہیں۔“

منیجر (جھنجلا کر) ”تو پھر آپ کیا بجائیں گے؟“

وہ صاحب۔ ”تالیاں۔“

میمونہ عزیز..... کراچی

خاموشی

پوری محفل بات چیت اور بحث و مباحثے کی رزم گاہ بنی ہوئی تھی لیکن ان میں چند ایسے بھی تھے جنہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ بولنے والوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ ”صاحبان اس محفل میں چند گونگے بھی آ گئے ہیں، ان کی خاموشی نے اس باغ و بہار محفل میں قدرے بدمزگی اور بوریت سی پیدا کر دی ہے۔“

ایک کم گو نے محفل میں پہلی بار زبان کھولی، بولا۔ ”حضرات! ان صاحب کا فرمانا بجا، جواب میں، میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ خاموشی سے خرابیاں نہیں پیدا ہوتیں اور اگر کہیں پیدا ہو بھی جائیں تو ان کا تدارک آسان ہوتا ہے مگر گفتگو اور زیادہ بولنے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک مشکل ہوتا ہے۔“ پھر حاضرین محفل سے سوال کیا۔ ”کیا آپ نے پانی سے بھری ہوئی مشک دیکھی ہے۔“

حاضرین میں سے چند آوازیں بلند ہوئیں۔ ”ہاں دیکھی ہے۔“

اس شخص نے کہا۔ ”جب پھر آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مشک کا منہ باندھ کر ہی اس کا پانی روکا جاتا ہے۔“

کاشف سعید..... لاہور

SCANNED BY DIGESTPK

کہ اچانک ایک جھٹکے سے میری آنکھ کھل گئی... کچھ شور سنائی دیا تھا۔

مجھے اپنی آنکھوں میں جلن سی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا سورج کی روشنی کے باعث تھا۔ بس ایک بار پھر کسی روڈ سائڈ کیپے کے ہوٹل میں رکی تھی، میں نے بھی اتر کر چائے بسکٹ کا ناشتا کیا۔ پتا چلا کہ ملتان آنے ہی والا تھا۔ میری منزل قریب تھی۔ یہ میری وہ منزل تھی جو ہر اطراف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی... مجھے انتہائی محتاط ہو کے اس منزل پہ قدم رکھنا تھا۔ شکر تھا کہ اب تک راستے میں کوئی خصوصی قسم کی چیکنگ نہیں ہوئی تھی۔

بس کے اندر چند عورتیں اور مرد مسافر موجود تھے۔ میری سیٹ کی طرف کا حصہ خالی تھا۔ وہ نوعمر لڑکا بھی نیچے اترا ہوا تھا۔

میں نے سیل فون میں سب سے پہلے وقت دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔

میں اپنی سیٹ پہ آکر بیٹھ گیا اور خانم شاہ کا نمبر ری ڈائل کرنے ہی والا تھا کہ ایک SMS موصول ہوا۔ میں نے بے دلی سے ان باکس اوپن کیا تو ایک اجنبی نمبر کا ایس ایم ایس ملا۔ جب پڑھا تو بری طرح ٹھٹکا۔ وہ آسیہ کا تھا۔ صرف اس قدر لکھا تھا۔ ''پلیز کال می...''

اب جانے یہ کب اس نے مجھے بھیجا تھا۔ یونا میں واقعتاً سیل آف کرنے سویا تھا۔ ممکن ہے اس نے مجھے کال بھی کرنے کی کوشش کی ہو۔ میں نے سردست خانم شاہ سے رابطے کا ارادہ موخر کیا اور آسیہ کو کال اسی طرف کا ایس ایم ایس کر دیا۔

ذرا ہی دیر گزری تھی، مجھے اس نمبر پہ اس کی کال آگئی، جو میں آسیہ کے نام سے محفوظ کر چکا تھا۔

''ہیلو۔''

''ویو شہزادو صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟ کہاں ہیں؟'' دوسری جانب سے آسیہ کی آواز آئی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور آپ کی مہربانی سے بہت جلد ملتان پہنچنے والا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''آپ اپنے بارے میں بتائیں۔''

''شکر ہے خدا کا... اب تک سب ٹھیک جا رہا ہے۔'' اس کی قدرے طمانیت بھری آواز آئی۔ ''میں بھی آج صبح سویرے ہی جاگ گئی تھی اور ملتان آنے کی تیاری کر رہی تھی۔''

میں نے ریسٹورنٹ میں پولیس کے چھاپے کے بعد کے حالات اس سے معلوم کرنے کا ارادہ کیا پھر کچھ سوچ کر بدل دیا۔ تاہم ایک پُراندیش خیال کے تحت بولا۔ ''اگر آپ ملتان آرہی ہیں تو پلیز اس سلسلے میں ریحان کو کچھ مت بتایئے گا۔ نہ ہی یہ کہ میں ملتان میں آپ کی باجی کے پاس جاؤں گا۔''

''یہ تو اسے معلوم ہی ہے۔'' وہ فوراً بولی۔

''دیکھیں آسیہ صاحبہ میں اب ریحان پر بھروسا نہیں کر سکتا... پتا نہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہے یا غلط مگر میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے متعلق کسی آئندہ کے پروگرام کا اسے قطعی پتا چلے۔''

''میں آپ کی بات کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔'' وہ محتاط ہو کر بولی۔ ''لیکن شہزادو صاحب درحقیقت ریحان کو بھی اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا۔'' میں اس کی بات پہ چونکا۔ وہ بتا رہی تھی۔ ''وہ آپ کو پولیس کے حوالے کر کے، یہ سارا قصہ ہی ختم کرنا چاہتا تھا۔ مگر آپ کے خاموشی سے نکل آنے پہ انسپکٹر محمود صاحب ریحان کے گلے پڑ گیا... تاہم اس نے عقل مندی سے کام لے کر پولیس کو مطمئن کرنا تو چاہا تھا مگر پولیس ہوشیار ہو چکی تھی۔ اور کچھ سادہ وردی والے مخبروں کو ریحان کے پیچھے لگا دیا۔ اس دوران میں جب ریحان مجھ سے ملا تو میں بھی پولیس کی نظروں میں آگئی۔ ریحان مجھے آپ سے خطرناک جھمیلے میں پڑنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ابھی اسے کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اس دوران میں آپ کا فون آگیا۔ جب میں آپ سے ملنے ریسٹورنٹ پہنچی تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ پولیس میری بھی خفیہ نگرانی کر رہی تھی۔ بعد میں آپ نے دانش مندی اور بیدار مغزی سے فوراً حالات کا ادراک کرتے ہوئے، مجھے خود سے دور کر دیا۔ اور میں بھی... فوراً ریسٹورنٹ کے دوسرے فلور پہ جا کر ایک خالی میز پہ جا بیٹھی۔ بعد میں پولیس آئی اور انسپکٹر محمود مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھا مگر میں نے بہانہ بنا لیا تھا کہ میں اپنی کسی دوست کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ چونکہ میں خود بھی رپورٹر ہوں اس لیے وہ مجھے زیادہ تنگ نہیں کر سکتا تھا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ جبکہ ادھر میں آپ کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی کہ آپ پولیس کے ہتھے نہ چڑھو۔''

آسیہ سے بات کرنے کے بعد میں خاصا مطمئن تھا۔ پھر میں نے خانم شاہ سے بھی رابطہ کر کے اسے اپنے جلد پہنچنے کی اطلاع دے دی۔

تھوڑی دیر بعد بس روانہ ہو گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

ملتان میں بھی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ میں دانستہ لاری اڈے سے ایک اسٹاپ پہلے اتر گیا۔ وہاں سے ایک رکشا لیا اور سیدھا آسیہ کے بتائے ہوئے پتے پر ایڈووکیٹ خانم شاہ کی رہائش گاہ پر پہنچا۔

بنگلے نما اس رہائش گاہ کی طرز تعمیر جدید خطوط پر کی گئی تھی۔ اس کی بناوٹ سے اندازہ ہوتا تھا کہ بنانے والے نے بڑے ذوق و شوق سے یہ گھر بنایا ہوگا۔ گیٹ پر ایک چوکیدار موجود تھا... بیرونی دیوار کے دائیں بائیں خوب گل بوٹوں والی پھلواری نظر آرہی تھی۔ جس کے دامن میں بنا ہوا لوہے کا یہ سیاہ گیٹ خوب صورت نظر آرہا تھا۔

چوکیدار کو شاید میری متوقع آمد کے بارے میں پہلے سے آگاہ کردیا گیا۔ ایک مختصر سے مگر دیدہ زیب باغیچے سے گزر کے ہم اندر آگئے۔ وہ مجھے ایک ڈرائنگ روم کی طرز کے کمرے میں بٹھا کر چلا گیا۔ میں ایک صوفے پہ براجمان ہوگیا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دائیں جانب چھ شیلف تھے جہاں سرخ اور سیاہ جلد والی کتابیں کرینے سے بھی تھیں۔ وہ ایک کتابوں کے عنوان مجھے قانون سے متعلق ہی محسوس ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر گزری ایک نوعمر ملازمہ لڑکی... میرے لیے ٹرے میں ٹھنڈے پانی کا جگ گلاس رکھ کر چلی گئی۔

میں نے کانچ کے گلاس میں پانی انڈیل کر پیا۔ ابھی دوسرا گلاس پانی کا ختم کیا ہی تھا کہ ایک اندرونی گوشے میں کھلنے والے دروازے سے ایک چھوٹے قد کی پختہ العمر عورت اندر داخل ہوئی۔ اس نے ہلکے اودے رنگ کا کڑھائی والا شلوار سوٹ زیب تن کررکھا تھا۔ اس کی رنگت صاف تھی، اس کے چہرے سے آسیہ کی مماثلت کی جھلک محسوس ہوتی تھی۔

میں احتراماً اٹھ کھڑا ہوا اور اسے سلام کیا۔ اپنا رومال میں پہلے ہی سر سے اتار کر صوفے پر رکھ چکا تھا۔ وہ بغور مجھے تکتے ہوئے میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

وہ باوقار مجھے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہی نظر آرہی تھی... پہلے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے اسے آسیہ کے متعلق بھی بتایا اور ریحان کی دغابازی کے بارے میں بھی آگاہ کیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس سے کوئی بات چھپاؤں۔

وہیں ہم نے ہلکا پھلکا ناشتا بھی کیا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے شروع سے اب تک کے سارے حالات تفصیل

طاہر جاوید مغل
کے رومان انگیز، سحر آفریں قلم کا نیا شاہکار
ستاروں پر کمند
چاہتوں کو در و بام میں قید کرنے والے بھول جاتے ہیں
کہ انہونیاں بھی کبھی کبھی ہو جاتی ہیں...... روزنوں کو
کریدنے والے اپنے حوصلے سے انہیں دہانہ بنا دیتے ہیں
حسن و عشق اور رقابت و رفاقت کی چاشنی لیے ایک دل ربا داستان
ماہنامہ سسپنس ڈائجسٹ
کے صفحات پر بہ شمارہ جولائی 2014 سے ملاحظہ فرمائیں

SCANNED BY DIGESTPK

کے ساتھ پوچھے۔ میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا البتہ بیگم صاحبہ والا ذکر میں نے مختصر اور عام انداز میں صرف اپنے دوست اول خیر کے حوالے سے کیا تھا۔

میرے حالات جاننے کے بعد وہ مجھ سے خاصی متاثر نظر آنے لگی۔ وہ چند ثانیے... گہری سوچ میں ڈوبی رہی اس کے بعد بولی۔

''شہزاد تم واقعی ایک حوصلہ مند اور بہادر انسان ہو۔ تمہارا نیک عمل انسانیت کے عین مطابق ہے۔ تم نے نامساعد حالات کا اب تک جس جواں مردی اور ہمت سے کیا ہے بلاشبہ تم داد کے مستحق ہو۔ تمہارے جیسے ہی انسانوں کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت ایسے انسانوں سے ہی سماج سدھارنے کا کام لیتی ہے۔ اللہ نے تم کو بہت بڑی توفیق بطور نعمت عطا کی ہے۔ جبکہ تمہارا اپنا ماضی کرب کی ایک دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ ایسے میں دوسروں کے لیے جینا تمہارا۔ ایک قابل لحاظ عمل ہے۔''

خانم شاہ کے ان الفاظ میں میرے لیے جتنی توصیف تھی، وہ اس کے بھی اچھے انسان ہونے کی دلیل تھی۔ میں نے اس پر اس کا بھی شکریہ ادا کیا۔ اور سادہ سے لہجے میں کہا۔ ''میڈم! آپ کا خلوص اور آپ کا بڑا پن ہے کہ آپ نے مجھے ایسا سمجھا لیکن حقیقت یہی ہے کہ میں تو خود ایک عام سا انسان ہوں اور ہر حال میں اللہ کا شکر گزار رہتا ہوں۔ اب پتا نہیں یہ میری فطرت کا حصہ ہے یا میرے اپنے ماضی کے درد کا شاخسانہ کہ میں کسی پر ظلم و زیادتی ہوتے برداشت نہیں کرسکتا۔ ظالم جب طاقت ور اور با اثر بھی ہو اور اس کے سامنے مظلوم ہوں کمزور تو پھر میں اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ایسے ظالم کے خلاف ڈٹ جاتا ہوں... پیچھے ہٹنا مجھے گوارا نہیں ہوتا۔''

خانم شاہ بڑے دھیان سے میری بات سنتی رہی۔ اس کے بعد ہولے سے کھنکھار کر بولی۔ ''تمہارے جیسے بہادر اور باعزم نوجوانوں سے ہی ایک دن ملک و قوم کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ورنہ تو ظلم و ناانصافی اور لوٹ کھسوٹ نے ہمارے ملک کو ہی نہیں، قوم کو بھی پستی میں گرا دیا ہے۔''

''اس کی وجہ ہمارے ملک کے ابن الوقت اور طالع آزما سیاست داں ہیں۔ جو اپنے ذاتی مفادات اور طاقت و اقتدار کے نشے میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ پھر انہیں عام عوام کے بنیادی مسائل حل کرنا تو درکنار ان کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔'' میں نے آسیہ تک کی اپنی اخباری معلومات کے مطابق کہا۔

''آسیہ پہنچنے والی ہوگی میں جب تک کچھ سوالات پوچھنا چاہوں گی۔'' اس نے اس گمبھیر موضوع کی طرف آتے ہوئے پہلو بدل کر کہا۔ میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''تمہارے حق میں ہونے والے آخری مقدمے کے بعد بہ قول تمہارے ایک تفتیشی افسر مقرر کیا گیا تھا۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟''

وہ مستفسر ہوئی۔ میں نے کچھ سوچ کر بتایا۔

''انسپکٹر ریاض باجوہ۔''

''او... میں شاید انہیں جانتی ہوں۔ وہ خفیہ پولیس کے ایک فرض شناس اور دیانت دار آفیسر ہیں۔''

خانم شاہ بولی۔ ''ہمیں انہیں اعتماد میں لینا ہوگا... مگر ابھی میں ان سے بات نہیں کروں گی... جب تک اس ویڈیو کلپ کی... میڈیا پر تردید نہیں آجاتی۔ تم ایک کام کرو آسیہ کے آنے تک ان تمام لڑکیوں کو بلاؤ جو ممتاز خان اور مقتول... شفقت راجا کی بربریت کا نشانہ بنتی رہی تھیں۔''

''یہ کام میں ابھی کیے دیتا ہوں...'' میں نے یکدم جوش سے کہا۔ پھر ایک خیال ذہن میں آتے ہی پوچھا۔ ''کیا آسیہ نے بتایا ہے کہ کون سا نجی چینل ایسے پروگرام کی آن لائیو ذمے داری اٹھائے گا۔ ظاہر ہے یہ کام مکمل راز داری سے ہوگا۔''

''ہاں! آسیہ اس سلسلے میں پہلے ہی ایک نجی ٹی وی سے رابطہ کر چکی ہے۔'' اس نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

''ایسے میں یہ ایک ایسا پروگرام ہوگا... جسے ہاتھوں ہاتھ لینے کے لیے ہر کوئی تیار ہوگا مگر یہ سب کچھ جلدی ہونے کا متقاضی ہے۔ تمہاری متوقع گرفتاری سے پہلے۔ ورنہ اس پروگرام سے قبل تمہاری چھاپا مار گرفتاری... اس پروگرام کی حقیقت کو متاثر کردے گی، مگر اس پروگرام کے بعد تمہاری از خود گرفتاری تمہارے حق میں بہتر ہوگی۔''

''جی... یقیناً، آسیہ نے بھی یہی کہا تھا۔'' میں نے تائید میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

اس دوران انہوں نے ایک فائل تیار کی، کچھ کاغذات وہ پہلے ہی ٹائپ کروا چکی تھی۔ اس پر میرے دستخط لیے۔ یہ وکالت نامہ تھا۔ سہ پہر تک آسیہ بھی آگئی۔ اس نے بڑے جوش و خروش سے بتایا کہ ایک نجی ٹی وی کا مالک اس پروگرام کو جلد از جلد آن ایئر کرنے کے لیے بے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

چین ہے۔ چنانچہ... آج رات ہی اس حقیقی منظر رکھنے والے ڈرامے کو لائیو ریکارڈ کرنے کا بندوبست شروع کر دیا گیا ہے۔

میں نے سردار بابا کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور عابدہ اور شکیلہ سے بھی بات کی۔ نیز ارشد سے بھی رابطہ کر کے اسے ساری بات بتائی۔ اس سے کہا کہ جن لڑکیوں کو اس نے میری ہدایت کے مطابق ملتان کے دارالامان پہنچایا تھا، انھیں لے کر خانم شاہ کی رہائش گاہ تک پہنچے۔ وہ تیار ہو گیا اور وعدہ کیا کہ فوراً اس پر عمل کرے گا۔ آخر میں اس نے کہا کہ اول خیر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔

ارشد اس وقت اول خیر کے قریب ہی تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بستر پر دراز ہے اور مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین بھی۔

اول خیر سے بات کرنے کے لیے خود میرا دل بے چین ہو رہا تھا۔ اس کا مخصوص لب و لہجے سے باتیں کرنا مجھے بھلا کب بھولتا تھا۔

''او... شیر... کاکا'' دوسری جانب سے اس کی مخصوص تکیۂ کلام والی آواز ابھری۔ لہجے سے کمزوری ظاہر تھی۔ مگر انداز وہی جی دارانہ یارباش اور توانا تھا۔ یہ وہ آدمی تھا جو مجھے بہت عزیز تھا۔

''اول خیر... تم ٹھیک تو ہونا... یار!'' میرے لہجے میں جذباتی سی لڑکھڑاہٹ عود کر آئی تھی۔

''اوئے۔ کاکا میری خیریت چھوڑ۔ اپنی بتا... میں تو بہت پریشان ہوں تیرے لیے۔ ارشد نے مجھے یہ سب بتایا تو... میری نیندیں تک حرام ہو گئی ہیں۔ یار... تو کہاں ہے؟ ادھر آ جا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاکہ مجھے تسلی ہو جائے۔''

وہ بھی فرطِ جذبات سے کہتا چلا گیا۔ حالانکہ میں نے ارشد کو منع کیا تھا کہ ابھی اول خیر کو میرے سلسلے میں پورے حالات سے آگاہ نہ کریں۔ لیکن شاید وہ بھی اول خیر کی بے چینی اور ضد سے مجبور ہو گیا ہو گا۔

''یار! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم اپنی فکر کرو۔ تمھارے زخم کیسے ہیں اب؟ دیکھو مجھ سے چھپانا مت۔ ڈاکٹروں نے کیا کہا ہے؟'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''او... شیرا کاکا... ڈاکٹروں نے تو اسے معجزہ قرار دیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے، ضرور کسی ایسے آدمی نے اللہ سے تیری زندگی کی دعا مانگی ہو گی جو تجھے بہت چاہتا ہے۔ پتا ہے... پھر میں نے کیا کہا تھا ڈاکٹروں سے؟'' وہ بولا۔

''کیا کہا تھا؟'' میں مسکراتے ہوئے لہجے میں مستفسر ہوا۔

''میں نے ان سے کہا تھا ہاں ڈاکٹر صاحب آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دنیا میں ایک ہی ہے میرا یار! شہزاد احمد خان! اس نے ہی پورے جی جان سے مولا کریم سے میری زندگی کی دعا مانگی ہو گی اور ڈاکٹر مسکرانے لگے۔''

''اچھا... تم اب آرام کرو۔ میں بہت جلد تم سے ملنے کے لیے آؤں گا۔ مگر اس سے پہلے مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔'' میں نے آخر میں سنجیدگی سے کہا۔

''دیکھ کاکا... تو ایسا کر بیگم صاحبہ سے بھی رابطہ کر کے انھیں بھی موجودہ صورتِ حال اور پوزیشن سے آگاہ کر دے۔ یہ ضروری ہے۔ مان میری بات۔ ورنہ وہ سمجھیں گی کہ تو اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا... سمجھا کر نا، یار۔''

''اچھا... اچھا... ٹھیک ہے۔ میں ان سے بھی ابھی فون پر بات کر لیتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''اچھا رب راکھا۔''

اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے اول خیر کی بات پر غور کیا۔ اور بیگم صاحبہ سے بھی رابطہ کر کے انھیں موجودہ صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔ مگر مجھے ان کی ایک بات سخت ناپسند تھی۔ وہ میرے سلسلے میں کی گئی کوششوں سے کبھی مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ہمیشہ یہی سمجھتی تھیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوتا ہوں وہ غلط اور خطرے پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انھیں اپنے آپ پر بڑا زعم تھا۔ ان کی یہ خود پسندی اور خود اعتمادی مجھے پسند نہ تھی۔ لہٰذا اس بار بھی انھوں نے مجھے پھر الجھا دیا۔

''...ان ساری باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہو گا شہزی! اس طرح تم اپنے ساتھ بہت سے ایسے لوگوں کو بھی اپنے خطرناک دشمنوں کی نظروں میں لے آؤ گے جو ان کی دشمنی اور بربریت کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے۔''

''میں قانونی طریقے سے اپنے دشمنوں سے نمٹنا چاہتا ہوں بیگم صاحبہ!'' میں نے سنجیدگی سے مختصراً کہا۔

''قانونی طریقے سے... ہم م...'' ان کی طنزیہ آواز ابھری۔ ''تم کون سی دنیا میں رہتے ہو شہزی! یہاں قانون طاقت رکھنے والوں کے لیے ہے، کمزور لوگوں کے لیے نہیں۔ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ لکڑی سے کاٹنے کی کوشش کرو گے تو لکڑی ہی چر کر بکھر جائے گی۔''

''ہو سکتا ہے آپ کی بات درست ہو۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن میں نہیں سمجھتا کہ قانون اتنا کمزور ہے کہ وہ آنکھوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

دیکھی حقیقت کو جھٹلائے گا۔ آج کا دور الیکٹرانک میڈیا کا ہے۔ جو لوگوں کو سچ اور حقیقت دکھانے کے لیے اپنے اپنے ہاتھوں میں آئینہ لیے کھڑا ہے۔ جنہیں کوئی بھی توڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ بس میری کامیابی کی دعا کریں۔ ممکن ہو تو کوئی صائب مشورے سے بھی نواز دیں۔''

''خدا تمہاری مدد کرے شہزی!'' بیگم صاحبہ کی یکدم دل گیری آواز ابھری۔ آج پہلی بار انہوں نے مجھے کچھ اپنائیت سے شہزی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

''میں جانتی ہوں تم میری کوئی بات، کوئی مشورہ نہیں مانو گے مگر میں بھی تمہاری ہر ممکن مدد کرنے سے کبھی بھی پیچھے نہیں ہوں گی... لیکن شہزی! تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا...''

''کیسا وعدہ؟'' بے اختیار اور قدرے چونکتے ہوئے میرے منہ سے برآمد ہوا۔

''کہ... تمہیں جب میری مدد کی ضرورت پڑے... یا خدانخواستہ تمہیں کوئی راستہ نہ ملے تو تم... میرے پاس ضرور آؤ گے، ایک اچھے دوست کے ناتے سہی... کرتے ہو وعدہ...؟'' ان کی استفساریہ آواز ابھری، ان کی آواز اور لہجے سے محبت چھلک رہی تھی۔

''وعدہ کرتا ہوں میں، بیگم صاحبہ!'' میں نے بھی کہہ ڈالا۔ ''ایسا کوئی موقع آیا تو میں بھی آپ کو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے ضرور یاد کروں گا۔'' میں نے محسوس کیا میری بات پہ دوسری جانب سے بیگم صاحبہ نے ایک ہلکی آہ سے مشابہ سانس لی تھی۔ میں خاموش رہا۔ اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔

بلاشبہ بیگم صاحبہ کی شخصیت میرے لیے پُراسرار سہی لیکن اب میں اسے پُراسرار ہی رہنے دینا چاہتا تھا۔ میرے دل میں اب ایسی کوئی آرزو نہیں رہی تھی کہ... ان کی گمنام شخصیت کو کھولنے کی سعی کرتا۔

رات تک ساری کارروائی نمٹا دی گئی۔ عابدہ کے سوا شکیلہ سمیت تمام لڑکیاں خانم شاہ کی رہائش گاہ پر پہنچا دی گئی تھیں۔ ارشد وڑائچ میرے ساتھ تھا۔

ایک بڑے ہال کمرے میں آن ایئر لائیو پروگرام کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہونے والا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر کپڑا نقاب کی طرح ڈال لیا تھا... مذکورہ نجی ٹی وی چینل کی چند افراد پر مشتمل ٹیم بھی موجود تھی، کیمرا مین بھی تھا، اور پروگرام منیجر بھی... پروگرام شروع ہونے میں ابھی چند ہی منٹ تھے کہ اچانک میرے سیل فون کی بیل گنگنائی،

اس وقت میں کوئی کال اٹینڈ کرنے کے موڈ میں نہ تھا مگر جب اسکرین پر سرمد بابا کا نمبر دیکھا تو میں اسے رد نہیں کر سکا۔

''میں نے اپنا سیل کان سے لگا کر ہیلو کہا اور ساتھ ہی سرمد بابا کو سلام بھی کیا۔ مگر دوسری طرف سے فوراً ہی سرمد بابا کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

''شش... شہزی... بیٹا...!... تت تم کدھر ہو اس وقت؟ اور کیا کر رہے ہو؟''

مجھے ان کی آواز اور لہجے سے ہی تشویش نے آلیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں اس وقت کہاں اور کیا کرنے والا تھا۔ میں ابھی کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ ان کی دوبارہ بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ ''شہزی بیٹا... عابدہ کو اغوا کر لیا گیا ہے... تم کچھ نہ کرو پلیز...''

''کیا...؟'' عابدہ کے اغوا کا سنتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور دل و دماغ جیسے حواس چھوڑنے لگے۔ سینے میں ایسی ہلچل ان اٹھی تھی کہ میری آتی جاتی سانسیں تک رک گئیں۔ چند ثانیے تو مجھ سے بولا ہی نہ گیا۔ جب بہ مشکل بولا تو... اٹکی آواز حلق میں پھنسی سی لگی۔

''کک... کب... کک... کس نے اغوا کیا؟''

''کسی نے فون کرکے بتایا تھا۔ تمہارا نمبر بھی مانگ رہے تھے رابطے کے لیے'' وہ بتانے لگے۔ ''مجھ سے دھمکی آمیز لہجے میں کہہ رہے تھے کہ فوراً تم سے رابطہ کرکے تمہیں وہ کچھ کرنے سے روک دوں جو تم آسیہ کے ساتھ مل کر کرنے والے ہو... آسیہ کا نمبر بھی مانگ رہے تھے، مجھے اس کا نمبر تو معلوم نہ تھا... مگر تمہارا نمبر میں نے انہیں دے دیا ہے۔''

اس وقت میرے سیل فون میں، سرمد بابا سے باتیں کرنے کے دوران ہلکی ہلکی بیپ کی بھی آوازیں آنے لگیں جس کا مطلب تھا کہ میری ایک اور کال آرہی تھی۔ میں نے اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پہ زبان پھیر کر سرمد بابا سے کہا۔

''بابا! میرے سیل پہ کسی کی کال آرہی ہے، شاید انہیں کی ہو، وہ میں اٹینڈ کرتا ہوں بعد میں آپ سے بات کرتا ہوں۔''

یہ کہتے ہوئے میں نے جیسے ہی رابطہ منقطع کیا۔ فوراً میرا سیل دوبارہ گنگنا اٹھا۔ میں نے دھڑکتے دل سے کال ریسیو کی اور ہیلو کہا۔

''ممتاز خان بات کر رہا ہوں۔ تم شہزاد خان عرف شہزی ہو؟'' بڑے دھڑلے والے انداز میں دوسری طرف سے کہا گیا۔ آواز بھاری اور کھردری تھی۔ یہ پہلا موقع کہ

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ممتاز خان مجھ سے مخاطب تھا۔ میرا وجود جیسے سیاہ آندھیوں کی زد میں آنے لگا۔

”ہاں، بول رہا ہوں، کیا بات ہے؟“ میں نے رکی رکی سانسوں کے درمیان کہا۔ میرا رُواں رُواں تھر تھرا رہا تھا، خوف سے نہیں، جوشِ غیظ کے باعث۔

”تم نے مجھے بہت تنگ کیا ہے شہزی! جبکہ تمہاری حیثیت ہمارے نوکروں کے برابر بھی نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے ممتاز خان نے بڑی فرعونیت سے کہا۔ ”تم اس دو ٹکے کی صحافی لڑکی آسیہ کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جو گل کھلانے والے ہو، اس کا ہمیں پتا لگ چکا ہے۔ باز آجاؤ اس حرکت سے اور خود کو پولیس کے حوالے کردو... عابدہ میرے ان آدمیوں کے قبضے میں ہے جو صرف میرے اشارے کے بے چینی سے منتظر ہیں۔ اندازہ لگا سکتے ہو... وہ عابدہ کا کیا حشر کریں گے؟“

میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اپنے حواسوں پر بہ وقت تمام قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ممتاز خان، عابدہ کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہونا چاہیے۔ میری کیا حیثیت ہے، اس کا تمہیں بھی اب اندازہ ہو چکا ہوگا... یہ دشمنی مجھ پر مسلط کی گئی ہے۔ رہی میری پولیس کی حوالگی کی بات تو وہ اپنے بارے میں جو بہتر سمجھوں گا وہی کروں گا۔ البتہ تمہاری اس شرط پر غور کیا جاسکتا ہے کہ اگر تم عابدہ کو بغیر کوئی آنچ دیے چھوڑ دو تو میں تمہارے خلاف میڈیا بم روک دوں گا۔“

میں اب رفتہ رفتہ ممتاز خان کے دباؤ سے باہر آرہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے اردگرد موجود آسیہ اور خانم شاہ وغیرہ گم صم سے کھڑے تھے، میری باتوں سے اب تک شاید انہیں بھی موجودہ صورتِ حال کا اندازہ ہو چکا تھا۔

”بڑا گھمنڈ تھا تمہیں خود پہ... بے ضرر کیڑے...“ دوسری جانب سے ممتاز خان کی پُرغیظ اور پُرغرور آواز ابھری۔

”ممتاز خان! اگر میں بے ضرر کیڑا ہوتا تو تم کبھی بھی ایسی بزدلوں والی حرکت نہیں کرتے، تمہارا ایک دھمکی آمیز فون ہی میرے لیے کافی ہوتا۔“ میرے نپے تلے جواب نے اس کی رعونت کو پچھاڑ کر رکھ دیا تھا... کافی لمحوں کی خاموشی سے اندازہ ہوا تھا مجھے کہ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ وہ اندر ہی اندر جھنجلاہٹ انداز میں بلبلا کر رہ گیا تھا۔ پھر اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

”... تمہارے جیسے کی کمین تو ہماری دشمنی کے قابل بھی نہیں۔ لیکن چیونٹی کو جب ہاتھی کی سونڈ کا راستہ مل جائے تو اسے کچلنے کے لیے ہاتھی کو پاؤں بڑھانا پڑتا ہے۔ تمہارے ساتھ اس مہم جوئی میں شامل اس دو ٹکے کی صحافی لڑکی کو بھی ہم نے سبق سکھانے کے لیے یہی طریقہ آزمایا ہے۔ اس کا منگیتر ریحان بھی ہمارے قبضے میں ہے، اور تم جانتے ہو اپنے بیٹے کے قتل پر اس کا باپ زبیر خان کس قدر تڑپ رہا ہوگا۔ ریحان اس کے چنگل میں اپنی زندگی یا موت کا منتظر ہے۔“

ممتاز خان کی طرف سے میرے لیے یہ دوسرا شاک تھا۔ میں نے بے اختیار سیل فون اپنے کان سے لگائے ہوئے اپنے سامنے حیران پریشان کھڑی آسیہ کی طرف دیکھا تھا۔

”میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ ہم نے سب کا بندوبست کردیا ہے۔ مجھے جواب چاہیے اس وقت۔ خود کو پولیس کے حوالے کردو... ویڈیو کا وہ ویڈیو پروگرام جس کا تم نے اور آسیہ نے ہوم ورک مکمل کر رکھا ہے، اس سے بعض آجاؤ۔“

”تمہاری دوسری شرط ماننے کو میں تیار ہوں، ایسا کچھ نہیں ہوگا البتہ میں پولیس کو اپنی از خود گرفتاری اسی وقت دوں گا، جب عابدہ اور ریحان صحیح سلامت ہم تک نہیں پہنچا دیے جاتے۔“ میں نے ایک شرط اس کی مانتے ہوئے دوسری ڈال دی۔

میرے منہ سے ریحان کے ذکر پر آسیہ کے چہرے کا رنگ حسبِ توقع تشویش پر فق ہو کر رہ گیا۔ بے اختیار وہ قریب کی ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ صورتِ حال کی خطرناک نزاکت کا اسے بھی اندازہ ہو چلا تھا۔

”میں نے اپنی شرائط منوانے کے لیے تمہیں فون کیا ہے، بے ضرر کیڑے! تمہاری شرطیں ماننے کے لیے نہیں۔“ دوسری جانب سے غراتی ہوئی آواز ابھری۔

”صرف دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔ بعد کے نتائج کی ذمے داری تم دونوں پر ہوگی۔“ یہ کہنے کے ساتھ ہی دوسری جانب سے رابطہ منقطع کردیا گیا۔

میں نے اس قدر سختی کے ساتھ اپنے دانت بھینچے کہ میرے جبڑے کی ہڈیاں تک ابھر آئیں۔

”کک... کک... کیا ہوا... شش... شہزاد...“ آسیہ نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہکلاتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ تو میں نے اسے ساری بات بتادی۔

خانم شاہ بھی فکر مند نظر آنے لگی۔ پروگرام کرنے والے ٹی وی کے ارکان وہاں موجود نہ تھے۔ تاہم انہیں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کسی بہانے چلتا کر دیا گیا۔ میرا پورا وجود بے چینی میں جکڑ کر رہ گیا۔

”آخر... اسے ان ساری باتوں کا علم کیسے ہوا؟“ میں... مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔

”ہمارے سوا تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ہم..... اس ویڈیو کلپ کا ایک تردیدی پروگرام ممتاز خان اور شفقت راجا کے خلاف لائیو چلانے والے ہیں، تو پھر...“ خانم شاہ پُرسوچ انداز میں کہتے کہتے رہ گئی، تو آسیہ یکدم بولی۔

”مجھے اندازہ ..... ہے کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟“ اس کی بات پر میں اور خانم شاہ چونک کر اس کا چہرہ تکنے لگے۔

”... یاسمین ملک... اس کی وجہ بنا ہوگا۔“ آسیہ جیسے خود کلامیہ بڑبڑائی۔

”یاسمین ملک...؟ کون ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”جس نجی ٹی وی چینل کے لیے میں کام کرتی تھی، یہ اس کا مالک ہے اور ڈائریکٹر بھی۔ وہ ویڈیو کلپ اسی نے ہی چلائی تھی، اور بعد میں حقیقت کا علم ہونے پر جب میں نے ان سے اس سلسلے میں تردیدی پروگرام چلانے اور ممتاز خان سمیت زبیر خان کے بیٹے شفقت راجہ کا کچا چٹھا بھی کھولنے کا کہا تو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔“ آسیہ سوچتے ہوئے تاثرات کے دوران بتانے لگی۔ ”مجھے یاسمین ملک کی اس بات پر غصہ آ گیا تو میں نے غصے اور جوش میں آ کر اس سے صاف لفظوں میں کہہ ڈالا تھا کہ اگر وہ یہ پروگرام نہیں چلائے گا تو کوئی دوسرا چینل اس پروگرام کو ہاتھوں ہاتھ لے لے گا۔ اس پر یاسمین ملک دھمکی پر اتر آیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس نے مجھے نوکری سے برخاست کرنے کی دھمکی دی اور کہا تھا کہ اس طرح اس کی چینل کی ساکھ متاثر ہوگی... اور مفت کی دشمنی مول لینا پڑ جائے گی۔ مگر میں نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ میرے عزائم کا اندازہ ہونے کے بعد جب میں نے خود ہی یاسمین ملک کے چینل سے استعفیٰ دیا تو اس نے مجھ پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا یقیناً اس پر بھی وہ ٹکا ہوا نہیں بیٹھا ہوگا، اس نے سب سے پہلے زبیر خان کو مطلع کیا ہوگا اور بعد میں ہوسکتا ہے زبیر خان نے ممتاز خان سے بھی ذکر کر دیا ہو۔“

آسیہ کی بات میں وزن تھا۔ یہ سارا اپنے اپنے دفاع اور ساکھ کو بچانے کا کھیل تھا۔

مجھے اپنی ستم گار تقدیر پر پھر حیرت ہوئی تھی، اطفال گھر میں پرورش پانے والا ایک عام سا لڑکا کتنے بڑے ہاتھیوں کے درمیان الجھ کر رہ گیا تھا کہ مفر کی کوئی راہ نہیں سجھائی دیتی تھی۔

عابدہ کے اغوا نے میرا دماغ سُن کر دیا تھا۔ ایسے میں مجھے اول خیر شدت سے یاد آنے لگا۔ وہ بے چارہ خود صاحبِ فراش ہے۔

ایسی بات نہیں تھی کہ اس کے بغیر میں خود کو کمزور سمجھتا تھا۔ بس مجھے اس کی عادت سی ہو گئی تھی، اس کا ساتھ مجھے بہت سہارا سا محسوس ہوتا تھا۔ میں نے سرمد بابا کے ہاں جانا چاہا مگر خانم شاہ نے مجھے روک دیا۔ البتہ بابا کو فون کر کے یہاں بلا لیا گیا تھا۔ عابدہ کے سلسلے میں انہوں نے بتایا تھا اول تو عابدہ بے چاری گھر سے باہر نکلتی ہی نہیں تھی۔ ضرورت پڑنے پر جاتی بھی تو ... ڈرائیور کے ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ یا پھر میری نائبہ عارفہ نے اپنا روٹین چیک اپ کرانا ہوتا تو وہ عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی تھی، اس بار بھی عارفہ ڈاکٹر سے اپنا روٹین چیک اپ کروا کے عابدہ کے ساتھ شاپنگ کو نکلی ہوئی تھی کہ کار سوار مسلح افراد نے ان کی کار روک کر گن پوائنٹ پر عابدہ کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔

سرمد بابا نے متعلقہ تھانے میں اس کی رپورٹ لکھوا دی تھی، فوری طور پر انہیں حالات کا اندازہ نہ ہو سکا تھا، اس لیے نامعلوم اغوا کاروں کے خلاف ہی انہوں نے رپورٹ لکھوائی تھی، اگرچہ ممتاز خان کے فون آنے اور یہ دھمکی دینے کے بعد کہ پولیس کو اس کے بارے میں بھنک بھی پڑی تو نتائج کی ذمے داری ان پر (سرمد بابا) پر ہوگی تو یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا کہ سرمد بابا نے ممتاز خان کا نام تھانے میں نہیں لیا تھا۔

سرمد بابا سے اس بار تفصیلی ملاقات ہونے پر شکیلہ کے بارے میں بھی انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اپنے بھائی شوکت حسین کے ساتھ چلی گئی تھی۔ شوکت اطفال گھر سے نکل چکا تھا اور اپنی الگ زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی بہن کو پا کر وہ بہت خوش تھا، اور جب شکیلہ نے اسے یہ حقیقت بتائی تھی کہ میں اسے کن کٹھن مراحل سے گزر کر اور اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہوئے ایک جہنم میں گرنے سے بچایا ہے تو شوکت حسین میرا تہِ دل سے ممنون و احسان مند تھا اور مجھ سے ملنے کے لیے بے چینی سے منتظر تھا۔ میں خود بھی اس سے ملنا چاہتا تھا، اطفال گھر کے اندرونی حالات کی تازہ خبریں وہی مجھے بہ خوبی دے سکتا تھا۔ وہ ایک سپرڈ پارٹمنٹل اسٹور میں سیلز مین تھا۔ اور چھڑا مارکیٹ میں ہی اس نے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

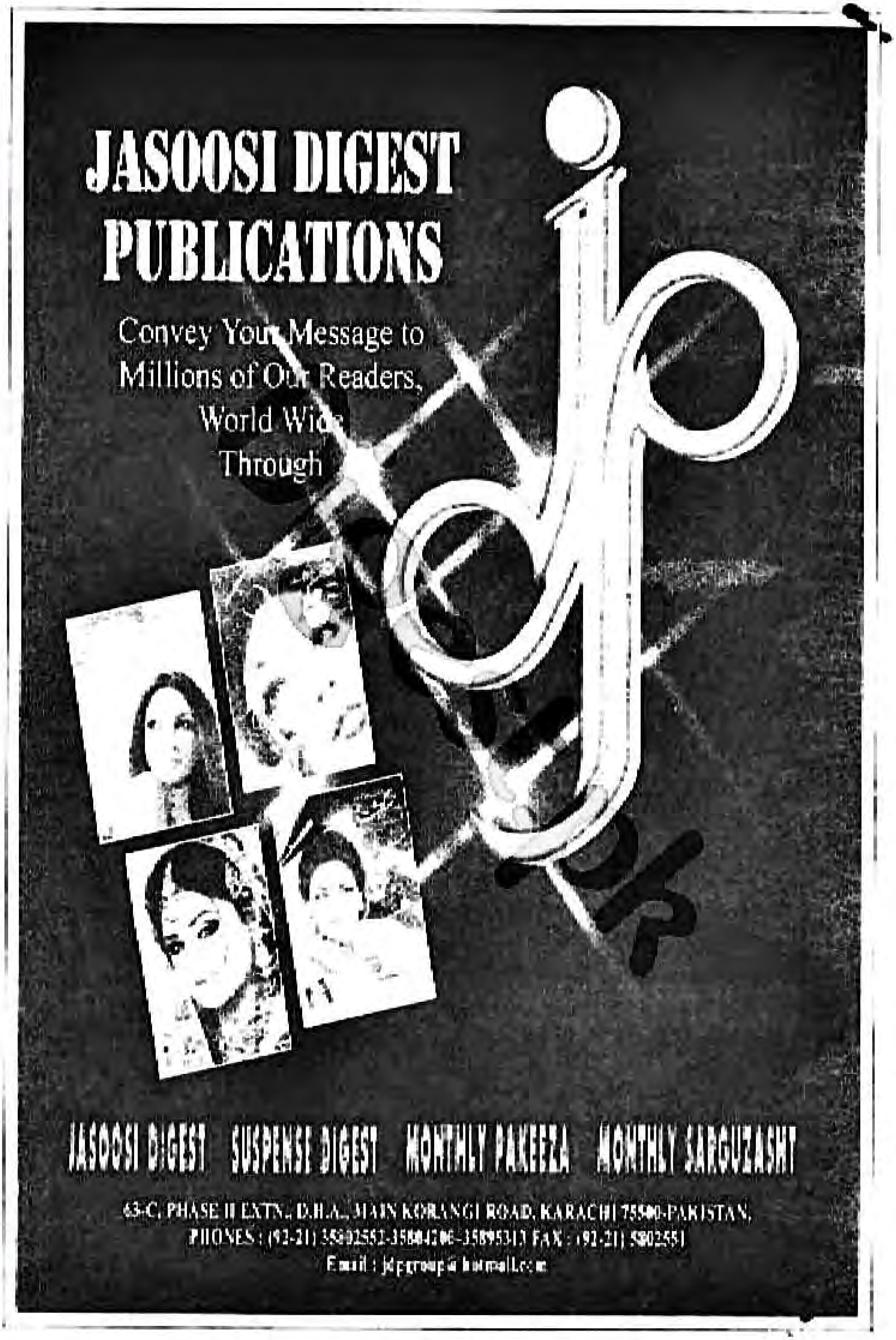

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کرائے کا ایک چھوٹا سا گھر لے رکھا تھا۔ بہر حال دونوں بہن بھائی اب خوش تھے۔

سرمد بابا اور خانم شاہ قانونی باتوں میں ہی الجھے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عابدہ اور ریحان کے دیرے اغوا کے بعد کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ جبکہ آسیہ کی اپنی عقل ماؤف تھی، اس بے چاری کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہمارے لیے اچانک ہی نہیں غیر متوقع بھی تھا، ہمارے سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ ممتاز خان وغیرہ کے خلاف ہماری اس خفیہ کارروائی کا انہیں بروقت پتا چل جائے گا۔ یہ ہماری خوش گمانی ہی تھی، کہ ہم یاسین ملک کو بھول گئے تھے۔ وہ بدطینت شخص تھا جو میرے اور آسیہ کے خفیہ عزائم سے اچھی طرح واقف تھا۔ نہ ہی ہمارے اذہان میں اس خدشے کا شبہ تھا کہ وہ ہمارے دشمنوں کو اس کی خبر بھی دے سکتا ہے۔ یقیناً اس میں اس کا بھی مفاد شامل تھا، کیونکہ اس پروگرام کے جاری ہوتے ہی اس کے... ٹی وی چینل کی ساکھ بھی متاثر ہو سکتی تھی۔

"... مجھے ہی کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔" بالآخر میں نے ایک فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ بہت سوچ سمجھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں بیگم صاحبہ کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا تھا... اور ان کے وہ الفاظ ہی جو انہوں نے مجھ سے کہے تھے کہ... "تمہیں جب بھی میری مدد کی ضرورت ہو... خدانخواستہ اور کوئی راستہ تمہیں نہ ملے تو اپنی دوست کی طرح ہی کہنا... تم مجھ سے ملنے سے نہیں ہچکچاؤ گے اور میں نے وعدہ کر لیا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہی تھا کہ انہیں یہ الفاظ مجھ سے کہے ہوئے نصف گھنٹا بھی نہیں ہوا ہوگا کہ مجھے بیگم صاحبہ کی مدد کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اپنا وعدہ بھی یاد آ گیا تھا کہ عابدہ کے سلسلے میں، میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا حالانکہ جی تو میرا یہی چاہتا تھا کہ ابھی ممتاز خان کی نیو ملتان میں واقع عظیم الشان رہائش گاہ پر جا کے ہلہ بول دوں... پھر جو ہو دیکھا جائے گا... لیکن یہ معاملہ جتنا نازک تھا اتنا ہی حساس بھی تھا۔ پھر خود میں بھی قانون کی نظروں میں ایک خطرناک مجرم تھا۔

"تم کیا کرو گے؟" سرمد بابا نے میری بات سن کر چونکتے ہوئے کہا۔

"میں وہی کروں گا جو میں اب تک کرتا آیا ہوں اور آپ لوگ نہیں کر سکتے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"شہزادہ! یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ تم لٹھ اٹھا کر ممتاز خان یا زبیر کے پیچھے لپک پڑو۔ جبکہ خود تمہارے اپنے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔ پہلے اپنے تحفظ کو یقینی بناؤ۔" میں نے کہا۔

"میرے تحفظ کو دشمن نے اب غیر یقینی بنا دیا ہے۔ وہ سارے راستے بند کر دیے ہیں جن کی بنا پر میں انہیں قانونی شکنجے میں پھنسانا چاہتا تھا، اس کا اندازہ وہ بھی لگا چکے تھے اس لیے انہوں نے یہ بزدلانہ قدم اٹھایا ہے۔"

"اس لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ... پہلے اپنے تحفظ کے بارے میں کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔" وہ بولی۔ "میں پہلے تمہاری قبل از وقت گرفتاری ضمانت کروانے کی کوشش کرتی ہوں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ تمہارا ناقابل ضمانت وارنٹ نکلا ہوا ہے۔ جس کے مطابق تمہیں سب سے پہلے اپنی از خود گرفتاری پیش کرنا ہوگی۔"

"گویا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ممتاز خان کی بات مان لینی چاہیے۔" میرے لہجے میں تلخی کی چبھن تھی۔ سرمد بابا بولے۔

"تو کیا تم اس طرح ایک خطرناک مجرم کی صورت قانون سے بھاگتے رہو گے؟ مگر ایسا کب تک ہوگا۔ خانم صاحبہ کا مشورہ مجھے ٹھیک لگتا ہے۔ ممکن ہے ممتاز خان بعد میں عابدہ اور ریحان کو بہ خیریت چھوڑنے پر رضا مند ہو جائے۔"

"آپ کی خوش گمانی ہے بابا...!" میں نے کہا۔ "ممتاز خان کو اور کیا چاہیے۔ وہ اس وقت مجھ سے خوف زدہ ہے۔ میں اگر قانون کی گرفت میں چلا گیا تو اسے شہ مل جائے گی۔ میں ایسے لوگوں کی بغض فطرت سے واقف ہوں۔ ایسے لوگ کینہ پرور ہوتے ہیں۔ اس کی چیرہ دستیوں میں اضافہ ہی ہوگا۔ ابھی تو وہ چھپ کر ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں پھر کھل کر ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ خدانخواستہ وہ عابدہ اور ریحان کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ کون روکے گا انہیں ایسا ظلم کرنے سے؟ پولیس ہماری بات تسلیم کرے گی؟ ہرگز نہیں، وہ الٹا ممتاز خان کے تحفظ کے لیے ہی موجود ہوگی۔"

سرمد بابا نے میری بات پر اپنا سر خاموشی سے جھکا لیا تھا۔ سمجھتے تھے کہ ایسے حالات کا میں ان سے زیادہ تجربہ رکھتا تھا۔ تاہم خانم شاہ مجھ سے مخاطب ہو کے بولی۔

"تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"عابدہ اور ریحان کو دشمن کے چنگل سے چھڑوانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔" میں نے پورے عزم کے ساتھ کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

"کیونکہ ان دونوں کا صحیح سلامت دشمنوں کے چنگل سے بچ کر نکل جانا، دشمنوں کی موت کے مترادف ہوگا... ابھی انہوں نے ہمارے ہاتھ پاؤں گویا باندھ کر رکھ دیے ہیں۔ مجھے بھی ان سے اسی طریقے سے نمٹنا ہوگا۔ یہی ایک راستہ میرے پاس باقی بچا ہے۔"

"تم اکیلے کیا کرلو گے؟" خانم شاہ نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس بار آسیہ نے پرعزم ہو کے کہا۔

"ہاں جی! شہزاد اکیلا نہیں ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔"

"یہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔" معاً سرمد بابا بولے۔ "کس نے کہا کہ شہزاد بیٹا اکیلا ہے؟ ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا۔"

"میرے پاس ایک راستہ ہے، بابا!" میں نے اسرار بھرے لہجے میں کہا۔ "بس آپ لوگ میری کامیابی کی دعا کریں۔ اور جو میں کرنے جارہا ہوں... وہ خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہیں۔" میری بات پر آسیہ سمیت سرمد بابا اور خانم شاہ مجھے یک بیک چونک کر دیکھنے لگے۔

میں نے اسی وقت... اپنا سیل فون نکالا اور بیگم صاحبہ کے سیل فون کا نمبر ملایا۔ پہلی ہی رنگ ٹون پر... ان کی آواز ابھری تھی۔ "ہیلو؟ شہزاد...؟"

"جی بیگم صاحبہ!" میں نے ہولے سے کہا۔ "میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے اتنی جلدی آپ کی مدد کی ضرورت پڑ جائے گی۔"

"یا اللہ خیر... کیا ہوا... تم... تم... خیریت سے تو ہو ناں... شہزی؟"

ان کا اس قدر تشویش زدہ اور فکرمند ہونا میرے لیے ہمیشہ ہی الجھنے کا باعث بنتا تھا مگر اس سوالیہ نشان کے بعد ایک بندگلی تھی۔

"خیریت نہیں ہے بیگم صاحبہ!" میں نے کہا اور پھر انہیں ممتاز خان کے فون سے آگاہ کردیا۔ دوسری جانب سے بیگم صاحبہ کی زہرآلود سی آواز ابھری۔

"او... اب وہ اس گھٹیا سطح پر اتر آیا ہے۔ گھٹیا انسان... ممتاز خان سے اس سے بھی زیادہ گھٹیا حرکتوں کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ خیر... تم فکر نہ کرو... اب تو خدا کے لیے میری ایک بات مان لو۔ اپنے اتے پتے سے آگاہ کرو... میں اپنے آدمی تمہیں لینے کے لیے روانہ کررہی ہوں۔ پھر مل بیٹھ کر لائحہ عمل تیار کرتے ہیں، ٹھیک ہے؟"

"جی... بہتر... ہے۔" میں نے کہا۔ "ویسے میں خود بھی آسکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اپنا آدمی روانہ کررہی ہوں۔ کہاں ہو تم اس وقت؟" وہ فکرمند لہجے میں بولیں اور میں نے انہیں ایڈووکیٹ خانم شاہ کی رہائش گاہ کے پتے سے آگاہ کردیا۔

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک کار مجھے لینے آن پہنچی۔ اس میں تین افراد سوار تھے۔ کمیل دادا ان میں شامل تھا۔ اسے دیکھ کر میں چونکا کیونکہ بیگم صاحبہ عموماً ایسے امور کے لیے کبھی بھی اپنے خاص آدمی آگے نہیں کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ اول خیر اور ارشد کو بھی نہیں، عام سے ہی لوگ یہ کام انجام دیا کرتے تھے، اور کمیل دادا کا تو اول خیر سے پہلے نمبر آتا تھا۔ جو بیگم صاحبہ کا مقرب خاص کارپرداز تھا۔ کچھ ان باتوں سے بھی مجھے بیگم صاحبہ کی نگاہوں میں اپنی اہمیت کا احساس کرکے... عجیب سی الجھن آمیز کرید لگ جاتی تھی، کچھ احساس مجھے یہ بھی ہوتا تھا کہ یہ اہمیت... صرف ان کی نگاہوں تک ہی محدود نہیں تھی، شاید اس کا تعلق دل کے کسی خفیہ گوشے سے بھی تھا، جو مخفی ہونے کے باوصف کسی جذبۂ دل کا پتا دیتا تھا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا، اور حقیقت بھی یہی تھی کہ... یہ بات محسوس کرنے کے بعد سے میں بیگم صاحبہ سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا۔ کیونکہ میرے دل میں ہی نہیں، سانسوں اور حواسوں تک میں صرف اور صرف عابدہ کی ہی صورت اور محبت بسی ہوئی تھی۔ مگر تقدیر کی جانے کیسی طرفہ کاری تھی کہ میں جتنا ان سے دور ہونے یا رہنے کی کوشش کرتا تقدیر دوبارہ مجھے ان کے پاس لے جاتی۔ پھر جب میں کچھ دھیان دے کر سوچتا تو میں اپنے ہی خیال کی نفی بھی کرتا تھا۔ کیونکہ بیگم صاحبہ کو عابدہ کی حقیقت کا بھی علم تھا۔ اور پھر وہ خود بھی پڑھی لکھی اور سمجھدار خاتون تھیں۔ ان سے بہرحال مجھے کسی عامیانہ حرکت کی توقع نہ تھی۔

میں سرمد بابا اور خانم شاہ کو خدا حافظ اور آسیہ کو تسلی دے کر کمیل دادا کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

میں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور میرے برابر میں کمیل دادا کا ساتھی، جبکہ خود وہ ڈرائیور کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

بیگم صاحبہ کے آدمیوں میں کمیل دادا واحد آدمی تھا، جسے میں ناپسند تھا۔ مگر اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ میرے سامنے دم مارتا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے لانے کے لیے کمیل دادا کو بیگم صاحبہ کا یہ فیصلہ کتنا کٹھن اور ناقابلِ برداشت لگا ہوگا۔ مگر حکم حاکم مرگ مفاجات سے مجبور

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہو کے چلا آیا تھا۔

تھوڑی دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ پھر اچانک ہی کیبل دادا نے مجھ سے کہا۔

"تم آخر کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟ تم اپنے کسی معاملے میں بیگم صاحبہ کو اہمیت بھی نہیں دیتے ہو... مگر جب تمہاری دُم پہ کوئی پاؤں رکھتا ہے تو بلبلا کر بیگم صاحبہ کے چرنوں میں چھپنے لگتے ہو۔" کیبل دادا کی آواز ہی نہیں الفاظ بھی طنز کے زہر میں بجھے تیروں کی طرح میری سماعتوں میں کھب گئے تھے۔

صاف اندازہ ہوتا تھا کہ کیبل دادا اندر سے میرے ساتھ کس قدر عداوت اور بغض رکھے ہوئے تھا مگر کیوں؟

اس کے الفاظ سے میں تلملا تو گیا تھا مگر پھر بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے ٹھنڈی ہوئی سنجیدگی سے بولا۔

"مجھے نہ پہلے کسی کے چرنوں میں چھپنے کی ضرورت تھی، نہ اب ہے... میں آزاد پیدا ہوا ہوں اور آزاد زندگی گزارنے کا قائل ہوں۔ گلے میں پٹا ڈال کے جاں نثاری کے نام پر کسی کے سامنے دُم ہلانے والے ہر اس آدمی کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں، وہ صرف غلامی کرنا جانتے ہیں۔ دوستانہ جذبے کو بھی نہیں سمجھتے۔ میں بیگم صاحبہ کا کارکن یا کارپرداز نہیں ہوں۔ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتی ہیں... اور خیر خواہ بھی۔ مجھے اس پر فخر ہے۔ یہ میرے لیے اعزاز ہے، جو شاید تمہیں حاصل نہیں اس لیے تم..."

"اپنا منہ بند کرلو... اب۔" وہ یکدم غراتی ہوئی آواز میں بولا۔ میرے کرارے جواب نے اس کی انا کے بخیے ادھیڑ ڈالے تھے۔ وہ دانت بھینچ کر غصیلے پن سے بڑبڑایا۔

"یہ سارا قصور اس حرام زادے اول خیر کا ہے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو کیبل دادا!" میں یکدم طیش میں آ گیا۔ "اول خیر مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز ہے، کوئی میرے سامنے اسے گالی دے میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔" کیبل دادا بھڑک اٹھا۔

"تم... تم..." کیبل دادا غضبناک لہجے میں صرف اتنا ہی کہہ پایا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنی انگلیاں بھینچ کر اس کا گھونسا بھی بنا لیا تھا۔ میں اس طرح اس کے غیظ وغضب کی پروا کیے بغیر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے آرام سے بیٹھا رہا اور بدستور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"بس... بس... دادا... زیادہ طیش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا ہاتھ نیچے کرالو... ہاتھ میرے بھی بندھے ہوئے نہیں ہیں۔"

"دادا سے تمیز سے بات کرو مسٹر!" اس بار میرے ساتھ بیٹھے اس کے ساتھی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "بیگم صاحبہ کے بعد ہم دادا کا احترام کرتے ہیں۔ تم بھی نہیں جانتے کہ دادا کی حیثیت بیگم صاحبہ کی نظروں میں کس قدر اہم ہے۔"

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تم لوگوں کا معاملہ ہے کہ کون کسے کس حیثیت سے جانتا ہے۔" میں نے بھی اس کے غصیلے چہرے کی طرف گھور کے کہا۔ "میں خاموش بیٹھا تھا، تمہارے دادا کو ہی میرے ساتھ پہلے چونچ لڑانے کا شوق چرایا تھا۔"

"بیگم صاحبہ نے اگر تمہیں تھوڑی اہمیت دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم..." کیبل دادا بجری طرح بھڑک کر بولا اور مزید غیظ سے جملہ بھی پورا نہ کر پایا تو میں نے اس پر ایک اور وار کیا۔

"میں بیگم صاحبہ کی اس ذرہ نوازی کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ ان کی دوستی ہی میرے لیے بہت... فخر کی بات ہے۔" میں نے دانستہ دوستی کا ذکر کیا تھا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے اس طرح کہنے سے کیبل دادا کی جانے کون سی انا بری طرح بھڑک جاتی تھی۔ اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔

"ہنہ... دوستی! خوش فہمی ہے تمہاری۔" میرے اندازے کے عین مطابق وہ تضحیک آمیز لہجے میں بولا۔

"بیگم صاحبہ کسی کو اتنی اہمیت نہیں دیتی ہیں... وہ صرف اپنے وفاداروں کی قدر کرتی ہیں اور بس..."

"اچھی بات ہے۔" میں نے طنزیہ کہا۔ "اب تم سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ڈرائیور کا دھیان بار بار تمہاری طرف ہو رہا ہے۔ سڑک پر ٹریفک بہت ہے۔"

وہ تلملا کر سیدھے ہو کے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم بیگم ولا پہنچ چکے تھے۔ بیگم صاحبہ کو میں نے اپنا بے چینی سے منتظر پایا... مجھے دیکھتے ہی وہ بے اختیار مسکرا دی تھیں۔ مجھے ان کی دلکش کشادہ آنکھوں اور خوبصورت پُربہار چہرے پہ وہی تاثرات محسوس ہوئے جو وہ شاید میرے لیے ہی مخصوص رکھتی تھیں۔ مگر مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"امید نہیں تھی کہ تمہیں دوبارہ دیکھنا نصیب ہوگا مگر اب اپنی قسمت پر نازاں ہوں۔" ان کے لہجے کی بے اختیاری سے مجھے خجالت سی محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کارندوں کو باہر بھیج دیا تھا۔ ایک شاہانہ طرز کی نشست گاہ میں ہم دونوں اکیلے بیٹھے تھے۔ بیگم صاحبہ نے آج اپنی ڈریسنگ اور میک اپ پر خاص توجہ دے رکھی تھی، میک اپ اگرچہ انہوں نے ہلکا ہی کیا تھا، مگر کچھ خاص قسم کے ”ٹچ“ اس طرح دیے ہوئے تھے... جو ان کے ملکوتی حسن کو مزید پُرکشش تاثر بخش رہے تھے۔

میں نے فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”بیگم صاحبہ! میں عابدہ کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ جی میں تو آتا ہے کہ اسی وقت اس کے نیو ملتان والے ٹھکانے پہ جا کر وہاں ہلّا بول کر اس کی گردن دبوچ لوں... مگر پھر معاملے اور حالات کی نزاکت آڑے آجاتی ہے۔“

”وہ کوئی چڑیا یا بلی کا بچہ نہیں ہے کہ تم ابھی جا کر اس کی گردن دبوچ لو گے شہزی؟“ بیگم صاحبہ کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔ ”وہ اور اس کا باپ میرے ازلی دشمنوں میں سے ہیں۔ اور میں ان کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ وہ اپنے دشمنوں کو بے بس کرکے اس پر ایسے ہی اوچھے اور بزدلانہ ہتھکنڈے آزماتے ہیں۔“

”آپ کی ان سے کیا دشمنی ہے بیگم صاحبہ؟“ بے اختیار میں میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے اس اچانک استفسار پر وہ نہ صرف چونکی تھیں بلکہ ان کے خوبرو چہرے پہ کئی رنگ سمٹ کر بکھر گئے تھے۔

”یہ لمبی کہانی ہے، پھر کبھی سہی۔“ ایک گہری سی آہ خارج کرتے ہوئے بولیں۔

میں نے بھی فوراً ہی کہا۔ ”سوری بیگم صاحبہ اردو اروی میں میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ مجھے آپ کے ذاتی معاملات کو ٹچ کرنے کا حق بہرحال نہیں ہے۔“

”نہیں... نہیں... ایسی بات نہیں ہے۔ وقت آنے پر میں بتادوں گی... بلکہ... تمہیں تو ضرور بتاؤں گی۔“ ایکا ایکی ان کا لہجہ اسرار بھرا ہوگیا۔

”عابدہ کے سلسلے میں آپ میری کیا مدد کرسکتی ہیں۔“ میں نے اس بار ان کی پہلو در پہلو چھپی ہوئی شخصیت میں الجھنے کے بجائے فوراً موضوع بدلا۔

”ممتاز خان نے تمہیں دو دن کی مہلت دی ہے۔“ وہ کچھ سوچنے کے انداز میں کہنے لگیں۔ ”ان دو دنوں میں ہم اس کے چند خفیہ ٹھکانوں کی خبر لیں گے۔ ناکامی کی صورت میں ممتاز خان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔“

”آپ مجھے ان کے متوقع خفیہ ٹھکانوں کی تفصیل بتادیں۔ میں آج ہی کمربستہ ہوجاتا ہوں۔“ میں نے بے تابی سے کہا۔

”کیونکہ جب تک عابدہ دشمنوں کی قید میں رہے گی۔ مجھ پر ایک ایک پل ایک ایک لمحہ بھاری ہوگا۔ میں سکون کی سانس تک نہیں لے پاؤں گا۔ میں ابھی حرکت میں آنا چاہتا ہوں۔“

”بہت محبت کرتے ہو تم... عابدہ سے۔“ بیگم صاحبہ نے اچانک ہی بڑے عجیب لہجے میں میری طرف بہ غور تکتے ہوئے پوچھا۔

”جی بیگم صاحبہ! عابدہ ہی میری سب کچھ ہے۔ پہلی سانس میں ہوں تو... دوسری سانس عابدہ ہے میرے لیے۔ اس کی محبت میں تو محبت بھی بہت چھوٹا لفظ محسوس ہوتا ہے۔ وہ سمندر ہے اور میں دریا ہوں۔ میرا مسکن اس کی سمندر جیسی گہری محبت کی تہ ہے۔“ میں نے گویا عابدہ کی محبت سے بے اختیار سرشار ہوکے کہا۔

دفعتاً مجھے کمرے کے دم بہ خود پُرسکوت ماحول میں کسی کے ہلکے سے سسکاری لینے کا گمان ہوا۔ دیکھا تو بیگم صاحبہ کی کشادہ آنکھوں میں نمی اتری ہوئی تھی۔ ان کی پُرسکون نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر اٹکی ہوئی تھیں۔ پھر ان کے دلکش لبوں پہ تھرتھراہٹ ابھری۔ وہ جیسے ماضی کے سہانے خوابوں میں کھوئی ہوئی سی کیفیت میں بولیں۔

”وہ بھی مجھے اسی طرح چاہتا تھا... دیوانہ وار... دیوانہ وار...“

”ک... کون... بیگم صاحبہ؟“ میرے ہونٹوں سے بھی بے اختیار برآمد ہوا تھا۔ ایسے میں مجھے ان کا بیضوی حسین چہرہ... کرب میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔

وہ جیسے غمِ دوراں کے گرداب میں ابھر کر بولیں۔ ”ک... کچھ نہیں...“ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی باریک اور مہین اوڑھنی سے اپنی آنکھوں کے کجرارے گوشے پونچھ ڈالے۔

”میں تمہاری دلی اور ذہنی کیفیات سے واقف ہوں۔ شہزی... لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ تم باہر نکلو... پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ تمہارے خلاف ڈیتھ وارنٹ نکلا ہوا ہے۔ دشمنوں کی سازش کی تکمیل اس میں ہوگی کہ... تم خدانخواستہ کسی جعلی پولیس مقابلے میں مار دیے جاؤ... یہ کام میرے آدمی بہ خوبی انجام دے ڈالیں گے۔“

”آپ نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔“ میں نے فوراً ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مجھ سے ایک لمحہ بھی یوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

SCANNED BY DIGESTPK

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں جا رہا۔ ان گنت وسوسے اور اندیشناک خیالات مجھے زہریلے سنپولوں کی طرح ڈس رہے ہیں۔ میری جان دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ اور میرا جسم ماہیِ بے آب کی طرح پھڑ پھڑا رہا ہے۔"

"مگر تمہاری اپنی ذات بھی تو کسی کے لیے زندگی کا درجہ رکھتی ہوگی۔ اس پر تم غور کیوں نہیں کرتے؟" بیگم صاحبہ نے یکدم میری طرف دیکھ کر کہا۔ اور میں نے چونک کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو مجھے لگا جیسے فوراً ہی انہوں نے بات پلٹنے کی کوشش چاہی ہو، بولیں۔ "کیا عابدہ کے لیے تمہاری ذات اہم نہیں؟ کیا وہ تمہیں زندہ دیکھنا نہیں چاہے گی جبکہ تم دونوں ہی تو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو۔" مجھے کوئی جواب نہ بن پڑا تو فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"بیگم صاحبہ! آپ مجھ پر بس ایک احسان کر دیں۔ مجھے ممتاز خان کے خفیہ ٹھکانوں کے سلسلے میں آگاہی دے دیں۔"

وہ ایک گہری سانس خارج کر کے بولیں۔ "میں جانتی ہوں تم نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔ میں کیپل دادا سمیت کچھ آدمیوں کو تمہارے ساتھ بھیجنے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

کیپل دادا کے ذکر پہ میری طبیعت بگڑنے لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اسے اور وہ مجھے سخت ناپسند تھا۔ ایک اول خیر ہی تھا جس سے میری کاڑھی چھنتی تھی مگر وہ بے چارہ خود صاحبِ فراش تھا۔ اس صورت میں مجھے اچانک ارشد کا خیال آیا مگر بیگم صاحبہ سے بھی میں نے اس کا ذکر کیا تو نہایت حیرت سے بولیں۔

"ارشد؟ حیرت ہے۔ تمہیں کیپل دادا کی اہمیت کا شاید علم نہیں۔ میرے ساتھ جتنی زک ان بے غیر دشمنوں کو پہنچائی ہے میرے کسی آدمی نے نہیں پہنچائی ہوگی۔ کیپل دادا کو معمول آدمی مت سمجھو۔ یہاں میرے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ وہ بہت بہادر نڈر اور جاں نثار آدمی ہے۔ تمہیں شاید اول خیر کی عادت پڑ گئی ہے۔ مگر اس کی حالت کا تو تمہیں علم ہی ہے۔ حالانکہ کم وہ بھی نہیں ہے۔ اس نے بھی میرے لیے کیپل دادا کی طرح بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اور اپنی جان خطرے میں ڈالی ہیں۔ میرے پاس آدمیوں کی کوئی بڑی فوج نہیں ہے۔ مگر جتنے ہیں وہ سب میرے وفادار اور جاں نثار ہیں۔"

"جی ہاں بیگم صاحبہ! مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔" میں نے ہولے سے کہا، وہ بولیں۔

"کیپل دادا بہت بہتر طریقے سے یہ کام انجام دے گا۔ کیونکہ میری طرح وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس نے محاذ پر ممتاز کو کس طرح شکست دی جا سکتی ہے۔ اس مہم میں کیپل دادا ہی کافی ہوگا؟"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ۔ مجھے منظور ہے۔ ہماری روانگی کا بندوبست کریں۔" میں نے فوراً کہا۔ "کیا میں اول خیر سے مل سکتا ہوں؟"

"ابھی نہیں، ڈاکٹروں نے اسے بے آرام کرنے سے منع کیا ہے۔ ایک مہینہ مکمل بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا ہے۔" وہ صوفے سے اٹھ کر بولیں۔ "میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔"

میں ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وہ اندرونی گوشے میں کھلنے والے دروازے کی طرف قدم بڑھا چکی تھیں۔ میں ایک گہری سانس خارج کر کے سوچتا رہ گیا۔

☆☆☆

رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی جس کار میں ہم سوار تھے، اس میں میرے اور کیپل دادا کے علاوہ دو افراد تھے، جن میں سے ایک تو ارشد تھا جبکہ دوسرا یاور خان تھا۔ کار وہی چلا رہا تھا۔ کیپل دادا اس کے برابر والی سیٹ پر براجمان تھا۔ جبکہ پچھلی سیٹوں پہ میں اور ارشد براجمان تھے۔ کار کے خفیہ خانوں میں اسلحہ موجود تھا، جبکہ میری اپنی جینز کی بیلٹ میں پیٹھ کی طرف اول خیر کا دیا ہوا آٹو جنک جرمن ساختہ میگا روتھا۔

بیگم ولا سے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے میں نے بیگم صاحبہ کے ایما پر تھوڑا بہت کھانا زہر مار کرنے کے بعد سے پہلے غسل وغیرہ کر کے نیا لباس زیب تن کر لیا تھا۔

ڈارک بلیو جینز کی وجہ سے میں بالکل فٹ تھا، پاؤں میں وائٹ بلیو اسپورٹس جوگر تھے، یہ سب زیب تن کرنے کے بعد جب میں کمرے کے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کے اپنے چھ فٹ سے ذرا نکلتے لمبے چوڑے وجود پر نظر ڈالی تو خود کو اس قدر تندرست و توانا دیکھ کر خود بخود میری رگوں میں جوش کی چنگاریاں گویا توانائی کی طرح دوڑتی محسوس ہونے لگیں۔

قدرت نے مجھے بنا بنایا کاؤ بوائے ٹائپ کا آدمی بنا دیا تھا۔ آج میں نے بہت غور سے اپنے فٹ فاٹ وجود پر بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔ میرے سر کے بال گھنے تھے اور میں سائڈ سے مانگ نکالتا تھا جس کے باعث بالوں کی ایک لٹ میری پیشانی میں دائیں آنکھ پر گری رہتی تھی۔ آدھی سے کچھ اوپر آستینوں والی شرٹ سے میرا چوڑا فراخ سینہ۔ بازو کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ابھری ہوئی مچھلیوں کے سنگم میں خاصا پُر رعب چہرہ نظر آتا تھا۔

روانہ ہوتے وقت کیبل دادا نے میرے ساتھ موجودگی پر ناک بھوؤں چڑھائی تھی مگر بیگم صاحب کے آگے میرے خلاف کچھ بولتے یا ان کے حکم پر معترض ہونے کی اس میں جرأت نہ تھی۔

کیبل دادا چالیس کے پیٹے میں تھا۔ سر گنجا تھا۔ جسم میری طرح ہی کسرتی اور لمبا تھا۔ البتہ رنگ اس کا کالا تھا۔ ناک موٹی تھی مجموعی طور پر وہ بھی توانا جسم کا مالک تھا۔

ارشد کی جسمانی ساخت اول خیر جیسی تھی، یعنی قد کا ہلکا مگر جسم گینڈے کی طرح مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ یاور البتہ چھریرے جسم کا لمبے قد والا آدمی تھا۔ وہ کیبل دادا کا ہم عمر ہی تھا۔

کار سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی، جبکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم کہاں جا رہے تھے۔

کار میں دھڑکتی ہوئی خاموشی طاری تھی۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ کار کا رخ ممتاز خان کے نیو ملتان والی رہائش گاہ کی طرف تھا، مگر جب وہ چنڑا چورنگی سے دائیں جانب تو اس چوک کی طرف مڑ گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ ذرا اور ٹھکانے پر جانے کا ان کا پروگرام ہے۔ مگر تو اس چوک پر کیبل دادا نے یاور کو کار روکنے کا حکم دے ڈالا۔

اس نے ارشد اور یاور خان کو نیچے اتار دیا۔ پھر مجھے اگلی سیٹ پر آنے کا اشارہ کیا اور خود اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''تم دونوں سمجھ گئے ہو ناں اچھی طرح ؟'' کیبل دادا نے ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی سے باہر کھڑے ارشد پہلو اور یاور خان کی طرف دیکھ کر کہا۔ دونوں نے ذرا جھک کر... اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کھڑے کر کے مخصوص اشارہ کیا جس کا مطلب تھا وہ سمجھ چکے ہیں۔ اس کے بعد کیبل دادا نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

اب میں کیبل دادا کے ہمراہ تھا۔ اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی منصوبہ بندی کیا تھی، وہ خاموشی سے کار چلا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک سگریٹ سلگائی، اور میری جانب بھی پیکٹ بڑھایا مگر میں نے سگریٹ پینے سے انکار کر دیا۔ میں ابھی اس سے کچھ پوچھنے والا ہی تھا کہ اس نے کہا۔ ''مجھ سے ناراض تو نہیں ہو تم۔'' لہجہ دھیما تھا۔

''نہیں۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''میری باتوں کا برا مت منانا۔ زبان کا گرم ہوں مگر دل کا صاف ہوں۔'' اس نے سگریٹ کا ایک کش لگاتے ہوئے اور دھواں اگل کر کہا پھر بائیں جانب گاڑی موڑ دی۔ ''ویسے تم بہادر اور دلیر آدمی ہو۔''

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

''راگی چاڑہ...'' اس نے بتایا۔

''راگی چاڑہ؟'' میں سوالیہ انداز میں زیر لب بڑبڑایا۔

''نام سنا ہے کبھی؟''

''نہیں۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کیا ممتاز خان کے کسی ٹھکانے کا نام ہے؟''

''کسی حد تک۔'' وہ سامنے ونڈ اسکرین کے پار ویران چمکتی سڑک پر نظریں گاڑھے ہوئے بولا۔

''میں سمجھا نہیں؟'' میں الجھ گیا۔

''وہاں ہم نے جنگی خان پر قابو پانا ہے۔ ممتاز خان عورتیں اغوا کرانے کا کام اسی سے ہی کرواتا ہے۔''

''اب سمجھا۔'' میں نے مطمئن ہو کے سر ہلایا۔ اور پوچھا۔ ''ارشد اور یاور خان کو تم نے کیا کام سونپا ہے؟''

''وہ دونوں نیو ملتان میں واقع ممتاز خان کی رہائش گاہ کی نگرانی کریں گے۔ وہاں کسی بھی نوعیت کی مشکوک نقل و حرکت پر ہمیں خبر کرتے رہیں گے، وہ ضرورت پڑنے پر عملی قدم بھی اٹھائیں گے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ جنگی خان اس وقت اپنے راگی چاڑہ والے اڈے پر موجود ہوگا؟''

''یقین تو ہے۔ نہ ملا تو وہاں موجود اس کے کسی ساتھی کی گردن دبوچ کر اگلوا لیں گے۔'' اس نے کہا۔

''ہوشیار!'' کیبل دادا نے تھوڑے توقف کے بعد کہا اور فوراً ہی ایک رہائشی کالونی کی طرف جانے والی ذیلی سڑک کی جانب گاڑی موڑ لی۔ یہ سڑک قدرے خراب تھی، جا بجا گڑھے بنے ہوئے تھے۔ کار کو وقفے وقفے سے ہچکولے لگ رہے تھے۔ میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑے گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

ایک جگہ کیبل دادا نے کار روک دی۔ اس نے اگنیشن سوئچ آف کر دیا۔ کار کا انجن بند ہوتے ہی گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ اطراف میں کہیں جھینگروں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

کار کی ڈگی کے خفیہ خانے میں ایک ماؤزر... اے کے سینتالیس رائفل رکھی ہے۔ ''تم کیا لو گے؟''

اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے سرگوشی میں میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"میرے پاس میگا رو ہے۔ اور فاضل راؤنڈ بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کافی ہے۔ تم جو ہتھیار رکھنا چاہو، رکھ لو۔"

میں نے بھی اس کے لہجے میں جواب دیا۔

"پستول تو میرے پاس بھی ہے۔" وہ پُرسوچ لہجے میں بولا۔ "کافی ہے۔ چلو اترو۔" کہتے ہوئے وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ میں نے بھی اس کی تقلید کی۔

سامنے رہائشی مکانات کے بے ہنگم سے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ آسمان صاف اور روشن تھا۔ چاند شاید دور کہیں تھا مگر آسمان پر امڈ آنے والی ستاروں کی بارات نے اردگرد کے ماحول کو کافی حد تک منور کر رکھا تھا۔

ہمارے عقب میں میدان تھا۔ ایک جانب کچرا کنڈی تھی جس پر سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ شاید رات پڑنے پر کچرے پر ڈیزل وغیرہ چھڑک کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ جس کے دھوئیں سے پھوٹنے والی امونیا گیس سے میرا دم گھٹنے لگا۔

"آؤ۔" کمیل دادا نے کہا اور پھر آگے قدم بڑھا دیے۔ میں اس کے عقب میں اور پھر ساتھ ساتھ تیز قدموں چلتا ہوا ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گیا۔ آگے بند گلی آ گئی۔ سیدھے ہاتھ والے مکان کے بالکل سامنے ایک سنگل پٹ کا فقط چوبی تختے والا دروازہ دکھائی دیا۔ جو بند تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کمیل دادا جیسے دھڑلے کے ساتھ دشمن کی کچھار کی طرف پیش قدمی کیے جا رہا تھا اور ہر قسم کی احتیاط کو بھی شاید اس نے بالائے طاق رکھا ہوا تھا۔ یا پھر وہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو رہا تھا۔

گلی ویران تھی۔ کمیل دادا کا رخ اسی چوبی پٹ والے دروازے کی طرف ہو گیا۔ میں نے دیکھا پٹ کے باہر کنڈی چڑھی ہوئی تھی، اور وہاں ایک زنگ آلود تالا لگا ہوا تھا۔

"کیا یہی جنگی خان کا ٹھکانا ہے؟" میں نے سرگوشی میں کمیل دادا سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"پر اس پر تو تالا ہے۔"

"اس پر ہمیشہ تالا ہی پڑا ہوتا ہے۔" کمیل دادا نے سرسراتی آواز میں کہا۔ پھر...... مجھے رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود مختصر سے تنگ قدم طے کرتا ہوا اوپر دروازے کے قریب پہنچا اور... اپنی جیب سے پلاس ٹائپ کا کٹر نکال کر تالے کو طریقے سے کاٹ ڈالا۔ اور دروازے کی کنڈی آہستگی سے کھول کر تھوڑا سا دروازہ وا کر کے اندر جھانکا۔

راستہ صاف پا کر اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

ہم دونوں ہی بے آواز اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر سرے پہ پہنچے۔ وہاں ایک بند دروازہ تھا جس کے نیچے خلا میں سے روشنی پھوٹ رہی تھی اور کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ ایک سے زائد افراد کے قہقہوں کی آوازیں تھیں۔ ہلکی موسیقی کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ کمیل دادا نے عقب میں ہاتھ کھڑا کر کے مجھے اپنے پیچھے ہی رکنے کا اشارہ کیا تو میں وہیں ٹھہر گیا اس کے بعد اس نے دروازے کی ایک جھری سے اپنی آنکھ چپکا دی۔ چند ثانیے وہ دوسری طرف دیکھتا رہا پھر اپنا چہرہ ہٹا کر مجھ سے نہایت ہلکی آواز میں بولا۔

اوپر آؤ۔" میں ایک زینے اور اوپر بند دروازے کے پاس آ گیا۔ سیڑھیوں میں اندھیرا تھا۔

"جھری سے آنکھ لگا کر دیکھو۔ مگر خود پر قابو پائے رکھنا۔ ہم منزل سے بالکل قریب ہیں۔"

اس نے سرسراتے اور عجیب سے لہجے میں جانے کیوں میرے تیزی سے دھڑکتے دل کو جیسے مٹھی میں جکڑ لیا۔ میں نے سنسناتی کنپٹیوں کے ساتھ جھری سے اپنی آنکھ لگا دی۔ اور پھر اگلے ہی لمحے میرا پورا وجود چنگاریاں بن کر آتش فشاں کی صورت دہکنے لگا جو کسی بھی وقت پھٹنے کے قریب ہو۔ دوسری طرف کا منظر بالکل واضح تھا کمیل دادا نے بے شک صحیح کہا تھا کہ منزل قریب ہے لیکن اس منزل کی میں نے کب توقع کی تھی مگر اس نے مجھ سے یہ کیوں کہا تھا کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد خود پر قابو پائے رکھوں۔ اس کا اندازہ مجھے جھری سے دوسری جانب دیکھنے کے بعد ہی ہوا تھا۔ کمیل دادا نہیں جانتا تھا کہ یہ جگر پاش منظر میرے لیے واقعی ناقابل برداشت ہی ثابت ہو گا۔ جس نے میرے اکڑے ہوئے وجود کی نسوں تک میں کھولتا ہوا لاوا دوڑا دیا تھا اور پھر میں خود پہ قابو نہ پا سکا۔ جوشِ جنوں اور وحشت خوں رنگ جذبات سے مغلوب ہو کر میں نے ذرا عقب میں ہٹ کر زوردار ٹھوکر ماری۔ رات کے اس پہر سناٹے میں دروازہ دھڑ سے کھلا تھا اور اندر جیسے رنگ میں بھنگ پڑ گیا تھا۔

خونی رشتوں کی خودغرضی اور پرائے بن جانے والے اپنوں کی بے غرض محبت میں پرورش پانے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

نوٹ ساز

عرفان آزاد

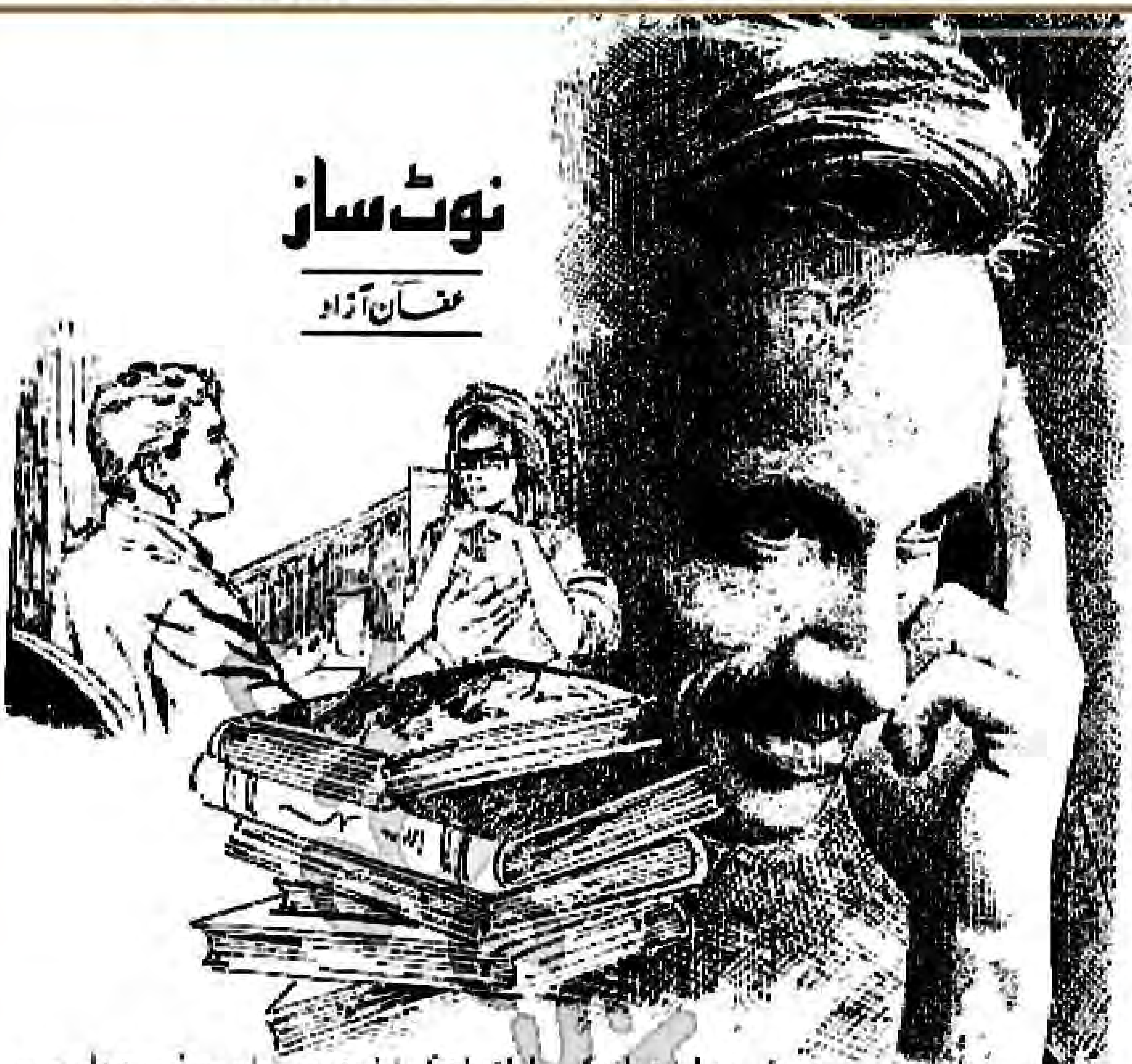

شہرت اور دولت کی چاہ انسان کی فطرت میں سانس بہ نفس رواں ہے۔ وہ بھی بہت دن اپنی لگی بندھی زندگی میں مگن تھا لیکن ایک اتفاق اسے نئے موڑ پر لے آیا... بنا خواہش، دولت اور شہرت کا فلک چھوتا پہاڑ اگر اچانک سامنے نظر آنے لگے تو چوٹی سر کرنے کی خاطر انسان ہر منزل سے گزر جانے پر تیار ہو جاتا ہے... شہرت کے آسمان پر درخشندہ ستارہ بن کر جگمگانے کی جوت کوئی دل میں جگا دے تو کھلی آنکھوں سے دن میں سپنے دیکھنے پر قدغن کون لگائے... ایک شہرت کے خوابوں میں گم تھا اور دوسرے کو تعبیر کا انتظار تھا...

چور کے دوست سپاہی کا دلچسپ قصہ... جرم کی کہانی میں اُس کی کامیابی پوشیدہ تھی...

اسکول کا زمانہ ایک طرف... لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہاں بھی کبھی کوئی ایسا مضمون لکھا ہو کہ جس پر ٹیچر سے شاباش ملی ہو۔ لکھنے پڑھنے والوں جیسا مزاج ہی نہیں تھا میرا۔ میرین کی حیثیت سے امریکی فوج میں شمولیت اختیار کی۔ بش اول کے دور میں عراق پر حملوں میں شامل رہا اور پھر فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد اسکول میں فزیکل انسٹرکٹر کی ملازمت کرلی۔ پنشن اور تنخواہ گزر بسر کے لیے کافی رہتی، اوپر سے بیوی کی تنخواہ بھی تھی۔ زندگی بھلی گزر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

رہی ہے مگر اچانک مجھے کہانی لکھنے کا خیال آیا اور پھر پانچ چھ ماہ میں ایک ناول لکھ ڈالا۔ یہ بات میری بیوی جینی ہی نہیں بلکہ پندرہ سالہ بیٹے کے لیے بھی حیران کن تھی۔

جیسے ہی میں نے مسودہ مکمل کیا، جینی نے مشورہ دیا کہ کسی پبلشر کے پاس بھیجنے سے پہلے اسے کسی پروفیشنل ایڈیٹر کو دکھا دوں تاکہ تعین ہو سکے کہ آیا یہ اشاعت کے معیار پر پورا اترتا بھی ہے یا نہیں۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ اس کے کئی دوست ایسے ہیں جو کتابیں لکھ چکے ہیں اور وہ شائع بھی ہو چکی ہیں لیکن پبلشرز ڈھونڈنے سے پہلے انہوں نے مسودہ ایڈٹ کرنے کے لیے بریٹی ہارنز کی خدمات حاصل کی تھیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے، پبلشر نے مسودہ دیکھتے ہی اشاعت کے لیے منظور کر لیا۔ وہ پوری قوت سے یہ دلیل دے رہی تھی کہ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تاکہ مسودہ کتاب کی شکل پا سکے۔ جینی کے مطابق بریٹی سکہ بند ایڈیٹر تھی۔

بریٹی کی تعلیمی لیاقت تو کوئی خاص نہ تھی لیکن جب بطور اسٹیٹ ایجنٹ اسے کوئی خاص کامیابی نہ مل سکی تو وہ لکھنے پڑھنے کی طرف مائل ہوئی اور برسوں کی محنت سے اُس نے اپنے اندر مسودوں کو جانچنے، ان کی اصلاح اور ایڈٹ کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی۔ اب اس کی روزی روٹی کا بڑی حد تک انحصار اسی پر تھا۔ نئے مصنفین کی سیلابی لہر کے سبب وہ اپنے پروفیشن میں بے حد کامیاب تھی۔

جینی کی تمام تر لفاظی کے جواب میں۔ میں نے کہا۔ ”خیر! ناول اچھا ہے۔“ میں نے پرنٹ نکال کر صفحات و ترتیب دے کر فائل میں لگا لیے۔

”ہو سکتا ہے۔“ سر پر کھڑی جینی یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ ”ایک مصنف کی رائے اپنے مسودے کے بارے میں ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے، آخر وہ اس کی تخلیق ہے۔ تم ہی بتاؤ، بھلا اپنا بچہ بھی کسی کو بدصورت دکھائی دے سکتا ہے؟“

”اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔“ میں بھنا کر رہ گیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ مجھے کمتر ثابت کرنے کے لیے ایسا کہہ رہی ہے۔ جب سے میں نے یہ ناول لکھنا شروع کیا تھا، وہ کئی بار یہ بات دہرا چکی تھی کہ ناول اور کہانیاں لکھنا عام آدمیوں کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لیے غیر معمولی دماغی صلاحیتیں درکار ہیں۔ کئی بار وہ مجھے کمزور دماغ بھی قرار دے چکی تھی۔

”سنو...“ میں اسے نظرانداز کر کے بدستور اپنے کام میں مصروف رہا تو اس نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کامیاب کوشش کی۔ ”حالیہ مہینوں میں میرے چند دوستوں کی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان سب کی ایڈیٹنگ بریٹی نے ہی کی تھی۔“

”یہ خبر ہے یا انکشاف! وہ یہی کام کرتی ہے، اس میں انوکھی بات کیا ہے۔“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”خاص بات یہ ہے کہ ان سب کتابوں کو پبلشرز اور بیگ سیلرز نے فائیو اسٹار ریٹنگ دی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی اور مجھے غور سے دیکھا۔ ”مطلب جانتے ہو اس کا؟“ اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی کہنے لگی۔ ”ابھی تمہیں ان سب باتوں کا کیا پتا، چلو میں ہی بتا دیتی ہوں۔ اس کا مطلب ہے... بیسٹ سیلرز۔“

اب واقعی میں زچ ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ مصنفین کے بجائے بریٹی کو کتاب کی اشاعت اور بہترین فروخت کا اصل حقدار قرار دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے بھی جوابی حملے کی ٹھانی۔ ”تم نے وہ خود پڑھی ہیں؟“

”ان پر لکھے تبصروں کی بات کر رہے ہو؟“ الٹا اس نے سوال کر دیا۔

”نہیں... کتابوں کی۔“

”تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے کندھے اُچکا کر کہا۔

”تو پھر تم کیسے جانتی ہو کہ وہ بڑی عمدہ کتابیں تھیں...؟“

یہ سنتے ہی اس نے بڑے بڑے دیدے گول گھمائے۔ ”فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، مسودہ بریٹی کو بھیجو، وہ تمہاری مدد کرے گی۔“ وہ کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے تحکمانہ لہجے میں ہدایت دے رہی تھی۔ ”جب دیکھو، وقت ضائع کرنے پر تلے بیٹھے رہتے ہو۔“ وہ بڑبڑائی۔

میں سمجھ گیا کہ بریٹی کے بغیر اگلا پڑاؤ پار کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے نہیں کہ مسودہ کمزور ہو سکتا ہے، اسے نظرثانی کی اشد ضرورت ہے یا پھر ایڈیٹنگ کی بلکہ اس لیے کہ میری بیوی کو کون سمجھائے کہ بریٹی کو بیچ میں شامل کیے بغیر بھی مسودہ پبلشر کو بھیجا جا سکتا ہے لیکن کہاں جناب!

اُسی شام میں نے بریٹی کی ویب سائٹ وزٹ کی۔ سبز رنگ کے ویب ہوم پیج کے بائیں جانب وہ تمام خدمات سلسلہ وار درج تھیں جن سے کوئی بھی مصنف استفادہ کر سکتا ہے لیکن مناسب فیس کی ادائیگی کے بعد۔ ویب سائٹ پر

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

برینڈی کی بڑی سی تصویر نمایاں تھی جس کے پس منظر میں کتابیں نظر آرہی تھیں۔ ان میں وہ کتابیں نمایاں تھیں جو اس کی اپنی لکھی ہوئی تھیں، ساتھ میں وہ بھی نظر آرہی تھیں جنہیں بقول ویب سائٹ، برینڈی نے ایڈٹ کیا اور وہ بیسٹ سیلرز بنیں۔ ویب سائٹ پر موجود تفصیل سے لگا کہ اسے لکھنے کا خبط ہے اور وہ بہت تیزی سے لکھتی ہوگی۔

برینڈی کی لکھی کتابوں کے نام بھی بہت دلچسپ تھے۔ اس کی پہلے پہل کی لکھی کتابوں میں 'بنا رقم خرچ کیے اپنے خوابوں کا گھر خریدیے' اور 'کوئی بھی ایک گھر خرید سکتا ہے' شامل تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ اُن دنوں کی یادگار ہیں جب وہ پراپرٹی کے بزنس میں تھی۔ برینڈی کے سوانحی خاکے میں دی گئی تفصیلات پڑھ کر لگا کہ بعد میں برینڈی نے ادب کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ اس کی حالیہ کتابوں میں 'نوّے روز میں ناول مکمل کیجیے' اور 'اب ہر شخص مصنف بن سکتا ہے' شامل تھیں۔ میرے خیال میں آخری کتاب دلچسپ ہوگی۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے۔ جس نے کبھی کوئی مضمون یا کہانی نہ لکھی ہو، وہ پہلا ناول لکھ چکا تھا۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ پبلشنگ کی دنیا کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ مسودہ مکمل تھا لیکن اشاعت کے لیے پبلشر کو بھیجنے کے علاوہ اور کیا کچھ کرنا پڑتا ہے، اس بارے میں کچھ خاص نہیں جانتا تھا۔ جتنا کچھ جانتا تھا وہ یہ کہ پبلشر کے نام خوشامدانہ خط لکھ کر مسودے کے ہمراہ بھیجنے کے لیے، سب سے پہلے لفافے میں بند کرکے پوسٹ آفس جانا اور پھر ٹکٹ لگا کر لیٹر باکس میں ڈالنا پڑتا ہے۔ کتاب کی اشاعت کے لیے یہی سب سے اہم کام ہے۔

برینڈی کی ویب سائٹ کے ہوم پیج پر سرخ رنگ سے ایک لنک واضح تھا جس کے ذریعے برینڈی کی خدمات حاصل کرنے والے مسودے کو اٹیچ کرکے اسے بھیج سکتے تھے۔ جسے دیکھنے کے بعد ہی اس پر نظرثانی کی فیس طے ہوتی اور یوں برینڈی کی خدمات لینے والا سو فیصدی ضمانت کے ساتھ مصنف بن سکتا تھا۔ میں نے بھی دی گئی ہدایات پر مکمل عمل کیا۔ لنک کو کلک کیا اور مسودہ اٹیچ کرکے بھیج دیا۔

یہ دیکھ کر جینی نے بھی سکون کی سانس لی۔ ''اب مجھے یقین ہے کہ تم بھی ناول نگار کہلا سکو گے۔'' حسب عادت وہ دیدے گھماتے ہوئے بولی۔ دیدے گھمانا اُس کی دانستہ حرکت نہیں، وہ ایک اسکول ٹیچر تھی اور کئی برس کے تجربے سے یہ صلاحیت خود بخود اس تک منتقل ہو چکی تھی۔ مجھے اس سے کوئی اور شکایت نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ وہ گھر میں بھی ہر وقت ٹیچر بنی رہتی اور میں اس کی نظر میں شاید تیسری کلاس کا ایک ایسا ہی بچہ تھا جسے ٹیچر کی توجہ ہر وقت درکار ہوتی ہے۔ اس کا یہی رویّہ میرے لیے مصیبت تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ مجھے لکھنے پڑھنے سے کوئی خاص شغف نہیں لیکن جب چند ماہ قبل ہائی اسکول کے دنوں کے ایک دوست ایڈم سے اتفاقی ملاقات ہوئی اور اس کے ذریعے رابرٹ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور اس کی موت کے بارے میں پتا چلا تو نہ جانے کیسے میرے دل میں خواہش جاگی کہ اس حقیقت کو فکشن کی صورت لکھا جائے۔ ہفتوں تک اس بارے میں سوچتا رہا، تمام تر حالات و واقعات کو ذہن میں ترتیب کے ساتھ ایک شکل دی اور پھر لکھنے بیٹھا تو لکھتا ہی چلا گیا۔

رابرٹ کوئی اچھا طالب علم نہ تھا۔ ہائی اسکول میں وہ ہمارے بدمست شرارتی لڑکوں کے گینگ کا سربراہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی لوٹ مار ایک طرف، اکثر اُن دنوں ہم جیسے آوارہ مزاج لڑکے یہ سب کچھ کر بیٹھتے تھے لیکن بڑے ہو کر ہم نے باعزت ملازمتوں کا انتخاب کیا اور اب سکون کی گھریلو زندگی گزار رہے ہیں لیکن وہ جرم کی دنیا میں چلا گیا تھا۔ انجام اس کا بے وقت موت رہا مگر ایڈم سے پتا چلا کہ اسے کسی جرم کی نہیں، رنگین مزاجی کی سزا ملی تھی۔ دراصل رنگیلے مزاج رابرٹ کسی اور طاقتور بدمعاش کی محبوبہ کو دل دے بیٹھے تھے لیکن جب اس نے کرم فرمائی نہ کی تو موصوف نے غصے میں آکر لڑکی کو جبکہ اس کے اصل عاشق نے رابرٹ کو مار دیا۔ قصہ ختم ہوا۔ پولیس خوش کہ ایک مجرم مارا گیا اور قاتل خوش کہ رقیب کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے، ساتھ ہی نئی محبوبہ کے لیے راستہ بھی صاف ہوا۔

میں نے جینی کو یہ کہانی سنائی تو اس نے حوصلہ افزائی کی اور یوں لگ بھگ دو ماہ کی محنت کے بعد میری اپنی رائے میں، ناول کسی پبلشر کو بھیجنے کے لیے تیار تھا۔

مسودہ بھیجے کئی روز گزر چکے تھے مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اگرچہ میں جینی سے اپنی بے چینی چھپا رہا تھا لیکن سچ یہ ہے کہ مجھے شدت سے جواب کا انتظار تھا۔ دن میں کئی کئی بار ای میل چیک کرتا مگر جواب ندارد۔ آخر ہفتہ بھر بعد اس کی ای میل ملی۔ وہ ملنا چاہتی تھی۔

برینڈی کا دفتر درمیانے درجے کے مضافاتی تجارتی علاقے میں واقع ایک واجبی سی عمارت کے دوسرے فلور پر تھا۔ اندر داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ دفتر ہی نہیں وہ تو خود... بھی اپنی ویب سائٹ کا عکس تھی۔ کمرے میں سبز رنگ کا

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

استعمال نمایاں تھا۔ چمک دار گہرے براؤن لہریے دار بالوں والی بریٹی کے ناخنوں پر بادامی رنگ کی پالش تھی۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں ملبوس مخروطی چہرے والی بریٹی کی ناک پر پیرتیس گول فریم کی عینک لگی تھی۔

''رنگوں کا استعمال خوب ہے، مجھے یہ پسند آئے۔'' دیواروں کی طرف اشارہ کرکے کہا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

''یہ رنگ اپنی طرف تمہاری بھی توجہ کھینچتے ہیں یا نہیں؟'' میں ذرا بےتکلفی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

''یہ اہم نکتہ ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''اس پر پھر بات کریں گے، آیئے! تشریف رکھیے۔'' اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ''ہم گزشتہ ہفتے زیادہ تر تمہارے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے ہیں۔''

''میرے بارے میں...'' یہ اعتراف کم از کم کسی انکشاف سے کم نہ تھا۔ ''لیکن یہ تو میرا پہلا ناول، معاف کیجیے! میرا مطلب کہ مسودہ ہے۔ اس سے پہلے تو میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔ چھپنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' میرے لہجے کی ہچکچاہٹ صاف عیاں تھی۔

''لیکن اب تم ایک ناول نگار اور ادیب ہو۔'' وہ میری بات سن کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اب تمہیں اپنے آپ کو، میرا مطلب ہے کہ اپنے کام کو بیچنے کی ضرورت ہے۔ یہ میرے پیکیج کا بھی حصہ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر توقف کیا۔ میری پوری توجہ اس پر مرکوز تھی۔ ''تم نے اپنی ون شیٹ سے متعلق کچھ سوچا ہے؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

یہ سنتے ہی میں گڑبڑا گیا۔ اس سے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں سنا تھا۔ ''یہ کیا شے ہے؟'' میں نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

''شیٹ... ون شیٹ۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''مطلب کہ مختصر سوانحی خاکہ۔'' یہ کہہ کر اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔

''مگر میں نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے یہ لکھنے کی ضرورت پیش آتی۔'' میں نے شرمندہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''خیر چھوڑو اُسے، میں خود تیار کرلوں گی۔''

میں نے سکھ کی سانس لی۔ ''شکریہ۔''

وہ مسکرائی۔ ''شکریے کی بات نہیں، یہی تو میرا کام ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے چاروں طرف طائرانہ نظر ڈالی۔ ''ہم رنگوں کی بات کر لیتے ہیں۔ تم نے دیکھا، ہر شے کے دو رنگ ہوتے ہیں...''

''اوہ! ہر شے کے...'' میں یہ سن کر چونک گیا اور قطع کلامی کی لیکن اگلے ہی لمحے مجھے اس غلطی کا احساس ہو گیا۔

''سوری... پلیز... آپ کہیے۔''

''جی ہاں رنگ، یہی آگے چل کر آپ کی پہچان بن جاتے ہیں۔'' اس نے مجھ پر نظریں گاڑ کر دوبارہ وہیں سے بات شروع کی جہاں سے سلسلہ ٹوٹا تھا۔ ''اگر آپ اپنی کتابوں کو بیسٹ سیلرز دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر سرورق، بیک ورق اور اس پر بنائی گئی تصویر کے رنگوں پر مکمل توجہ دیجیے۔ اس کے بعد بھیں بک ہو یا ٹوئٹر یا پھر ای میل اکاؤنٹ... ہر جگہ وہی رنگ استعمال کرنے چاہئیں۔ تم نے دیکھا کہ میرے ہاں گہرے سبز اور آتشی سرخ رنگ کا استعمال نمایاں اور غالب ہے۔ یہ رنگ میری پہچان بن چکے ہیں...''

ہیجان بولتے بولتے وہ سانس لینے کو لمحہ بھر کے لیے رکی۔

''جی ہاں...'' میں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اس دوران میں گہری نگاہوں سے دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ کمرے کی تین دیواریں گہرے سبز جبکہ ایک آتشی سرخ رنگ کی تھی، بالکل اس کی ویب سائٹ کی طرح جہاں میں نے تین تہائی سبز اور ایک تہائی سرخ رنگ کا استعمال واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

''لیکن پہلی بات سب سے پہلے۔'' ایک بار پھر بولنے کی باری اسی کی تھی۔ ''سب سے پہلی ضرورت اس کتاب کی اشاعت ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات ہی تبدیل ہو گئے تھے۔ اس نے کچھ دیر تک میرے چہرے کو بغور دیکھا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی بری خبر نہ ہو۔ لگ بھگ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ ''کہیں مجھے غلط نہ سمجھ لینا لیکن تمہارے مسودے پر کافی کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن پھر بھی میں سمجھتی ہوں کہ تم میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور صرف ایک ناول ہی نہیں بلکہ ایک پوری سیریز بھی لکھ سکتے ہو مگر...'' وہ بات مکمل کیے بنا خاموش ہو گئی۔

''مگر کیا...'' میں چونک گیا۔

''تمہیں میری مدد کی اشد ضرورت ہے۔'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ''اس کے بغیر کامیابی...'' ایک بار پھر اس نے بات مکمل کیے بنا چھوڑ دی مگر میں سمجھ چکا تھا کہ آگے وہ کیا کہنے والی تھی۔

''چائے لیں گے یا کافی مسٹر شیکسپیئر۔'' وہ صوفے سے اٹھی۔

''شیکسپیئر؟'' اس کے منہ سے اپنا یہ نیا نام سن کر میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

گڑبڑا گیا۔

''یس مسٹر شیکسپیئر۔'' اس نے کافی بنانے کے دوران میں مڑ کر مجھے دیکھا اور تعریفی لہجے میں کہا۔ ''اب تم اچھے ہاتھوں میں ہو۔ مسودہ ملنے کے دوسرے ہی دن میں نے اس کا پرنٹ لے لیا تھا۔ دوبار پڑھا ہے اسے پوری توجہ کے ساتھ۔''

اس نے کافی کے مگ میز پر رکھے اور سرخ دیوار کے پاس رکھے شیلف کی طرف بڑھی۔ ایک فائل اٹھائی اور واپس میرے مقابل آکر بیٹھ گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس میں ضرور میرا مسودہ ہوگا۔ خیال درست نکلا۔ کچھ صفحات مڑے ہوئے تھے کہ جیسے اس نے نشانی لگائی ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کم از کم تین سو صفحات ہوں گے۔

''مسٹر شیکسپیئر، میں ایک ایماندار عورت ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔ ''جو ہوتا ہے وہ میں کہہ دیتی ہوں۔ یہی دیکھو...'' اس نے چند مڑے صفحات پر انگلی رکھی۔ ''یہ ناقابل مطالعہ ہیں۔''

''مطلب...؟''

''میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان صفحات پر جو کچھ تحریر ہے، وہ پڑھا جاسکتا ہے لیکن اسے سمجھنا مشکل ہے۔ یہ خاصا پیچیدہ طرزِ تحریر ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ تمہارے ذہن و دل میں جو کچھ تھا، وہ صفحے پر الٹ دیا لیکن پچھلے اور اگلے صفحات سے اس کا ربط، سہل پن اور بات کہنے کا ڈھنگ... اسی طرح کی کئی اور چیزیں ہیں اس میں سے غائب ہیں۔ یوں کہہ لیں کہ کہانی کے تکنیکی پن کا یہاں کوئی استعمال نہیں ہوا۔'' اس نے ایک اسکول ٹیچر کی طرح سمجھانا شروع کیا۔ ''تم جو بات کہنا چاہتے تھے وہ لکھ تو ڈالی لیکن شاید ڈھنگ سے اپنی بات قاری تک پہنچانے میں ناکام رہے ہو۔''

بریٹی سے اس ملاقات سے قبل تک، شاہکار ناول لکھ لینے پر فخر کا جو دریا میرے اندر موجزن تھا، یکدم اس کا چڑھتا پانی اترنے لگا۔ اس کا تبصرہ سن کر میں خود کو شرمندہ محسوس کررہا تھا۔ ''او کے...'' آخر کچھ دیر کی ندامت بھری خاموشی کے بعد میں نے مختصر جواب دیا۔

''خیر ایسی بھی کچھ بات نہیں۔'' اس نے میری شرمندگی بھانپ لی تھی، شاید اسی لیے حوصلہ افزائی کی۔ ''طرزِ تحریر اتنا زیادہ بھی برا نہیں۔ ناول میں جرم و سزا سے متعلق تمام ضروری لوازمات اور مرچ مسالا موجود ہے، بس ذرا ترتیب، اسلوب، مکالمے اور بات کو سہل طریقے سے بیان کرنے کا ڈھنگ غائب ہے۔ ویسے یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں، میں ٹھیک کردوں گی۔ لیکن ایک مفید مشورہ ضرور دوں گی...''

بات ادھوری چھوڑ کر وہ خاموش ہوئی تو میں نے تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں مسودہ نہیں بلکہ اپنی خامیاں...'' یہ سنتے ہی میں چونک گیا۔ اس نے بھی یہ بات بھانپ لی، فوراً مسکرائی۔ ''معاف کیجیے گا میری مراد تمہاری ذات نہیں بلکہ تحریر سے ہے۔''

''اوہ...''

''اچھی بات یہ ہے کہ تم مجھ تک پہنچ گئے۔ یقیناً، میری خدمات تمہارے ناول کو شاہکار بنادیں گی۔''

میں نے احسان مند نظروں سے اسے دیکھا۔

''تو تم میری خدمات حاصل کرچکے۔'' یہ کہتے ہوئے بریٹی نے مسودہ میز پر رکھ دیا۔ ''تم مشہور کرائم اسٹوری رائٹر بننے کی صلاحیتوں سے پوری طرح مالا مال ہو لیکن...''

''اس کے لیے مجھے بہرحال میں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔'' میں نے قطع کلامی کی۔

''بالکل درست کہا، اب تم سمجھ گئے کہ کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''یہ تمہاری ایک اضافی خوبی ہے۔ اچھا ادیب وہ ہوتا ہے جو ذہنوں کو پڑھ لے۔''

میں نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا۔ یہ اور بات کہ وہ جو بتی پڑھا رہی تھی، وہ کچھ خاص میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''ایک منٹ...'' وہ اٹھ کر شیلف کی طرف گئی۔

لمحہ بھر کے لیے میں چشمِ تصور سے خود کو معروف ناول نگار کی حیثیت سے دیکھنے لگا۔ اخبارات میں بڑی بڑی تصاویر اور تبصرے، ٹی وی پر انٹرویو، ریڈیو والوں کا انٹرویو کے لیے فون۔ میں تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ نویں جماعت میں پڑھنے والا میرا بیٹا گوگل کے سرچ انجن پر شیکسپیئر آف اوتھیلو لکھ رہا ہے۔ ویسے میں نے اپنے پہلے ناول کا نام اوتھیلو کی داستان تجویز کیا تھا مگر چند لمحے پہلے بریٹی کے دیے گئے لقب نے میرے حوصلے اور عزائم، دونوں کو ہی بہت بلند کردیا تھا۔

''معاف کیجیے۔'' بریٹی کی کھنکھناتی آواز سے میرا سپنا ٹوٹ گیا۔ ''لگتا ہے تم گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔'' وہ میرے مقابل بیٹھ چکی تھی۔

''آپ کی باتوں پر غور کررہا تھا۔''

''یہ تو بڑی اچھی علامت ہے۔ اس طرح ہم یکساں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

سوچ کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں۔'' اس نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''ایک اور بات کہنا چاہوں گی۔'' یہ کہہ کر اس نے توقف کیا اور لیکچر پھر شروع۔ ''میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے کرداروں کو نہایت مضبوط ہونا چاہیے۔۔ اب تمہارے کردار ایاگو کو ہی لے لو۔ غیر معمولی طور پر ذہین اور چالاک نظر آتا ہے۔'' اس نے آنکھیں گول گول گھما کر مجھے دیکھا۔ ''مجھے یقین ہے کہ جب تم اس کردار کو لکھ رہے تھے، تب اس نے یقیناً تمہیں بہت پریشان اور مصروف رکھا ہوگا۔'' وہ تائید حاصل کرنے کے لیے خاموش ہوگئی۔

''اگر یہ کہوں کہ کہانی اور اس کے کرداروں کے بارے میں تمہیں علم غیب بھی آتا ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا۔'' میں نے ٹھٹھا لگایا۔

''تم ڈرنک کرتے ہو؟''

میرے لیے یہ سوال غیر متعلق اور اچانک تھا۔ میں چونک گیا اور پھر جلدی سے انکار میں سر ہلایا۔ ''نہیں، البتہ کبھی کبھار پارٹی وغیرہ میں...''

''سوشل ڈرنک لے لیتے ہو۔'' اس نے مسکرا کر میری بات کاٹ کر جملہ خود مکمل کر دیا۔ ''لیکن لکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تھوڑی بہت ضرور پیا کریں' خاص طور پر کہانی کے پلاٹ پر سوچتے اور پھر لکھنے کے دوران۔ تمام مشہور ادیب ایسا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔''

میں نے بنا سوچے سمجھے سر ہلا دیا مگر سمجھ نہیں آیا کہ اسے مجھے ادیب بنانا ہے یا شراب کی لت لگوانی ہے۔

''لیکن ایک بات بڑی عجیب ہے۔'' اس نے کچھ سوچنے کے بعد لب کشائی کی۔ ''تم ڈرنک نہیں کرتے لیکن یہ تمہارا ایاگو... وہ تو بہت پینے والا ہے، اوپر سے وہ مختلف برانڈ پر تنقید و تعریف بھی کرتا ہے۔'' وہ ذرا آگے کی طرف جھکی اور میری آنکھوں میں جھانکا۔ ''بڑی کمال کی معلومات ہیں تمہارے پاس بھی۔'' یہ کہہ کر وہ زور سے ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی بہت دلکش تھی۔

''شاید میری جنرل نالج اچھی ہوگی۔'' یہ کہہ کر میں زور سے ہنس پڑا۔ چند لمحوں تک کمرے میں ہم دونوں کے ہنسنے کی آوازیں گونجتی رہیں۔

''تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ...'' اتنا کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ اس نے اب تک کی گفتگو میں کئی بار یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ پہلے تو واقعی میں اس بات کو اصل معنوں میں سمجھا لیکن اب جان چکا تھا کہ یہ اس کا تکیہ کلام ہے ''سب سے پہلے۔'' ''چلو... سب سے پہلے تمہارے کردار ایاگو سے شروع کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کردار تمہاری کہانی کے موجودہ ورژن سے متعلق نہیں ہے۔ اگر اسے ہٹنے دیں اور آگے بڑھیں تو یہ کہانی میں ابہام پیدا کرے گا۔ قاری کو الجھن محسوس ہوگی۔ تمہارا سراغ رساں بھی کہانی سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا البتہ آرتھر کہانی کے پلاٹ میں بالکل فٹ ہے۔ تمہارے سراغ رساں نے تو کہانی کو کسی اور ہی رخ پر ڈال دیا ہے۔''

مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اسے ناول ایڈٹ کرنا ہے یا اس کا پوسٹ مارٹم۔ نہ جانے وہ کس طرح کی باتیں کررہی تھی۔ میں نے تو سیدھا سادہ ناول لکھا، جس کی کہانی بالکل یکی تھی لیکن روپ فکشن کا دیا تھا اور بس لیکن ان محترمہ نے تو میرے چودہ طبق روشن کرنا شروع کردیے تھے۔ اسی لیے جب وہ کئی بار ذکر کر چکی تو آخر میں نے پوچھ ہی لیا۔ ''میرا سراغ رساں؟''

''ہاں... ایاگو۔ تمہارا سراغ رساں۔'' اس نے تحمل سے مجھے گھورا۔ ''تمہارا تخلیق کردہ کردار ہے یہ۔'' لگا کہ وہ مجھے یاد دہانی کرا رہی ہے۔ شاید اس وقت وہ بھی جنگلی کی طرح مجھے غائب دماغ سمجھ رہی ہوگی۔

''اوہ...'' میں نے پشیمانی کا اظہار کیا۔ ''دراصل میں کوئی سکہ بند ادیب نہیں ہوں نا!''

''کوئی بات نہیں، تھوڑے عرصے کی بات ہے پھر بن جاؤ گے۔'' اس نے خوش دلی سے اس طرح کہا جیسے میری کسی غلطی کو معاف کر رہی ہو۔ ''ہاں تو سب سے پہلے ایاگو، ہم اسی کی بات کر رہے تھے نا؟'' اس نے تائیدی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم دیکھو کہ سب سے پہلے اسی نے سراغ لگایا تھا۔''

''کس چیز کا...'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایاگو نے ہی سب سے پہلے یہ سراغ لگایا تھا کہ حقیقت میں ڈیسمونا کس کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے۔''

''لیکن قتل تو اوتھیلو نے کیا تھا۔'' میں نے پہلی بار اس کی رائے سے اختلاف کیا لیکن منمناتے ہوئے۔

''اوتھیلو کو تو بظاہر قاتل بتایا گیا۔'' اس نے میرا اعتراض مسترد کر دیا۔ ''اپنی بات چھوڑو، تمہارے قارئین سمجھ جائیں گے کہ ہم ٹھیک راستے پر آگے بڑھے ہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ رکی اور مجھے بغور دیکھا۔ ''قارئین بڑے ذہین ہوتے ہیں، پل بھر میں کہانی کا جھول پکڑ لیتے ہیں۔ ہاں تو بات کر رہے تھے اوتھیلو کی، سب سے پہلے یہی دیکھو کہ اگر

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اوتھیلو مرکزی مشکوک ملزم تھا تو پھر اسی پر کہانی آگے بڑھے گی اور جب سراغ رساں نئی حقیقت سامنے لائے گا تو قاری چونک اٹھے گا۔ اسے چونکنا بھی چاہیے اور یہ کام ادیب سے زیادہ ناول ایڈٹ کرنے والے کی ذمے داری ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" لیکن میری بات کو وہ شاید کسی اور معنوں میں سمجھی ہوگی۔ میں جان چکا تھا کہ وہ بہانے بہانے سے مجھ پر اپنی اہمیت و افادیت ظاہر کررہی تھی کہ اگر میں ناول نگاروں اور ادیبوں کی فہرست میں شامل ہونا چاہتا ہوں تو اس کی خدمات میرے لیے کتنی ضروری ہے۔

"ہاں تو بات یہ ہے کہ ہم ایاگو پر بحث کررہے تھے۔" اس نے مگ رکھ کر ایک بار پھر لیکچر شروع کردیا۔ "تم نے اپنی یہ کہانی پس منظر سے شروع کی ہے لہٰذا ڈیسمونا کو شروع ہی میں مرنا چاہیے کہانی کے آخر میں نہیں۔ اور پھر یہاں سے ایاگو تحقیقات شروع کرے کہ اسے کس نے قتل کیا۔ اگر ڈیسمونا کو آخر میں ہی مرنا ہے تو پھر ایاگو کا کردار غیر متعلق ہے۔ وہ پوری کہانی میں کیا کرتا پھرے گا، یہ بات قاری کے دماغ کو الجھائے گی۔"

"لیکن میرے نزدیک اس کہانی میں ایاگو ہیرو نہیں بلکہ ایک ولن ہے اور وہ بہت مقبول بھی ہے۔" یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی ہمت کی اور لکھتے ہوئے جس طرح ایاگو کا کردار آگے بڑھایا اور جیسا وہ میرے ذہن میں تھا، اسے بیان کردیا۔

"ایسا تم سوچ رہے ہو مگر یاد رکھو کہ ہم غلطیوں کو ٹھیک کرکے اسے شاہکار ناول کا درجہ دینے جارہے ہیں۔" ایک بار پھر اس نے میرا اعتراض ایک جملے میں ہی مسترد کردیا۔ "میرے نظرثانی شدہ مسودے میں، جیسا کہ پہلے بھی بتا چکی ہوں، ایاگو ایک سراغ رساں ہوگا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "ایاگو بہت ذہین ہے لیکن اس کا کردار مزید مضبوط کرنے کے لیے ہم اب تک اس میں دو تبدیلیاں کرچکے ہیں۔"

مجھ نہیں آیا کہ وہ کس تبدیلی کی بات کررہی ہے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ڈیسمونا کو شروع میں ہی قتل ہونا ہے اور ایاگو سراغ رساں ہے، یہ ہوچکیں دو تبدیلیاں۔" اتنا کہہ کر وہ رکی اور میری طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی زبان پھر شروع ہوگئی۔ "اب ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ قتل کے محرکات کیا ہوسکتے ہیں اور مشتبہ قاتل کون ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھی اور شیلف کی طرف بڑھی۔ مسودہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ ورق پلٹتے ہوئے وہ واپس آئی۔ "ہاں... یہاں ہے وہ۔" اس نے ایک صفحے پر انگلی رکھی۔ "ہم بیانکا سے شروع کریں گے۔"

میں نے ایک بار پھر منمنا کر اعتراض اٹھایا۔ "لیکن بیانکا تو شاید ہی..."

مگر اس نے قطع کلامی کی۔ "بالکل ٹھیک، کہانی میں اس کا کردار بہت مختصر ہے اور اسے مشتبہ قرار دینا ناممکن ہے۔" یہ سن کر میں خوش ہوا کہ اس بار میرے اعتراض کے سامنے وہ ہتھیار ڈالنے جارہی ہے۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ شروع ہوئی۔ "لیکن ذرا لمحہ بھر کو سوچو۔ تمہاری کہانی میں بیانکا، کیسیو کے ساتھ ہے اور تمہارا کردار ڈیسمونا کو پیار کرتا ہے بیانکا کو نہیں۔ یقیناً ڈیسمونا اپنے احساسات کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے اور وہ خود بھی۔ بہرحال وہ تمہارے کردار اوتھیلو کے واسطے کام کرتی تھی لیکن میرا یقین کرو، بیانکا جانتی تھی کہ وہ کس سے محبت کرتا ہے۔ عورتیں یہ سب کچھ بھانپ لیتی ہیں۔ لہٰذا ہمارا سراغ رساں ایاگو درست سمت میں کیسیو کی جانب بڑھتا ہے۔ اس کی نظر میں سب اچھا نہیں ہے۔ خیر، میرا نکتہ یہ ہے کہ بیانکا اس سے جلنے لگی تھی اور اس نے اپنے مفاد میں سوچا کہ ڈیسمونا کا پتا صاف کردیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے تپائی سے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ پی گئی۔ یقیناً اتنی لمبی تقریر کے بعد گلا تو سوکھ ہی رہا ہوگا۔ "میرے خیال میں تمہاری بات ٹھیک ہے۔" وہ اب میری طرف متوجہ تھی۔

"اوکے... اب ہم پھر تمہاری کہانی کو دیکھتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے مسودے کے کچھ صفحات پلٹے۔ "تمہارے لکھے کے مطابق اوتھیلو نے پہلے ڈیسمونا کو قتل کیا اور پھر خود کو گولی ماری۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جانتے ہو..." وہ مسکرائی۔ "تم نے ایسا کچھ معما چھوڑا ہی نہیں، جسے ایاگو حل کرسکتا۔ اب اگر کہانی یوں ہی آگے بڑھتی ہے تو ایاگو کا مضبوط کردار خواہ مخواہ ابہام پیدا کرے گا، اس کے پاس کرنے کو تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اسی لیے میں نے طے کیا کہ وہی سب کی نظروں میں مرکزی مشتبہ قاتل ہے۔"

"میں بھی متفق ہوں، اوتھیلو پر ہی شک کی انگلی اٹھنی چاہیے۔" یہ کہہ کر میں نے پہلو بدلا اور سوچا کہ یہ تو سب کچھ تہ و بالا کرنے کے درپے ہے۔

"تو یہ ہے ہماری کہانی کا معما، اب ہم دوسرے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

طرف آتے ہیں۔" یہ پہلا موقع تھا وہ پہلی بات کیے بنا ہی دوسرے کردار کی طرف بڑھ گئی تھی۔ "اب بات ہے کیسیو کی..." اس نے مسودے کے صفحات پر نظر ڈالی۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں مگر ایک بار پھر میں اعتراض اٹھا چکا تھا۔ "یہ ایک معزز کردار ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں ردوبدل کی کوئی ضرورت ہوگی۔"

"ضرورت تو پیش آچکی۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے حیرت انگیز انکشاف کرنے جارہی ہو۔ "وجہ یہ کہ وہ پہلی نظر میں بالکل فٹ مشتبہ ٹھہرتی ہے۔ ایک تو وہ عدم تحفظ کا شکار ہے دوسرے یہ کہ اس کی مالی حیثیت کمزور ہے۔ پیٹ پالنے کے لیے وہ ایک اسٹور پر بطور اکاؤنٹنٹ ملازم ہے، پھر ایک فوجی کا اس سے ملتے رہنا۔"

مجھے اس کی منطق سمجھ نہ آئی۔ "تو پھر..." میں سمجھ نہیں سکا تھا کہ وہ ناول کو کیا رنگ دینا چاہتی ہے۔ میرے نزدیک اوتھیلو قطعی ذہین نہ تھا مگر یہ اسے بلا کا چالاک بنانے کی کوشش کررہی تھی۔ کیسیو ایک معزز عورت تھی، اس پر قتل کا شک کرارہی تھی اور بیانکا تو ویسے ہی ایک معمولی کردار تھا، اس سے ناول شروع کرادیتا... لمحہ بھر کو میری آنکھوں میں جینی کا چہرہ ابھرا۔ اس کا مشورہ مان لینے کی غلطی پر خود کو لعنت بھیجی۔

بریٹی نے مسودے پر سے نظر اٹھا کر کن انکھیوں سے مجھے دیکھا۔ "ناول کا عنوان اچھا نہیں، اسے بھی بدلنا ہوگا لیکن اس پر ہم بعد میں بات کریں گے، فی الحال کیسیو پر ہی بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ میرے خیال میں لیفٹیننٹ کے ساتھ اسے جوڑ دینا ٹھیک نہیں۔" خاموش ہو کر وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ "یہ لو، کیا بات نکلی ہے..." اس نے میری طرف دیکھا۔ "کیسیو کی وجہ سے مجھے فرائیڈ سگمنڈ یاد آگیا۔ کیا فلسفہ بیان کیا ہے اس نے، کیسیو پر بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔ فرائیڈ کے تناظر میں، میں یہ سمجھتی ہوں کہ کیسیو کو لاشعوری طور پر ملازمت کے ہاتھ سے چلے جانے کا وسوسہ لاحق ہے۔ اسی لیے وہ ذہنی دباؤ کا شکار رہی، جسے کم کرنے کے لیے اس نے شراب نوشی شروع کردی۔ کیسیو کو ذہنی تناؤ کا شکار بنانے سے کہانی میں گہرائی پیدا ہوگی، قاری کی دلچسپی بڑھے گی لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

"وہ کس لیے..." میں نے نیم دلی سے پوچھا۔ اب میں اس کے لیکچر سے بیزار ہوتا جارہا تھا۔ وہ مجھ سے ہی نہیں اب خود اپنے آپ سے اختلاف پر اتر آئی تھی۔

"میرا نکتہ یہ ہے کہ اس کیس میں کیسیو پر فیکٹ ملزمہ نظر آتی ہے۔ بنیادی طور پر جب وہ شراب پیتی ہے تو ہوش و حواس کھو بیٹھتی ہے اور ایسے میں اس کا رویہ شدید جارحانہ ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کچھ دیر توقف کیا۔ شاید اسے میرے بولنے کا انتظار تھا مگر مجھے خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ شروع ہو گئی۔ "ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب کیسیو نے ڈیسمونا سے کہا کہ وہ اوتھیلو کو چھوڑ دے لیکن وہ نہ مانی اور مشتعل ہو کر حملہ کردیا اور اس بے چاری کی جان لی۔" یہ کہہ کر وہ پھر رکی اور میرے چہرے کو بغور دیکھا لیکن میں چپکا بیٹھا رہا۔ "یہ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت وہ نشے میں تھی اور اچھے برے کی تمیز بھلا بیٹھی تھی۔ ڈیسمونا کے انکار پر وہ بھڑک اٹھی اور غصے میں حملہ کردیا۔"

"بہت خوب..." میں نے سپاٹ لہجے میں تبصرہ دیا۔

"مسٹر شیکسپیئر... اب تم ایک رائٹر کی طرح سوچنے لگے ہو۔ میرا خیال ہے یہ تبدیلی تم میں مجھ سے ملنے کے بعد آئی ہے۔" اس نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے لب کشائی کے بجائے مسکرانے پر ہی اکتفا کرلیا۔ "ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ یہی وجہ ہے کہ ہمارا سراغ رساں دیا گو اسے مشتبہ قرار دینے والا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے مجھے گھورا۔ "اب مجھے کیسیو کو مشکوک قرار دینے کا جس منظر..."

ایک بار پھر میرا سر تائید میں ہلا۔ ویسے بھی اب میں اپنی زبان کو زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ یہاں تقریر کے لیے ایک ہی زبان کافی ہے اور جب یہ زبان عورت کی ہے تو پھر تھکن کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

کچھ دیر تک مسودے پر نظریں جمانے کے بعد بریٹی نے سر اوپر اٹھایا۔ "ڈیسمونا نے جب اوتھیلو کو چھوڑنے سے انکار کیا تو کیسیو نے اسے قتل کردیا۔ جان لیوا حملہ کرنے کے لیے یہی جواز کافی ہے۔ خاص کر اس وقت کہ جب وہ نشے کی حالت میں ہو اور دل کے ہاتھوں مجبور بھی، تب ایسا سو فیصد ممکن ہے۔ چونکہ یہ ممکن ہے تو ہم اس ناول میں بیانکا اور کیسیو کے بعد اب مزید دو مشتبہ کردار پیدا کریں گے۔"

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میری سیدھی سادی کہانی کی وہ کیا کھچڑی بنا رہی تھی۔ "خیر اب کس کی باری ہے؟"

"یہ ہے بار ٹینا..."

"ڈیسمونا کا باپ۔" میں چونک گیا۔

"واہ..." وہ خوش ہو کر بولی۔ "اب بھی دیکھ لو کہ بار ٹینا کے نام پر تم خود کتنے حیران ہوئے تو پھر ذرا سوچو

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

قاری کو کتنی حیرانی ہوگی۔"

یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ اس پر مجھے حیرانی ہوئی تھی یا تکلیف مگر منہ سے کچھ نہ بولا، خاموشی سے اسے تکتا رہا۔

"تو کیا اس نے اپنی بیٹی کو قتل کیا؟"

"نہیں..." برینی کا لہجہ دوٹوک تھا۔"مگر اس کی ضرورت ہے کہ قاری اس امکان پر بھی غور کرے۔ بہرحال اوتھیلو کی وجہ سے اسے دکھ تو ملا نا!" اس نے میری طرف دیکھا۔"ذرا اس نکتے پر سوچو۔ بارمین نے اسے اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی، اس پر اعتبار کیا لیکن پھر دیکھو اس نے کیا کیا۔ اس نے پورے گھر کو جنگ کا میدان بنایا۔ اس کے اعتبار کو دھوکا دیا۔ ڈیسمونا اس کی پرستش کرتی تھی لیکن اس نے اسی کی جان لے لی۔" یہ کہہ کر اس نے ابرو چڑھا کر مجھے دیکھا۔"اس کی جان لینے کے لیے بارمین کے پاس یہ جواز کیا کم تھا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔"اگر تم ڈیسمونا کے باپ کی جگہ ہوتے تو کیا ایسا نہ سوچتے؟"

"ہاں..." میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔"بظاہر تو کسی کی جان کے لیے یہ وجہ کچھ کم نہیں۔"

"قتل کے محرکات کو نئے موڑ دیے جاسکتے ہیں۔" اس نے پھر میری لکھی نہیں بلکہ اپنی سوچی ہوئی کہانی سنانا شروع کردی۔ "اوتھیلو نے ڈیسمونا کی شادی دور سے کرائے جانے کو روکنے کی خاطر بارمین کی شہرت اور نیک نامی کو بٹا لگایا۔" اس نے ٹھہر کر مجھے دیکھا۔"دو مختلف نسلوں کے درمیان شادی کے معاملے کو ہمیں اب ذرا اور گہری نگاہوں سے دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن اس کے بعد..." وہ سانس لینے کو رکی۔"میرا یقین کرو کہ اوتھیلو کو قتل کرنے کے لیے بارمین کے پاس محرکات کافی تھے۔ اور یہی بات قاری کو یقین دلائے گی کہ وہی قاتل ہوسکتا ہے... تو یہ ہے کہانی کا ایک حیران کن موڑ۔" یہ کہہ کر اس نے فاتحانہ نگاہوں سے مجھے گھورا۔"مسٹر شیکسپیئر ذرا سوچو، ان امکانات پر سوچو۔ اس سے تمہارا ناول شاہکار اور بیسٹ سیلر بن جائے گا۔ تمہیں شہرت اور دولت ملے گی۔" وہ یہ باور کرانے کی کوشش کررہی تھی کہ بطور ناول نگار میرے مستقبل کے واسطے اس کی اپنی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔

مجھے کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں۔ میری کہانی تھی لیکن اب مجھے خود پلے نہیں پڑ رہی تھی، وہ اسے کیا سے کیا بنائے جارہی ہے۔ سچ کہوں تو اگر برینی اسے دوبارہ لکھتی تو خود اسے سمجھنے کے لیے مجھے ایک عام قاری کی طرح اسے پڑھنا پڑھتا۔ شروع شروع میں تو کسی حد تک سیدھے سجاؤ بات کررہی تھی۔ میں اس کی ترامیم پر رضامند بھی تھا مگر اب... صورت حال اتنی پیچیدہ ہوچکی کہ اگر اوتھیلو زندہ ہوتا تو اسے بھی اپنی زندگی میں پیش آنے والے حالات کو سمجھنے کی خاطر ناول پڑھنے کا سہارا لینا پڑتا۔

"اب ذرا آگے بڑھو۔" خاموشی کے ایک مختصر وقفے کے بعد برینی کا سلسلۂ کلام دوبارہ شروع ہوا۔"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ روڈریگو بھی ڈیسمونا سے پیار کرتا تھا لیکن اس نے اسے مسترد کردیا تھا۔ تمہیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ تمہارے کردار ڈیسمونا میں یہ خاصیت تھی کہ مرد اس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے لیکن یہ خود جس کی پرستش کرتی تھی، وہ اسے گھاس تک نہیں ڈالتا تھا۔"

میں نے سر ہلایا۔"یہ روڈریگو... ایسا تو نہ تھا۔"

"ٹھیک کہا لیکن ڈیسمونا نے بھی فلرٹ طبیعت پائی تھی نا۔"

اب تو مجھے بھی کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔"پلیز... ذرا یہ تو واضح کرو کہ درحقیقت ڈیسمونا کا قاتل کون ہے۔" یہ کہہ کر میں نے دہائی دی اور سوچا، کاش! اس روز میں نے بیوی کا مشورہ سنجیدگی سے نہ لیا ہوتا۔ ڈیسمونا میرا کردار تھا، اس کے قتل کا منصوبہ اور قاتل میرے ذہن کی تخلیق اور حقیقی واقعات کا حصہ تھے مگر برینی نے تخلیقی الجھن ایسی پیدا کردی کہ اب میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسے کس نے اور کیوں قتل کیا۔

"تو تم نہیں جانتے کہ قاتل کون ہے؟" اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔"یہ ہوتا ہے شاندار جاسوسی ناول کہ مصنف تک چکرا کر رہ گیا کہ قاتل کون ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسکرائی۔

"اب سمجھے کہ میں کیا ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ قاتل..."

"غلط..." اس نے بات مکمل نہ کرنے دی۔"پہلے حالات و واقعات اور ثبوتوں پر غور کرو۔"

"حالات و واقعات، ثبوت...؟"

"ہاں ہاں... مسٹر شیکسپیئر ذرا دو ہاں پر دھیان دیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ اس پر تھوڑا سا غور کرو گے تو بالکل اپنے ایا کوئی طرح معاملے کو دیکھنا شروع کردو گے۔ تصویر کے سارے ٹکڑے خود بخود جڑنا شروع ہوجائیں گے اور مکمل تصویر سامنے آجائے گی، بس ذرا دھیان دو پوری توجہ کے ساتھ۔"

SCANNED BY DIGESTPK

اب یہ تو مجھے بھی یاد نہیں آرہا تھا کہ کہانی میں رومال کہاں ڈالا تھا لیکن جب وہ کہہ رہی ہے تو پھر کہیں نہ کہیں تو ضرور ہوگا۔ میں نے سوچنا شروع کردیا۔ ''تو یہ رومال ہے جس سے پتا چلے گا کہ ڈیسمونا کو کس نے قتل کیا تھا؟'' میں خود کلامی کررہا تھا۔

''ویری گڈ مسٹر شیکسپیئر...'' میں نے سر اٹھا کر خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''اسی طرح غور کیجیے۔ مجھے یقین ہے آپ کو کہانی کا نیا موڑ ملے گا۔ سوچیے کہ ہمارے سراغ رساں ایاگو کو رومال کس نے دیا تھا؟'' بریٹی نے اُستاد کی طرح میرے ذہن کی آزمائش لینا چاہی۔

''ہاں یاد آیا، ایمیلی...'' یہ کہہ کر میں نے لمحہ بھر سوچا ''مگر اس کے پاس ڈیسمونا کو قتل کرنے کا کیا جواز تھا؟''

''سوچو، یاد آجائے گا۔'' اس نے حوصلہ بڑھاتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''وہ ایاگو... میرا مطلب ہے کہ ہمارے سراغ رساں کی بیوی تھی۔''

''یہ بات بھی ٹھیک ہے۔''

میں نے احسان مند نگاہوں سے بریٹی کو ایسے دیکھا جیسے شکریہ ادا کررہا ہوں۔

''لیکن ایمیلی کے بارے میں جو تمہیں یاد آیا، وہ تمہارا لکھا ہوا ہے۔''

''اب اس کے ہاتھوں زندگی کی باری ایمیلی کی ہے۔'' میں نے دل میں کہا۔

''ذرا غور کرو تو یہاں سے تمہیں ایاگو کے لیے ایسا نیا اور اچھوتا خیال ملے گا جو تمہارے اگلے ناول کا پلاٹ ہوسکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جاسوسی ادب کی دنیا میں ایاگو کا کردار ناقابلِ فراموش ٹھہرے گا... ایاگو سیریز۔''

''کیا... مجھے یہ انکشاف خوشگوار لگا۔

''بالکل ٹھیک سنا۔'' وہ حسبِ عادت مسکرائی۔ ''لیکن سوچو کیا ایاگو جیسے ذہین و فطین کردار پر بیوی کا بوجھ لادنا مناسب ہوگا؟''

''ویسے بھی یہ بوجھ کسی بھی مرد پر لادنا مناسب نہیں۔'' میں بڑبڑایا۔

''کیا... کیا کہا تم نے؟''

''اسے چھوڑو، یہ بتاؤ کہ پھر...''

''ہمیں ایاگو کو بیوی سے نجات دلانا ہوگی۔'' یہ کہہ کر وہ چھت کو گھورنے لگی۔ ''کیا خیال ہے اسے جیل بھیج دیتے ہیں؟'' اس نے رائے طلب نظروں سے دیکھا۔ ''ویسے یہ میرا حتمی فیصلہ نہیں۔ تم اس کردار کے خالق ہو تم بھی سوچو کہ کس طرح اسے بیوی سے چھٹکارا دلایا جائے۔''

''کیا یہ اتنا ہی ضروری ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''تمہارے اگلے ناول میں ایاگو ایک ستم زدہ سراغ رساں کردار ہوگا جس کی بیوی قاتل نکلی اور اس بات نے اس کی پیشہ ورانہ نیک نامی کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ جیل میں وہ نفسیاتی مریض بن کر پاگل پن تک پہنچ گئی۔ یوں جیل کا پاگل خانہ اس کا مستقل گھر بن گیا۔ ایاگو کو بیوی کے بوجھ سے اور ہمیں ایمیلی کے غیر اہم کردار سے نجات مل گئی۔'' یہ کہہ کر اس نے خوشی سے تالی بجائی۔ ''یہ بالکل مناسب ہوگا... لو جی مسئلہ حل ہوگیا۔''

''یہ سب ٹھیک ہے لیکن میرا سوال وہیں ہے کہ وہ ڈیسمونا کو قتل کیوں کرے گی؟ اس کا آخر کوئی ٹھوس جواز تو ہونا چاہیے۔''

بریٹی نے مسودے کے صفحات پلٹ کر کونا مڑا ایک صفحہ کھولا اور اسے پڑھنے کے بعد سر اٹھایا۔ ''اول تو ہم اسے قاتل نہیں کہہ رہے۔ ابھی تک وہ قتل کی مشتبہ ملزم ہے لیکن پھر بھی ہمارے پاس ایک ٹھوس جواز ہے کہ وہ ڈیسمونا کا قتل کیوں کرسکتی ہے۔''

''کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے۔'' میں نے بڑی دقت سے یہ الفاظ ادا کیے۔

وہ بدستور مسودے کے صفحات پلٹنے میں منہمک تھی۔ ''ارے مل گیا، یہاں ہے۔'' اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ ''یہ وہ حصہ ہے جہاں تم نے لکھا کہ ایاگو مور سے نفرت کرتا ہے۔ یہ بالکل ٹھیک لکھا، وہ سراغ رساں ہے لیکن انسانی جذبوں سے بالاتر ہرگز نہیں۔ ایک سراغ رساں بھی انسان ہوتا ہے لیکن مشہور ہے کہ وہ جذبات سے عاری ہوتے ہیں مگر ہم ایاگو کو ایک ایسے سراغ رساں کی صورت پیش کریں گے جو جذبات رکھتا ہے اور انہیں محسوس بھی کرسکتا ہے۔''

میں نے سر ہلا کر ہاں میں ہاں ملائی۔

''ایاگو کی مور سے نفرت کی وجہ موجود ہے اور یہ کہانی کو خوبصورت بنا دے گی۔ ہم یہاں سے دیکھتے ہیں کہ جب ایاگو خود کلامی کرتا ہے۔ ہم اس کی خود کلامی کو مکالمے اور خیال میں تبدیل کردیں گے... کیسا؟'' اس نے تعریف طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے حسبِ سابق اثبات میں سر ہلایا۔

''ایاگو کو اپنی بیوی سے محبت ہوتی ہے لیکن اس پر یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

راز کھلتا ہے کہ وہ اوتھیلو کی محبت میں گرفتار ہے۔ یہ بات اس کے لیے بدترین جذباتی صدمے کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح ہمارے مضبوط اور مستقل کردار کو قاری کی ہمدردی ملے گی۔ وجہ صاف ظاہر ہے بیوی کی بے وفائی۔ بات بالکل صاف ہے اگر اوتھیلو اور ایمیلی کے تعلقات بہت زیادہ آگے بڑھ چکے تھے تو پھر جب اُس نے کسی اور عورت میں دلچسپی لی تو ایمیلی میں حاسدانہ جذبات کا پیدا ہونا لازم تھا۔ ایسے میں خواہ کوئی ہو، عورت حسد کی آگ میں جل کر کچھ بھی کر سکتی ہے۔ سو، یہاں یہی سوچ ایمیلی کو ڈیسمونا کے قتل کا مشتبہ مجرم ٹھہراتی ہے۔"

میں نے جو کچھ لکھا، وہ اپنے دماغ اور حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر لکھا تھا لیکن وہ جو کہانی بن رہی تھی، اپنی جگہ دلچسپ تھی لیکن یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اب کم از کم یہ وہ کہانی ہرگز نہ رہی جو میں نے لکھی تھی۔ "ایک بات مبہم ہے۔" میں نے پہلو بدلا۔

"وہ کیا..."

"کیا ایمیلی کے ساتھ ایاگو کی ازدواجی زندگی اور اس کی پریشانیوں کا اس طرح تفصیل سے اظہار مناسب رہے گا؟"

"تم سیدھے سادے الفاظ میں اپنی بات کہو، یہ گھما پھرا کر کہنے کی کیوں کوشش کر رہے ہو۔"

یہ سن کر لگا جیسے اسے میری بات بری لگی ہو۔ "شاید میں اپنی بات سمجھا نہ سکا۔" میرا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔ "ایک بات بتائیں۔ کیا جاسوسی ناول کے شوقین قارئین کو الجھاؤ اور مکالمے پریشان کرتے ہیں؟"

"قطعی نہیں، یہ تو جاسوسی ادب کا حصہ ہے۔"

میں نے بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پیچیدہ بات اور کہانی کی بُنت میں گھماؤ، دو الگ الگ شے ہیں۔ انہیں سمجھ لو تو کئی الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ مکالمے سیدھے سادے جبکہ پلاٹ میں پیچیدگی اور الجھاؤ ہونا چاہیے۔"

یہ بات میرے دل کو لگی۔ طے کرلیا کہ آئندہ گفتگو براہِ راست اور سلیس الفاظ و انداز میں کروں گا۔ "تم سے اتفاق کرتا ہوں۔"

یہ سن کر بریٹی نے گہری سانس لی۔ "بات کہیں اور نکل رہی ہے۔ ہمیں گفتگو کو قتل کے محرکات پر ہی مرکوز رکھنا چاہیے۔ تو ہم بات کر رہے تھے ایمیلی کی اور اب صاف ہو چکا کہ اُس کا اوتھیلو کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔ دونوں کے تعلقات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے کہ اچانک ڈیسمونا ان کے درمیان آگئی اور یہاں سے کہانی کو ایک نیا موڑ مل گیا۔"

"نیا موڑ..." میں منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"اوتھیلو جب اُس کی طرف متوجہ ہوا تو ایمیلی رقابت کی آگ میں جل بھن گئی تھی۔" اس نے دہرایا۔

واقعی یہ کہانی کا چونکا دینے والا موڑ تھا کم از کم میرے لیے۔ بریٹی نے میری سیدھی سادی کہانی میں اتنے گھماؤ اور پیچیدگیاں پیدا کردی تھیں کہ یہاں مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اصل میں لکھا کیا تھا لیکن ایک اعتراف کرنا ضروری ہے۔ بریٹی نبض شناس تھی۔ وہ تحریر کو مارکیٹ کی آنکھ سے دیکھتی تھی۔ اب مجھے بہت کچھ یاد آرہی تھی۔ شاید وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھی کہ اس نے جس کتاب کو بھی ایڈٹ کیا وہ اچھی فروخت ہوئی ہے۔

"میرے خیال میں تمہیں کچھ سوچنے اور مجھے تھکن دور کرنے کے لیے کافی کی اشد ضرورت ہے۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

"پلیز..." وہ کافی بنانے گئی تو میں سوچنے لگا۔ اب سب کچھ صاف ہو چکا تھا۔ اوتھیلو دل پھینک بندہ تھا۔ اس کا ایاگو کی بیوی ایمیلی کے ساتھ چکر تھا۔ بیچ میں اچانک ڈیسمونا آگئی۔ وہ اس کی طرف کھنچا تو ایمیلی جل بھن گئی اور جذبۂ رقابت میں اس نے اوتھیلو اور ایمیلی دونوں کو قتل کردیا۔ سمجھا یہ گیا کہ ڈیسمونا کسی اور سے پیار کرتی تھی۔ جب اس نے اوتھیلو کو گھاس نہ ڈالی تو اس نے گولی مار کر پہلے اُسے قتل کیا اور پھر خودکشی کرلی لیکن ایاگو کو اوتھیلو کی جیب سے ایک رومال ملا۔ وہ پہچان گیا۔ کنارے پر چھوٹے گلاب والا یہ سفید رومال ایمیلی کا تھا۔ ایمیلی گرفتار ہوئی اور جیل پہنچ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ بریٹی کی دو گھنٹے طویل بحث کا لبِ لباب یہی تھا مگر ممکن ہے کہ میں بیچ میں سے کچھ اِدھر اُدھر کر گیا ہوں۔

"لیجیے..." بریٹی نے میری محویت توڑی۔ وہ کافی لے آئی تھی۔

"کیا سوچ رہے تھے؟" اس نے گرما گرم کافی کا گھونٹ بھرا۔

"جو سنا، اسی پر غور کرکے کہانی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔" یہ کہہ کر میں نے لمحہ بھر اُسے گھورا۔ "یہ رومال کس طرح اوتھیلو تک پہنچا تھا؟"

"ایمیلی بہت عیار اور چالاک تھی۔" اس نے مسکرا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

کر مجھے دیکھا۔ ”کہانی تمہیں اس طرح پوری سمجھ نہیں آئے گی جب تک میرا ایڈٹ کیا مسودہ نہیں پڑھ لوگے۔ اس لیے دماغ کو زیادہ مت تھکاؤ۔“

”شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ میں نے مسکرا کر اس کی اہلیت کا اعتراف کیا۔ ”ویسے قاتل کیا ایمیلی ہے؟“

”ہو سکتا ہے۔“ اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔ ”ابھی تو کہانی چل رہی ہے۔ ہم انجام تک نہیں پہنچے کہ سب کچھ صاف صاف دکھائی دے سکے۔“

”ہوں...“ میں نے ہونٹ سکیڑے۔ جو کچھ سوچا، وہ سب غلط ثابت ہوا۔

”ایمیلی بھی دیگر کی طرح اب تک ایک مشتبہ ملزم ہے لیکن ایک بات طے ہو چکی کہ ایمیلی ایا لوگو اس سے نجات دلانی ہو گی اس لیے ایمیلی کا مستقبل پہلے جیل اور پھر پاگل خانہ طے ہو چکا۔“

حسب عادت میرا سر پھر چلا۔

”تو کیا تمہیں کہانی سمجھ نہیں آئی؟“ اس نے سوالیہ نگاہوں سے گھورا۔

پہلے میں مسکرایا اور پھر ہچکچاتے ہوئے کہا۔ ”ایسی بات نہیں مگر...“

”جب تک تم تفصیل سے ایڈٹ شدہ مسودہ نہیں پڑھ لیتے، جب تک کچھ بھی نہیں سکو گے۔“ اس نے فاتحانہ نگاہوں سے ایک بار پھر اپنا دعویٰ دہرایا۔ ”جاسوسی ادب کی یہی شان ہے کہ غور سے پڑھے بنا سمجھنا مشکل ہے ہر لفظ کہانی کو نیا موڑ دیتا ہے۔“

”یہ میں اب جان چکا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ اس کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے سامنے ایک مصنف نہیں شاگرد بیٹھا ہے۔ ”انسان کو سیکھنے کے عمل سے بدستور گزرتے رہنا چاہیے۔ یہی کامیابی کی نشانی ہے۔“

میں مسکرایا تو اسے ہوا اور شہ ملی۔

”خیر اس بات کو اب یہیں رہنے دیتے ہیں، میرا خیال ہے کہ تمہارے سر کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں، میں سمجھ چکی ہوں کہ کیا کرنا ہو گا۔“

”میں بھی سمجھ چکا ہوں بہت اچھی طرح...“

”بس ایک بار اسے مکمل کرنے دو پھر دیکھنا کہ یہ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دے گا۔“ اس نے تعریفی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ”یہ ایک ناول نہیں بلکہ ایک سیریز ہو گی...

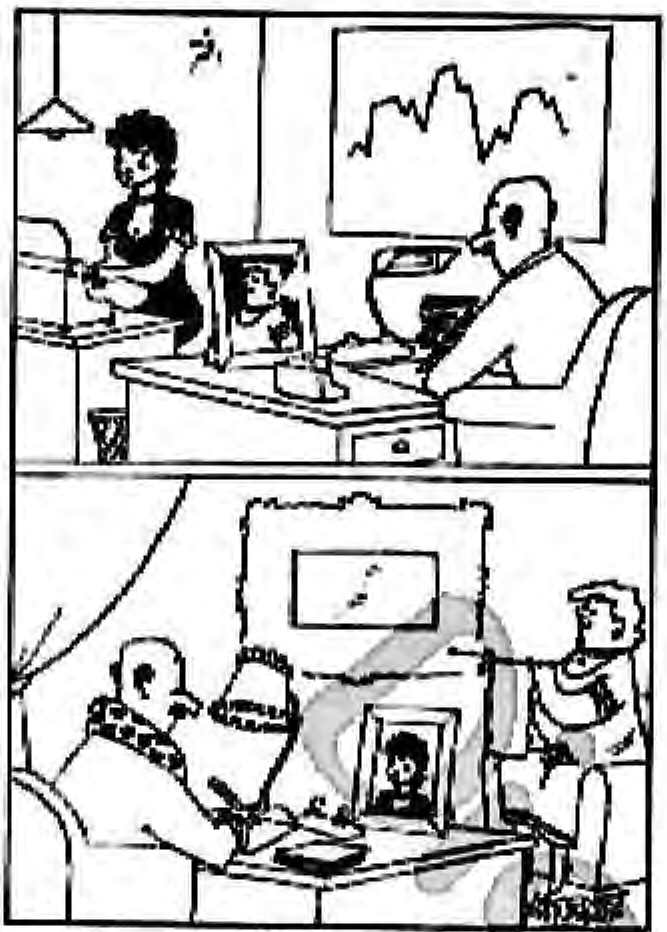

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے — غافل بیوی اور چالاک شوہر

ایا مسٹری سیریز۔“

یہ سن کر میں سچ میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا۔

”مسٹر شیکسپیئر... تمہارا مستقبل میرے ہاتھوں میں ہے اور محفوظ بھی۔ یہ میری پیش گوئی ہے کہ تمہارا شمار امریکا کے صفِ اول کے جاسوسی ناول نگاروں میں ہو گا۔“ یہ کہہ کر اس نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ ”مگر پہلی بات یہ ہے کہ...“

”پہلی بات...“ میں چونکا۔ کافی دیر بعد اس نے اپنا تکیہ کلام دہرایا تھا۔

”جی ہاں...“ عظیم ناول نگار بننے سے پہلے تمہیں اس پہلے ناول کو ایڈٹ کرنے کا معاہدہ اور میری فیس ادا کرنی ہو گی۔“

”اوکے... کتنی ہو گی یہ فیس؟“

”تین ہزار ڈالر اور ایک ماہ میں ناول مکمل۔“

میں خاموش رہا۔

”کیا یہ وقت زیادہ ہے؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

”نہیں تو...“

”پھر کیوں ہچکچا رہے ہو؟“

SCANNED BY DIGESTPK

''تین ہزار ڈالرز...''

''اوہ...'' یہ کہہ کر وہ تھوڑا سا آگے جھکی۔ ''ایک شاندار ناول نگار کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ رہنے اور ادب کو اپنا کوجیسا زندہ وجاوید کروا دینے کی یہ قیمت کچھ بھی نہیں۔''

''مگر پھر بھی...''

''سوچ لو۔''

''کافی کا مگ ختم ہونے تک تمہارے پاس وقت ہے۔ کچھ دیر بعد میرے ایک اور کلائنٹ کے آنے کا وقت ہے۔'' اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ بریٹی کے لہجے کی رکھائی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے مگ اٹھایا۔ بات تین ہزار دینے کی نہیں، میرے پاس ہونے کی تھی۔ کافی پینے کے دوران میں سوچتا رہا اور آخر آئیڈیا مل گیا۔ یہ تین ہزار بھی اوتھیلو سے ہی ملیں گے۔ ''ٹھیک ہے۔ آپ معاہدے کی کاپی لے آئیں۔'' میں نے کافی ختم ہونے سے پہلے ہی اعلانِ رضامندی کر دیا۔

''ویری گڈ...'' یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر چمک آ گئی۔ وہ اٹھی اور چند منٹ بعد میں معاہدے پر دستخط کر رہا تھا۔ ''رقم ایڈوانس میں ملے گی لیکن کل شام تک۔'' میں نے دستخط کے بعد کاپی اس کی جانب بڑھائی۔

''اب یہ زیادہ اہم بات نہیں رہی۔'' یہ کہہ کر اس نے معاہدے پر نظر ڈالی۔ ''معاہدے کی رُو سے تم نے ایک ماہ میں ناول مکمل ہونے تک فیس ادا نہ کی تو یہ ناول کسی اور کے نام سے بھی چھپ سکتا ہے مگر تمہارے نام سے ہرگز نہیں۔'' اس نے مجھے خبردار کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' یہ کہہ کر میں اٹھا۔ ''اب میں چلتا ہوں۔''

گھر پہنچ کر جینی کو سب کچھ تفصیل سے بتایا لیکن فیس والی بات گول کر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بے چاری خواہ مخواہ پریشان ہو جائے گی۔ اسے تو اچھی طرح علم ہے کہ ہمارے پاس اتنی رقم نہیں لیکن میں مطمئن تھا۔ مجھے پتا تھا کہ اوتھیلو کے سکھائے ہنر اور اس کے دکھائے راستے پر چل کر اتنی رقم کا بندوبست کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

دوسرے دن ہفتہ وار تعطیل تھی۔ میں جانتا تھا کہ سنیچر کو شاپنگ مال، اور ریستورانوں پر ہی نہیں راستوں پر بھی بہت بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے لیکن پھر بھی میں ایک بجے کے قریب گھر سے نکلا۔ مجھے اے ٹی ایم تک جانا تھا، بریٹی کی فیس کا بندوبست کرنے کے لیے۔ دعا کر رہا تھا کہ کسی ایک مشین سے ہی مطلوبہ رقم مل جائے۔ کچھ زیادہ بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، بس کم نہ ہو ورنہ دوسری مشین کو ڈھونڈنے کی خواری اٹھانا پڑے گی۔

میں سڑک سے گزرا۔ راستے میں کئی بینک اور ان کے اے ٹی ایم نظر آئے لیکن نیویارک کی سڑکوں پر اے ٹی ایم سے پیسے نکالنا کچھ زیادہ محفوظ ... کام نہیں۔ میں نے شہر کے مرکز میں واقع برانڈڈ ملبوسات کے مشہور پلازا کا رخ کیا۔ جس شاپنگ پلازا میں داخل ہو رہا تھا یہاں ایک ایک لباس کی کم سے کم قیمت بھی کئی ہزار ڈالرز تک ہو سکتی تھی۔ مجھے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ سب سے پہلے گراؤنڈ فلور پر واقع ریستوران کا رخ کیا۔ لنچ کا وقت تھا۔ خاصی بھیڑ بھاڑ تھی۔ کلب سینڈوچ کھانے اور بلیک کافی پینے کے بعد ساری کسلمندی دور ہو چکی تھی۔ ادھر ادھر کا جائزہ لیتے ہوئے برقی زینے کی طرف بڑھا۔ میرے آگے ایک ادھیڑ عمر کا جوڑا تھا۔ بیگم کے ہاتھوں میں بڑے بڑے تھیلے اور شوہر کی پتلون کی پچھلی جیب سے جھانکتا پھولا پرس بتا رہا تھا کہ ان کے پاس خریدنے کے لیے پیسا بہت مگر کرنے کو کچھ خاص کام نہیں ہوگا۔ مجھے یہیں سے اے ٹی ایم نظر آ گیا تھا۔ میں آگے بڑھا۔ وہ میاں بیوی بھی برابر کی دکانوں پر طائرانہ نظریں ڈالتے ہوئے مجھ سے ایک قدم آگے چل رہے تھے۔ اچانک برابر کی ایک دکان سے بے فکروں کا ٹولہ اس طرح باہر نکلا کہ بڑے میاں خود کو سنبھالتے سنبھالتے لڑکھڑا گئے لیکن میں نے فوراً سہارا دیا۔ وہ گرنے سے تو بچ گئے مگر مجھے جلدی تھی۔ ان کا شکریہ سننے سے پہلے ہی میں خریداروں کے ہجوم میں آگے بڑھ چکا تھا۔

کچھ دیر بعد میں پارکنگ سے کار نکال کر واپس جا رہا تھا۔ تھوڑا آگے جا کر گاڑی روکی اور جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا۔ ''شکر خدا کا!'' میرے منہ سے نکلا۔ پہلی ہی مشین سے اچھا مال ہاتھ لگ گیا تھا۔ بوڑھے کے پھولے پرس سے ساڑھے چھ ہزار ڈالرز نکلے تھے۔ ''تھینک یو رابرٹ اوتھیلو...'' میں نے مرحوم دوست کو تصور میں لا کر شکریہ ادا کیا۔ ہائی اسکول کی آوارہ گردیوں کے دوران ہی اس نے یہ فن مجھے سکھایا تھا۔ وہ شکار کو اے ٹی ایم کہتا تھا۔ میں نے پانچ سو ڈالرز الگ کر کے جیب میں ڈالے اور بریٹی کے دفتر کی طرف چل دیا۔ میں اسے اگلے ناول کے بھی تین ہزار ڈالرز پیشگی ادا کرنا چاہتا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

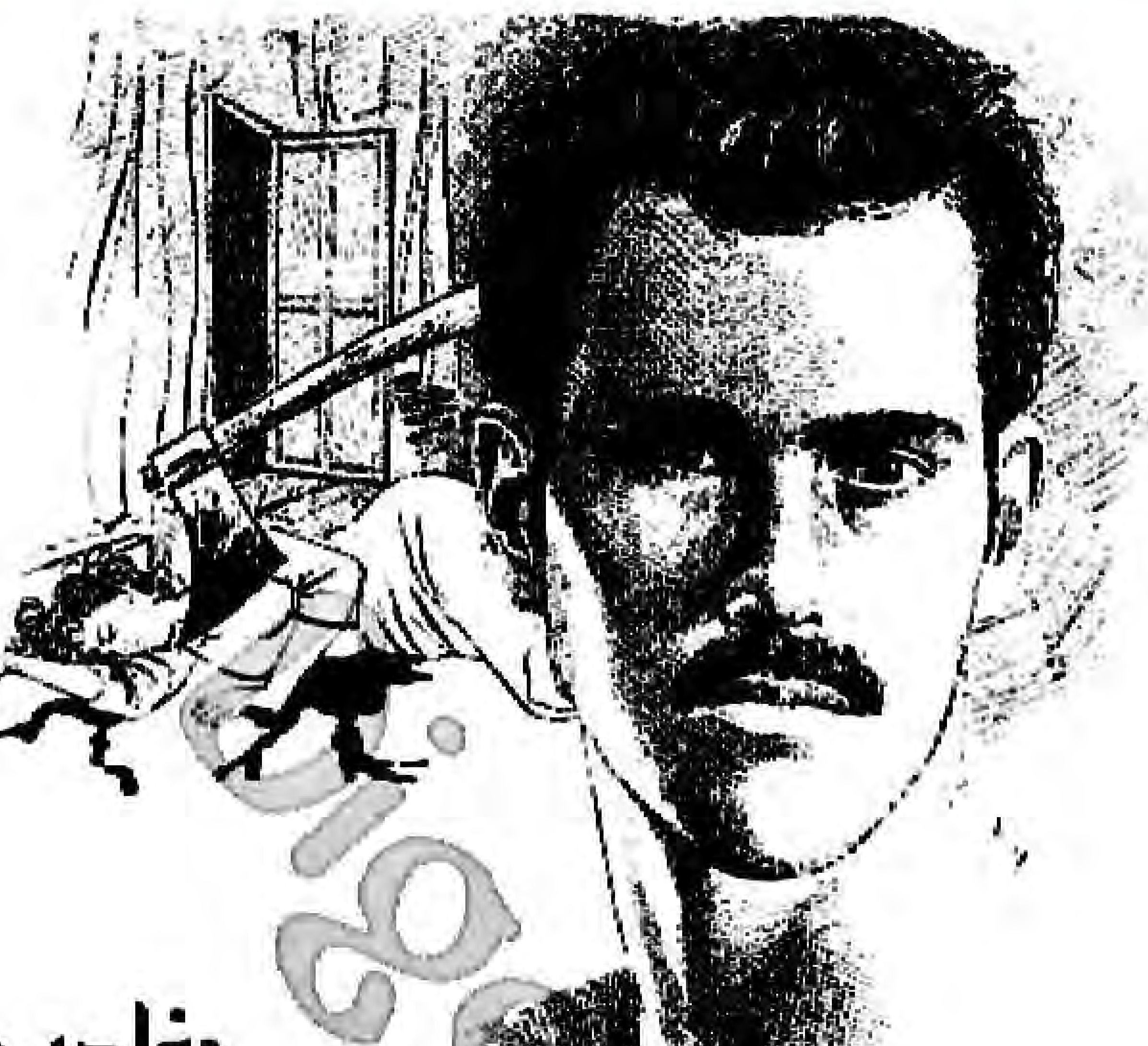

جفا در جفا

بشریٰ امجد

قاتل رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا... قانون کی نظر میں وہی مجرم تھا... مجرم نے اعترافِ جرم بھی کر لیا تھا... لیکن اخلاقی نقطۂ نظر سے درحقیقت قصوروار کون تھا... قاتل... مقتول یا پھر تیسرا شخص...

اپنے اپنے دائرے میں خود کو حق بہ جانب سمجھنے والی مثلث کے خونی کردار

آلۂ قتل کلہاڑی تھی۔

وہ ہفتے کی درمیانی شب تھی۔ قاتل کا نام اظہر تھا جس نے گھر میں اپنی بیوی کو کلہاڑی کی مدد سے قتل کر دیا تھا۔ مقتول کے جسم پر کلہاڑی کے تیس وار کیے گئے تھے۔ مقتول نے بچنے کے لیے بھاگ دوڑ کی تھی اور تنگ زینے سے ہوتی ہوئی دوسری منزل تک پہنچ گئی تھی جس زخم ظاہر کرتے تھے کہ اظہر مشتعل تھا اور اس کے سر پر خون سوار تھا۔ اس کی بیوی کا نام شمسہ تھا۔ وہ چیختی چلاتی رہی۔ وہ زخم زخم اور نڈھال ہو چکی تھی۔ بالآخر اظہر نے دوسری منزل کے کچن میں اس کا کام تمام کر دیا۔

پڑوسیوں نے چیخ پکار سن کر پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس پہنچی تو دونوں منزلوں پر جگہ جگہ خون تھا۔ قاتل بالائی منزل کے کچن میں خون آلود فرش پر بیوی کی لاش کے قریب بیٹھا تھا اور اس کی انگلی سے عروسی طلائی چھلا اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ ایک سادہ کیس تھا۔ اس نے اعترافِ قتل کر لیا۔ تردید کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اس کے کپڑوں پر بیوی کے خون کے واضح نشانات تھے۔ کلہاڑی کے دستے پر انگلیوں کے نشانات...

پڑوسیوں میں مالک مکان کا گھر اظہر کی رہائش گاہ کے ساتھ ہی ملا ہوا تھا۔ پولیس نے اس کو بھی حراست میں لے لیا۔ کیس میں جان نہیں تھی تو اس کو کس مقصد کے تحت حراست میں لیا گیا؟ اس کا نام پرویز تھا۔ میں نئی ڈیسک پر کام کرتا تھا۔ مجھے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

پرویز کے انٹرویو کی ہدایت ملی تو میں اُلجھن میں پڑ گیا کہ پرویز سے میں کیا اسٹوری برآمد کرسکوں گا۔ بہرحال میں روانہ ہو گیا۔

پرویز کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ اس کے شانے چوڑے، بال سیاہ اور سخت تھے۔ چہرہ پُرسکون اور سپاٹ تھا... میں نے اس کی شکل سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا۔ تاہم میں نے اپنے تاثرات ظاہر کرنے کی غلطی نہیں کی۔ وہ پورے انٹرویو کے دوران صرف ایک مرتبہ مسکرایا تھا۔ کیوں؟ یہ میں آگے چل کر بتاتا ہوں۔

اس کی آنکھوں میں بھی کوئی تاثر نہ تھا۔ جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو پرویز نے عدم دلچسپی کے ساتھ سر ہلایا۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور اپنا مدعا بلا کسی تمہید کے بیان کیا۔

وہ بولا۔ ”میں پولیس کو بتا چکا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں پتا سوائے اس کے جو میں نے سنا۔ میں اس وقت ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بروسٹ ریسٹورنٹ میں تھا۔“

”تم نے کیا سنا؟“

”اظہر نے شمسہ کو رات گیارہ بجے کلہاڑی کے وار کر کے مار دیا اور میں ساڑھے دس بجے گھر سے نکل کر کرن بروسٹ پہنچا تھا۔ پولیس تصدیق کر چکی ہے۔“

”تم اکثر رات گئے باہر ہوتے ہو؟“

”نہیں، میں پولیس کو بتا چکا ہوں کہ اس رات میں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا لیکن نیند نہ آنے کے باعث میں گھر سے نکل گیا۔ گرمی بہت تھی۔ ریسٹورنٹ پر میں نے صرف بوتل پی تھی۔“

”تمہیں کیوں پکڑ لیا؟“ میں نے پوچھا۔

”میں کیا جانوں؟ یہاں ہر چیز چوپٹ ہے۔ قاتل ان کے ہاتھوں پکڑا گیا۔“ اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

”تم کام کیا کرتے ہو؟“ میرا اگلا سوال تھا۔

”اسٹیٹ ایجنسی چلاتا ہوں۔“

”اظہر تمہارا نیا کرایہ دار تھا؟“

”نہیں، دو سال ہو گئے۔“ وہ بولا۔

”میرا خیال ہے کہ تم اسے خوب جانتے ہو گے؟“

”ظاہر ہے۔“

”کیسا آدمی ہے؟“

”ٹھیک ہی تھا...“

میں چپ رہا۔ یوں لگا کہ وہ آگے کچھ بولے گا لیکن وہ چپ رہا۔

”کیا غصہ ور تھا؟ جھگڑالو تھا؟“ بالآخر میں نے سوال کیا۔

”نہیں۔“ اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

”وہ دونوں لاولد تھے پھر وہ مقتولہ کی کیا ضرورت تھی؟“

”ہاں شروع میں، میں نے پوچھا تھا۔ اظہر نے بتایا کہ اس کا بھائی کینیڈا سے اپنی فیملی کے ساتھ آنے والا ہے۔“

”پھر؟“

”ایک مہینے بعد کچھ لوگ آئے تو تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ بھائی کی فیملی تھی... کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟“

”مطلب یہ کہ تم ان سے نہیں ملے؟“

”نہیں۔“

”وہ کب تک رہے؟“

”دو مہینے۔“

”اٹھارہ مہینوں سے اظہر اور شمسہ اکیلے ہی رہ رہے ہیں؟“

”ہاں۔“ مجھے اس کی مختصر بیانی سے مایوسی ہو رہی تھی۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ اظہر نے اچانک اپنی بیوی کو کیوں قتل کر دیا؟“

”پتا نہیں۔“

مجھے غصہ محسوس ہوا تاہم میں گھما پھرا کر سوالات کرتا رہا۔

”اسٹیٹ ایجنسی والے کافی ذہین اور مردم شناس ہوتے ہیں۔“ میں نے پینترا بدلا اور کوئی منفی لفظ استعمال نہیں کیا۔ ”تمہیں کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہونا چاہیے؟“

وہ خاموش رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ خاموشی کی دیوار میں کریک آ گیا ہے۔ میں نے فوراً سگریٹ سلگائی اور ایک اس کی جانب بڑھائی۔

”پیتے ہو؟ میرا مطلب ہے سگریٹ؟“ میں نے جان بوجھ کر ذومعنی سوال کیا اور دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ مجھے اس کی بے تاثر آنکھوں میں تبدیلی نظر آئی۔

”پیتے ہو سے کیا مطلب تھا تمہارا؟“ اس نے سگریٹ لے لی۔

میں نے کش لے کر دھواں چھت کی جانب پھینکا اور بولا۔ ”میں تو کبھی کبھی چکھ لیتا ہوں۔“ میں اسے نرم کرنے کے لیے پے در پے وار کرتا رہا۔

”اخبار والوں کے لیے اور بھی بہت آسانیاں ہیں۔“ بالآخر وہ بولا۔

”اور بھی... مطلب؟“

”بن رہے ہو۔“ اس نے دو بے دو کش لیے۔

میں ذرا رک کر بولا۔ ”اوہ، لڑکیوں کی بات کر رہے ہو؟ ہاں، رضامندی ہو تو کیا حرج ہے۔“ میں نے جھوٹ بولا۔ ”اور تم؟“

”ہاں، ٹھیک کہتے ہو۔“ وہ کھلنا شروع ہوا۔

”دیکھو یہ تو ظاہر ہے کہ اظہر نے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ کوئی فوری بات تھی جس پر اس نے اشتعال میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔“

”تمہاری آدھی بات ٹھیک ہے۔“ وہ بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھن ظاہر کی۔

"منصوبہ بندی نہیں تھی، یہ بات ٹھیک ہے۔" وہ اچانک چپ ہو گیا۔

"تو غلط کیا ہے؟" میں نے نگاہ نیچی رکھی۔ یہ نازک موڑ تھا۔ براہِ راست اسے دیکھنا فاش غلطی ہوتی۔ میں نے نیچے دیکھتے ہوئے سرسری انداز اختیار کیا۔

"یہ کام اسے ایک مہینے پہلے کر دینا چاہیے تھا۔"

میں نے بمشکل خود کو اس کی طرف دیکھنے سے باز رکھا۔ "میرا اندازہ ٹھیک تھا، تم لوگ جس کے ساتھ ڈیلنگ رکھتے ہو، اس کے بارے میں بھرپور معلومات رکھتے ہو۔ اظہر تو تمہارا کرائے دار تھا۔ سب جانتے ہیں کہ قاتل اعتراف جرم کر چکا ہے۔ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو وہ یہ ہو سکتی ہے کہ تمہارے بغیر تمہارا کاروبار متاثر ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے، میرا یہ اندازہ صحیح ہے، کیوں؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے اعتراف کیا۔

"تمہاری بات سے مجھے ایسا لگا کہ اس کی بیوی کے کردار کا کوئی مسئلہ تھا؟" میں نے سگریٹ کا کش لیا۔

"ہمارا معاشرہ ہی بے تکا ہے... ساری پابندیاں عورتوں پر، مرد کچھ بھی کرتا پھرے۔"

"یعنی، اظہر بھی؟" میں نے نامعلوم سے پانسا پھینکا۔

"اور کیا وہ خود تو ادھر ادھر منہ مارتا پھرتا تھا اور بیوی کو اکیلا چھوڑ کر توقع کرتا کہ وہ بے وفائی نہیں کرے گی... ہم سب ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"کہتے تو ٹھیک ہو۔" میں نے اس کو اکسایا۔ بات چل نکلی تھی۔ مجھے اپنی کامیابی پر مسرور کا احساس ہوا۔

"بیوی کوئی غلام نہیں ہوتی، کیا تم سمجھتے ہو کہ شادی شدہ عورت کو تم قیمتی چیزیں لا کر دیتے رہو گے تو وہ تمہارے ساتھ چیٹنگ نہیں کرے گی۔ خوش رہے گی اور تم موج میلہ کرتے پھرو گے۔ بیوی کو تمہارا ساتھ چاہیے، اسے بھی تمہاری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"بالکل، بالکل... شکر ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔" میں بولا۔ "لیکن اظہر کو پتا کیسے چلا، تم نے تو نہیں بتایا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے، اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔"

"ایک مہینہ پہلے؟"

"شاید اس سے بھی پہلے۔"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ یہ کام ایک مہینے پہلے ہونا چاہیے تھا؟"

"ایک مہینے پہلے اس نے کوشش کی تھی۔ میرا اشارہ نہیں سمجھے تم۔"

"ہاں میں نہیں سمجھا تھا۔"

"اظہر نے ایک مہینے پہلے ثمرہ کو چھری سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عین وقت پر کوئی اس کے گھر کے دروازے پر گھنٹی بجا بیٹھا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ملنے والا تھا... دوسری مرتبہ اس نے گلا گھونٹنے کی کوشش کی تو ثمرہ کی ملنے والی آ گئی۔ اس کا کھلا آنا جانا تھا، وہاں..." میں نے اسے بولنے دیا۔ اس موقع پر کوئی سوال کرنا حماقت تھی۔

"اس وقت اس نے اداکاری کی اور اپنے ارادے سے پیچھے ہٹ گیا۔"

"تو ثمرہ نے پولیس یا کسی اور کی مدد طلب نہیں کی؟ اسے تو اظہر کی پہلی ناکامی کے بعد ہی کچھ کرنا چاہیے تھا۔" میں نے قصداً یہ نہیں پوچھا کہ اسے یہ سب کیسے پتا چلا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ بدک کر پٹری سے نہ اتر جائے لیکن وہ پوری طرح کھل گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ قتل اس نے تو نہیں کیا تھا۔

"ثمرہ نے کوشش کی تھی۔"

"پولیس؟"

"نہیں، بلکہ اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔" میں سناٹے میں آ گیا۔ وہ روانی میں بولتا چلا گیا۔

"میں نے اسے تسلی دی اور وعدہ کیا کہ کچھ کرتا ہوں۔ وہ اس رات بھی آئی تھی کیونکہ اسے پتا لگ گیا تھا کہ اظہر نے دو روز پہلے کلہاڑی خریدی تھی۔"

"ایک مہینے سے تمہارے علم میں تھا اور تم نے کچھ نہیں کیا حتیٰ کہ واردات والی رات بھی تم نکل گئے۔" میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس میں خطرہ تھا۔" اس نے چوڑے شانے اچکائے۔

"سمجھا، تم پولیس کو بتاتے اور وہ مکر جاتا یا ثمرہ بھی چپ رہتی تو بعد از اں وہ اس کے ساتھ تمہیں بھی ختم کر دیتا۔"

"ٹھیک سمجھے۔ نہ میں اظہر سے بات کر سکتا تھا۔ پولیس کو میں کیا بتاتا، وہ الٹی میرے گلے پڑ جاتی۔ اب دیکھ ہی لو کہ اس نے اعتراف جرم کر لیا اور ان گدھوں نے مجھے خوامخواہ اٹھا لیا۔"

"لیکن یہ ایک انسانی جان کا معاملہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی نہ کسی طرح تم اسے بچا سکتے تھے۔"

وہ چپ رہا۔ میں بھی خاموش رہا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا۔ میں بے چین تھا۔ میں نے دوسری سگریٹ سلگا کر اسے دی۔ اس نے گہرا کش لیا پھر آہستہ سے بولا۔

"خطرے کے علاوہ دوسری وجہ بھی تھی۔" وہ پہلی مرتبہ مسکرایا۔ میں نے بھی بے تکلفی سے اسے دیکھا۔

"کون سی دوسری وجہ؟"

اس نے ایک آنکھ دبائی اور بولا۔ "یار میں ثمرہ سے اکتا گیا تھا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ہار جیت

بابر نعیم

وقت لوگوں کو بدل سکتا ہے... وہ اتنی طاقت رکھتا ہے... اور بالآخر بدل بھی دیتا ہے... مگر کچھ لوگ سب کچھ سمجھتے ہوتے بھی اپنی جگہ... اپنے عزائم پر ڈٹے رہتے ہیں... وہ نہیں بدلتے... اور ان کے نہ بدلنے سے بہت سے لوگوں کی زندگی زہریلی ہونا شروع ہو جاتی ہے... ایک ایسے ہی شخص کی عادتِ بد سے شروع ہونے والی سنسنی خیز و پُرتحیر کہانی... اگر وہ اپنی عادت سے چھٹکارا حاصل کر لیتا تو... یا اس کچھ وقفہ نہیں ہوتا اس کی زندگی سے وابستہ لوگ چین و سکون سے اپنی روز و شب سے لطف اندوز ہوتے... مگر... ایک الجھی ڈور سے گانٹھ ان گنت گرہیں کھلتی چلی گئیں... جرم... نفرت... ہوس اور قتل... کے معاملات کسی کا نعم البدل نہیں ہو سکتے...

ایک معصوم بچے کے اغوا کی واردات... ماں ایک ماں سے دوسری ماں تک کا تکلیف دہ سفر...

سردی اپنے عروج پر تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے موسم کی یادداشت کھو گئی ہو ورنہ مارچ کے وسط میں اس قدر ٹھنڈ اور برف باری کی نہ تو روایت تھی اور نہ ہی توقع۔

وہ دونوں گرم کپڑوں، کمبل اور کیمپ کے اندر جلتے الاؤ کی تمازت کے باوجود سردی محسوس کر رہے تھے۔

ایکڑوں پر پھیلا ہوا وائلڈ لائف پارک پہاڑوں اور جنگلوں پر پھیلا تھا جہاں جانوروں، پودوں اور درختوں کو ان کی اصل حالت میں رکھنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ شہروں کے شور و شغب سے تنگ آئے ہوئے افراد کو فطرت کے ساتھ وقت گزارنے اور کیمپنگ کے مواقع فراہم کیے جاتے تھے۔ یوں تو یہاں شوقین افراد کی کافی آمد و رفت رہتی تھی مگر اس برف باری اور ٹھنڈ کی وجہ سے ان دنوں کم ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔

اچانک بستر پر رکھے موبائل فون کا الارم بج اٹھا۔ اس آواز کو سن کر علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور فریحہ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''ہیپی اینیورسری بیوی! وعدہ کرو کہ تم میری زندگی کے آخری دن تک میرے ساتھ رہو گی۔'' فریحہ جو ایک مسکراتی مگر اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

علی لمبے قد اور قدرے کسرتی جسم کا مالک تھا۔ اس کی عمر چھتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کی شخصیت میں سب سے زیادہ متاثر کن چیز اس کی گہری سیاہ آنکھیں اور مسکراہٹ تھی۔ وہ ایک بین الاقوامی کمپنی کے پاکستانی ہیڈ کوارٹر میں فنانس منیجر تھا اور اپنے کام کا ماہر گردانا جاتا تھا۔ فریحہ کو بہ آسانی خوب صورت قرار دیا جا سکتا تھا۔ یوں نہ تو اس کا چہرہ چغتائی آرٹ کی حسینہ کے مانند تھا اور نہ ہی آنکھیں سمندروں کی طرح گہری مگر اس کی سنہری رنگت، سرمئی آنکھیں اور شانوں پر بکھرے گہرے بھورے بالوں کے درمیان چمکتا چہرہ پہلی نظر میں ہی کسی کے بھی دل کو جیت لینے کا ہنر جانتا تھا۔ اس وقت اس چہرے پر دکھ اور تکلیف کے اثرات نمایاں تھے مگر اس اُداسی نے بھی اس کے حسن میں اضافہ سا کر دیا تھا۔

یہ ان کی شادی کی پانچویں سالگرہ تھی۔

وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ لوگ ان کی محبت کی مثالیں دیتے مگر علی جانتا تھا کہ آج اس وقت سب ٹھیک نہیں تھا۔

یہ جگہ بہترین تھی۔ اس پارک میں کیمپنگ ان دونوں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

کو شوق تھا۔ سرد مگر خوب صورت رات، گہرے اندھیرے میں چمکتا چاند، سب کچھ ویسا ہی تھا جو کسی اور وقت ان کے لیے انتہائی رومینٹک ہو سکتا تھا مگر ابھی تو وہ دونوں ہی گہری مایوسی کے حصار میں تھے۔ وہ فریحہ کے درد کو اچھی طرح محسوس کر سکتا تھا اسی لیے خود کو سنبھال کر اسے بکھرنے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریحہ کی مسلسل خاموشی اسے تکلیف دے رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں چھپا غصہ اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔

''خود کو سنبھالو فریحہ... میں جانتا ہوں کہ تکلیف بہت ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا۔ اللہ ہمارے درد کو جانتا ہے وہ ضرور اس کا مداوا کرے گا۔'' اس نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

فریحہ نے جواب میں خاموشی سے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ اس کے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو بغیر دیکھے محسوس کر سکتا تھا۔ جو دکھ فریحہ کو پارہ پارہ کر رہا تھا وہ خود اس کے لیے بھی کم تکلیف دہ نہیں تھا مگر اسے فریحہ کے لیے سب کچھ بھولنا تھا یا کم از کم بھولنے کی کوشش ضرور کرنی تھی۔

علی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ ان کے کیمپ کے دائیں جانب تھوڑے سے فاصلے پر دریا تھا۔ پانی کا بہاؤ غالباً تیز تھا اس لیے اس کی سماعت پانی بہنے کی آواز کو محسوس کر پا رہی تھی۔

''قدرت بھی کیا کمال کے کرشمے دکھاتی ہے۔'' اس نے سوچا۔ پانی کی یہ آواز اس وقت اس کے لیے سکون کا باعث ثابت ہو رہی تھی۔ علی نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ اچانک ایک اور آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ آواز آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی جیسے کوئی تیزی سے ان کے کیمپ کی طرف آ رہا ہو۔ اس بار یہ آواز اتنی تیز تھی کہ فریحہ بھی چونک کر کھڑی ہو گئی۔

''اوہ میرے خدا... علی یہ ریچھ نہ ہو۔ تمہیں یاد ہے پچھلی بار قریب کے دیہات کی عورت نے بھی یہ بتایا تھا۔'' وہ خاصی ڈر گئی تھی۔

''پتا نہیں، دیکھتے ہیں۔ تم ڈرو مت، اول تو یہ مشکل ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو میں ہوں نا... میں اسے ڈرا کر بھگا دوں گا۔''

''ارے، خبردار! تم ہرگز باہر نہیں جاؤ گے۔'' وہ ہڑبڑا کر بولی۔ ''تم کوئی ریچھوں کے رشتے دار تو ہو نہیں، نہ ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

وہ تمہاری بات ماننے کے پابند ہیں۔"

علی نے اس سے قبل درحقیقت کبھی کسی ریچھ کا سامنا نہیں کیا تھا مگر اس نے سن رکھا تھا کہ ریچھ شور شرابے سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

"بھاگو۔" وہ باہر نکل کر حلق کے بل چلایا۔ "کون ہے یہاں جھاڑیوں میں؟ نکلو باہر۔"

"علی پلیز۔" فریحہ بھی اسے روکتے روکتے باہر آ گئی۔

"کوئی نہیں ہے ڈرپوک عورت۔" علی مسکرا کر پیچھے مڑا مگر اگلے ہی لمحے وہ دونوں ساکت رہ گئے۔

وہ سامنے کے درخت کے پیچھے سے باہر نکلا اور تیزی سے ان کی جانب دوڑا، درمیان میں غالباً اس کا خیال بدل گیا اور وہ ان کے بغیر سیدھے ہاتھ کی جانب بھاگنے لگا۔

وہ دونوں ہکا بکا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے تھے اگر اس کی جگہ ریچھ یا ہاتھی بھی ہوتا تو وہ شاید اتنے حیرت زدہ نہیں ہوتے۔

"او خدایا! یہ تو کوئی بہت چھوٹا سا بچہ ہے۔" فریحہ کے منہ سے الفاظ سرگوشی کے انداز میں برآمد ہوئے۔ وہ واقعی ایک ننھا سا بچہ تھا جو بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا، ڈر کے مارے وہ اندھا دھند بھاگتا جا رہا تھا۔ آگے دریا تھا اور وہ پتھروں سے پھسل کر کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔

"رکو۔" علی چلایا اور اس کے پیچھے بھاگا۔ "ایک منٹ رکو... میری بات سنو۔" مگر رکنا تو ایک طرف اس کی رفتار میں اتنا اضافہ ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

"رکو بیٹا، میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتا، پلیز رکو۔" علی نے ہانپتی سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہ رہا تھا اور اس کے لیے اسے بھی بہت تیز بھاگنا پڑ رہا تھا۔

بالآخر ایک بھاری بھرکم درخت نے ہی اس دوڑ بھاگ کو ختم کیا۔ لڑکے نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا۔ وہ شاید اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کے پیچھے آنے والا اس کے کتنے قریب ہے اور انجانے میں درخت سے ٹکرا کر باقاعدہ فضا میں اڑ سا گیا... وہ اچھلا اور پھر زمین پر چت ہو گیا۔ دو لمحوں میں ہی وہ دوبارہ اٹھ کر بیٹھ گیا مگر اس بار وہ بھاگا نہیں ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس نے بیٹھے بیٹھے رونا شروع کر دیا، وہ اس قدر شدت اور بے ساختگی سے رو رہا تھا کہ علی کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"پلیز مجھ سے مت ڈرو، مت رو۔" علی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"رکو علی۔" فریحہ بھی ہانپتی کانپتی وہاں آ پہنچی۔

"ارے فریحہ... تمہیں اتنی بھاگ دوڑ نہیں کرنا چاہیے تھی۔" علی نے مڑ کر اسے گھورا۔ "تم اپنی حالت جانتی ہو۔"

"ہاں، ہاں، تم رکو تو... مجھے اس سے بات کرنے دو۔" اس نے گویا علی کی بات سنی ہی نہیں اور آگے بڑھ کر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ شروع میں اس نے کچھ ہاتھ پیر مارے، خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی مگر پھر وہ فریحہ سے لپٹ گیا۔ اس نے اس کے کندھے پر اپنا چھوٹا سا سر رکھ دیا، اب وہ بے آواز رو رہا تھا۔ لمحے لمحے بعد فضا میں اس کی ننھی سی سسکی گونجتی۔ فریحہ نے اسے اپنی چادر میں چھپا لیا۔ پھر اس نے علی کی جانب دیکھا۔ جواباً اس نے کندھے اچکا دیے۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟ وہ لڑکا بہت چھوٹا تھا شاید تین یا چار سال کا... اور بہت گندی حالت میں تھا۔ اس کے بال، کان سب میل سے بھرے ہوئے تھے۔ جلد اپنی رنگت بھول چکی تھی۔ اس نے اتنی سخت سردی میں لباس کے نام پر صرف ایک پرانا سا... پاجامہ اور پھٹی سی جرسی پہنی ہوئی تھی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" علی نے فریحہ سے پوچھا۔

"اب ہم کیا کریں؟"

علی نے گہری نظروں سے چاروں جانب دیکھا۔ اسے امید تھی کہ ابھی یا کچھ دیر میں اس کے پریشان والدین بچے کو ڈھونڈتے نظر آئیں گے مگر وہاں دور دور تک خاموشی، آسمان، درختوں اور سفید برف کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"چلو واپس چلتے ہیں۔" اس نے فریحہ کے کندھے پر بازو رکھتے ہوئے کہا۔ "تم تھک جاؤ گی۔ لاؤ اسے مجھے دے دو... کیوں ٹائیگر تم میری گود میں آؤ گے؟" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا مگر بچہ اس کی گود میں آنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ درحقیقت وہ فریحہ سے الگ ہونے کے لیے ہی تیار نہیں تھا۔

"کوئی بات نہیں علی۔" وہ بولی۔ "میں نہیں تھکوں گی مگر ہم یہاں پہلے آپ پہلے آپ کرتے رہے تو جم ضرور جاؤں گی۔"

ٹینٹ کی طرف آتے ہوئے وہ بچے سے بات کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر وہ ہر سوال کے جواب میں یا تو خاموش رہا یا روتا رہا۔

"ماما، گو، بو ہے۔" ٹینٹ میں پہنچ کر فریحہ بولی۔

"آخر یہاں یہ اکیلا بچہ کیا کررہا تھا، وہ بھی ایسے نامناسب لباس میں؟ پھر اس کی حالت تو دیکھو، یہ میل میں چیکٹ ہورہا ہے اور یہ ایک دو دن کی میل تو ہرگز نہیں ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" علی بھی یہی سوچ رہا تھا۔ "اب فی الحال تو تم اسے اپنے سلیپنگ بیگ میں سلا لو اور اس کے ساتھ رہو۔ یہ حد سے زیادہ ڈرا ہوا ہے۔"

"اور پھر...؟"

"دیکھتے ہیں، صبح تک شاید کوئی اسے ڈھونڈتا ہوا آجائے ورنہ اسے انتظامیہ کے حوالے کردیں گے... ٹھیک ہے نا؟ میں کچھ اور پانی گرم کرنے کے لیے رکھتا ہوں۔ گرم چاکلیٹ لوگی؟ اس کے لیے بھی بناتا ہوں۔"

فریحہ کے سر ہلانے پر وہ کیتل اٹھا کر باہر آگیا۔ اسے الاؤ پر لٹکتی راڈ پر لگا کر اس نے الاؤ میں کچھ اور لکڑیاں ڈالیں۔

اس سارے معاملے نے اسے حیرت زدہ کردیا تھا۔ بھلا ایک کم سن بچہ اس اندھیری سرد رات میں ان جنگلوں، پہاڑوں میں کیوں دوڑتا پھر رہا تھا اگر وہ گمشدہ تھا تو کوئی اسے تلاش کیوں نہیں کررہا تھا؟

اچانک اسے جھرجھری سی آگئی۔ ایک عجیب سے احساس نے اسے بے چین کردیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہو۔ پھر کیمپ کے بائیں جانب ہونے والی عجیب سی سرسراہٹ نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے غور سے اس طرف دیکھا وہاں بظاہر کوئی نہیں تھا۔ پھر ایک اور آہٹ سنائی دی۔ وہ جو کچھ بھی تھا، جو کوئی بھی تھا، بہت احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ علی نے الاؤ میں سے ایک قدرے چوڑی لکڑی اٹھائی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹینٹ کے دروازے کے پاس آکر اس نے کچھ سننے کی کوشش کی۔

"علی۔" فریحہ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ "کیا ہوا ہے؟"

"شش... پتا نہیں... تم اب بالکل خاموش رہنا۔" وہ سرگوشی میں بولا اور باہر دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر پتوں کی سرسراہٹ اور قدموں کی آہٹ ابھری اور پھر خاموشی طاری ہوگئی۔

"ہیلو...!" علی نے زور سے پکارا۔ رات کی خاموشی میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ "کون ہے یہاں؟" وہ لکڑی کو مضبوطی سے پکڑے تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ وہاں کوئی نظر نہیں آرہا تھا مگر اس کی چھٹی حس مسلسل سرخ سگنل دے رہی تھی۔ خطرہ تھا اور بہت قریب تھا۔

☆☆☆

عامر اپنی جگہ جما کھڑا تھا۔

قدموں کی دھمک اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ فیاض ادھر ہی آرہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ غصے میں ہے اور اس غصے کا نشانہ وہی بنے گا۔ اس کے چہرے پر یقیناً وہی تاثرات ہوں جن سے اسے نفرت تھی۔ وہ بہرحال اتنا احمق، گدھا اور بے وقوف ہرگز نہیں تھا جتنا اس کا بھائی اسے سمجھتا تھا۔

"ٹھیک ہے اس سے بڑی غلطی ہوئی ہے۔" اس نے سوچا اور اسی وجہ سے وہ منحوس لڑکا بھاگنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب فیاض کو تو بگڑنا ہی ہے، فیاض بچپن سے ہی غصہ ور تھا اس لیے سب اس سے ڈرتے تھے اور اس سے دور ہی رہتے تھے مگر وہ تو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ صرف وہی تھا جس سے فیاض محبت کرتا تھا۔ وہ طمانیت سے مسکرایا مگر وہ اسے احمق اور پاگل بھی کہتا تھا۔ اس کے ہر وقت مسکراتے رہنے سے تو وہ کبھی کبھی بے انتہا چڑ جاتا تھا۔

"اب تم کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو الجھوتی کہیں کے؟" فیاض کی ڈانٹ پر وہ اس کی طرف پلٹا۔ "تم سن رہے ہونا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔"

عامر نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ بھاگ کر اسی طرف آیا تھا؟"

"ہاں۔" وہ مسکرایا۔

"اس پورے علاقے میں یہ ایک ہی خیمہ لگا ہوا ہے، ہو نہ ہو وہ اس کے اندر ہی ہوگا۔ اب میری بات غور سے سنو۔" وہ اس کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔ "تم اب یہیں رکو گے۔" فیاض حکمیہ انداز میں بولا۔ "سمجھ گئے نا... میں اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔ تم یہاں سے ہر چیز پر نظر رکھنا۔" عامر کی گردن اس کے ہر لفظ کے ساتھ میکانکی انداز میں اوپر سے نیچے حرکت کررہی تھی۔

☆☆☆

آخر وہ سامنے آگیا۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہیے تمہیں؟ یہاں ہمارے ٹینٹ کے پاس کیا کررہے ہو؟" علی نے چونکتے انداز میں پوچھا۔

"میں... اپنے بیٹے کو ڈھونڈ رہا ہوں، کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟" اس سے پہلے کہ علی کچھ کہہ پاتا اس کی کھردری اور سخت آواز سن کر ٹینٹ میں موجود بچے نے رونا شروع کردیا تھا۔ اس بار اس کے انداز میں خوف نمایاں تھا۔

"لگتا ہے کہ آپ نے اسے ڈھونڈ لیا ہے بہت

SCANNED BY DIGESTPK
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

خوب، میرا نام نادر خان ہے۔" فیاض، علی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔" علی لکڑی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔

اسے یہ اجنبی بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ چہرہ پرانے زخموں کے نشانات سے داغ دار تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ دھونس، دھڑے اور بدمعاشی کا عادی تھا۔

"اگر وہ تمہارا بیٹا ہے تو تم کیسے ہو گیا؟"

"ہماری گاڑی خراب ہو گئی تھی، میں انجن کو دیکھنے اترا تھا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ صاحب زادے غائب ہو گئے۔"

علی اسے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ، الفاظ، انداز اور رویہ کسی بھی طرح ایک ایسے باپ کا نہیں تھا جس کا بیٹا ایک ویران اور سرد رات میں کھو گیا ہو۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے اگر وہ تمہارا بیٹا ہے تو تم مطمئن رہو وہ محفوظ ہے، تم کل اسے پولیس اسٹیشن سے لے جا سکتے ہو۔" وہ اسے چند لمحے سخت نظروں سے گھورنے کے بعد بولا۔

"اتنا وقت کس کے پاس ہے؟" وہ زہر بھرے انداز میں بولا اور پھر ڈرامائی طور پر اس نے جیب سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں بڑا سا ریوالور تھا جس کا رخ علی ... کی طرف تھا۔

"کہاں ہے وہ... اسے باہر نکالو... فوراً۔" وہ غرایا۔ "ورنہ تم اپنی جان سے جاؤ گے۔"

"یہ... یہ کیا ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" علی خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہوا نہیں مگر ہو بھی سکتا ہوں۔" وہ ریوالور والے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے غرایا اور اس کی طرف بڑھا۔

علی نے اضطراری طور پر ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ اجنبی کے ارادے یقیناً خطرناک تھے۔ اس کے دماغ نے فوری فیصلہ لیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی لکڑی کو گھما کر اس کے ہاتھ پر دے مارا۔ اس اچانک وار نے اجنبی کو بوکھلا دیا۔ غالباً اس کو علی سے اس تیزی کی امید نہیں تھی۔ لکڑی کی چوٹ سے ریوالور اس کے ہاتھ سے اچھل کر جھاڑیوں کی طرف جا گرا۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑایا اور پھر علی کی طرف بڑھا۔ علی اس کے سر پر وار کرنا چاہ رہا تھا مگر اس بار وہ اس کے لیے تیار تھا۔ وہ قدرے جھکا اور اس نے اپنا سر علی کے پیٹ میں دے مارا۔ ایک لمحے کو علی کو یوں لگا جیسے اس کی سانس رک گئی ہو، درد کی شدید لہر نے اسے زمین پر دے مارا۔ اسے کچھ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھڑے ہونے کی کوشش میں وہ دوبارہ گرا۔ اجنبی اس سے ہٹ کر پستول تلاش کر رہا تھا۔

وہ یقیناً اسے، فریحہ کو اور شاید اس بچے کو بھی مار ڈالے گا، اس نے سوچا۔ اسے اس کو ہر قیمت پر روکنا ہوگا مگر اس کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا جس سے وہ اس کا مقابلہ کر پاتا۔

اچانک اس کے ذہن میں ابلتے ہوئے پانی کا خیال آیا۔ الاؤ پر لٹکتی بڑی کیتلی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے الاؤ تک پہنچا اور کیتلی کو لے کر مڑنے ہی والا تھا کہ اجنبی کی سرد آواز نے اسے ساکت ہونے پر مجبور کر دیا۔

"بہت ہو گیا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ پہلی گولی تم کہاں کھانا پسند کرو گے؟"

جواب میں علی مڑا اور کھولتا ہوا پانی اس کے چہرے کی جانب اچھال دیا۔

"اوہ..." پانی اس کے چہرے، گردن اور سینے میں آگ لگ گیا۔ "مر گیا میں۔" وہ تکلیف سے ناچتا ہوا کسی سانڈ کی طرح چلا رہا تھا۔ جلن کی وجہ سے وہ آنکھیں بھی کھول نہیں پا رہا تھا۔

علی ریوالور کی فکر تھی جو اب بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا... تو کیا۔ خود کو مرا ہوا سمجھ۔" وہ چلاتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ علی نے خود کو بچاتے ہوئے اس کے پستول والے ہاتھ پر جھپٹا مارا، مگر پستول پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اس کوشش کے نتیجے میں وہ دونوں ہی آپس میں گتھم گتھا ہوتے ہوئے زمین پر جا گرے تھے۔ علی نے اس کے پستول والے ہاتھ کو بری طرح جکڑ رکھا تھا ساتھ ہی وہ اس کی گردن دبانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ فیاض جونک کی طرح علی سے لپٹا ہوا تھا۔ اس نے علی کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ رکھا تھا اور اس کا سر زمین پر .... مارنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ علی کا شمار پیچھے بھلے طاقتور لوگوں میں ہوتا تھا مگر جلن کی شدید تکلیف کے باوجود وہ علی پر بھاری پڑ رہا تھا۔

اپنے سر کو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے علی نے اس کی گردن پر کھڑا ہاتھ رسید کیا، جلی ہوئی جلد پر لگنے والی چوٹ نے اسے تڑپا دیا اور پستول علی کے ہاتھ میں آ گیا۔

"بس اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" علی اس کے سینے پر ریوالور رکھتے ہوئے بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

”میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔“ وہ خوف زدہ ہوئے بغیر بولا۔ ”نہیں... نہیں گاڑوں گا تجھے۔“ اس نے ریوالور کو علی کی جانب موڑنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی بچے گا پھر... پارک کی خاموش فضا فائر کے زوردار دھماکے سے گونج اٹھی۔

☆☆☆

علی پھٹی پھٹی نگاہوں سے زمین پر پڑے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا خون اردگرد کی جگہ کو رنگین کر چکا تھا۔ علی کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

”علی... علی تم ٹھیک ہو؟“ فریحہ کی آواز نے اسے چونکایا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ ہی وہ خیمے سے نکل آئی۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے بچے کو نیچے اتارا اور دوڑ کر علی سے لپٹ گئی۔ علی باقاعدہ کانپ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔ آدھے گھنٹے پہلے وہ کیک کاٹنے کی تیاری کر رہا تھا اور اب اس کے ہاتھوں ایک جیتے جاگتے انسان کا خون ہو چکا تھا۔

”میں... میں نے اسے مار ڈالا۔“ وہ خوف زدہ انداز میں بولا۔

”نہیں... تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ سنبھالو خود کو، وہ تمہیں مارنا چاہتا تھا۔ شاید مجھے بھی اور اس بچے کو بھی، تم نے تینوں جانیں بچائی ہیں، تم میرے ہیرو ہو۔“ وہ کئی دنوں بعد اس طرح کھل کر مسکرائی تھی۔

”مگر یہ...“

”مت دیکھو اس کی طرف... اب ہمیں کیا کرنا ہے، یہ سوچو۔“

”ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے اور ساتھی ہوں۔“

”اس وقت گاڑی تک پیدل جانا خطرناک نہیں ہوگا؟“

”نہیں، یہاں رکنا زیادہ خطرناک ہے پھر ہمیں پولیس کو خبر بھی تو کرنی ہے۔ سامان ہم بعد میں دن میں آکر لے جائیں گے... یہاں خطرہ ہے، بس نکل چلو۔“

”ٹھیک ہے، میں گرم کپڑے اٹھا لیتی ہوں۔“ فریحہ اندر جاتے ہوئے بولی۔ وہ لڑکا اب بھی اس کی گود میں چڑھا ہوا تھا۔

علی اب خود پر قابو پا چکا تھا۔ فریحہ کے جانے کے بعد وہ لاش کے قریب جا پہنچا۔ ”آخر یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ہے کون؟“ اس نے سوچا۔ ”کوئی شناختی کارڈ، لائسنس کچھ تو ہوگا اس کی جیب میں۔“ اس نے اس کی جیب سے بٹوا نکالا۔

”کیا کر رہے ہو علی؟“ اتنے میں فریحہ آ گئی تھی۔

”میں اس کی تلاشی لے رہا ہوں، کچھ پتا تو چلے کہ یہ ہے کون؟“

”مگر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ ڈراموں میں دکھاتے ہیں نا کہ لاش کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔“

”ایک منٹ فریحہ۔“ وہ بٹوا کھولتے ہوئے بولا۔ اس میں ایک سروس کارڈ موجود تھا۔ علی نے اسے باہر نکالا اور پھر ساکت سا رہ گیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

”کیا ہوا؟“ فریحہ نے پوچھا۔

”یہ... یہ پولیس انسپکٹر تھا... او میرے خدا... فریحہ... میں نے ایک پولیس والے کو مار دیا ہے۔“

خوف، دہشت اور پریشانی کی تیز لہر اس کے وجود کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

”مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سیلف ڈیفنس ہر صورت میں سیلف ڈیفنس ہے۔“

”یہ تم اور میں جانتے ہیں۔ ذرا اسے دوسروں اور پولیس والوں کی نظر سے دیکھو۔ ایک پولیس والا ایک گمشدہ بچے کی تلاش میں یہاں آیا۔ وہ بچہ جس پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ ہمارے پاس تھا اور ہم نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے ڈرانے کے لیے پستول نکالا اور میں نے اسے مار دیا۔ اس میں سیلف ڈیفنس کہاں نظر آئے گا۔“ علی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

”علی، وہ گولی چلانے والا تھا۔“ فریحہ بولی۔

”مگر اس نے گولی چلائی تو نہیں تھی نا؟“ وہ بولا۔

”سب گڑبڑ ہو گئی فریحہ! اب ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”ہمیں یہاں سے فوراً غائب ہونا ہوگا، ایسے جیسے ہم یہاں تھے ہی نہیں، ہمیں جانا ہوگا، سب کچھ لے کر... سب کچھ یعنی ہر چیز، ہمارا یہاں کوئی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔“

”تم مجھے ڈرا رہے ہو علی۔“ فریحہ روہانسی ہو کر بولی۔

”ڈرنے کی بات ہے۔ میں نے ایک پولیس والے کو مار دیا ہے۔ کون صحیح ہے اور کون غلط... یہ تو بعد میں ثابت ہوتا ہے اگر موقع ملے تو۔“ اس کے لہجے میں موجود سراسیمگی نے فریحہ کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا... اس نے بچے کو درخت کے سہارے بٹھایا اور تیزی سے تمام چیزیں سمیٹنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

گئی۔ علی اس دوران خیمے کو تہ کر کے باندھ چکا تھا اور اپنی طاقتور ٹارچ سے زمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ فریحہ کام کے ساتھ ساتھ اسے دیکھتی جارہی تھی۔ اسے علی کے اس فیصلے کے پیچھے کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس طرح بھاگ کر تو وہ خود کو مزید مشتبہ بنا رہے تھے مگر اس وقت علی کو کچھ بھی سمجھانا ناممکن تھا۔ اسے امید تھی کہ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اس کی بات سمجھ پائے گا۔

آدھے گھنٹے میں وہ وہاں سے نکلنے کے لیے تیار تھے۔ ان کے بیگ پیکس ان کی پشت پر تھے۔

''میں اسے اٹھالیتا ہوں۔ تم اس بوجھ کے ساتھ اسے سنبھال نہیں سکو گی۔'' علی نے جھک کر بچے کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہم تین گھنٹے میں گھر پہنچ جائیں گے اس سب سے اور اس لاش سے دور۔'' وہ جیب سے ٹارچ نکالتے ہوئے بولا۔ ٹارچ کے ساتھ ہی اس کی جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا بھی نکل کر زمین پر جا گرا تھا۔

''چلو...'' فریحہ اس کا بازو تھام کر بولی اور وہ دونوں تیزی سے پارکنگ ایریا کی طرف چل دیے۔ اس بات سے قطعی لاعلم کہ فیاض کی لاش، اس کے قریب زمین پر ہوا کے دوش پر لہراتے اس کاغذ کے ٹکڑے کے علاوہ کوئی اور بھی تھا جو انہیں دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

عامر وہیں اس درخت کے پاس چھپا ہوا تھا جہاں فیاض اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ان دونوں کو لڑتے اور پھر فیاض کو زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد وہ مرد اور عورت سب کچھ سمیٹ کر وہاں سے غائب ہو گئے تھے اب وہاں صرف اندھیرا تھا۔

جب انہیں وہاں سے گئے کافی دیر ہو گئی تو وہ آگے بڑھا۔ فیاض نے اسے آگے آنے سے منع کیا تھا مگر اب وہاں چپ چاپ کھڑا رہنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ دوڑتا ہوا زمین پر پڑے فیاض کی طرف لپکا۔

''فیاض... فیاض اٹھو۔'' اس نے اسے جھنجوڑا۔ مگر وہ بالکل خاموش تھا۔ عامر کو اس کی موت کا یقین آنے میں کئی لمحے لگ گئے۔ فیاض اس طرح مر بھی سکتا ہے یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا پھر اسے فائر کا وہ دھماکا یاد آیا۔ اس شخص نے فیاض کو مار ڈالا۔ اس منحوس بچے کی وجہ سے... وہ بچہ ہی اس سارے فساد کی جڑ تھا۔ جب سے فیاض اسے لایا تھا ان کی زندگی جہنم بن گئی تھی۔ ہر وقت اس کی ریں ریں نے عامر کو پاگل کر دیا تھا۔ اس کی نگرانی کرتے کرتے تھک گیا تھا وہ۔ اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نکل بھاگا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اس نے جھک کر فیاض کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اگر وہ جاگتا رہتا تو نہ وہ بچہ بھاگ پاتا اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔

''ہائے...!'' وہ رو پڑا۔ ''میں نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔'' وہ زمین پر سر رکھے بے آواز رو ...... رہا تھا۔ اچانک اسے اپنے سر پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بالوں پر پھیرا۔ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ نہ جانے اس پر کیا لکھا تھا۔ عامر نے اسے اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ وہ جھک کر چند لمحے فیاض کو دیکھتا رہا پھر بھاگتا ہوا درختوں کے پیچھے گم ہو گیا۔

☆☆☆

منی جیپ تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اس جگہ سے جس قدر جلد ممکن ہو دور چلے جانا چاہتا تھا مگر اس سب کو ذہن سے کھرچ کر پھینک دینا اس کے بس میں نہیں تھا اگر وہ پکڑا گیا تو کیا ہوگا؟ پولیس، عدالت، لوگ، میڈیا، کیا وہ سب حقیقت کو اس کی نظر سے دیکھ پائیں گے؟

''میں بے گناہ ہوں مائی لارڈ۔'' تصور کی آنکھ سے اس نے خود کو عدالت کے کٹہرے میں گڑگڑاتے دیکھا۔

''بے گناہ لوگ اس طرح کسی کو مار کر بھاگا نہیں کرتے اور وہ بھی ایک پولیس والے کو۔'' جج کی سرد آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔''

بات تو ٹھیک تھی سچ سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے یہ اس نے بھی سن رکھا تھا مگر عدالت ثبوت مانگتی ہے اور شواہد پر فیصلہ کرتی ہے اور یہاں سب کچھ اس کے خلاف تھا۔ اچانک اس کی نظر فیول میٹر پر پڑی۔ پیٹرول ختم ہونے کے قریب تھا اس نے مایوسی سے اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارا اور چاروں طرف دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ایک پمپ موجود تھا۔

پمپ پر پہنچ کر اس نے عادتاً والٹ سے اپنا کریڈٹ کارڈ نکالا پھر ایک خیال نے اسے روک لیا۔ کریڈٹ کارڈ کے استعمال کا مطلب یہاں اپنی شناخت چھوڑ جانا تھا۔ اس نے کارڈ واپس ڈالتے ہوئے والٹ کا جائزہ لیا۔

''سر کتنے کا ڈالوں اور کیا ادائیگی آپ کیش میں کریں گے؟'' پمپ پر موجود اٹینڈنٹ نے اسے گم صم دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''تو پھر آپ کو پہلے اندر اسٹور پر ادائیگی کرنا ہو گی۔'' وہ ادب سے بولا۔

''او کے۔'' وہ اسٹور اچھی خاصی منی مارکیٹ ٹائپ کی جگہ تھی جہاں ضرورت کی اکثر چیزیں دستیاب تھیں۔ کاؤنٹر پر بچوں کے پیمپرز کے پیکٹ اوپر ہی رکھے تھے۔ علی نے بغیر سوچے سمجھے ایک پیکٹ اٹھالیا۔ ادائیگی کرکے وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ پمپ کے دوسری جانب، پے فون موجود تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر گاڑی سے اتر گیا۔ وہاں پارک میں بہرحال ایک لاش موجود تھی۔ وہ خود کو بچانا چاہتا تھا۔ یہ درست تھا مگر اسے اس کی اطلاع تو کرنی ہی چاہیے۔ وہ ہمت کرکے فون کی طرف بڑھا۔

☆☆☆

گنجان آبادی کے درمیان موجود پرانے فلیٹوں کی عمارت کے سامنے پہنچ کر صدف رحمان نے بہ آواز بلند اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ آخرکار گھر پہنچ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں حسب معمول نیند سے بوجھل تھیں اور جسم درد سے چور چور ہو رہا تھا۔

سپر مارکیٹ کی آٹھ گھنٹے کی سخت ملازمت اور پھر اس کے بعد دو بڑے دفاتر کی صفائی اور جھاڑ پونچھ کا کام اب اس کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اگرچہ یہ سب دو سال سے کر رہی تھی مگر اب جبکہ وہ پھر ماں بننے والی تھی اسے پہلے سے زیادہ نیند اور آرام کی ضرورت تھی جو اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھا۔

مگر یہ زندگی اس نے خود ہی تو چنی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اسے یاد تھا کہ اماں اور ابا جی نے اسے رحمان کے متعلق کتنا متنبہ کیا تھا۔ ابا جی تو اس کے سخت خلاف تھے۔

''یہ شخص تمہارے قابل نہیں ہے صدف... تمہارے ابا جی درست کہہ رہے ہیں اسے بھول جاؤ۔'' اماں نے اسے آخری لمحے تک سمجھایا تھا مگر ان دنوں وہ رحمان کے عشق میں اندھی ہو رہی تھی... بالآخر اس کی ضد سے مجبور ہو کر ابا جی اور اماں نے ایک چھوٹی سی تقریب میں ان دونوں کی شادی کرا دی۔ اس کے بعد ابا جی اپنے عہد کے مطابق اس سے لاتعلق ہو گئے۔ ہاں اماں اس سے ملتی رہتیں اور ضرورت کے مطابق مدد بھی کرتی رہتیں۔ اس کی شادی کے چند ماہ بعد ہی وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ابا جی بھی سال ختم ہونے سے قبل ہی ان کے پیچھے چل پڑے۔ دونوں بھائی پہلے ہی ملک سے باہر تھے اور اس کی ضد سے شدید ناراض بھی، یوں اب اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں تھا۔

ابتدائی چند ماہ میں ہی خود غرضی کے چہرے پر لگا محبت کا ملمع اتر گیا تھا۔ شادی پر اور بعد میں اماں سے ملنے والی رقوم رحمان کی دلچسپی کا اصل مرکز تھی۔ اسے جوئے کی لت تھی اور وہ ہر دفعہ اس یقین سے پیسا لگاتا کہ اس کے بعد اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ گھر سے ملنے والا پیسا... صدف کے زیورات اور پھر ابا جی کے انتقال کے بعد ورثے میں ملنے والے مکان کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم سب کی سب اس کی اس امید کی نذر ہو گئی۔ شادی کے سال بعد خرم کی پیدائش تک حالات پھر بھی بہتر تھے مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا جوڑ توڑ سے بچائی رقم ختم ہوتی چلی گئی۔ رحمان کوئی کام کرتا نہیں تھا... بالآخر ایک دن ننھے خرم کو چھوڑ کر اسے ملازمت کرنی پڑی اور اب جبکہ وہ ساڑھے تین سال کا ہی تھا وہ پھر امید سے ہو گئی۔ خوشی کے یہ لمحات اس کے لیے خوف اور ایک بڑا سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے۔ وہ دو ننھے بچوں کی دیکھ بھال کیسے کرے گی؟ یہ سوچ اسے اکثر آدھی رات کو جگا دیتی تھی۔ رحمان سے اسے مدد کی ذرا بھی توقع نہیں تھی۔ یہی بہت تھا کہ وہ دن میں گھر پر رک جایا کرتا تھا۔

سگنل کھلتے ہی وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی فلیٹوں کے گیٹ کے اندر لے آئی۔ صرف یہ پرانی گاڑی ہی ایک ایسی چیز تھی جو اب اس کی ملکیت تھی اور اس کی زندگی میں تھوڑی بہت آسانی کی وجہ بھی... یہ اس کے ابا جی کی نشانی تھی اور وہ رحمان کو بتا چکی تھی کہ وہ اسے کسی قیمت پر فروخت نہیں کرے گی۔

چند لمحوں بعد وہ تیسری منزل پر بنے اپنے فلیٹ کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس وقت عموماً رحمان گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی چابی سے دروازہ کھولا۔ اندر گھستے ہی اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ رحمان سامنے صوفے پر گرا پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ صدف کو تیزی سے کچھ غلط ہونے کے احساس نے گھبرا دیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ بیگ میز پر رکھتے ہوئے رحمان کی طرف بڑھی۔ اس نے جواب میں سر اٹھا کر صدف کو دیکھا اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشان تھے، ایک آنکھ سوج رہی تھی اور اس کے نیچے سیاہ دائرہ بنا ہوا تھا۔ جیسے کسی نے اسے زوردار گھونسا رسید کیا ہو۔

''رحمان... ہوا کیا ہے؟'' وہ ایک قدم آگے بڑھی پھر ساکت ہو گئی۔ ''خرم۔''

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

خرم کے خیال نے اسے بالکل حواس باختہ کر دیا تھا۔ وہ اس وقت عموماً بیڈروم میں زمین پر موجود میٹرس پر سو رہا ہوتا تھا۔ صدف بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ میٹرس خالی تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

''خرم... خرم...'' وہ چیختی ہوئی دوبارہ باہر آ گئی۔

''رحمان، خرم کہاں ہے؟'' پریشانی اور خوف سے وہ کانپ رہی تھی۔ ''اسے کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاؤ کہ اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔''

''اسے کچھ نہیں ہوا ہے۔ فی الحال میرا خیال ہے۔'' ایک ایک لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟ بولتے کیوں نہیں۔'' وہ زور سے چیخی۔

''وہ... وہ اسے لے گئے ہیں۔'' رحمان بالآخر بولا۔

''کون لے گیا ہے؟'' الفاظ گویا خنجر کی طرح صدف کے دل میں اتر گئے تھے۔

''وہ آدمی۔'' اس نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ وہ کرامت صاحب کے لیے کام کرتے ہیں۔''

اچانک صدف کو یوں لگا جیسے وہ دوسری سانس نہیں لے پائے گی۔ ''آخر ساری دنیا کے بچوں کو چھوڑ کر اس کرامت بیگ کو میرے ہی بچے کی ضرورت کیوں پڑی؟''

''مم... مجھے نہیں معلوم۔'' وہ ہکلایا۔

''جھوٹ مت بولو۔'' وہ غرائی۔ پھر وہ کپکپاتی ہوئی اپنے بیگ کی طرف بڑھی۔ اس میں ابو کی چھوٹی سی پستول موجود تھی۔ ان کے انتقال کے بعد سے وہ اس کی الماری میں پڑی تھی۔ اس نے ایک دن رحمان کو اسے ہاتھ میں لیے دیکھا تھا تب ہی سے اس نے حفاظت کے نام پر اسے اپنے بیگ میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے بیگ سے پستول نکالی اور رحمان پر تان لی۔ ''یہ میرے بچے کا معاملہ ہے رحمان۔''

''ارے ارے... صدف ہوش میں آؤ، او کے، میں بتاتا ہوں۔ مجھے اس کے کچھ پیسے دینے ہیں۔''

''تم نے اس منشیات فروش، بدنام زمانہ غنڈے سے قرض لے لیا؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ ''کیا سوچ کر؟''

''نہیں، میں نے اس سے پیسا نہیں لیا۔ اصل میں، میں پچھلے ماہ جوئے میں ہار گیا تھا۔ مجھے جس کے پیسے دینے ہیں وہ اس کا آدمی ہے، اب وہ اپنی رقم مانگ رہا ہے۔ اس نے ضمانت کے طور پر خرم کو اٹھوا لیا ہے۔''

''کتنی رقم؟'' غصہ صدف کے وجود میں لاوے کے مانند کھول رہا تھا۔

''دس لاکھ روپے... اور اس پر ایک ماہ کا سود بھی ہے۔''

صدف کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اس سے کھڑا تک نہیں ہوا جا رہا تھا۔ وہ بالآخر بیٹھ گئی پھر اس نے جھلسا دینے والی نگاہوں سے رحمان کو دیکھا۔

''مجھے میرا بچہ واپس چاہیے، میں نہیں جانتی کیسے؟'' وہ غرائی۔

''انہوں نے مجھے بھی مارا ہے۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟''

صدف کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ پستول میں موجود ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دے مگر وہ بمشکل خود پر قابو پا کر کھڑی ہوئی اور پھر فون کی طرف بڑھی۔

''تم کیا کر رہی ہو؟'' وہ اسے فون اٹھاتے دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔

''میں پولیس کو فون کر رہی ہوں۔''

''نہیں، انہیں تم یہ نہیں کر سکتیں۔''

''میں کروں گی۔ تم جیل جاؤ یا وہ تمہیں مار دیں مجھے اس سے مطلب نہیں، مجھے میرا بچہ واپس چاہیے۔''

''مسئلہ میں انہیں کہا ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے فون کھینچتے ہوئے بولا۔ ''انہوں نے کہا ہے کہ اگر ہم نے پولیس کو فون کیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔''

صدف کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ اس لمحے سینے اور پیٹ میں آگ سی لگ رہی تھی۔ اس کا پیارا بیٹا اغوا ہو چکا تھا اور وہ لوگ انتہائی ظالم تھے۔

''پھر ہم کیا کریں گے؟'' اس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''انہوں نے مجھے ایک ہفتے کی مہلت دی ہے تب تک وہ اسے زندہ رکھیں گے۔ ہمیں ان کی رقم لوٹانی ہے ورنہ وہ اسے مار ڈالیں گے۔'' رحمان صفائی سے بولا۔

''پھر...؟''

''میں کوشش کر رہا ہوں، اس دوران ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم میں راتوں رات نہیں لا سکتا۔''

''مگر لا سکتے ہو۔'' وہ پھٹ پڑی۔ ''مجھے میرا بچہ چاہیے جلد سے جلد۔''

''وہ میرا بھی بچہ ہے۔'' وہ قدرے بے پروائی سے غرایا۔ اس کے انداز نے صدف کے غصے کو گویا ماچس دکھا دی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے رحمان کو جھنجوڑ ڈالا۔

''تمہیں اگر یہ معلوم ہے تو اس کے ساتھ آنے والی ذمے داریوں کا احساس کیوں نہیں ہے۔ آج تک تم نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اس کے لیے کیا کیا؟ اور اب... وہ تمہارے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے۔ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی... اگر میرے بچے کو کچھ بھی ہوا۔ یاد رکھنا۔"

"بکواس مت کرو۔" وہ اسے دھکا دے کر بولا۔ "یہ سب تمہاری منحوسیت کا نتیجہ ہے۔"

اس دھکے نے صدف کو لڑکھڑا دیا تھا مگر اس نے رحمان کا گریبان پھر بھی نہیں چھوڑا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھورتی رہی پھر اس نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔ اس کی نگاہیں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ جو اس نے کہا ہے وہ کر سکتی ہے۔

رحمان تیزی سے فلیٹ سے باہر نکل گیا۔ صدف وہیں بھی دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

☆☆☆

گھر اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا۔

علی خاموشی سے ڈرائیونگ میں مصروف تھا۔ وہ بچہ فریحہ کی گود میں سر رکھے آرام سے سو رہا تھا جبکہ وہ کھڑکی کے باہر تیزی سے دوڑتے مناظر پر نظریں جمائے سوچوں میں گم تھی۔

وہ جانتی تھی کہ علی بہت پریشان ہے جو کچھ ہوا۔ بہت برا ہوا تھا مگر وہ اس بچے میں سے نکل کر آنے والی خوشی کے لیے بہت خوش تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا اسد لوٹ آیا ہو۔

اسد کا خیال اس کے دل کو کاٹتا ہوا گزر گیا۔ علی سے شادی اس کے لیے قدرت کا سب سے بڑا تحفہ تھا۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ابتدائی تین سالوں میں دو بچوں کو پیدائش سے پہلے کھو دینے کے دکھ کے باوجود وہ دل سے مسکرائی تھی۔ مگر اسد کے جانے سے زندگی گویا کھو گئی تھی۔ سنا تھا کہ دکھ وقت کے ساتھ مندمل پڑ جاتے ہیں۔ مگر اس کے جانے کا دکھ عجیب پکے رنگوں کا بنا تھا جو دھندلا ہو کر نہیں دے رہا تھا۔

اس کی میڈیکل ہسٹری کی وجہ سے اس بار حتی الامکان احتیاطی تدابیر کی گئی تھیں۔ ہر ہفتے ڈاکٹر کا وزٹ، دنیا میں موجود سارے ٹیسٹ، غذائی احتیاطیں، مکمل آرام... سب کچھ بالکل ٹھیک جا رہا تھا... وہ بالآخر ماں بننے والی تھی۔ ڈاکٹرز کے مطابق آنے والا مہمان لڑکا تھا۔ انہوں نے اس کا نام بھی سوچ لیا تھا۔ اسد علی کے والد کا نام تھا اور اس نے یہی نام اپنے بیٹے کو دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کا کمرا سجا لیا گیا تھا۔ مگر پھر آخری دنوں میں وہ ہو گیا۔ جو وہ اپنے بدترین خواب میں بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا بیٹا، جسے اس نے دیکھا تک نہیں تھا مگر اسے دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا، اچانک چل بسا تھا۔ اپنی ڈاکٹر کا وہ جملہ وہ کبھی بھول نہیں سکتی تھی جس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ غالباً کھیلتے کھیلتے دنیا سے چلا گیا۔ یہ دکھ کسی بڑے مکان کے ملبے کی طرح اس پر گرا تھا جس نے اس کی روح تک کو کچل دیا تھا۔ وہ اس بوجھ کے نیچے دب کر ہلاک ہو چکی ہوتی اگر علی اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ علی دکھ کی بندگی سے اسے زندگی کی روشنی کی طرف بمشکل واپس لایا تھا۔

اس نے محبت سے اپنے شوہر کی جانب دیکھا اور پھر طمانیت سے آنکھیں بند کر لیں۔ آدھے پونے گھنٹے بعد ان کی گاڑی گھر کی طرف مڑی تب وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی انگلیاں بچے کے سر پر تھیں اور وہ خواب میں اسد کو اپنے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اپنی گود میں لیٹا۔ جہاں وہ اسے پوپائے دی سیلر مین کی کہانی سنا رہی تھی۔

☆☆☆

"مجرموں کی فرض شناسی کی بھی بھرپور تعریف کرنی چاہیے۔ اتنی سخت سردی میں بھی سکون سے گھر بیٹھنے کے بجائے اس دور دراز پارک میں پہنچ کر بندے مارنا آسان کام بہرحال نہیں ہے۔" چیف انسپکٹر عمران گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ مان جاتے تو آپ کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے جائے واردات پر اتارا جا سکتا تھا۔" اس کے اسسٹنٹ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اتنی ڈرائیو سے بچ جاتا۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا... متبادل راستے ہوں تو اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"متبادل راستے کا مطلب کافی لمبا پیدل چلنا ہے اور وہ بھی اس سردی میں۔"

"اوپر سے گر کر ایک منٹ میں مزید اوپر پہنچنے سے یہی بہتر ہے۔" وہ اسے گھور کر بولا۔ وہ کل صبح ہی اپنی چھٹیوں سے واپس آیا تھا اور آتے ہی یہ افتاد سر پر آ پڑی تھی۔ ایک گمنام کال کے مطابق پارک میں ایک لاش موجود تھی۔ چونکہ اس پارک کا علاقہ مرکزی ایجنسی اور پولیس دونوں کے دائرۂ کار میں آتا تھا اس لیے ایجنسی کی طرف سے انسپکٹر عمران کو بلوا لیا گیا تھا۔

"وہاں کون کون موجود ہے؟"

"پولیس کی طرف سے انسپکٹر فریدی، پارک انتظامیہ

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کی جانب سے ان کی انچارج خاتون اور عملے کے لوگ۔"

"یعنی پورا شہر جمع ہے۔" وہ ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ انسپکٹر فریدی کے ساتھ وہ پہلے بھی کئی کیس کر چکا تھا۔ تیس پینتیس سال کے اس سراغ رساں میں پارا سا بھرا تھا۔ عمران اسے خاصا پسند کرتا تھا مگر اس کے ساتھ کام کرنا ایک بڑے چیلنج سے کم نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ خود اس کی بڑھتی ہوئی عمر بھی تھی مگر وہ اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

پارک کے پارکنگ ایریا میں ہی اس کی ملاقات وہاں کی انچارج فوزیہ جبیں سے ہو گئی تھی۔ فوزیہ ادھیڑ عمر کی قدرے فربہ خاتون تھی اور برسوں سے پارک میں ملازمت کر رہی تھی۔

عمران اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد جائے واردات کی طرف نکل گیا۔ وہاں واقعی کافی لوگ موجود تھے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا۔ وہ کسرتی جسم کا خوبرو نوجوان تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے نکلتا ہوا تھا۔ کرمنالوجی اس کا شوق تھا اور وہ بیرون ملک سے خاص تعلیم حاصل کر کے آیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔" وہ انسپکٹر عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "تھوڑے سے موٹے ہو گئے ہو اور شاید دو چار برس میں گنجے بھی ہو جاؤ گے۔"

"مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے فریدی میاں۔" عمران مسکرایا۔ اس کی عمر چالیس کا ہندسہ عبور کر چکی تھی مگر اس کے باوجود وہ فٹ فاٹ تھا۔ قد میں وہ فریدی کے برابر ہی تھا مگر اس کے مقابلے میں قدرے بھاری بھرکم نظر آتا تھا۔

"اور کیا کیا ظہور میں آیا اتنی دیر میں؟"

"آؤ... پہلے لاش کا معائنہ کر لو۔" فریدی اس کی جانب ربڑ کے بنے خصوصی جوتے بڑھاتے ہوئے بولا۔ عملے کے تمام افراد نے یہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کا مقصد پیروں کے نشانات کو بچانا تھا۔

"موت کا وقت سوا بارہ سے ایک کے درمیان کا ہے تقریباً۔"

وہ اتنی دیر میں لاش کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنے ہی خون کے تالاب میں پیٹ کے بل پڑا تھا۔ خون بھی اب جم کر اودی رنگت اختیار کر گیا تھا۔

"یہ پولیس والا ہے اس کے پاس سے اس کا آئی ڈی کارڈ ملا ہے۔"

"اور اس کا سروس ریوالور؟"

"وہ گم ہے۔ شاید اس سے ہی اسے مارا گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ نشانہ بالکل قریب اور بہت نیچے سے لگایا گیا ہے۔" فریدی بولا۔

"یعنی یہاں اس وقت یہ دو افراد موجود تھے۔" عمران نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ..." فریدی نے بولنا شروع کیا۔

مگر عمران نے اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ سامنے کچھ تھا جو اس کی توجہ کھینچ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا ہوا اور کچھ قدموں کے فاصلے پر موجود درختوں کے قریب پہنچا جہاں پتے اور ٹہنیاں کچھ اس طرح ہٹائی گئی تھیں جیسے وہاں سے کوئی یہاں کا منظر دیکھتا رہا ہو۔ عمران وہاں پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا مگر اسے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہاں زمین پر پیروں کے واضح نشانات موجود تھے۔

"یہ دیکھو... یہ نشانات بہت واضح اور گہرے ہیں جیسے کوئی کافی دیر یہاں کھڑا رہا ہو۔" وہ بولا۔ "مجھے اس کے نشانات درکار ہیں۔ اس کے علاوہ ہر مشکوک نشان کا پرنٹ بنوانا ضروری ہے۔ تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں تمہیں ایک عجیب چیز دکھانا چاہ رہا ہوں، یہ سوراخ دیکھ رہے ہو۔ اب تصور کرو کہ یہاں ایک خیمہ بندھا تھا۔ ہم نے چاروں سوراخ دیکھ لیے ہیں۔ یہاں کل رات ایک کیمپ تھا اور انہوں نے یہاں سے جاتے ہوئے سب کچھ مٹانے کی کوشش کی ہے حتی کہ راکھ کو بھی بکھیرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ایک عجیب بات ہے۔" انسپکٹر فریدی بولا۔

"بالکل اور دوسری عجیب بات یہ کہ یہاں قاتل اور مقتول کے علاوہ بھی ایک شخص موجود تھا جو اس ساری کارروائی کو خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ یقیناً وہ خوف زدہ ہو گیا ہو گا مگر ہمارے لیے اس کا ملنا انتہائی ضروری ہے۔" عمران بولا۔

وہ غور سے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ چالاک سے چالاک مجرم بھی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی سراغ چھوڑ ہی دیتا ہے جو بعد میں اس کی گردن کا پھندا بن جاتا ہے اور اسے بھی اسی معمولی سے سراغ کی تلاش تھی۔

☆☆☆

علی یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نہ جانے وہ کتنی دیر سو پایا تھا۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں لگا جیسے جو کچھ ہو چکا ہے شاید وہ سب خواب تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کے ذہن نے اس خیال کی تردید کی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ حقیقت تھی، تکلیف دہ مگر اپنی جگہ مضبوطی سے جمی حقیقت اور اسے اس کا سامنا کرنا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ فریحہ یقیناً ابھی تک بے بی روم میں ہی تھی۔ اسد کے جانے کے بعد بھی اس کا کمرا اسی طرح سجا ہوا تھا۔ فریحہ کسی چیز کو وہاں سے ہٹانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اور اب رات سے وہ اس بچے کے ساتھ وہیں تھی۔ علی دھیرے دھیرے چلتا کمرے تک پہنچا، بچہ جھولے میں سو رہا تھا اور فریحہ اس کے قریب بیٹھی اسے جھولا دے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرائی۔

"یہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔" علی نے اس کے اشارے پر بچے کی طرف دیکھا۔ میل کچیل کے باوجود واقعی وہ بچہ بہت خوب صورت تھا۔

'نہ جانے اس کے ماں باپ کس حال میں ہوں گے۔' علی نے سوچا۔

"کیا یہ جاگا ہی نہیں؟"

"نہیں، بہت تھکا ہوا ہے۔" فریحہ پیار سے بولی۔ علی نے بہت عرصے بعد اسے اتنا مطمئن دیکھا تھا مگر اس کے اس اطمینان سے اسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔

"فری... ہمیں کچھ بات کرنی چاہیے۔"

"ابھی نہیں۔" وہ بھی سمجھ رہی تھی۔

"نہیں ابھی..." وہ اس کے قریب آ کر بولا۔ "ہم اس کا کیا کریں گے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے حیران ہو کر علی کو دیکھا۔

"یہ ہمارا نہیں ہے، ہمیں اسے اس کے والدین یا انتظامیہ کو لوٹانا ہوگا فری۔"

"نہیں، انہوں نے پہلے اس کا کون سا خیال رکھا ہے۔" اس کی آواز میں اتنی قطعیت تھی کہ علی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ "وہ کوئی کھلونا یا بلی کا بچہ نہیں ہے فری... ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے حتیٰ کہ اس کا نام۔"

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ہم اس کا نام رکھ دیتے ہیں۔"

علی نے بے بسی سے اپنی آنکھیں بند کیں پھر اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے بولا۔ "فریحہ! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"سمجھنے کی کوشش تم کرو علی۔ میں نے تمہارے کندھے پر سر رکھ کر اللہ سے اسد کو مانگا تھا اور اگلے پانچ منٹ میں یہ میرے سامنے تھا۔ اللہ نے اسے میری دعاؤں کے جواب میں بھیجا ہے اور اللہ یا گیج اب یہ صرف میرا ہے۔" وہ دانت پر دانت جما کر بولی۔

"مگر پولیس اسے اغوا قرار دے سکتی ہے۔"

"مجھے نہیں پتا... میں یہ سب سننا ہی نہیں چاہتی۔ پلیز علی اسے میرے پاس رہنے دو۔" اس کے چہرے پر امید اور ناامیدی ایک ساتھ جگمگا رہے تھے۔ وہ اسے بہت آس سے دیکھ رہی تھی۔ علی کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔

"ٹھیک ہے ہم انتظار کرتے ہیں مگر یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے اگر ضرورت پڑی تو ہمیں اسے واپس کرنا ہوگا۔" وہ بالآخر بولا۔

"ابھی تو یہ میرے ساتھ رہ سکتا ہے نا؟"

"ہاں۔" علی کے جواب کے ساتھ ہی وہ ہلکی سی چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی تھی۔ اس کے ہونٹ، آنکھیں، چہرہ سب مسکرا رہے تھے۔ علی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی وہ پھر جھولا جھلانے لگی۔

علی باہر گیراج میں جا کر گاڑی کا ایک بار جائزہ لے لینا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ پہنی اور باہر نکل گیا۔ موسم میں کافی خنکی تھی اس نے اپنے ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ یکلخت ایک خیال گولی کے مانند اس کے ذہن میں اتر گیا۔

اس نے جیکٹ کی دائیں جیب کو ٹٹولا پھر اس میں موجود چیزوں کو باہر نکال کر الٹ ڈالا پھر بائیں جیب کو ٹٹولا۔ مایوسی وہاں بھی اس کی منتظر تھی۔ اس کے سینے میں درد کی چبھتی ہوئی ٹیس حرکت کرنے لگی... کیمپنگ پرمٹ اس کی جیب سے غائب تھا۔

☆☆☆

ساڑھے گیارہ بجے تک جائے واردات مختلف قسم کے فرانزک ماہرین سے بھر گئی تھی۔ علاقے کے چپے چپے کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ عمران اور فریدی ان کے ساتھ مصروف تھے۔

"تمہاری ملاقات آ رہی ہے۔" فریدی نے پارک انچارج فوزیہ کو آتے دیکھ کر عمران سے کہا۔

"یہ ملاقات نہیں چھاپا ہے، صبح سے دو بار یہ اپنے آدمیوں اور گاڑیوں کی واپسی کا مطالبہ فرما چکی ہیں۔"

"پھر تو تمہارا اللہ ہی حافظ ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

"رکو یار، تم جانتے ہو نا کہ دنیا کی کوئی عورت میرے حسن و جمال کی تاب نہیں لا سکتی بس اسی طرح مختلف بہانے ڈھونڈتی ہیں بات کرنے کے۔" عمران کالر ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔

"تم فی الحال اس کیس میں میرے باس ہو، میں تم سے اختلاف رائے کی ہمت تو نہیں کر سکتا مگر میں تمہیں یہ یاد

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ عموماً حسن وغیرہ کے الفاظ عورتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔'' فریدی متانت سے بولا۔

''میں جلد ہی آپ کے بندوں کو فارغ کروا دیتا ہوں۔'' وہ فریدی کو نظرانداز کرتے ہوئے فوزیہ کی طرف بڑھا۔

''میں اس لیے نہیں آئی۔'' وہ مسکرائی۔ ''یہ پانچ سو رجسٹریشن کارڈز ہیں جو یہاں آنے والوں کو ایشو کیے جاتے ہیں۔ وہ ہاتھ میں پکڑا ڈبا عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''مہینے کے اس حصے میں صرف تین درجن کے قریب کیمپران یہاں آئے اور ان میں سے بھی زیادہ سے زیادہ پندرہ سے بیس لوگ اس علاقے میں کیمپنگ کے لیے آئے ہیں۔''

''گڈ! یہ ہوئی نا کام کی بات۔'' عمران اس کے ہاتھ سے کارڈز لیتے ہوئے بولا۔ ''اس سے تفتیش کے کام میں بہت آسانی ہوگی۔''

''مگر میں یہ بتا دوں کہ ہر کوئی رجسٹریشن کارڈ اور کیمپنگ پرمٹ لینے کے جھمیلے میں نہیں پڑتا، بہت سے... لوگ موقع پاتے ہی سسٹم کو دھوکا دے کر بھی کام چلا لیتے ہیں۔''

''میں سمجھتا ہوں اور خصوصاً وہ لوگ جنہیں قتل اور غارت گری سے دلچسپی ہو پھر بھی یہ اچھی شروعات ہے۔'' وہ مسکرایا اور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو یہاں بھی تمہارے دیکھنے کے لیے کچھ ہے۔'' فریدی کی آواز پر وہ مڑا۔ فریدی ایک نوجوان جوڑے کے ساتھ پیچھے کھڑا تھا۔ ''ان دونوں کے پاس کچھ معلومات ہیں۔''

''ہم نے رات کو کچھ آوازیں سنی تھیں۔'' اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں مرد نے کہنا شروع کیا۔

''کیسی آوازیں؟''

''ان آوازوں کو میں سمجھ نہیں پایا تھا۔ دراصل وہ کسی بچے کے رونے کی آواز لگ رہی تھی۔'' وہ ہچکچاتا ہوا بولا۔ ''اس کے ساتھ کسی مرد کی آواز بھی تھی۔''

''آپ اس وقت ان سے کتنے فاصلے پر تھے؟''

''غالباً سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر۔''

''او کے۔'' عمران اپنے ماتھے پر انگلی مارتے ہوئے بولا۔ ''بچہ رات کے اس وقت وہاں کیا کر رہا تھا اور کسی بچے کے رونے کا گولیاں چلنے سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟'' پھر وہ مڑا اور دوبارہ نوجوان جوڑے سے بولا۔

''آپ لوگ یہاں کب آئے تھے؟''

''کل رات۔''

''آپ نے یہاں جائے واردات پر کوئی کیمپ لگا دیکھا تھا؟''

''ہاں۔'' عورت بولی۔ ''یہاں ایک کیمپ تھا... مجھے یاد آیا اس کے باہر ایک پھولوں والا گملا لٹک رہا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہاں ایک عورت بھی موجود تھی۔''

''عورت؟'' عمران بڑبڑایا پھر اس نے موبائل پر کوئی نمبر ملایا۔ ''فوزیہ صاحبہ! صرف ایک سوال پوچھنا ہے آپ نے جو پندرہ بیس لوگ ہمارے لیے شارٹ لسٹ کیے تھے ان میں کتنے میاں بیوی یعنی کپل تھے؟ کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے؟''

''چھ...'' فوزیہ نے فوراً جواب دیا۔

''بہت خوب اور شکریہ۔'' وہ فون بند کرتے ہوئے بولا۔

''فریدی! ہماری ابتدائی تحقیقات کے لیے راستہ بن گیا ہے اور آپ دونوں کیا ہمیں اپنی کیمپنگ کی جگہ دکھانا پسند کریں گے؟''

عمران اور فریدی نے ان دونوں کو ضرورت پڑنے پر طلبی کی ہدایت کر کے جلد ہی فارغ کر دیا تھا۔

''تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟'' فریدی نے عمران کو مسلسل خاموش پا کر پوچھا۔

''یہ کیس اتنا سیدھا نہیں ہے فریدی۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے ایک بار پھر اس علاقے کو چھاننا چاہیے اور دوسری بات جو مجھے کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والے پولیس افسر کی تلاش اب تک شروع کیوں نہیں ہوئی؟'' کیا تمہارے پاس کوئی اطلاع ہے؟''

''نہیں مگر ہم نے متعلقہ تھانے سے معلومات مانگی ہیں۔''

''ہوں، چلو یہاں سے ابتدا کرتے ہیں، ان دونوں نے یہیں سے آوازیں سنی تھیں۔''

تیس منٹ کی چھان پھٹک کے بعد جب وہ مایوس ہو کر لوٹنے کا سوچ رہے تھے فریدی کی نگاہ اس پر پڑی۔ جنگل کے اندر کچرے اور گندگی کا ڈھیر سے بنا ہوا تھا۔ نہ جانے یہ اس کی چھٹی حس تھی یا تربیت کا اثر... اسے وہ ڈھیر کچھ عجیب لگا۔ عمران خاموشی سے اسے جائزہ لیتا دیکھتا رہا۔ اسے فریدی کے کام کے انداز سے اختلاف ہو سکتا تھا مگر اس کی باریک نظر اور چھٹی حس کا وہ قائل تھا۔ اچانک اسے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

فریدی ڈولتا ہوا نظر آیا۔ وہ بجلی کی تیزی سے لپکا اور اس کا بازو تھام لیا۔

"میاں اسٹل بچہ گرتا بھی ہے تو کچھ دیکھ کر گرتا ہے، یہ تم کچرے کے ڈھیر پر گر کر اسلاف کا نام کیوں بدنام کر رہے ہو؟"

"یہ دیکھو... یہاں کچھ ہے۔" وہ اس کے جملے کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔ اس کے انداز میں دبے جوش نے عمران کو اس کی طرف توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

فریدی تیزی سے کچرا ہٹا رہا تھا۔ اس کے نیچے لکڑی کے تختے لگے تھے۔ تختہ ہٹاتے ہی وہ دونوں حیران رہ گئے۔ وہ بیضوی شکل میں چار پانچ فٹ چوڑا اور آٹھ نو فٹ لمبا گڑھا تھا۔ اس کی گہرائی سات فٹ کے قریب تھی۔ اس کے دونوں جانب مٹی اور گندگی اوپر تک پہنچی ہوئی تھی۔

"یہ قبر لگ رہی ہے۔" عمران بے اختیار بولا۔

"اس میں بچوں کے دودھ پینے کی بوتل وغیرہ بھی موجود ہے۔" فریدی بولا۔ "کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے اس سوکھے دودھ اور اس سب کو کوئی یہاں اس گندگی میں اس اہتمام سے کیوں دفنائے گا؟"

"مگر میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا ہے۔" عمران سوچتے ہوئے بولا۔ "یوں لگ رہا ہے کہ کسی نے کسی کو یہاں چھپا کر رکھا تھا۔"

"اس طرح... اس گندگی میں؟ مگر کیوں؟"

"انہی سوالات کے جواب تو تلاش کرنے ہیں ہمیں۔"

"یہ خاصا ظالمانہ طریقہ ہے۔" فریدی جھرجھری لے کر بولا۔ "میں محکمے کو بلاتا ہوں تاکہ یہاں سے تمام شواہد اکٹھے کیے جا سکیں۔"

"ہاں... ویسے لوگ فلموں سے بہت کچھ سیکھ رہے ہیں۔ خصوصاً جرائم پیشہ افراد... انہیں ذہین لوگوں کے قیمتی آئیڈیاز مفت میں مل جاتے ہیں۔"

فریدی اس دوران گڑھے کی دوسری جانب سے کوڑا ہٹا رہا تھا۔ وہاں ایک لمبا پائپ موجود تھا۔

"یہ لو... یہ پورا انتظام باقاعدہ بنایا گیا ہے کہ اندر موجود شخص اس پائپ کے ذریعے سانس بھی لے پائے۔" وہ بولا۔ "ان کا وینٹی لیشن سسٹم... شکار کو اندر بند کر کے اوپر سے تختے لگا دیے جائیں تاکہ کسی کو اس سب کی خبر بھی نہ ہو اور زندہ دفن ہونے والا اس وقت تک زندہ بھی رہے جب تک وہ چاہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے فریدی... وہ مرنے سے پہلے یہاں بند تھا؟" عمران اس کی فون کال ختم ہونے کے بعد بولا۔ اس کا ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے مگر پھر وہ یہاں سے بھاگ کر وہاں کیسے پہنچا۔ میرا مطلب ہے کہ حملہ آوروں نے اسے یہاں کیوں نہیں مار ڈالا؟"

"شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے ہوں۔" عمران نے لقمہ دیا۔

"تو پھر ہمیں یہاں گولی کے نشان یا آواز کے شواہد ملنے چاہئیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال یہ ہے کہ ہم اب تک غلط درخت کو کھود رہے تھے۔ ہم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ مرنے والا ہیرو تھا اور قاتل ولن۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حقیقت اس کے الٹ ہو۔ یہ گڑھا مقتول نے ان کیمپ والوں کو پکڑنے کے لیے تیار کیا ہو اور جب انہیں لینے پہنچا تو انہوں نے مزاحمت کی جس میں وہ مارا گیا۔"

"ہو سکتا ہے مگر پھر یہاں کسی کے چلانے کی آوازیں سنی گئی تھیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں، کوئی کڑی ہے جو ابھی ہماری نظروں سے اوجھل ہے مگر یہ یقینی نظر آ رہا ہے کہ کیمپ میں موجود فرد یا افراد نے خود کو بچانے کے لیے گولی چلائی اور پھر فرار ہو گئے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اور یہاں کون چلا رہا تھا؟ ان دو سوالوں کے جواب ہمیں منزل پر لے جائیں گے۔" عمران نے جواب دیا۔

☆☆☆

"میڈم... اس سے زیادہ قیمت ہم تو نہیں دے سکتے۔" شوروم والا خشک لہجے میں بولا۔

"مگر صرف ڈیڑھ لاکھ... اس کی کنڈیشن بہت اچھی ہے اور آپ نے خود شروع میں کہا تھا کہ ایسی گاڑی تین سوا تین لاکھ تک مل جائے گی۔" صدف نے کہا۔

"اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ یا تو آپ گاڑی یہاں کھڑی کر دیں، صحیح قیمت ملنے تک انتظار کریں یا کسی جاننے والے کو بیچ دیں۔ فوری طور پر تو یہی مل سکتا ہے۔" اس کے انداز میں رکھائی تھی۔

صدف خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ غالباً اس کی مجبوری سمجھ چکا تھا اور ان کے کاروبار میں سودا مجبوری کا ہی ہوتا ہے۔ اس نے گہری سانس لی اور سر جھکا لیا۔

☆☆☆

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

فریحہ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔ اس کے کانوں میں کسی کے رونے کی آواز گونج رہی تھی۔ اس نے جھولے کی طرف دیکھا۔ وہ بچہ نیند میں سسکیاں لے رہا تھا اس کے گال آنسوؤں سے تر تھے۔

فریحہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ تیزی سے جھولے کے پاس آئی اور اسے گود میں سمیٹ لیا۔ وہ چند لمحے کسمسایا پھر آنکھیں کھول دیں۔ جاگنے کے بعد بھی اس کا رونا جاری تھا۔ چند لمحوں تک وہ فریحہ کی گود سے نکلنے کی کوشش کرتا رہا پھر آہستہ آہستہ پُرسکون ہو کر اس سے لپٹ گیا۔ وہ اب بھی سسکیاں لے رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم بیٹا کہ تم پر کیا گزری ہے مگر اب جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر میں وہ نارمل ہو گیا... اور اب اس کی توجہ جھولے میں موجود رنگا رنگ گھنٹیوں کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ دبیز کی یہ گھنٹیاں دبانے سے بجتی تھیں۔

"سب سے پہلے تمہیں نہانا ہے۔" فریحہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ یہ پہلا لفظ تھا جو اس کے ہونٹوں سے نکلا تھا۔

"کیوں بھئی اتنی بدبو آرہی ہے۔" فریحہ نے اسے چھیڑا۔

"نہیں نہیں۔" وہ کمرے سے نکل کر بھاگا۔ پہلے تو فریحہ ڈر گئی کہ شاید وہ بگڑ گیا ہے مگر جب دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے مڑ کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ سب ٹھیک ہے۔

"واپس آؤ بدمعاش۔" وہ بھی زور سے ہنسی۔ "میرے پاس کریم والے بسکٹ ہیں۔ کیا میں انہیں اکیلے کھا لوں؟"

"نہیں..." وہ ہنستا ہوا لوٹ آیا۔

فریحہ نے اسے چار بسکٹ دیے جو فوراً ہی غائب ہو گئے تھے۔

"ارے... اچھا یہ تین اور لو اور ابھی کے لیے بس۔"

"تمہیں پہلے نہا دھو کر صاف ہونا ہے..." وہ سر ہلاتا ہوا بسکٹ کھا رہا تھا... "چلو اب باتھ روم میں..." فریج کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے علی کا نوٹ ملا۔

"فریحہ... میں مارکیٹ سے آرہا ہوں بہت بے چینی ہے اور تمہیں جگانا نہیں چاہ رہا... کچھ چیزیں خریدنی ہیں... تھوڑی دیر لگے گی۔"

فریحہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھی۔ اسے علی کی فکر تھی۔ وہ ضرورت سے زیادہ پریشان تھا۔ اس نے سوچا پھر خود ہی اپنی نفی کی۔ پریشانی کی بات تو تھی ہی مگر اس بچے نے اس کے لیے ہر چیز کا مطلب بدل دیا تھا۔

نہا دھو کر وہ بدل ہی گیا تھا۔ سیاہ بالوں میں جگمگاتا گورا معصوم چہرہ فریحہ کے دل کو چھو گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے اس کی ناک کو دو انگلیوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں ایک شریر ہنسی کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں تمہارا نام رکھ رہی ہوں، تم میرے اسد ہو... ٹھیک... کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے پوچھا۔

"اسد۔" دوبار پوچھنے پر اس نے اپنا نام دہرایا تو وہ خوشی سے پاگل سی ہو گئی۔

"اور تم جانتے ہو کہ تم مجھے کیا کہو گے؟"

"نہیں۔" شریر آنکھیں چمکیں۔

"ممی... تم مجھے ممی کہو گے۔" وہ سرشار ہو کر بولی۔

☆☆☆

صدف کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

دس لاکھ کا ہندسہ اس کے ذہن میں ناچ رہا تھا۔ اس کے لیے اس کا مطلب خرم تھا۔ اس کا ننھا سا بچہ... جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں تھا... زندہ بھی تھا یا نہیں... اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ پاگلوں کی طرح سڑک پر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے پرس میں ڈیڑھ لاکھ روپے موجود تھے۔ وہ یہ رقم رحمان کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھی اس پر اسے اعتماد نہیں تھا۔ یوں بھی وہ کل شام سے واپس نہیں آیا تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ یہ سوال مسلسل اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ اگر وہ کرامت بیگ سے خود ملے۔ اسے یہ روپے دے تو شاید وہ اسے کچھ اور مہلت دے دے۔ شاید وہ خرم کو واپس کر دے یا پھر کم از کم اسے اس سے ملا دے۔ وہ جتنا سوچ رہی تھی اُسے یہ ٹھیک لگ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کرامت بیگ بظاہر ایک ہوٹل چلاتا ہے اس کا اصل دھندا جوئے کے اڈے چلانا، منشیات فروشی اور بدمعاشی کے دوسرے کام تھے۔ وہ شہر کے متمول علاقے میں رہائش پذیر تھا۔

صدف اس کے ہوٹل نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہاں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

اس کے گھر کا پتا اور ملنے کا وقت ملنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ دوپہر سے کچھ پہلے وہ اس کے خوب صورتی سے سجے لاؤنج میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

کرامت بیگ بھاری جسامت کا لمبا چوڑا آدمی تھا۔ چہرے اور حلیے سے وہ کوئی سیدھا سادہ بیوپاری لگتا تھا مگر وہ انتہائی سفاک طبیعت کا انسان تھا اور یہی وجہ تھی کہ کالے دھندے کے حوالے سے شہر کے ایک بڑے علاقے پر اس کا کنٹرول تھا۔

''کیوں ملنا ہے تمہیں مجھ سے؟'' وہ اس کا سر سے پیر تک جائزہ لینے کے بعد بولا۔

''آپ جانتے ہیں... میرا بیٹا آپ کے پاس ہے؟'' وہ بمشکل بولی۔

''ہوں... رحمان کا بیٹا... تم جانتی ہو میں نے تمہیں وقت کیوں دیا...؟''

''نہیں... آپ کی مہربانی ہے۔''

''نہیں مہربانی نہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ رحمان کو بڑی زبردست بیوی ملی ہے۔ سوچا دیکھ بھی لیا جائے...'' وہ کمینگی سے مسکرایا۔

صدف اس کی نظریں دیکھ رہی تھی۔ شاید کوئی اور جگہ یا کسی اور وقت وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے بہتر جواب دے پاتی مگر اس وقت وہ صرف ایک ماں تھی۔

''میں کچھ پیسے لائی ہوں۔'' اس نے پرس سے رقم نکال کر اس کی جانب بڑھائی... ''باقی بھی دے دوں گی پلیز میرا بچہ مجھے واپس کر دیجیے۔''

کرامت بیگ کے اشارے پر پیچھے کھڑے لڑکے نے رقم گنی اور بولا۔ ''ڈیڑھ لاکھ...''

''صرف ڈیڑھ لاکھ...'' کرامت بیگ بولا۔

''کیا تم جانتی ہو کہ تمہارا وہ نکھٹو شوہر میرے دس لاکھ کا دین دار ہے۔ سود اس کے علاوہ ہے اور تم یہ لائی ہو؟''

''میں باقی رقم کے لیے کوشش کر رہی ہوں۔'' صدف رو پڑی۔ ''مگر میرے پاس پیسے نہیں تھے۔''

''دیکھو بی بی۔'' کرامت بیگ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تمہیں رقم کا بندوبست کرنا ہوگا۔ کاروبار میں کوئی رعایت نہیں۔ تم بینک لوٹو... چوری کرو کچھ بھی کرو، مجھے میرے پیسے چاہئیں۔ میں اس کو صرف ایک ہفتے تک رکھوں گا اس کے بعد کیا ہوگا یہ تم جانتی ہو؟'' وہ غرایا۔

''نہیں نہیں... پلیز ایسا مت کریں۔'' وہ گڑگڑائی۔

''اور تمہیں معلوم ہوگا کہ پولیس کے پاس جانے کی صورت میں کیا ہو سکتا ہے؟''

صدف نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم اس کی لاش بھی نہیں دیکھ پاؤ گی۔'' وہ سفاکی سے بولا۔ ''اور ساتھ خود تمہیں بھی مرنا پڑے گا... سمجھ گئیں نا؟''

☆☆☆

علی اس وقت عالیہ شمس الدین کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ عالیہ کا شمار شہر کے چند ممتاز وکلا میں ہوتا تھا وہ علی کی اسکول فیلو رہی تھی اور اب بھی ان کی دوستی برقرار تھی۔ اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ کم ہی مل پاتے تھے مگر ایک دوسرے سے رابطے میں ضرور رہتے تھے۔

''کیا ہوا ہے علی! تم انتہائی پریشان لگ رہے ہو؟'' کافی منگوانے کے بعد اس نے پوچھا۔

''میں واقعی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔''

''کیا ہوا ہے... جلدی اور صاف الفاظ میں بتاؤ۔''

''یوں سمجھ لو کہ مجھ پر کسی بھی وقت اغوا اور شاید قتل کا الزام لگ سکتا ہے۔''

''تم مذاق کر رہے ہو؟'' عالیہ بے یقینی سے اسے دیکھ کر بولی۔ ''مجھے پوری تفصیل بتاؤ احمق۔''

''اب میں کیا کروں... وہ بچہ گھر میں فریحہ کے پاس ہے۔'' علی پورا واقعہ بتانے کے بعد بولا۔ ''اور تم اس کی حالت جانتی ہو۔ اس کے علاوہ اگر میں اسے سامنے لاتا ہوں تو مجھے اس قتل کا اعتراف بھی کرنا پڑے گا... میں کیا کروں؟''

''ہوں...'' وہ کافی دیر خاموش رہی تھی۔ ''یہ بتاؤ کہ جب یہ سب ہو رہا تھا کیا تمہیں ڈر تھا کہ وہ تمہیں یا فریحہ کو مار ڈالے گا؟''

''ڈر نہیں یقین تھا۔ وہ ہمیں یقیناً مار ڈالتا۔''

''اس نے تم پر پہلے حملہ کیا تھا...؟''

''ہاں...'' علی کو جواب دینے میں لمحہ لگ گیا تھا۔

''اور تمہارے پاس خود کو بچانے کے لیے اسے مارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا؟''

''ہاں...'' علی بولا۔

''ٹھیک ہے... ہر شخص کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے... اس پستول کا تم نے کیا کیا؟''

''میں نے اسے راستے میں دریا میں پھینک دیا۔''

''یعنی اب مسئلہ تب ہوگا جب لوگ اس لاش کو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

دریافت کریں گے...'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

علی کے چہرے کے بدلتے تاثرات نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''ایک مسئلہ ہے۔'' وہ بولا۔ ''ہمارا کیمپنگ پرمٹ کہیں گر گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ وہیں لاش کے آس پاس گرا ہوگا۔''

''اس پر تمہارا نام پتا سب موجود ہوگا؟''

''ہاں، اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ پولیس کسی بھی وقت ہتھکڑیاں لے کر آتی ہوگی۔'' علی بے چارگی سے بولا۔

''شکر خدا... بہرحال پریشان ست ہو اس لاش کے دریافت ہونے تک۔''

''وہ دریافت ہو چکی ہوگی، میں نے رات کو پولیس کو گمنام کال کر دی تھی۔''

''کیا تم پاگل ہو گئے تھے؟'' عالیہ اسے گھور کر بولی۔

''سوری... مجھے اس وقت یہی ٹھیک لگا تھا۔''

''ہوسکتا ہے کہ وہ وہاں نہ گرا ہو... اب تک کوئی آیا تو نہیں نا؟ تم خود کو سنبھالو... یہ یاد رکھو کہ نارمل تفتیش میں بھی وہ وہاں آنے والوں کو شامل کر سکتے ہیں اس لیے کسی کی آمد پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یعنی اگر پولیس آئے تو مجھے تمہیں فون کرنے کی ضرورت نہیں؟''

''اس وقت تک جب تک وہ تمہیں ملزم نہ سمجھ لیں۔''

علی نے سر ہلایا مگر اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ مطمئن نہیں تھا۔

☆☆☆

وسیم عبداللہ اپنی معمول کی ورزش کے بعد پھلوں کے رس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ورزش اور موسیقی اس کے پسندیدہ شوق تھے۔ وہ پیانو بجانے کا ماہر تھا اس کا یہ شوق اس کی لاڈلی بیٹی تانیہ میں بھی آیا تھا۔ بارہ سالہ تانیہ اس کی زندگی تھی۔ اس وقت وہ اس کے لیے پیانو بجا رہی تھی۔

''زبردست!'' دھن مکمل ہونے پر اس نے اسے دل کھول کر داد دی۔ ''تم روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم مجھے ہرانا شروع نہ کر دو۔'' وہ مصنوعی غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''اوہ ڈیڈی۔'' تانیہ اس سے آ کر لپٹ گئی۔ اسی وقت وسیم کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، یہ فیروز تھا اس کا سب سے قابل بھروسا آدمی۔ اس وقت اس کی آمد کا مطلب ضروری کام ہی ہو سکتا تھا۔ وسیم سے نظر ملنے کے بعد فیروز خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

''او کے تانیہ اب ڈیڈی کو کچھ کام ہے۔'' وہ اس کے سر پہ پیار کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تو ہمارے کھیلنے کا وقت ہے۔'' وہ ٹھنک کر بولی۔

''مگر ابھی مجھے کچھ کام ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اندر آ جائیں فیروز چاچو، یہ سب آپ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔'' وہ پردہ اٹھا کر ہنسی۔ جیسے اس نے چور پکڑ لیا ہو اور پھر باہر بھاگ گئی۔

''کیا ہوا ہے؟'' تانیہ کے جانے کے بعد وسیم نے پوچھا۔

''ایک عورت آئی ہے فوراً آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ کہتی ہے زندگی اور موت کا سوال ہے۔''

''کون ہے؟'' وسیم کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی۔

''اپنا نام صدف رحمان بتا رہی ہے۔''

''مگر میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔''

''اس نے کہا ہے کہ اس کا نام پہلے صدف اشرف تھا اور آپ اسے جانتے ہیں۔'' فیروز بولا۔ ''اگر وہ جھوٹ بول رہی ہے تو میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔''

''صدف اشرف۔'' وسیم عبداللہ کا گلاس اٹھانے کے لیے بڑھنے والا ہاتھ راستے میں ساکت ہو گیا۔

''وہ یہاں کیوں آئی ہے۔'' اس نے سوچا۔ وسیم کے والد اور صدف کے والد آپس میں دور پرے کے رشتے دار تھے۔ حیثیت اور سوچ کے واضح فرق کی وجہ سے خاص ملنا جلنا بھی نہیں تھا۔ ایک تقریب میں وسیم کے والد نے اسے دیکھا تھا اور اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا تھا۔ وسیم اس روز پہلی بار اپنے والد کے ساتھ ان کے گھر گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ لوگ ایک مالدار خاندان سے آنے والے رشتے پر انتہائی خوش ہوں گے مگر ہوا اس کے برعکس۔ صدف کے والد نے ان کے ذریعۂ معاش کو ناجائز کہہ کر رشتے کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس کے بعد سے ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا اور آج وہ اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

''بلاؤ اسے، اندر بھیجو۔'' وہ چند لمحے بعد بولا۔

چند سیکنڈ بعد وہ اس کے سامنے آرام دہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وسیم نے سکوت کی چادر کو توڑا۔

''میرا خیال ہے کہ تمہیں مجھ سے کوئی کام تھا؟''

''میرا... میرا بیٹا اغوا ہو گیا ہے۔'' وہ بمشکل بولی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

یہ وسیم کی توقع کے خلاف تھا۔ "کیسے؟"

"میرے شوہر رحمان نے کرامت بیگ سے کچھ روپے لیے تھے۔ آپ جانتے ہوں اس کو... ہے نا؟"

"شاید۔" وسیم عبداللہ محتاط انداز میں بولا۔

صدف نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

"مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم منشیات کا کاروبار کرتے ہو، تم اس سے نمٹ سکتے ہو پلیز۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"ٹھیک ہے مگر تم کیا توقع کرتی ہو کہ وہ اپنی رقم بھول جائے...؟"

"نہیں، مجھے بس میرا بچہ واپس چاہیے۔"

"صدف! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر تمہاری حالت دیکھ کر میں سچ میں افسردہ ہوں۔ تمہارے شوہر نے بہت غلط کام کیا ہے۔ کرامت کسی جانور سے کم نہیں ہے کیا وہ اتنا نہیں جانتا تھا؟ بہرحال میں کوشش کرتا ہوں۔"

"تم... تم جو چاہو گے میں کروں گی... جو بھی..." ان الفاظ کو کہتے ہوئے اس کی نظریں جھک گئیں۔

"وقت گزر کر واپس نہیں آتا، میں تمہارے بچے کے لیے یہ کام کروں گا مگر میں تمہارے شوہر کی حفاظت کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔ سمجھ رہی ہو نا؟"

"ہاں، اس نے جو کیا ہے وہ بھگتے گا، مجھے میرا بچہ واپس چاہیے۔"

وہ جواب میں صرف مسکرایا تھا۔

☆☆☆

"تمہیں یقین ہے کہ وہ تیسرے نشانات کسی بچے کے ہی ہیں؟" چیف انسپکٹر عمران نے رپورٹ کو تیسری بار دیکھتے ہوئے فرانسک اسپیشلسٹ پرویز سے پوچھا۔

"جی ہاں سر! یہ کسی بچے کے قدموں کے ہی نشان ہیں یا پھر کسی بڑے نے کوئی خاص جوتا پہن رکھا ہو تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہمیں اس گڑھے اور اس کے اردگرد سے صرف تین افراد کے نشانات ملے ہیں جو مقتول اور دوسرے اس شخص کے جو جھاڑیوں میں کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا کہ نشانات سے مل گئے ہیں۔ اس بچے کے پیروں کے نشان جائے واردات اور اردگرد سے بھی ملے ہیں۔"

"آخر مقتول پولیس والا اس گڑھے کے پاس کیا کر رہا ہوگا؟" عمران بولا۔

"وہ تو اللہ ہی جانے مگر یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ مرنے والا پولیس انسپکٹر نہیں تھا۔" فریدی نے دفتر میں قدم رکھتے ہوئے دھماکا کیا۔

"اور تم پر یہ راز کس طرح افشا ہوا؟"

"میں اس نام والے اصل انسپکٹر سے مل کر آرہا ہوں۔ اس کا کارڈ تین ہفتے پہلے چوری ہو گیا تھا۔"

"زبردست... یہ کہانی میں ٹوئسٹ آگیا ہے۔" عمران میز پر طبلہ بجاتے ہوئے بولا۔ "اب منظر یہ ہے کہ وہاں ایک مشکوک شخص تھا جو پولیس کا جعلی کارڈ لے کر پولیس پولیس کھیل رہا تھا۔ پرویز ہمارے ممکنہ مشتبہ افراد کی لسٹ میں سے کون نکلا؟ کون کون اس رات پارک کے اس حصے کے قریب موجود تھا؟"

"کچھ خاص نہیں سر، البتہ جائے واردات پر موجود مزید افراد یا مرد و عورت کے پیروں کے نشانات ملے ہیں ویسے ہی نشانات پارکنگ ایریا میں بھی ملے ہیں اور جس گاڑی کے ٹائروں کے ساتھ وہ نشانات ختم ہو رہے تھے وہ کوئی منی ٹیکسی یا چھوٹی جیپ ہو سکتی ہے۔"

"ایک منٹ۔" فریدی یکلخت بولا۔ "تم نے ابھی کہا چھوٹی جیپ... یہ میرے پاس ان جوڑوں کی آمدورفت کی لسٹ ہے جو میڈم فوزیہ نے دی تھی اس کے مطابق ان میں صرف ایک جوڑا منی ٹیکسی میں آیا تھا۔ یہاں علی احمد نام درج ہے اور اس کا پتا بھی موجود ہے۔" وہ جوشیلے انداز میں بولا۔ "میں کسی کو ان کی طرف بھیجتا ہوں۔"

"نہیں۔ میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" عمران بولا۔

"میں بھی ساتھ چل سکتا ہوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں تم یہاں سب کچھ سنبھالو... بھائی مانا کہ لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے۔" وہ گنگناتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

صدف اس معروف شاہراہ پر پیدل چلی جا رہی تھی۔ اسے ابھی ابھی یاد آیا تھا کہ وہ سپر مارکیٹ فون کرنا بھی بھول گئی ہے۔ اسے آج دو شفٹوں میں کام کرنا تھا۔ یقیناً کل اسے اس کا جواب دینا پڑے گا۔

آخر وہ کس کس چیز کا کب تک کس کس کو جواب دیتی رہے گی؟ اس نے سوچا وہ چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہیں ایک فیملی فوڈ ریسٹورنٹ اور بینک موجود تھا۔

ریسٹورنٹ کی دیواریں شیشے کی تھیں۔ اندر بے شمار

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لوگ موجود تھے۔ جس کے پاس پیسا تھا جو اپنے بچوں کے لیے خوشیاں خریدنے کی سکت رکھتے تھے۔ سب کے ساتھ چھوٹے بڑے بچے موجود تھے۔ وہ سب کتنے خوش اور مطمئن نظر آرہے تھے اور وہ... اسے تو دل سے مسکرائے بھی شاید سالوں گزر چکے تھے۔ اور اس کا بچہ... کیا وہ ایک بری ماں تھی؟ نہیں... اس کا دل چیخ اٹھا۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ کبھی اس طرح ہوسکتا ہے تو وہ یقیناً اپنے بچے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی۔

مگر اب وہ کیا کررہی ہے؟ اس کی سانس رکنے لگی۔ میں نے اپنے بچے کی حفاظت کا کام منشیات فروشوں پر چھوڑ دیا ہے؟ کیا میں پاگل ہوگئی ہوں؟ وہ اپنے آپ سے باتیں کررہی تھی۔ خرم میرا بیٹا ہے وسیم عبداللہ کا نہیں... وہ میری ذمے داری ہے۔

”پھر وہ کیا کرے؟“ بے بسی سوال بن کر اس کی کنپٹیوں سے ٹکرا رہی تھی۔

”کرامت بیگ کو تو صرف پیسا چاہیے اس نے کہا تو تھا بینک لوٹو... چوری کرو۔“ ایک خیال اس کے ذہن سے گزرا۔

کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ یہ کرسکتی ہے؟

کیا یہ اتنا آسان ہے؟ مگر اتنے لوگ کرتے تو ہیں۔ پھر اسے تو صرف ساڑھے آٹھ لاکھ اور چاہئیں، بینکوں میں تو کروڑوں روپے ہوتے ہیں، وہ سوچے جارہی تھی۔ وہ بعد میں ان کا ایک ایک روپیا ادا کردے گی۔ بس ایک بار... اس کا بیٹا اس کے پاس آجائے۔

وہ کسی سحرزدہ شخص کی طرح بینک میں داخل ہوگئی۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ کاؤنٹرز میں سے ایک پر ایک جوان عورت دو بچوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ دوسرا کاؤنٹر خالی تھا۔ صدف نے اس کا انتخاب کیا۔ وہاں ایک بال پوائنٹ موجود تھا۔ صدف نے کاغذ کی تلاش میں پرس میں ہاتھ مارا... وہاں بجلی کے بل کے سوا اور کوئی کاغذ نہیں تھا۔ اس نے بل سے ایک سادہ ٹکڑا پھاڑا اور اس پر جلدی جلدی دو جملے لکھے۔

”سارے پیسے ایک تھیلے میں ڈال کر مجھے دے دو... شور مت کرنا اور نہ ہی الارم بجانا میرے پاس پستول ہے۔“

”جی فرمایئے۔“ کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون اسے دیکھ کر مسکرائی۔ ”آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ اسے پیلا پڑتے دیکھ کر تشویش سے بولی۔

سیر کو سوا سیر

”دیکھو میرا کیا حال ہے۔ ساڑی ہے تو اس میں بارڈر نہیں ہے، سرخی ہے تو پاؤڈر نہیں ہے، ڈبیا ہے تو کاجل نہیں ہے۔“ بیوی نے اپنے شوہر کے سامنے اپنا دکھڑا رو دیا۔

”بیگم تم ٹھیک کہتی ہو، میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے... مثلاً جیب ہے تو پیسا نہیں ہے۔“ شوہر نے بڑی معصومیت سے کہا۔

مسیحا

اسپتال میں ایک مریض نے اپنی بلا کی دل کش نرس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سے کہا۔ ”بہت ہی اچھی نرس ہے۔ اس کے ہاتھ کے ایک لمس سے ہی میرا بخار کافور ہوگیا۔“

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”ہمیں پتا ہے برآمدے کے آخر تک اس کے تھپڑ کی صاف آواز آئی تھی۔“

ایک شوہر

ایک شوہر نے اپنی بیوی کو تیز کار چلانے سے باز رکھنے کی خاطر کہا۔ ”دیکھو بیگم، اگر تم کار تیز چلاؤ گی تو ایکسیڈنٹ ضرور ہوجائے گا۔ حادثے کے بعد اخبار میں خبر چھپے گی پھر اخبار والے تمہاری عمر بھی کچ کچ چھاپ دیں گے۔“

بیوی نے شوہر کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور کار آہستہ کرلی۔

پان اور...

پروفیسر صاحب بہت جلدی میں تھے۔ بیگم بولیں کہ پان تو کھاتے جایئے۔ وہ دروازے سے پلٹ آئے اور پان لے کر پھر جلدی سے جانے لگے۔

بیگم نے پھر آواز دی۔ ”ارے اپنے جوتے تو...“

”ابھی جلدی میں ہوں وہ آکر کھالوں گا۔“ پروفیسر نے بغیر رکے کہا۔

فاطمہ شاہین...... اسلام آباد

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''ہاں...'' صدف بمشکل بولی اور کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ ایک لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر کاغذ پر نظریں جما دیں۔ اس کا تو دل فوراً سامنے آیا تھا۔

''اوہ... میرے خدا۔'' وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر بولی۔ ''مجھے مت مارنا... جو چاہیے لے لو۔'' اس کے گھبرانے پر اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے افسر نے پلٹ کر ان دونوں کو دیکھا اور جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔

''دے دو... اسے رقم دے دو۔'' وہ گھبرا کر بولا۔

ان دونوں کی آوازوں نے بچوں والی عورت کو متوجہ کرلیا اور پھر پیچھے ایک زوردار چیخ بلند ہوئی۔

''بینک میں ڈاکو گھس آئے ہیں۔''

اس چیخ نے دیگر افراد کے ساتھ ساتھ صدف کو بھی جیسے بیدار کردیا تھا۔

وہ کیا کرنے جارہی تھی؟ اس نے سوچا اور تیزی سے پیچھے ہٹ گئی۔ بینک میں گڑبڑ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اس کا حصہ بن کر شاید وہاں سے نکل جائے، اس نے سوچا مگر وہ دروازے سے دور ہی تھی جب اس نے بچوں والی عورت کی آواز سنی۔

''وہ... دروازے کے پاس... وہ بھاگ رہی ہے۔'' اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اسی وقت گارڈ اس تک پہنچ گیا۔ اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ صدف شیشے کا دروازہ کھول چکی تھی۔ گارڈ اس سے ٹکرا کر گرا۔ وہ تیزی سے باہر نکلی مگر اسی وقت ذیلی سڑک پر ایک موٹر سائیکل گزر رہی تھی۔ صدف اس کی نیلی شرٹ کا صرف رنگ دیکھ پائی تھی۔ اگرچہ اس کی رفتار تیز نہ تھی مگر صدف اس سے ٹکرا کر سڑک پر گرتے ہی بے ہوش ہوگئی۔ ہوش کے آخری لمحوں میں اس نے اپنے ہاتھوں سے خون نکلتے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خرم کا نام تھا اور اس کا ذہن سیاہ اندھیروں میں ڈوبتے ہوئے بھی اسے اپنے بیٹے کی تصویریں دکھا رہا تھا۔

☆☆☆

علی گھر میں داخل ہوا تو وہاں مکمل خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔

''فریحہ۔'' اس نے آواز دی مگر اس کی آواز دیواروں سے ٹکرا کر واپس آگئی۔ چند لمحوں میں وہ پورا گھر چھان چکا تھا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ بچہ تھا۔ علی کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس کا دل وسوسوں سے بھر گیا...

فریحہ اس طرح بغیر بتائے کبھی کہیں نہیں جاتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے صوفے پر گر گیا۔

یکلخت جیب میں بجنے والی گھنٹی گویا کسی گولی کی طرح اسے لگی تھی۔

''علی یہ میں ہوں۔'' فریحہ کی آواز سن کر اس کے سر سے بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔ ''تم گھر آگئے؟''

''میں تو آگیا ہوں تم کہاں غائب ہو؟''

''میں اسد کے ساتھ باہر ہوں۔'' وہ ہنسی۔

''اسد؟''

''ہاں۔'' وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی۔ ''میں نے اسے یہ نام دیا ہے۔''

''تم ہو کہاں؟'' وہ خود پر قابو رکھتے ہوئے بولا۔

''ہم شاپنگ مال میں ہیں۔''

''تم پاگل ہوگئی ہو؟ اسے وہاں لے گئی ہو اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟''

''یہاں ہمارا کوئی جاننے والا نہیں ہے اور ہم دونوں بہت مزے کر رہے ہیں۔ ہم ایک گھنٹے میں گھر آجائیں گے تم پریشان مت ہونا۔'' ان الفاظ کے ساتھ فون بند ہوگیا۔

☆☆☆

انسپکٹر جعفر قدرے افسوس سے اپنے سامنے بیٹھی صدف رحمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لٹھے کے مانند سفید ہو رہا تھا۔ سر پر بینڈیج بندھی ہوئی تھی۔ اس کے الٹے ہاتھ میں زمین پر موجود لوہے کی کسی چیز سے ایک بڑا کٹ لگا تھا۔ اس نے ہوش میں آتے ہی اپنے بچے کے بارے میں پوچھا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق بچہ محفوظ تھا۔ یہ جان کر وہ خاموش ہوگئی تھی اور کئی گھنٹے گزرنے کے باوجود کچھ نہیں بولی تھی۔ ''مسز رحمان اگر آپ کچھ بولیں گی ہی نہیں تو ہم حقیقت تک کیسے پہنچیں گے۔ آپ کو اس حال میں بینک لوٹنے کا خیال کیسے آیا؟ کیا آپ بتانا پسند کریں گی؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔ جواب میں وہ اسی طرح زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی رہی۔

''کیا آپ میری طرف دیکھنا پسند کریں گی؟''

صدف نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کے سر پر خاصی چوٹ لگی ہے کیا یہ ہمارے آدمیوں میں سے کسی کی حرکت ہے؟''

''اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟'' وہ بولی۔

''ہاں، کیونکہ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ میرا اسٹاف اس طرح کسی پر ہاتھ اٹھائے۔'' وہ بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"سننے میں عجیب لگتا ہے ویسے میں موٹر سائیکل سے ٹکرا کر گری تھی۔"

"آپ وکیل جانتی ہیں؟"

"نہیں... میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔"

"کہنا تو پڑے گا ورنہ ڈکیتی کی کوشش کے جرم میں کئی سال کی سزا معمولی بات ہے۔ دیکھو میں چاہتا ہوں کہ ہم اس معاملے کو جلد اور خوش اسلوبی سے نمٹا دیں۔ جو تم نے کیا ہے اور جو ہم جانتے ہیں تم نے کیا ہے تمہیں اس کا اعتراف کرنا ہوگا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سزا ملے۔" وہ اس عورت کے لیے ہمدردی کے جذبات کو دبا نہیں پا رہا تھا۔

"اور اگر جو میں نے کیا اس کی میرے پاس کوئی وجہ موجود ہو تو کیا اس سے کوئی فرق پڑے گا؟" صدف کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔

"پڑ سکتا ہے اگر تم سچ بولو... میں سچ کہوں تو تمہیں دیکھ کر مجھے یہی لگتا ہے کہ اس سب کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ تم ایک پڑھی لکھی، خوب صورت اور اچھے خاندان کی عورت ہو۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس عورت نے آخر اپنی زندگی برباد کرنے کی یہ کوشش کیوں کی ہے؟" وہ بولا۔ "آخر آج ایسا کیا ہوا تھا کہ تم نے بینک لوٹنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"میں..." صدف نے بولنا شروع کیا ہی تھا کہ اسے کرامت بیگ کے جملے یاد آگئے۔ وہ پولیس کو سب کچھ بتا کر خرم کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی اس نے دوبارہ منہ بند کرلیا۔

"کیا ہوا؟" جعفر نے پوچھا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔ پلیز مجھے تھوڑا وقت دے دیں۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس کا سخت دل پہلی بار کسی مجرم کے لیے نرمی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

"وہ کیا سمجھتا ہے خود کو... میں وسیم عبداللہ کو ملیا میٹ کردوں گا۔" کرامت بیگ غصے میں چنگھاڑا۔ اس کی ناک سے خون رس رہا تھا۔ ہونٹ کا دایاں حصہ پھٹا ہوا تھا اور بائیں گال پر نیل پڑے ہوئے تھے۔ "وہ میرے گھر میں گھس کر میرے ہی آدمیوں کے سامنے مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا اور مجھ پر حکم چلائے گا... وہ ایسا نہیں کرسکتا۔"

مگر وہ ایسا کر چکا تھا۔ وسیم عبداللہ ایک گھنٹا پہلے کرامت بیگ کے گھر آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے درجن بھر وفادار تھے مگر صرف اس کا نائب فیروز ہی اس کے ساتھ اندر آیا تھا۔ اس نے آتے ہی کرامت بیگ کے سر پہ آٹومیٹک ریوالور لگا دی تھی۔

"تم بہت بڑے احمق ہو کرامت۔" وسیم عبداللہ اطمینان سے اس کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ "نہ صرف احمق بلکہ بیکار اور فضول انسان ہو، کیا تمہیں ذرا سا بھی اندازہ ہے کہ ہماری اتنی کامیابی کی وجہ کیا ہے؟ تم روزانہ دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹ رہے ہو کیونکہ وسیم عبداللہ تمہاری پشت پر کھڑا ہے، کوئی تمہیں ہاتھ لگانے کی ہمت بھی نہیں کرسکتا۔ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں مگر انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میں کسی کو بلا وجہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ ہمارے کاروبار کے کچھ طے شدہ اصول ہیں جن پر عمل کرنا لازم ہے۔ جانتے ہو نا تم پہلے سے یہ سب؟"

کرامت بیگ نے اس بار بھی سر ہلایا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر فیروز نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔

"شاباش، اب تم خود سوچو کہ جب لوگ یہ جانیں گے کہ میرے ساتھ کام کرنے والا ایک الو کا پٹھا دو تین سال کے بچے کو نشانہ بنا رہا ہے تو میری عزت میں کتنا اضافہ ہوگا؟ کیا تمہارے خیال میں ہمارے مددگار اس کے بعد ہمارے لیے کچھ کرسکیں گے؟"

کرامت بیگ خاموش رہا۔

"لہٰذا اب تم فون اٹھاؤ اور اپنے غنڈوں کو حکم دو کہ وہ اس بچے کو آج رات اس کے گھر پہنچا دیں۔"

"آج رات نہیں ہوسکے گا... وہ یہاں سے کافی دور ہے۔" اس بار وہ بولا تھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"پہاڑوں پر بنے ایک پارک میں، میں نہیں چاہتا تھا کہ اگر اسے مارنا پڑے تو اس کی لاش یہاں سے برآمد ہو۔"

وسیم عبداللہ ایک لمحے اسے غصے سے دیکھتا رہا۔ پھر اس کا ہاتھ کرامت بیگ کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ سنبھلا بھی نہیں تھا کہ اس نے اس کی ناک پر گھونسا مارا اور کھڑا ہوگیا۔

"تمہارے پاس اٹھارہ گھنٹے ہیں کل صبح وہ اپنی ماں کے پاس ہونا چاہیے اور اس کے جسم پر ایک نشان بھی ہوا کرامت تو تمہارے ساتھ بہت برا ہوگا۔ یہ میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ اور پھر جس طرح وہ آئے تھے اسی

SCANNED BY DIGESTPK

تیزی سے واپس چلے گئے تھے۔

کرامت بیگ کا نائب ٹونی اس وقت بھی وہاں موجود تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے ہی کرامت کو سنبھالا تھا۔

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے ٹونی! اب اس کا وقت ختم ہو گیا ہے۔'' کرامت غصے سے پاگل ہورہا تھا۔ ''کیا کہتے ہو تم؟''

''اس سے ہم سب بھی ختم ہوسکتے ہیں باس۔'' ٹونی دھیرے سے بولا۔ ''یہ اس طرح اچانک نہیں ہوسکتا۔ ہم کو اس کے لیے تیاری کرنی پڑے گی۔''

''میں یہ سب نہیں سوچنا چاہتا بس اسے ختم کردینا چاہتا ہوں اور اگر ہم نے فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا تو اٹھارہ گھنٹوں بعد وہ ہمیں ختم کردے گا۔''

''یعنی آپ اس بچے کو واپس نہیں کریں گے؟'' ٹونی نے پوچھا۔

''نہیں کرسکتا... کیونکہ وہ کتے کا بچہ کہیں غائب ہوگیا ہے۔'' ٹونی جواب میں دہشت زدہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اور اس کی ماں... وہ خاموش نہیں بیٹھے گی۔''

''اسے بھی مرنا ہوگا اور اس کمینے رحمان کو بھی۔''

''اتنے قتل... باس! پولیس ہمیں کھود نکالے گی۔''

''ڈرو مت، کچھ نہیں ہوگا۔'' کرامت بولا۔

''ہمارے بچنے کا اب یہی راستہ ہے۔ بچے کو وہی ڈھونڈ کر مارے گا جس کو میں نے اس کی ذمے داری دی تھی۔'' وہ سفاکی سے بولا۔ ''تمہیں ان میاں بیوی کو ختم کرنا ہے اور میں وسیم عبداللہ کو اڑا دوں گا جس کے بعد اس شہر پر اپنی حکومت ہوگی۔ ہمیں یہ کام رات دس بجے سے پہلے ختم کرلینا ہے۔'' وہ وحشیانہ دیوانگی سے بولا۔

ٹونی ٹھنڈی سانس لے کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

''کیا تمہیں یقین ہے؟'' فریدی نے اے ایس آئی یعقوب کی طرف دیکھا۔

''جی سر! اس کی شناخت ہوگئی ہے، یہ فیاض رانا ہے سر... یہ کئی بار جیل یاترا کرچکا تھا۔ چھوٹے موٹے جرائم میں ملوث تھا ایک بار اس پر قتل کا الزام بھی لگا تھا مگر ناکافی ثبوت اور اس کے بھائی کی وجہ سے جج نے اسے چھوڑ دیا۔''

''بھائی کی وجہ سے؟'' فریدی اپنی چائے کو بالکل بھول گیا تھا۔

''ہاں، اس کا صرف ایک بھائی ہے جو ذہنی طور پر تھوڑا سست ہے۔ یہی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔''

''اس کے بھائی کا کوئی ریکارڈ؟''

''نہیں، اس کا نام عامر رانا ہے اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی معلومات موجود نہیں ہیں۔''

''ہوں۔'' فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ ''ہوسکتا ہے کہ جھاڑیوں میں موجود پیروں کے نشانات اسی عامر کے ہوں۔''

''مگر کوئی اس طرح اپنے بھائی کو مرتا دیکھ سکتا ہے؟''

''یہی تو معلوم کرنا ہے اور کچھ؟''

''ہاں... فون ریکارڈ سے اس پے فون کا پتا چل گیا ہے جہاں سے وہ گمنام کال آئی تھی۔ وہاں اسٹور پر موجود انچارج کے مطابق رات وہاں ایک ہی اجنبی آیا تھا اس نے پیٹرول کے ساتھ سگریٹ خریدے تھے۔''

''کیا؟'' وہ چونک اٹھا۔ ''اس نے ادائیگی کس طرح کی تھی کریڈٹ کارڈ سے؟''

''نہیں... نقد ادائیگی کی تھی۔''

''اوہ... اس معاملے کو دیکھنا پڑے گا... کیوں نہ پہلے اس عامر رانا سے مل لیا جائے؟'' وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

☆☆☆

موبائل فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

عامر دور بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ فیاض کا فون تھا اور اس نے عامر کو اسے ہاتھ لگانے سے سختی سے منع کیا ہوا تھا۔ اب وہ فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ اسے فون اٹھانا چاہیے یا نہیں۔

اس کے ہاتھ میں کاغذ کا وہی ٹکڑا تھا جو اسے اس رات فیاض کی لاش کے پاس سے ملا تھا۔ اس پر ان دونوں میاں بیوی کا نام پتا لکھا ہوا تھا جو اس رات فیاض کو مار کر اس بچے کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اب اسے دو باتوں کا فیصلہ کرنا تھا ایک تو یہ کہ وہ ان دونوں کا کیا کرے اور دوسرا یہ کہ وہ فیاض کا فون اٹھائے یا نہیں۔ گھنٹی کی مسلسل بجتی آواز اس کے دماغ میں گھسی جارہی تھی بالآخر اس نے فون اٹھالیا۔

''کہاں مر گئے تھے تم...؟'' دوسری طرف کسی نے زور سے پوچھا۔

''جی...''

''تم کون ہو؟ فیاض کہاں ہے؟''

''میں فیاض کا بھائی ہوں۔ وہ مرچکا ہے۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

"اوہ… چھوٹا سامان ملا؟"

"مجھے کسی سامان کے بارے میں نہیں معلوم۔"

"میں اس بچے کی بات کر رہا ہوں جو فیاض کے پاس تھا، اس کا کچھ پتا چلا؟"

"ہاں… میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے۔" وہ ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں معلوم ہے؟ کیا تم اسے اس جگہ لا سکتے ہو جہاں اسے رکھا گیا تھا۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو میں تمہیں فیاض کی جگہ کام پر رکھوا لوں گا۔"

"جی… میں یہ کر دوں گا۔ میں کر سکتا ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"او کے پھر یہ کام جلد از جلد کرو۔" اس کے بعد کال کٹ گئی۔

عامر نے اب اس کاغذ کو غور سے دیکھا اسے جلد از جلد اس پتے پر پہنچنا تھا۔

☆☆☆

عمران غور سے علی کو دیکھ رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے ذہن کو کرید رہا ہو۔ وہ انتہائی عیار اور شاطر مجرموں سے سیکڑوں بار تفتیش کر چکا تھا یہ اس کا روز کا کام تھا۔ لوگ اسے "مجرموں کا اسکینر" کہتے تھے مگر علی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں سرخ تو کیا پیلی بتی بھی نہیں جلی تھی۔

"میں چیف انسپکٹر عمران ہوں۔" وہ اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔" علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں ایک قتل کی تفتیش کر رہا ہوں۔" عمران بولا۔

"مجھے آپ کی آمد کی امید تھی۔" علی بالآخر بولا۔

"وہ کیوں؟" عمران نے ایک ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں اور میری بیوی وائلڈ لائف پارک گئے تھے۔ بعد میں، میں نے وہاں ہونے والے قتل کے بارے میں سنا… اسی لیے میرا خیال تھا کہ وہاں جو جو گیا تھا اسے تفتیش میں لیا جائے گا۔" وہ سادگی سے بولا۔

"پھر… آپ نے وہاں کچھ سنا یا دیکھا؟" عمران نے پوچھا۔

"نہیں… بہت سردی تھی اور اندھیرا بھی… اسی لیے ہم جلد لوٹ آئے تھے۔"

"سردی سے یاد آیا۔ آج کافی ٹھنڈ ہے کیوں نہ ہم اندر چل کر بیٹھیں۔" عمران نے اسے دیکھا۔

"مجھے اصل میں باہر جانا ہے۔" علی گاڑی کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

"مگر میرے پاس کچھ سوال باقی ہیں۔"

"پوچھیے۔" وہ بظاہر بہت اعتماد سے بات کر رہا تھا مگر اس کے رویے میں چھپا خوف اس کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ "ویسے میں آپ سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مسٹر علی شاید آپ بات کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں، ہم جب کوئی سوال پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ کر ہی رہتے ہیں خصوصاً اس وقت جب وہ کسی قتل کا معاملہ ہو، میں آپ کو اپنے دفتر بلا کر پوری رات سوال جواب کر سکتا ہوں… ویسے آپ کی گاڑی اچھی ہے۔ شاید آپ ایک ننھے بچے کے باپ ہیں۔" اس نے گاڑی کی پچھلی نشست پر رکھے ڈائپرز کے پیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں… اصل میں کچھ دنوں پہلے ہی میرا مردہ بیٹا پیدا ہوا ہے۔" علی کی آواز بھرا گئی۔

"اوہ آئی ایم سوری… پھر میں چلتا ہوں۔ ویسے علی صاحب! آپ کی گاڑی کے ٹائر بھی بالکل اس گاڑی کے ٹائروں کے مانند ہیں جس کو ہم ڈھونڈ رہے ہیں۔" عمران دیکھ رہا تھا کہ اس کے الفاظ ٹھیک نشانے پر لگے تھے۔

☆☆☆

علی اس کے جاتے ہی گھر میں گھس گیا تھا۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے، آنکھوں کے آگے ستارے سے ناچ رہے تھے۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ چند لمحے گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر صوفے پر جا گرا۔

سب کچھ ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ شاید چند گھنٹوں میں ساری دنیا سب کچھ جان جائے گی۔ اس نے عالم تصور میں دوستوں، پڑوسیوں اور ملنے جلنے والوں کو افسوس کرتے دیکھا۔

کیا اس سے غلطی ہو گئی تھی۔ اسے اس افسر کو سب کچھ سچ سچ بتا دینا چاہیے تھا۔ کم سے کم وہ اس کی بات کو سن تو لیتا بعد میں نہ جانے کوئی اس کی بات سنے گا بھی یا نہیں؟

اس نے جیب سے فون نکالا اور عالیہ شمس الدین کا نمبر ملایا۔

"یہاں ایک چیف انسپکٹر آیا تھا، مجھے لگتا ہے وہ سب جان گیا ہے۔" اس نے رابطہ ملتے ہی کہا۔

"دیکھو علی! سب سے پہلے خود کو سنبھالو۔ وہ کیا جان گیا ہے یا وہ کیا سوچتا ہے اصل بات صرف یہ ہے کہ وہ کیا ثابت کر سکتا ہے تم مجھے پوری بات بتاؤ۔"

علی نے ساری گفتگو دہرا دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

''یعنی انھیں وہ پرمٹ نہیں ملا ہے اگر وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا تو شاید تم گرفتار ہو چکے ہوتے جہاں تک ٹائروں والی بات ہے تو اس قسم کی تمام گاڑیوں کے ٹائر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔''

''تو اب ہم کیا کریں؟''

''انتظار... اس وقت ہم صرف یہی کر سکتے ہیں۔ اس نے اس بچے کو تو نہیں دیکھا؟''

''نہیں فریحہ اسے باہر لے کر گئی ہے۔''

''باہر... کیا وہ پاگل ہو گئی ہے؟''

''ہاں۔'' علی نے گہری سانس لی۔ ''فی الحال وہ واقعی پاگل ہو گئی ہے اور میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ میں کیا کروں؟''

☆☆☆

انسپکٹر عمران واپسی کے سفر پر روانہ ہوا ہی تھا کہ موبائل کی گھنٹی بجی۔ اسکرین پر فریدی کا نمبر دیکھ کر اس نے سیٹی بجائی۔

''تم میرے بغیر کچھ دیر بھی نہیں رہ سکتے یہ میں سمجھ گیا ہوں۔'' اس نے فون اٹھا کر کہا۔

''تمہاری اسی سمجھ داری کا تو میں پرستار ہوں۔'' فریدی بولا۔ ''فی الحال جگت بازی کے بجائے میری بات غور سے سنو... اس لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔ وہ ایک ہسٹری شیٹر ہے اس کا نام فیاض رانا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ پارک سے کچھ فاصلے پر موجود قصبے میں رہتا تھا میں اس کے بھائی عامر سے ملنے جا رہا ہوں۔''

''واہ... اور؟''

''اور یہ کہ گمنام کال جس پمپ کے قریب سے کی گئی تھی اس کے انچارج نے فون کرنے والے شخص کا جو حلیہ بتایا ہے وہ اس ہی کے ڈرائیونگ لائسنس والی تصویر سے ملتا جلتا ہے۔''

''اس نے اسٹور سے کچھ خریدا تھا؟'' عمران کو خیال آیا۔

''ہاں پیٹرول کے علاوہ بچوں کے پیمپرز کا پیکٹ۔''

☆☆☆

تانیہ کسی شہزادی کی طرح سفید مرسیڈیز سے اتری تھی۔ اس کے پیچھے وسیم عبداللہ اور اس کی بیوی تھی۔ فیروز کار چلا رہا تھا۔

آج تانیہ کے اسکول کا سالانہ فنکشن تھا۔ ان کے لیے یہ تقریب اس لیے بھی خاص تھی کہ تانیہ پیانو پر ایک دھن بجانے والی تھی۔

وسیم عبداللہ اور اس کے ساتھ آنے والوں کے لیے خصوصی نشستیں موجود تھیں۔ تانیہ بیک اسٹیج چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وسیع و عریض اسٹیج پر لگی کرسیوں پر پرفارم کرنے والے بچے بیٹھنا شروع ہو گئے۔

''تانیہ اب تک نظر نہیں آ رہی۔'' وسیم عبداللہ دھیرے سے بولا۔

''یہ شروع والے بچے ہیں اس کی باری تھوڑی دیر میں آئے گی، پریشان مت ہوں۔'' اس کی بیوی نے جواب دیا۔

عین اسی وقت کالے سوٹ میں ملبوس ایک شخص ہال میں داخل ہوا۔ اس کا دہانہ بھاری مونچھوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں دستانے پہن رکھے تھے۔

☆☆☆

رحمان کافی دیر سے صدف کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کی مارکیٹ شاپ پر بھی فون کر چکا تھا مگر وہ آج کام پر بھی نہیں پہنچی تھی۔

''نہ جانے کیا کرتی پھر رہی ہے۔ اس طرح چھٹیاں کرے گی تو گزارہ کیسے ہوگا؟'' وہ بڑبڑایا۔

اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے بالآخر باہر سے کچھ کھانے کا فیصلہ کیا۔ بلڈنگ سے نکل کر وہ بیچ میں موجود چھوٹی سڑک کی طرف مڑا ہی تھا کہ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اس نے سر جھٹکا مگر اگلے ہی قدم پر وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

''اسے کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سوچا۔ اچانک اسے پھر جھٹکا لگا اس بار اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں آگ کا شعلہ اتر گیا ہو۔ اب بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے گولی لگی تھی۔

اس کی سانس رک رہی تھی۔ وہ زمین پر جا گرا۔ وہ چیخنا چاہ رہا تھا مگر اس کے سینے پر پڑا بوجھ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ وہ زمین پر ساکت پڑا سیاہ آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے سے ستارے غائب ہوتے جا رہے تھے۔

اس سے ایک بلاک دور ایک زیرِ تعمیر عمارت کی تیسری منزل پر کھڑے ٹونی نے رائفل کو سمیٹا۔ یہ کام آسانی سے ہو گیا تھا۔ اصل مسئلہ اس عورت کا تھا جو کہیں چھپ کر رہ رہی تھی۔ اس قصے کو ختم کرنے کے لیے اس کا خاتمہ ضروری تھا۔

☆☆☆

وہ سڑک پر نظریں جمائے کھڑکی میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی فریحہ کی گاڑی اندر آتی نظر آئی وہ دروازے کی طرف لپکا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

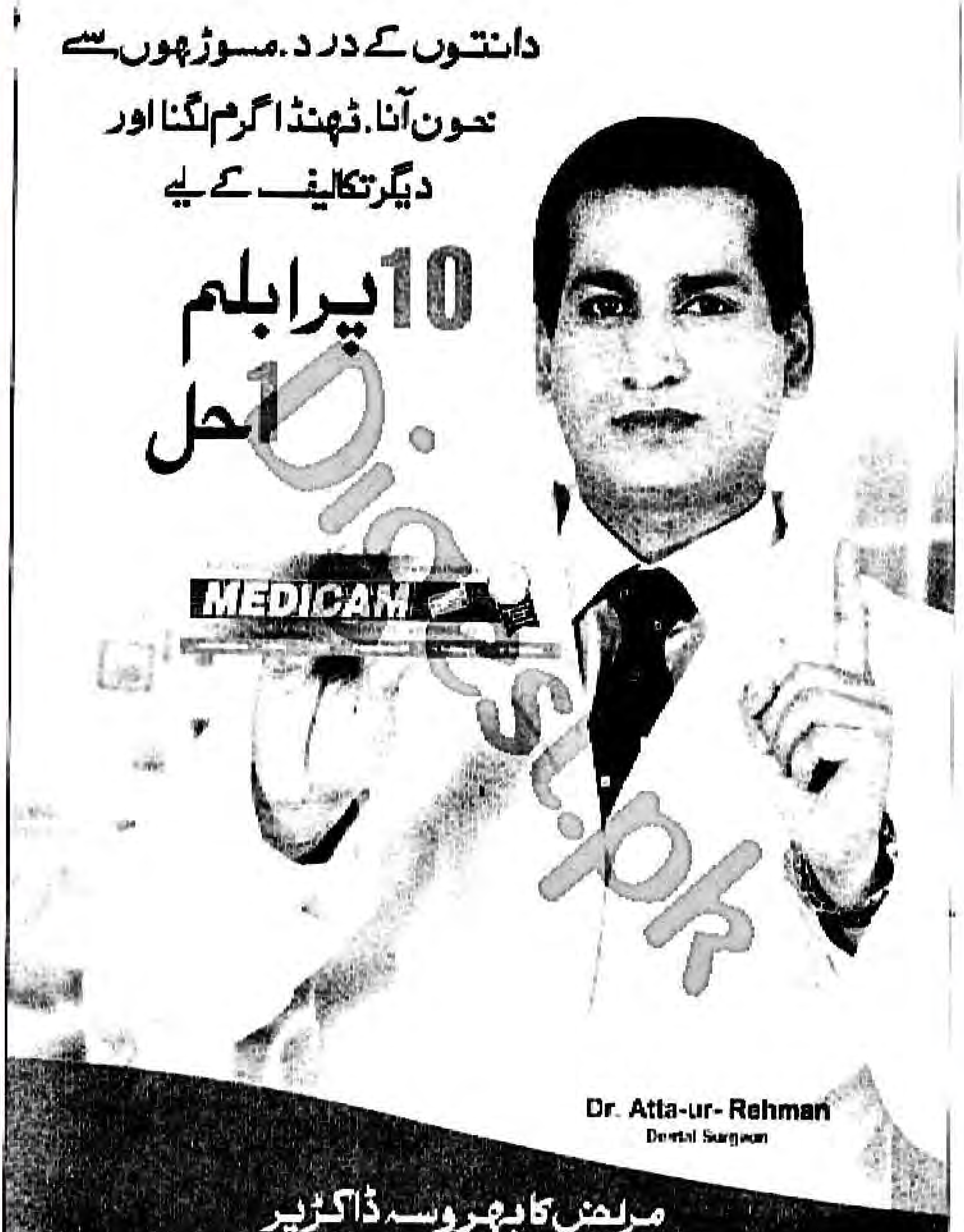

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

فریحہ اور وہ بچہ آگے پیچھے اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈھیروں شاپنگ بیگ تھے۔

''اوہ علی... تم نے مجھے ڈرا دیا...'' فریحہ اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر چونک گئی۔

''سوری۔'' وہ بولا۔

''علی آج میں نے اور اسد نے بہت انجوائے کیا۔ اسد وہ پیکٹ کھولو، اس میں وہ سپر اسٹیڈی بیئر ہے۔'' وہ اس قدر خوش تھی کہ علی کے لیے کچھ بولنا مشکل ہو گیا تھا۔

''فریحہ آج ایجنسی کا انسپکٹر آیا تھا۔'' بالآخر وہ بولا۔

''کیوں؟'' اس نے بے پروائی سے پوچھا۔

''کیا تم نہیں جانتیں؟'' اس نے اسے گھورا۔

''ہم یہ باتیں بعد میں بھی کر سکتے ہیں فی الحال میں اپنے بیٹے کو اس کے تحفے دکھا رہی ہوں۔'' وہ بولی۔ ''ویسے بھی اسد کے سامنے یہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''خدا کے لیے ہوش میں آؤ فریحہ۔'' وہ اس کے کندھے پکڑ کر بولا۔ ''وہ اسد نہیں ہے نہ ہی وہ تمہارا بیٹا ہے، اسد مر چکا ہے۔''

اس کے چلانے پر بچہ دوڑ کر فریحہ سے لپٹ گیا تھا۔

''یہ تم نے کیا کیا؟ تم مجھے اور میرے بیٹے کو الگ کرنا چاہتے ہو، علی یہ میرا ہے اور میری زندگی میں کوئی اس سے مجھے دور نہیں کر سکتا۔'' وہ دیوانگی سے بولی۔

علی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

''ٹھیک ہے سوری، مجھے چیخنا نہیں چاہیے تھا۔''

''تم اسد کو مجھ سے نہیں چھینو گے۔'' وہ دور کھڑی گویا ضمانت مانگ رہی تھی۔

''نہیں۔'' وہ بمشکل بولا۔

حالات اس کے قابو میں نہیں تھے کل نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ وہ اس موجودہ وقت کو اپنے اور فریحہ کے لیے یادگار بنا لینا چاہتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر فریحہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ننھا اسد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

''اسد یہ پاپا ہیں... بولو پاپا۔''

''پاپا...'' اس ننھی سی آواز کو سن کر اس کا دل بھر آیا۔

☆☆☆

حوالات کا دروازہ کھولنے والی خاتون پولیس افسر کے چہرے کو دیکھ کر ہی صدف کا دل اچھل سا پڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر صدف کو بلایا تھا۔

''کیا... کیا ہوا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''انسپکٹر جعفر تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ بولی۔

حوالات سے انسپکٹر کے دفتر تک کا سفر اس کے لیے میلوں کا سفر بن گیا تھا۔ اس کا ذہن وسوسوں کی تصویریں دکھا رہا تھا۔ کہیں خرم کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔ وہ سوچ جا رہی تھی۔

کمرے میں انسپکٹر جعفر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے صدف کو مزید خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی بیٹھ گیا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہیں یہ کیسے بتاؤں۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ صدف کی آنکھیں اور دل آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔ وہ صرف ایک دعا کر رہی تھی، خرم ٹھیک ہو، اسے کچھ نہ ہوا ہو۔

''تمہارے شوہر کو کسی نے قتل کر دیا ہے؟'' بالآخر انسپکٹر بولا۔ ''گولی اس کی تاک میں تھا۔ اسے دو گولیاں ماری گئی ہیں اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔''

کسی اور دن، کسی اور جگہ اور کسی اور وقت میں شاید یہ خبر انتہائی تکلیف دہ ہوتی مگر اس وقت صدف نے اس خبر کو سن کر اطمینان کی سانس لی تھی۔

خرم زندہ سلامت تھا اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

اس عظیم الشان ہال میں تالیاں ہی تالیاں گونج رہی تھیں۔ تانیہ کی موسیقی نے سماں باندھ دیا تھا اور اسے آج کی شام کے سینٹ پرفارمر کا اعزاز دیا گیا تھا۔ وسیم عبداللہ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس سے کافی نشستوں پیچھے سیاہ سوٹ میں ملبوس کرامت بیگ بھی زور و شور سے تالیاں بجا رہا تھا۔

وہ پوری تیاری سے آیا تھا۔ اس کی دونوں جیبوں میں دو قاتل ریوالور موجود تھے۔ اسے بس درست موقع کا انتظار تھا۔

کچھ دیر میں ہی پروگرام ختم ہو گیا تھا۔ اسٹیج پر موجود بچے ایک ایک کر کے بیک اسٹیج کی طرف جا رہے تھے۔ وسیم عبداللہ وغیرہ بھی اسی طرف گئے تھے۔

کرامت بیگ آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھا پھر جیسے کسی کو تلاش کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اسٹیج سے ملحقہ کوریڈور میں بڑھتے ہوئے وہ ایک اور ہال نما کمرے میں پہنچا۔ وسیم عبداللہ، اس کی بیٹی، فیروزہ اور کافی بچے وہاں موجود تھے۔

''مجھے تم پر فخر ہے تانیہ... میری شہزادی۔'' وہ اسے پیار کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کرامت کا ہاتھ اس کے ریوالور پر جم گیا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے باہر نکالتا فیروز، وسیم عبداللہ کے سامنے آ گیا

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

تھا۔ وہ اسے ہی گھور رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" کرامت اس کے جواب میں خاموش رہا۔

"جواب دو۔" وہ غرایا۔

کرامت نے ریوالور نکال کر اس پر فائر کردیا تھا۔ اس دھماکے نے کمرے میں چیخ و پکار اور بھاگ دوڑ کا طوفان کھڑا کردیا تھا۔

"فیروز اب بھی وسیم عبداللہ کے سامنے جما کھڑا تھا۔ وسیم عبداللہ نے نیچے جھکتے ہوئے ثانیہ کو چھپالیا تھا۔ کرامت مسلسل گولیاں چلا رہا تھا۔ تیسرے فائر پر بالآخر فیروز نیچے جا گرا۔ اس کا ریوالور جیب میں ہی رہ گیا تھا۔

وسیم عبداللہ کے سامنے مقابلے یا ثانیہ کو بچانے کا راستہ تھا۔ وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اسی لیے اس کے پیٹ میں آگ سی لگ گئی۔ حملہ آور اب اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس نے ثانیہ کو اس کی پناہ گاہ سے باہر گھسیٹ لیا اور اپنا چہرہ اس کے قریب لاکر بولا۔

"وسیم عبداللہ تم جانتے ہو ناکہ میں کون ہوں؟" اس نے مونچھیں اتارتے ہوئے پوچھا۔

وسیم عبداللہ نے گردن ہلائی۔ وہ اسے پہچان گیا تھا وہ کرامت بیگ تھا۔

"کرامت...." وہ بمشکل بولا۔ "ثانیہ کو چھوڑ دو۔"

اس بار وہ گولی چلنے کی آواز بھی نہیں سن پایا تھا کیونکہ گولی اس کے چہرے پر چلی تھی۔

☆☆☆

صدف متضاد سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

ریحان کا قتل اس کے لیے سوال بنا ہوا تھا۔ اگر کرامت بیگ نے اسے مارا تھا تو کیا اس کا بیٹا واپس آگیا ہے یا نہیں.... وہ جاننا چاہتی تھی۔

وہ انسپکٹر جعفر کے کمرے میں ہی تھی۔ اس نے اسے کچھ دیر کے لیے وہاں اکیلا رہنے دیا تھا تاکہ وہ اپنے دکھ پر قابو پاسکے۔

"سوری مس صدف...." وہ اندر واپس آتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارا بیان کل لے پاؤں گا۔"

"خیر تو ہے انسپکٹر؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"ہاں.... ڈان وسیم عبداللہ اور اس کا نائب فیروز ایک ساتھ مارے گئے ہیں۔"

"اوہ.... میرے خدا۔" اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "وہ میرے بچے کو بھی ماردیں گے۔" وہ زور سے چلائی۔

"کون.... صدف کون تمہارے بچے کو مار ڈالے گا؟" انسپکٹر جعفر نے اس کی طرف دیکھا۔

"کرامت بیگ.... اس نے ہی وسیم عبداللہ کو مارا ہے۔"

"تم یہ کیسے جانتی ہو؟" جعفر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب مجھے پوری بات بتاؤ۔"

☆☆☆

عامر اپنی گاڑی میں کاغذ پر لکھے پتے کی طرف اڑا جارہا تھا۔ فیاض کی جگہ باس کے لیے کام کرنا ایک ایسا خواب تھا جو وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا اور اب اس لڑکے کو واپس لاکر وہ یہ خواب پورا کرسکتا تھا۔ اس مکان تک پہنچنے میں اب بس چند منٹ ہی اور لگنے تھے اور اس کے بعد ان دونوں سے نمٹ کر نتھی بلا کو واپس لانا تھا۔

عمران ابھی ابھی دفتر پہنچا تھا جہاں فریدی دو خبروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ عامر رانا کی تلاش کا پروجیکٹ ناکامی کا شکار ہوگیا تھا کیونکہ وہ اپنے گھر بلکہ علاقے تک میں نہیں تھا۔

"اس کا ہاتھ لگنا ضروری ہے اگر وہ قاتل نہیں ہے تب بھی عینی شاہد ضرور ہے۔" عمران کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔ "اور دوسری خبر کیا ہے؟ وہ بھی سنا ہی ڈالو۔"

"وہ یہ ہے۔" فریدی ایک صفحہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ رپورٹ ابھی ابھی آئی ہے کہ شہر کے گنجان علاقے سے ایک بچہ دو دن پہلے اغوا ہوا ہے اس کا باپ منشیات کے چکر میں تھا اور جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں مارا گیا۔ ماں بینک لوٹنے کی کوشش میں پکڑی گئی ہے اور اس سب کو بدمعاشوں کے بادشاہ وسیم عبداللہ کی موت سے جوڑا جارہا ہے۔ اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ پارک والا قتل اس کا حصہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟"

"سوچنا پڑے گا۔" وہ بولا۔ "اب مجھے اس علی کی ضرورت ہے، اسے یہاں بلوانا پڑے گا۔ اسٹور والے سے اس کی شناخت کرائی ہوگی۔ اس کے ہیئر ز خریدنے کی تحقیقات سے ہی اس بچے کی تلاش کا معاملہ حل ہوگا۔"

☆☆☆

علی بستر پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ فریحہ اور اسد دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ ذہن پر موجود سوچوں اور پریشانیوں کے دباؤ سے ہٹ کر اس وقت ایک عجیب احساس اسے سونے نہیں دے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

⇦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1

SCANNED BY DIGESTPK

رہا تھا۔

یہ کسی خطرے کا سگنل تھا یا صرف پریشانی کا شاخسانہ مگر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اپنے گھر میں کسی کی آواز سنائی دے رہی ہو۔ وہ بالآخر اٹھ بیٹھا۔ کئی لمحوں کی توجہ کے باوجود جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ پھر لیٹ گیا۔

اگلے لمحے وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ اس بار وہ قسم کھا سکتا تھا کہ یہ غلط فہمی نہیں تھی، نیچے کوئی دروازہ کھل کر بند ہوا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ قدموں کی چاپ اب کچن کی طرف جا رہی تھی۔

''فریحہ... اٹھو۔'' وہ اسے ہلا کر بولا۔ ''شش... آواز مت کرنا... نیچے کوئی گھسا ہوا ہے۔''

''کیا؟'' وہ بوکھلا گئی تھی۔

''ہمیں فوراً گھر سے باہر نکلنا ہے۔'' اس کا دماغ دوڑ رہا تھا۔ اگر وہ سیڑھیوں سے اتر پائیں تو پچھلے دروازے سے نکلا جا سکتا تھا۔

''جلدی کرو۔'' فریحہ نے اسد کو گود میں اٹھایا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

عامر آسانی سے گھر میں داخل ہو گیا تھا اب اسے اس لڑکے کی تلاش تھی۔ اتنے دروازوں میں سے کس کے پیچھے ہو سکتا ہے۔ وہ یہی کھوجنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ اور علی ایک دوسرے کو دیکھ کر اچانک اچھلے تھے۔ عامر کے ہاتھ میں ریوالور تھا اس نے سوچے سمجھے بغیر اسے اٹھایا اور فائر کر دیا۔

علی اجنبی کے بازو کو ہلتا دیکھ کر پیچھے کودا تھا اور اس کی یہ ترکیب ہی اس کی جان بچا گئی تھی مگر کودنے کی وجہ سے وہ کئی سیڑھی نیچے آ گرا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ فریحہ اور اسد اس کے پیچھے تھے۔ اجنبی ان کی طرف بڑھا مگر علی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

''فریحہ بھاگو، یہاں سے دور نکل جاؤ۔'' وہ چیخا۔

عامر اسے خود سے دور کرنے کے لیے اس کے جسم پر لاتیں مار رہا تھا، نہ جانے اسے اب ریوالور کے استعمال کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ علی پہلے ہی لگنے والی چوٹوں سے بے حال تھا، اس کی ٹھوکروں نے چند لمحوں میں اس کی گرفت کو کمزور کر دیا۔ عامر اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گیا۔ اسے وہ دونوں سیڑھیوں پر نظر آ گئے تھے۔ اس نے لپک کر عورت کے بال پکڑ لیے۔ وہ پلٹ کر اسے مکے مار رہی تھی۔ اسد اسے دیکھ کر بے حد خوف زدہ انداز میں اوپری سیڑھی پر جما کھڑا تھا۔

''مجھے صرف یہ بچہ چاہیے۔'' وہ عورت کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

''وہ میرا بیٹا ہے۔'' فریحہ پلٹ کر اس پر دوبارہ حملہ آور ہوئی تھی۔ اس بار اس کے ناخن اس کے چہرے کو رنگین بنا گئے تھے۔

عامر اس افتاد سے گھبرا گیا اس نے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر سامنے کھڑے اسد سے ٹکرائی۔ اس ٹکر نے اس کا توازن بگاڑ دیا۔ فریحہ زور سے چلائی تھی۔

اس کی چیخ ہی علی کو ہوش میں لائی، وہ تیزی سے سیڑھی کے قریب پہنچا اور اس نے اسد کو لپک کر سنبھال لیا۔

''میں اس کو گولی مار دوں گا۔'' عامر فریحہ کے سر پر پستول رکھتے ہوئے بولا۔

''نہیں۔'' علی پکارا۔

''پھر یہ بچہ مجھے دے دو۔ میں تم دونوں کو چھوڑ دوں گا۔''

''وہ میرا بچہ ہے۔'' فریحہ چیخی۔

''میں صرف تین تک گنوں گا پھر میں تم دونوں کو مار کر بچہ اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔'' وہ حتمی انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس کی گنتی شروع ہوتے ہی علی نے کہا۔

''تم یہ نہیں کر سکتے علی۔'' فریحہ چیخی۔ علی نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اس دوران عامر بچے کو قابو میں کر کے باہر نکل گیا۔ وہ اس کی گود میں پھنسا ہاتھ پیر مار رہا تھا اور رو رہا تھا۔

''یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟'' اس کے جانے کے بعد فریحہ علی پر چڑھ گئی۔ ''تم نے مجھے مار ڈالا علی۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو اور کھڑی ہو جاؤ۔'' علی بولا۔

''کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔''

''ہمیں اس کے پیچھے جانا ہے، اس وقت وہ مجبوری تھی، وہ ہمیں مار کر اسد کو لے جاتا اب ہم اسے راستے میں پکڑیں گے۔ اٹھو فریحہ وہ ہمارا بیٹا ہے۔'' علی کے الفاظ نے فریحہ میں گویا نئی جان ڈال دی تھی۔

چند لمحوں میں منی ہیبر دھڑک پر تھی۔

☆☆☆

انسپکٹر عمران، فریدی کے ساتھ سب سے اگلی گاڑی میں تھا۔ تین گاڑیوں کا یہ اسکواڈ علی کی گرفتاری کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ان کے مکان کے سامنے پہنچ کر گاڑیاں رک

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

گئیں۔ عمران فریدی کے ہمراہ باہر آیا تھا۔

”جلدی دروازہ کھولو۔“ اس نے زوردار دستک اور گھنٹی بجانے کے بعد آواز دی۔ جب چند لمحوں تک کوئی جواب نہیں آیا تو پھر گھنٹی بجائی۔ جواب میں اس بار بھی صرف خاموشی تھی۔

انسپکٹر عمران نے پلٹ کر ساتھ آنے والے آفیسرز کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا چند لمحوں میں دروازہ کھل گیا۔

جوانوں نے چند لمحوں میں ابتدائی تلاشی کر لی مگر گھر میں کوئی نہیں تھا۔

”تو وہ فرار ہو گئے۔“ انسپکٹر عمران کراہا۔ ”آخر یہ کیس کہاں جا کر رکے گا۔“

”سر پہلے یہ دیکھ لیں۔“ ایک کانسٹیبل نے کہا۔ تمام نگاہیں اس پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

وہاں گولی کا سوراخ موجود تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اس جگہ خوب ہاتھا پائی ہوئی ہے۔ سیڑھیوں کی ریلنگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ زمین پر خون پڑا تھا اور کمرے میں بچے کے کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔

”سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارا مشتبہ ملزم کہیں خود شکار تو نہیں ہے؟“ عمران اچانک بولا۔ ”یوں لگتا ہے کہ کوئی یہاں داخل ہوا، مزاحمت کا سامنا ہوا مگر وہ ان دونوں یا تینوں کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔“

”وہ انہیں کہاں لے جا سکتا ہے؟“

”یہ کروڑ روپے کا سوال ہے۔“ عمران بولا۔ اسی لمے اس کے فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف فوزیہ تھی۔

”تمہارا پسندیدہ ہیمبر یہاں لوٹ آیا ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”مجھے ابھی ابھی گارڈز سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ملی ہیمبر واندر داخل ہوئی ہے۔ میں نے سوچا شاید تمہیں اس سے کچھ مدد ملے۔“

”مدد جیسی مدد۔“ وہ چہکا۔ ”یوں سمجھو کہ تم نے کروڑ روپے کا جیک پاٹ جیت لیا۔ کیا ہماری آمد تک کوئی ان پر نظر رکھ سکتا ہے؟“

”ہاں، یہ میں نے کروا دیا ہے۔“

”اس پر تو وہ شعر پڑھنا چاہیے کہ خودی کو کر بلند اتنا... مجھے شاید یہ نہیں تھا، میری یادداشت اس معاملے میں کمزور ہے ہم بس وہاں پہنچ رہے ہیں۔“ وہ فون بند کرتے ہوئے بولا۔

”کم از کم شکار کا پتا مل گیا ہے ہمیں پارک جانا ہوگا۔

لگتا ہے کہ یہ کہانی جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں ختم ہو گی۔“

☆☆☆

عامر رانا بچے کو لے کر طے شدہ جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اب اسے باس کا انتظار تھا۔ اسد اس پورے وقت میں کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کی ننھی آنکھیں خوف سے بھری ہوئی تھیں مگر وہ عامر کی جیپ میں خاموشی سے دبکا بیٹھا تھا۔

عامر کے ہونٹوں پر بار بار ہنسی آ رہی تھی۔ وہ فیاض کی جگہ لینے والا تھا۔ اس کا وہ چھوٹا فون بھی اب اس کا ہو گیا تھا۔

وہ گاڑی کا انجن بند کر کے بیٹھ گیا۔ باس آنے ہی والا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد اسے وہ لوگ اوپر چڑھتے نظر آئے اور پھر فیاض والا چھوٹا فون بجا۔

”کہاں ہو تم؟“ باس کی آواز سن کر وہ مسکرایا۔

”میں تمہیں دیکھ رہا ہوں تم لوگوں کو۔“

”باہر آ جاؤ اور بچے کو بھی لے آؤ۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے جواب دیا اور بچے کو گود میں اٹھا کر باہر نکل آیا۔

”لاؤ اسے مجھے دے دو۔“ درشت چہرے والا بولا۔

”مجھے کام مل گیا ہے نا۔“ وہ بچے کو اس کی گود میں دیتے ہوئے بولا۔

”ہاں، کام بھی اور انعام بھی۔“ وہ مسکرایا۔

”انعام بھی... باس یہ تو بہت اچھا ہے۔“

”تم ہنستے بہت ہو۔“ باس مڑتے ہوئے بولا۔ ”ہنستے ہنستے مرنا سنا ہے کہ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے وہ رکا۔ عامر نے ایک جگنو سا لپک دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

وہ دونوں بچے کو لے کر چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ کسی طاقتور ٹارچ کی روشنی نے انہیں اندھا کر دیا۔

”رک جاؤ۔“

”کون ہو تم... کیوں روکا ہے ہمیں؟“ وہ ڈپٹ کر بولا۔ ”سامنے آؤ۔“

”میں اس بچے کا باپ ہوں جسے تم لوٹ کا مال سمجھ کر لے جا رہے ہو اگر اب تم گولی کھانا نہیں چاہتے تو چھوڑ دو اسے۔“

”اور اگر میں اسے ہی گولی مار دوں؟“ وہ کمینگی سے بولا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''کوشش کر کے دیکھ لو... مار نہیں سکو گے۔'' پیچھے سے آنے والی آواز نے انہیں کسی حد تک حواس باختہ کر دیا تھا۔

''پارک کے سارے گارڈز چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، میں ان کا انچارج ہوں۔ تم ہمارے نشانے پر ہو ہم کسی بھی لمحے تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔'' وہ اعلان کرنے کے انداز میں بولا۔

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ کب سے گم صم اسد گویا جاگ اٹھا تھا۔ اس نے درشت چہرے والے کی کلائی کو اپنے دانتوں میں چبالیا تھا۔

''اوغ۔'' وہ اسے دھکا دے کر پلٹا۔ اسد زمین پر گرتے ہی اٹھا تھا اور پیچھے کی طرف بھاگا۔ درشت چہرے والے نے پستول والا ہاتھ بلند کیا اور فائر کر دیا۔ اس فائر کے بعد کئی فائر ہوئے تھے۔

☆☆☆

''یعنی ہمارے آنے تک ساری کہانی ختم بھی ہو گئی۔'' انسپکٹر عمران نے اسپتال کے کوریڈور میں کھڑی صوفیہ جبیں کو گھورا۔ ''پہلے تو مجھے اتنے بڑے پارک کی خاتون منیجر پر ہی اعتراض تھا اب یہ تو سراسر ہمارے کاموں میں ٹانگ اڑانا ہوا، کیوں فریدی؟'' فریدی جواب میں مسکرایا۔

وہ اسپتال میں فریحہ کا بیان لینے آئے تھے۔ پہلا فائر ہوتے ہی وہ اسد کو بچانے کے لیے جھکی تھی جس کی وجہ سے اس کے کندھے پر گولی لگی تھی۔

دونوں حملہ آور وہیں مارے گئے تھے مگر وہ بڑی مچھلی کے کارندے تھے۔

☆☆☆

اگلے دو دن بہت ہنگامہ آرائی کے تھے۔

صدف کے بیان اور دیگر شواہد کی روشنی میں کرامت بیگ کی گرفتاری کی کوشش کی گئی تھی جس میں شدید مزاحمت کے بعد بالآخر وہ پولیس کی گولی سے ہلاک ہو گیا تھا۔ صدف کی کہانی سن کر بیگ نے اپنا کیس واپس لے لیا تھا اور جج سے انسانی ہمدردی کی بنا پر اس کی رہائی کی درخواست کی تھی۔

وہ خرم کو واپس پا کر حد سے زیادہ خوش تھی۔ اسے فریحہ اور علی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ اس کی رہائی بھی ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی۔ وہ بیان دینے حاضر ہوئی تھی اور جج نے عوامی دباؤ اور اس کی حالت کے پیش نظر اسے رہا کر دیا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھی اسپتال گئی تھی۔

فریحہ اب خاصی بہتر تھی مگر اسد کے جانے کا خوف اسے بے حال کیے ہوئے تھا۔ صدف کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکالی تھیں۔

''ممی...'' ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ یہ گویا زندگی کا بلاوا تھا۔ اس نے بے یقینی سے مڑ کر دیکھا۔ اس کا اسد اس کے بستر کے قریب کھڑا تھا۔

''تمہاری ممی وہ ہے بیٹا۔'' وہ اسے افسردگی سے دیکھ کر بولی۔

''نہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' صدف اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ ''میں نے اسے جنم دیا ہے مگر اس کی جان آپ نے بچائی ہے۔ آج سے آپ اس کی ممی ہیں اور یہ آپ کا اسد... رہی میں... تو میں اس سے مل بھی سکتی ہوں۔ ملنے دیں گی نا اس کو اپنی خالہ سے۔''

فریحہ یکلخت اٹھ کر بیٹھ گئی، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟ دوبارہ کہو۔''

''میں صرف کہہ نہیں رہی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اس کے پھیلے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ ''میں نے لکھ دیا ہے آج سے یہ آپ کا قانونی بیٹا ہے۔''

''اور تم اس کی نہیں میری بہن ہو... اس کو بھی تو پتا چلے کہ رشتہ آخر ہوتی کیا ہے۔'' علی مسکراتے ہوئے بولا۔

''سب کو سب کچھ مل رہا ہے، کیا اس دربار میں میرے لیے بھی کچھ ہے؟'' انسپکٹر جعفر نے جو صدف کو یہاں لایا تھا انتہائی متانت سے پوچھا۔

''آپ کو کیا چاہیے؟'' علی نے اسے گھورا۔ ''اور اگر کچھ چاہیے بھی جو مجھے سمجھ آ رہا ہے تو اس کے لیے آپ کو یہاں وہاں نہیں بڑے بھائی صاحب یعنی مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ جس کے بعد کمرے میں ایک زوردار قہقہہ گونجا۔

''چل بھائی ان کا تو سب ہو گیا۔ ہمارا کیا... ایک اور نیا کیس، ورت جنگا اور وہی جو شعر کہا ہے شاعر نے کہ اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی مگر شاید وہ اس موقع کے لیے تو نہیں کہا۔'' انسپکٹر عمران، فریدی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ وہ جواب میں اسے بیزار نظروں سے گھور رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

سرورق کی دوسری کہانی

نیشِ زر

مریم کے خان

پتھریلی زمین پر اُترنا... تاہموار یشوار گزار زمین پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے قسمت آزمانا جرأت مندوں کا کام ہے... سرزمین سندھ کے سنگستان و کٹھن پہاڑی سلسلوں سے شروع ہونے والا لالچ و خودغرضی کا کھیل... معصوم لوگوں کی از میں اپنے مقصد کے حصول کے لیے کی جانے والی سنگین و خطرناک کوششوں کی دلچسپ کہانی...

عید اور ماہِ آزادی کا تحفہ... سرورق کی تیز رفتار کہانی

شاہ نور اپنے گھر کے احاطے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ اس کا باپ بانور ایک غیر ملکی کے ساتھ پہاڑوں پر گیا ہوا تھا۔ وہ گائیڈ کا کام کرتا تھا۔ اس علاقے میں اکثر غیر ملکی آتے رہتے تھے اور ان کو انجانی جگہوں پر جانے کے لیے گائیڈز کی ضرورت پڑتی تھی۔ بانور کم عمری سے ان پہاڑوں میں گھومتا پھرتا رہا۔ اس کا باپ چرواہا تھا۔ وہ اسے بھی ساتھ لے جاتا مگر بانور کو جانور چرانے سے زیادہ پہاڑوں اور وہاں پائی جانے والی چیزوں سے دلچسپی تھی۔

شاہ نور تقریباً اٹھارہ سال کا خوش رو اور مضبوط لیکن چھریرے جسم کا لڑکا تھا۔ اس کی چستی اور جفاکشی اس کے وجود سے جھلکتی تھی۔ بانور کی طرح وہ بھی کم عمری سے پہاڑوں پر جانے لگا تھا۔ اب وہ اتنا ماہر ہوگیا تھا کہ علاقے کے چپّے چپّے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کون سی چیز کہاں سے ملتی ہے؟ ان پہاڑوں میں جڑی بوٹیاں ملتی تھیں۔ معمولی قسم کے جانور لیکن لاتعداد قسم کے سانپ اور بچھو پائے جاتے تھے۔ بانور نے اسے سب سے پہلے ان کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ سب بے حد زہریلے تھے اور ان سے ہوشیار رہنا لازمی تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

بانور خود جاہل تھا مگر اس نے شاہ نور کو آٹھویں تک پڑھایا تھا کیونکہ ان کے علاقے میں اسکول بس یہیں تک تھا۔ ان کا گاؤں زیادہ بڑا نہیں تھا، مشکل سے سوسوا سو گھروں پر مشتمل تھا اور زیادہ تر افراد جانور پالتے تھے۔ سارے سال ان جانوروں کو پالنے کے بعد بڑی عید پر کراچی یا سندھ کی منڈیوں میں لے جاتے تھے جہاں ان کے اچھے دام مل جاتے تھے۔

''ابا شاہ نور۔'' اندر سے ماں نے آواز دی۔ ''تیرا باپ چلا گیا ہے اب پانی تو بھر کر لا۔''

ان کے گاؤں میں پانی بھرنے کی ذمے داری عورتوں کی تھی اور وہ میلوں دور سے بھی پانی لاتی تھیں مگر شاہ نور کی ماں کے پاؤں میں پیدائشی نقص تھا، وہ وزن اٹھا کر نہیں چل سکتی تھی اس لیے پانی لانے کا کام وہ یا بانور کرتے تھے۔ شاہ نور اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر جا کر اس نے دو کین اٹھائے۔ بیس بیس لیٹرز کے دو کین ان کی چوبیس گھنٹے کی ضرورت کے لیے کافی تھے۔ شاہ نور کنوئیں تک آیا تو وہاں میلہ لگا ہوا تھا۔ ویسے تو پانی کا کنواں ایسی جگہ تھی جہاں صبح سے شام تک رونق ہوتی تھی۔ عورتیں کپڑے دھونے اور پانی بھرنے آتی تھیں اور ان کے ساتھ بچے بھی چلے آتے تھے۔ مرد کم آتے تھے مگر ان کی آمد ممنوع بھی نہیں تھی۔

اس وقت رونق کی وجہ گاؤں کی عورتیں اور بچے نہیں تھے بلکہ وہ عدد بڑی جیپ نما گاڑیاں تھیں اور کنوئیں کے گرد پائے جانے والے بچے ان کے گرد جمع تھے۔ شاہ نور جانتا تھا کہ یہ بھی پہاڑوں پر جانے والی کوئی پارٹی تھی۔ ان کا گاؤں تقریباً آخری پڑاؤ تھا اس کے بعد میلوں دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ ایک گاڑی کے ساتھ ایک سوٹ پوش شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بال سلیقے سے بنے ہوئے تھے اور وہ بے نیازی سے سگار پی رہا تھا۔ چہرے سے وہ مقامی ہی لگ رہا تھا۔ اس کے ساتھ یارو کھڑا ہوا تھا، اس کا نام تو یار محمد تھا مگر وہ یارو کے نام سے مشہور تھا۔ سرخی مائل رنگت، سرخ بالوں، گول آنکھوں اور کھڑی ناک والا یارو صورت سے ہی عیار لگتا تھا اور وہ واقعتاً ایسا ہی تھا۔ گاؤں میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو اسے پسند کرتے تھے۔ وہ بچوں کو جھڑک کر گاڑیوں سے دور رہنے کو کہہ رہا تھا پھر اس نے شاہ نور کو دیکھا تو آواز دی۔ مگر شاہ نور اس کی پکار نظر انداز کر کے کنوئیں تک آیا جہاں رانی کنوئیں کی رسی کھینچ رہی تھی۔ لکڑی کا ڈول خاصا وزنی تھا اور جب وہ زور لگاتی تو اس کا نازک بدن کمان کی طرح کھنچ جاتا تھا۔ سفید رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ شاہ نور کو دیکھ کر وہ مزید سرخ ہو گئی۔ شاہ نور نے آہستہ سے کہا۔

''جلدی کر، مجھے بھی پانی لینا ہے۔''

''مجھے تو کوئی جلدی نہیں ہے۔'' وہ شرارت سے بولی۔ ''ماں کو کپڑے دھونے کے لیے پانی چاہیے۔''

''تب پہلے مجھے دے دو۔''

''واہ، اتنی محنت سے نکالا ہے اور تجھے دے دوں۔'' رانی نے اوپر آنے والا ڈول پکڑ کر کھینچا۔

''ہو سکتا ہے کبھی تو میرے لیے پانی بھرے۔'' شاہ نور نے کہا تو رانی بوکھلا گئی، اس نے آس پاس دیکھا اور پھر دانت پیس کر بولی۔

''تو مروائے گا مجھے، کسی نے سن لیا نا تو...''

''کوئی کچھ کہہ کر تو دیکھے۔'' شاہ نور مسکرایا۔ رانی نے جلدی سے ڈول اپنی بالٹی میں خالی کیا اور اسے گھورتے ہوئے چلی گئی۔ رانی درمیانے قد کی خوب صورت اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس کے گہرے بھورے رنگ کے بال اوڑھنی میں کھلے ہوئے تھے۔ رانی کا باپ کمال بانور کا دوست تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ اپنی دوستی کو رشتے داری میں بدل لیں۔ ان کے اس ارادے کو شاہ نور اور رانی نے دل میں بسا لیا تھا۔ شاید اسی سال ان کی شادی ہو جاتی۔ رانی سولہ سال کی تھی یعنی اس سے دو سال چھوٹی تھی اور عام طور سے اتنی عمر میں یہاں لڑکیاں بیاہی جا چکی ہوتی تھیں، بعض تو مائیں بھی بن جاتی تھیں۔ کمال جانور چراتا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ اس بار بڑی عید کے بعد وہ رانی کو رخصت کر دے گا۔ بہ شرط کہ اس کے جانور اچھی قیمت پر بک گئے۔ بانور نے اس سے کہا کہ وہ بالکل فکر نہ کرے۔ وہ رانی کو صرف ایک جوڑے میں لے جائے گا مگر کمال متفق نہیں تھا، اس نے کہا۔

''یاری تیری میری ہے، برادری کو تو منہ دکھانا ہوتا ہے نا۔''

''تب مل جل کر کر لیں گے۔ ہمارے لیے تو گھر کی بات ہوگی۔''

کمال دوست کی بات پر خوش تھا مگر اس نے کہا۔ ''اچھا پہلے مجھے کوشش کر لینے دے اور ہمارے کون سے کئی بچے ہیں، تیرے گھر شاہ نور ہے اور میرے گھر بس رانی ہے۔ ہمارا سب انہی کا تو ہے۔''

شاہ نور کے علم میں یہ سب تھا۔ وہ رانی سے محبت کرتا تھا مگر اس نے کبھی اس کا پیچھا کرنے یا اس سے بے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

جانے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں اتفاق سے سامنا ہو جاتا تو وہ آپس میں بات کر لیتے تھے۔ جیسے اس وقت کی تھی۔ جب تک رانی جا کر عورتوں کے جھرمٹ میں نہیں چھپ گئی تب تک شاہ نور کی نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر ڈول کنوئیں میں اتارنا شروع کر دیا۔ اسی لمحے اسے نزدیک کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ یہ یارو تھا جو معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔ شاہ نور کو اگر کوئی شخص برا لگتا تھا تو وہ یارو تھا۔ اس نے سنا تھا کہ وہ رانی کا طلب گار تھا مگر کمال نے اسے انکار کر دیا تھا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا اور وہ اسے نظر انداز کر کے ڈول کھینچنے لگا۔ یارو نے کچھ دیر بعد خود کہا۔ ''کب تک اس طرح ملو گے، اسے جلدی سے گھر لے جاؤ ایسا نہ ہو...''

''کیا بولا؟'' شاہ نور کا ہاتھ رک گیا۔ ''آگے بول؟''

''کچھ نہیں اوا تم تو ناراض ہو گئے۔'' یارو مکاری سے بولا۔ ''میں کہہ رہا ہوں کہ ادھر صاحب آیا ہے، بڑا پیسا ہے اس کے پاس۔''

''پیسا ہے تو میں کیا کروں؟''

''اسے بندہ چاہیے اوپر جانے کے لیے۔'' یارو قریب آیا اور اپنی گول آنکھیں نکال کر رازدارانہ انداز میں بولا۔ ''اسے کچھ خاص چیز چاہیے۔''

شاہ نور نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''ظاہر ہے ادھر آنے والے انڈے اور دودھ تو لینے نہیں آئیں گے۔''

''صاحب کو اچھا گائیڈ چاہیے، میں نے تیرا ہی سوچا ہے، کام کرنا ہو تو آ جانا۔''

''ابھی مشکل ہے بابا گیا ہوا ہے اور میں گھر چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔''

''سوچ لے پیسا بہت اچھا دے رہا ہے، ایک دن کے ہزار روپے دے گا۔''

شاہ نور حیران ہوا۔ ان کو عام طور سے ایک دن کے چار سو روپے ملتے تھے۔ بانور کو پانچ سو بھی مل جاتے تھے مگر ہزار روپے ایک دن کے آج تک شاید ہی کسی نے کمائے ہوں مگر اس نے یارو کو جواب نہیں دیا۔ اپنے کین بھرے اور گھر آ گیا۔ گاؤں کے آخر میں ان کا گھر چھوٹا مگر صاف ستھرا تھا۔ بانور دو دن پہلے گیا تھا۔ غیر ملکی گورا صاحب تھا اور اس کے ساتھ ایک مقامی بھی تھا۔ اسے وہ اپنے ساتھ شہر سے لایا تھا۔ بانور نے جانے سے پہلے بتایا تھا کہ وہ کیرتھر نیشنل پارک سے اوپر جا رہے تھے اور ان کی واپسی میں چار یا پانچ دن لگ سکتے تھے یعنی ابھی اسے آنے میں تین دن تھے۔ گھر آ کر پانی گھڑوں اور دوسری چیزوں میں بھرتے ہوئے شاہ نور نے ماں کو یارو کی پیشکش کے بارے میں بتایا۔ وہ فکر مند ہو گئی۔

''یارو اچھا آدمی نہیں ہے، ایسے آدمی سے دور رہنا چاہیے۔''

''پر ماں کام تو دوسرے بندے کے لیے کرنا ہے، میں نے اسے دیکھا ہے، وہ پیسے والا بندہ لگ رہا ہے جبھی تو ایک دن کے ہزار روپے دے رہا ہے۔''

اس کی ماں شہزادی بھی ایک دن کے ہزار روپے سن کر حیران رہ گئی تھی۔ ''ایسا کیا کام ہے جو وہ ہزار روپے دے رہا ہے؟''

''تم اجازت دو تو میں اس سے پوچھوں؟''

''یارو سے؟''

''نہیں اس کے صاحب سے۔'' شاہ نور نے اعتماد سے کہا۔ ''میں بات کر سکتا ہوں۔''

شہزادی ہچکچائی۔ بانور گھر میں نہیں تھا اور اگر شاہ نور بھی چلا جاتا تو وہ اکیلی رہ جاتی۔ شہزادی کی چودہ سال کی عمر میں شادی ہوئی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں وہ شاہ نور کو جنم دے چکی تھی۔ اس لحاظ سے اس کی عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی اور وہ جوان ہی تھی۔ پھر خوش شکل بھی تھی۔ اس لیے اسے اکیلے رہتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ شاہ نور نے ماں کا یہ خوف محسوس کر لیا۔ اس نے کہا۔ ''چھوڑ اماں، میں بات نہیں کر رہا۔''

''نہیں تو بات کر لے۔'' شہزادی نے کہا۔ ''اگر تو چلا گیا تو میں سکینہ کے پاس رہ لوں گی۔''

سکینہ شہزادی کی بہن تھی اور وہ بھی گاؤں میں رہتی تھی۔ شاہ نور خوش ہو گیا۔ اس کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ اتنا اچھا موقع چھوڑ دے۔ اول تو یہاں کام ہی کہاں ملتا تھا اور ملتا تو ایک دن کے ہزار روپے کون دیتا۔ وہ کین سمیت پھر کنوئیں کی طرف آیا۔ اس وقت تک وہاں رش کم ہو گیا تھا۔ عورتیں باہر والوں کو دیکھ کر اپنے کپڑے اور بچے سمیٹ کر جا چکی تھیں۔ البتہ دونوں گاڑیاں وہاں موجود تھیں۔ ان پر خاصا سامان لدا ہوا تھا۔ ڈرائیور ایک طرف بیٹھے ہوئے ایک ہی سگریٹ سے باری باری کش لگا رہے تھے اور ایک طرف چھتری تلے میز کے گرد کرسیوں پر سوٹ بوٹ صاحب کے ساتھ ایک لڑکی بھی بیٹھی تھی۔ ان کے سامنے میز پر جوس کے گلاس رکھے تھے اور یارو مؤدب ہو

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کر صاحب کے پیچھے کھڑا تھا۔ لڑکی جدید فیشن کے لباس میں تھی اس نے اسکن فٹ جینز کے ساتھ اوپر مردانہ انداز کی شرٹ پہن رکھی تھی۔

نقوش معمول سے ذرا ہٹ کر تھے۔ سرخی مائل رنگت اور بہت باریک کمان جیسی بھوؤں تلے تیز آنکھیں تھیں۔ ماتھے کے ساتھ نکلی ہوئی ستواں ناک نیچے آ کر کسی قدر پھیل رہی تھی۔ ہونٹ باریک تھے مگر انہیں لپ اسٹک کی مدد سے قابلِ دید کر لیا گیا تھا۔ وہ قبول صورت تھی اور اپنے حلیے کی وجہ سے زیادہ دلکش بن گئی تھی۔ اس کی وجہ سے شاہ نور آگے جاتے ہوئے جھجکا۔ یارو نے اسے دیکھ لیا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا۔

''کیا بات ہے، ادھر کیوں آیا ہے؟''

''مجھے صاحب سے بات کرنی ہے۔'' شاہ نور نے اشارہ کیا۔

''صاحب سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔'' یارو بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''جو بات کرنی ہے مجھ سے کر۔''

شاہ نور کو غصہ آنے لگا۔ ''تجھ سے کیوں کروں تو خود نوکر ہے میں مالک سے کیوں نہ بات کروں۔''

''جا جا۔'' یارو نے حقارت سے کہا اور ڈرائیوروں کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ یارو کے اشارے پر کوئی کارروائی کرتے۔ اچانک سوٹ پوش آدمی نے ہاتھ اٹھا کر یارو کو اشارہ کیا اور وہ کھنچا چلا گیا۔ اس نے کان لگا کر حکم سنا اور پھر پلٹ کر شاہ نور کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے شاہ نور نے دیکھ لیا تھا کہ لڑکی نے صاحب سے کچھ کہا تھا اور اس کے بعد ہی اس نے یارو کو بلایا تھا۔ سوٹ پوش نے شاہ نور کا جائزہ لیا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟''

''شاہ نور صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

''یارو بتا رہا ہے کہ تم گائیڈ کا کام کرتے ہو اور ان پہاڑوں کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہو؟''

''جی صاحب۔'' اس نے اس بار بھی مختصر جواب دیا۔

''ہمیں ایک اچھے گائیڈ کی ضرورت ہے۔''

''میں کام کروں گا صاحب۔'' شاہ نور نے کہا اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔ ''پر اس سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہوگا۔''

یارو کا منہ بگڑ گیا اور آدمی کے ماتھے پر شکنیں آ گئیں۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے یہاں موجود ہر آدمی اسی کا ماتحت ہوگا۔''

''تب مجھے منظور نہیں ہے صاحب۔'' شاہ نور نے انکار میں سر ہلایا اور پلٹ کر جانے لگا تھا کہ لڑکی نے اسے روکا۔

''ایک منٹ شاہ نور۔''

وہ رکا۔ اس دوران میں لڑکی آگے جھک کر صاحب سے کچھ کہہ رہی تھی پھر اس نے سر ہلا کر منظوری دی اور لڑکی خوش ہو گئی۔ اس نے شاہ نور سے کہا۔ ''تم میرے لیے کام کرو گے، یارو سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اب منظور ہے نا؟''

شاہ نور نے سر ہلایا۔ ''جی میم صاحب۔''

''میرا نام ستارہ ہے۔'' لڑکی نے اسے آگاہ کیا۔

''ہمیں کل صبح سویرے روانہ ہونا ہے۔'' صاحب نے کہا۔ ''کم سے کم ایک ہفتے کا ٹرپ ہے، زیادہ دن بھی لگ سکتے ہیں۔''

شاہ نور جھجکا پھر اس نے پوچھا۔ ''صاحب جانا کہاں ہے اور مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

''ہمیں سیاہ بڑے بچھوؤں کی تلاش ہے۔''

شاہ نور چونکا۔ پچھلے کچھ عرصے میں سیاہ بچھوؤں کا تذکرہ بہت سننے میں آ رہا تھا۔ اس کے گاؤں میں بھی کئی پارٹیاں آئی تھیں اور وہ مقامی لوگوں کو ساتھ لے کر سیاہ بچھوؤں کی تلاش میں نکل تھیں مگر ان کو خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بہت مشکل سے انہیں کچھ بچھو ملے تھے اور وہ بھی بچھو نے ساتھ لے گئے۔ شاہ نور کو ایک بار باقو نے بتایا کہ شہروں میں یہ بچھو بہت مہنگے بک رہے تھے۔ لاکھوں میں جا رہے تھے مگر اسے یقین نہیں آیا۔ ٹھیک ہے سیاہ بچھو بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کا زہر بعض دواؤں میں استعمال ہوتا ہے اور ایک بچھو ہزاروں میں بکتا تھا۔ مگر لاکھوں والی بات شاہ نور کو ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اب صاحب نے کہا تو اسے باپ کی بات یاد آ گئی اور اس نے کہا۔ ''صاحب آپ مالک ہو، مرضی سے آئے ہو لیکن یہاں سیاہ بچھو بہت کم اور بہت مشکل سے ملتا ہے۔''

''ہم یہاں کوشش کرنے آئے ہیں۔'' صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کوشش میں کامیابی اور ناکامی دونوں ہوتی ہے اس لیے تم فکر مت کرو۔''

شاہ نور کو فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ تو خوش تھا کہ کم سے کم سات ہزار کی آمدنی کا امکان ہو گیا تھا اور ہو سکتا تھا کہ اس سے زیادہ ہی رقم مل جاتی۔ اس نے پانی کے کین بھرے اور واپس چلا گیا۔ ستارہ اسے دیکھ رہی تھی۔ یارو اب ان سے کچھ دور تھا۔ ستارہ نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ لڑکا مجھے اچھا لگا ہے۔''

آدمی کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ آ گئی۔ ''تمہیں تو ہر خوش شکل مرد اچھا لگتا ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک میں بھی تمہیں اچھا لگتا تھا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

سحار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ ''جمشید مت بھولو کہ تم میری وجہ سے اس مقام پر ہو۔''

جمشید کے چہرے کا رنگ بدلا مگر پھر اس نے کچھ کہا نہیں اور اشارے سے یارو کو بلا کر کیمپ لگانے کا حکم دیا۔ فوراً ہی گاڑیوں پر لدے خیمے اور دوسرا سامان اتارا جانے لگا۔ ڈرائیوروں کے ساتھ ایک باورچی تھا جو ان کے لیے کھانا بناتا۔ سورج ڈوبنے سے پہلے کنوئیں سے ذرا دور خیموں پر مشتمل ایک چھوٹا سا کیمپ لگ گیا... اور باورچی رات کا کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگا۔ کھانا انہوں نے جلدی کھا لیا تھا۔ یہاں کھلی جگہ سونا مناسب نہیں تھا اس لیے جمشید اور سحار کے لیے دو الگ الگ خیمے تھے۔ یارو اپنے گھر چلا گیا تھا۔ ملازمین کے لیے ایک خیمہ تھا مگر ان میں سے ایک جاگ کر پہرا دیتا۔ رات بھر باری باری سب جاگ کر پہرا دیتے۔ صبح پانچ بجے کے قریب جمشید کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ سحار خیمے میں نہیں تھی۔ اس نے اپنے خیمے کی زپ کھول اور باہر دیکھا۔ سحار واقعی خیمے میں نہیں تھی۔ اس کے جوتے بھی غائب تھے، وہ باہر کہیں گئی تھی حالانکہ یارو نے منع کیا تھا کہ رات کے وقت یہاں باہر نہ نکلا جائے کیونکہ سانپ کثرت سے نکلتے تھے اور وہ بہت زہریلے تھے۔ جمشید نے گہری سانس لی۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے اپنے خیمے کی زپ بند کر لی ابھی صبح ہونے میں کچھ وقت تھا۔

سحار رات کی تاریکی میں ایک قریبی ٹیلے تک گئی تھی۔ اس کے پاس ٹارچ اور پانی کی بوتل تھی۔ ٹیلا ان کے کیمپ سے کوئی سو گز دور تھا۔ وہ جس کام سے گئی تھی وہ صرف تاریکی میں ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے فل لانگ بوٹ پہن رکھے تھے اور بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے باوجود جب اس کا جوتا سانپ پر آ گیا تب اسے علم ہوا تھا۔ اس نے جوتا واپس نہیں اٹھایا اور ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ جوتا سانپ کے جسم کے وسط میں تھا اور اس نے گھوم کر اسے ڈسنے کی کوشش کی تھی اور اب بھی لیدر شوز سے چمٹا ہوا تھا مگر اس کے دانت سخت چمڑے میں گھسنے سے قاصر تھے۔ خلاف توقع وہ خوفزدہ ہونے کے بجائے مسکرائی۔ سفید اور سرمئی رنگ کا یہ سانپ خاصا بڑا تھا۔ اس کی لمبائی کم سے کم بھی چار فٹ تھی اور اسی لحاظ سے یہ زہریلا بھی ہو سکتا تھا۔ سحار نے اچانک ٹارچ اس کے سر پر ماری اور سانپ چکرا گیا۔ وہ بے دم ہو کر ڈھیلا پڑا تو سحار نے ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی۔ وہ اسے اسی طرح اپنے خیمے لائی اور ایک تھیلے میں ڈال کر سکون سے سو گئی۔

☆ ☆ ☆

شاہ نور نے ماں کو بتایا کہ ایک مقامی صاحب بڑے سیاہ بچھوؤں کی تلاش کے لیے اسے لے جا رہا ہے تو وہ فکر مند ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ''تیرا بابا جس کے ساتھ گیا ہے وہ بھی اسے اسی لیے لے گیا ہے اور تجھے معلوم ہے تیرے بابا کو ایک جگہ کا علم ہے جہاں بڑے سیاہ بچھو ملتے ہیں۔ پر وہاں جانا بہت دشوار کام ہے۔''

شاہ نور حیران ہوا۔ ''بابا کسی ایسی جگہ سے واقف ہے۔''

''تو بھول رہا ہے وہ تجھے بھی لے جا چکا ہے، تجھے کُتے کے سر والی چوٹی یاد ہے۔''

اب شاہ نور کو یاد آ گیا۔ وہ چار سال پہلے بانور کے ساتھ گیا تھا۔ بیر کھر کا اوپری سلسلہ تھا یہاں تیز ہوا نے ایک چوٹی کو تراش کر ایسی شکل دے دی تھی جیسے کوئی کتا منہ اوپر کر کے کھڑا ہو۔ بانور نے اسے بتایا تھا کہ اس چوٹی کی طرف جانا بہت مشکل اور خطرناک تھا۔ اس وقت اس نے شاہ نور کو نہیں بتایا تھا کہ اس طرف جانا کیوں خطرناک تھا۔ شاہ نور نے ماں سے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے بابا تمہیں آ کر ایک ایک بات بتاتا ہے۔''

''میرے لیے بتاتا ہے۔'' ماں بولی۔ ''اس کا کہنا ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تجھے یہ سب بتاؤں۔ ہماری تو روٹی روزی اسی سے ہوتی ہے۔''

شاہ نور سوچ میں پڑ گیا۔ اگر یہ صاحب اسی طرف جا رہا تھا تو اس کا مطلب تھا اسے کسی طرح سے کُتے کے سر والی چوٹی کا پتا چل گیا تھا۔ بانور کے مطابق بڑے سیاہ بچھو اسی طرف ملتے تھے۔ اس نے رات کو ہی ماں کو اپنی خالہ کے گھر پہنچا دیا تھا۔ البتہ اس کے لیے پانی کا بندوبست کرنا تھا۔ وہ صبح سویرے کین لے کر کنوئیں پر پہنچا تو وہاں رانی موجود تھی۔ وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ سامنے آ گئی۔ شاہ نور اسے دیکھ کر چونکا۔ ''رانی تو اس وقت اکیلے؟''

''میں تجھ سے بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ بولی۔

''ایسی کیا بات کرے گی؟''

''شاہ نور تو اس عورت کے ساتھ جا رہا ہے؟'' رانی نے سوال کیا تو وہ چونکا۔

''تو میم صاحب کی بات کر رہی ہے۔''

''ہاں جب تو کل ان لوگوں سے بات کر رہا تھا تو میں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

یہاں اپنی سکھیوں کے ساتھ پانی لینے آئی تھی۔ شاہ نور وہ عورت تجھے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔''

یہ تو شاہ نور نے بھی محسوس کیا تھا مگر اس نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس نے رانی کو تسلی دی۔ ''کوئی عورت مجھے کتنی ہی عجیب نظروں سے کیوں نہ دیکھے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے۔''

مگر رانی روہانسی ہو رہی تھی۔ ''شاہ نور تو مرد ہے عورتوں کے چلتر نہیں جانتا، مجھے ڈر لگ رہا ہے تو اس کے ساتھ دور ویرانے میں جا رہا ہے۔''

''رانی میں اس کے ساتھ اکیلے نہیں جا رہا۔'' شاہ نور نے اسے سمجھایا۔ ''ہمارے ساتھ پانچ لوگ اور بھی ہیں۔''

رانی کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اچانک شاہ نور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''شاہ نور میری قسم کھا تو اس کے جال میں نہیں آئے گا۔''

''اگر تیری تسلی قسم کھانے سے ہو سکتی ہے تو میں کھا لیتا ہوں پر رانی اصل قسم تو وہ محبت ہے جو میں صرف تجھ سے کرتا ہوں اور تیری جو جگہ میرے دل میں ہے اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔''

رانی کی کسی قدر تسلی ہوئی اور وہ مسکرا دی۔ شاہ نور کو ایسا لگا کہ جیسے بہت تیز بارش کے بعد اچانک بجلی کی دھوپ نکل آئی ہو۔ جب سورج نے مشرق سے سر نکالا تو وہ چونک گئے۔ رانی جلدی سے چلی گئی اور شاہ نور اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اسے علم نہیں تھا کہ کیمپ کی طرف سے دو آنکھیں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں اور ان آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ رانی نظروں سے اوجھل ہوئی تو شاہ نور نے گہری سانس لی۔ اب وہ اپنے باپ کے بارے میں سوچ رہا تھا آخر اس نے اسے کیوں نہیں بتایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

☆☆☆

باتور چھوٹے قد اور چھریرے جسم کا جفاکش آدمی تھا۔ کبھی وہ ان دشوار گزار پہاڑی راستوں پر یوں آرام سے چلتا تھا جیسے اپنے گاؤں کی گلیوں میں چل رہا ہو۔ اس سے ذرا پیچھے ادھیڑ عمر سفید فام ایک ہٹریک تھا۔ اس کا تعلق جرمنی سے تھا۔ اس کے آدمی نے باتور سے رابطہ کیا اور اسے مائیکل مین کا حوالہ دیا۔ مائیکل مین ایک ٹریکر تھا اور اس نے باتور کے ساتھ کئی سال پہلے کیرتھر کے چوڑے ریگستان کی ٹریکنگ کی تھی۔ وہ صرف باتور اور ایک خچر کے ساتھ سفر کرتا رہا تھا۔ ایک مہینے تک ساتھ رہنے کے بعد باتور اور مائیکل میں بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ مائیکل کو اردو آتی تھی اور سندھی اسے باتور نے سکھائی تھی۔ آج برسوں بعد مائیکل کے حوالے سے ایک ہٹریک نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ باتور راضی ہو گیا۔ اس نے شروع میں نہیں بتایا تھا کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے لیکن روانگی سے ایک رات پہلے اس نے باتور کو بتایا۔ ''مجھے سیاہ بچھوؤں کی تلاش ہے۔''

باتور نے محسوس کیا کہ ایلک اچھا آدمی ہے۔ وہ مہذب اور خاموش طبع شخص تھا۔ جب انہوں نے سفر کا آغاز کیا تو وہ باتور سے گھل مل کر رہتا تھا۔ باتور گائیڈ تھا اور دوسرا فرد پچن دوسرے کاموں کے لیے تھا۔ سفر کی پہلی رات ایلک اور باتور الاؤ کے پاس بیٹھے تھے۔ پچن سونے جا چکا تھا۔ ایلک کسی قدر اردو سمجھتا تھا۔ باتور نے پوچھا۔ ''صاحب سیاہ بچھو کا کیا کرتے ہے؟''

''تم نے کینسر کے مرض کا سنا ہے؟''

''ہاں صاحب، سنا ہے خدا کا قہر ہے جس کو لگ جائے وہ بچتا نہیں ہے۔''

ایلک نے سر ہلایا۔ ''بہت سے لوگ مر جاتے ہیں اور بہت بچ جاتے ہیں۔ اس کے علاج پر بہت پیسا لگتا ہے۔ اب اس کی ایک نئی دوائی ہے جس سے آدمی کے بچنے کا امکان بڑھ گیا ہے۔ سیاہ بچھو کا زہر اسی دوا کے لیے چاہیے۔''

باتور نے سر ہلایا۔ ''یہ تو اچھا ہے صاحب کہ بندہ بچ جاتا ہے، ادھر ہمارے علاقے میں جس کو کینسر ہو وہ ادھر ہی مر جاتا ہے ادھر کینسر کا کوئی علاج نہیں ہے۔''

ایلک نے کہا۔ ''میں سائنس داں ہوں اور کینسر کے علاج کے لیے دوا بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پچھلے دنوں تحقیق سے پتا چلا کہ برصغیر میں پائے جانے والے سیاہ بڑے بچھو کے زہر میں ایسی خاص بات ہے جو کینسر کے مرض کو ختم کر سکتی ہے۔''

باتور نے سر ہلایا۔ ''اسی لیے باہر سے اتنا لوگ آ رہا ہے۔''

ایلک چونکا۔ ''تم جانتے ہو؟''

''بہت صاحب، میں نے سنا ہے ادھر کیرتھر کے ساتھ صحرائے تھر میں بھی باہر کا لوگ آیا ہوا ہے، وہ مقامی لوگ کے ساتھ مل کر سیاہ بچھو تلاش کر رہا ہے۔''

ایلک نے نفرت سے کہا۔ ''یہ سب ملٹی نیشنل کمپنیوں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کے لوگ ہیں، وہ دوا بنا کر منہ مانگے داموں بیچنا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس پیسا ہے اور یہ بعد میں اس سے زیادہ کما لیں گے جتنا ابھی لگا رہے ہیں۔''

''صاحب آپ بھی تو دوا بنانے کے لیے بچھو چاہتے ہو۔''

''ہاں لیکن میرا مقصد نفع کمانا نہیں، انسانوں کی خدمت کرنا ہے۔'' ایک نے الاؤ کو لکڑی سے کریدتے ہوئے کہا۔ وہ تین ہزار فٹ کی بلندی پر تھے اور یہاں گرما میں بھی رات خاصی سرد ہو جاتی تھی۔ ''دوسرے میں یہاں سے ڈھیر سارے بچھو نہیں لے جانا چاہتا، مجھے صرف ایک اچھا جوڑا چاہیے۔ میں اسے لے جا کر خود اس کی پرورش کروں گا اور پھر ان کی نسل سے ان کا زہر حاصل کروں گا۔ ایک دو بچھوؤں کے زہر سے کام نہیں چلے گا اس کے لیے بہت سے بچھو چاہئیں اور وہ صرف پال کر ہی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔''

''صاحب تبھی آپ نے مجھ سے رابطہ کیا؟''

''ہاں تم نے مائیکل کو بتایا تھا کہ تم کسی جگہ سے واقف ہو جہاں سیاہ بچھو بڑی تعداد میں دستیاب ہیں۔''

''جانتا ہوں صاحب پر وہاں جانا بہت مشکل ہے اور خطرناک بھی ہے، ادھر بچھو بہت زیادہ ہے اور کبھی بھی آپ کو ڈنک مار سکتا ہے، ایک بار کسی آدمی کو ڈنک مار دے تو صاحب وہ دس پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتا ہے۔''

ایک حیران ہوا۔ ''اتنا زہریلا ہوتا ہے۔ میں نے افریقا میں پائے جانے والے زرد بچھو کو بھی دیکھا ہے اس کا زہر خطرناک ہوتا ہے لیکن آدمی بچ جاتا ہے۔''

''ادھر کے بچھو کا کاٹا نہیں بچتا صاحب۔'' بانور نے کسی قدر فخر سے کہا۔ ''صاحب بچھو ادھر ویرانے میں ہوتا ہے۔ آبادی سے دور رہتا ہے اس لیے بہت کم کسی کو ڈنک مارتا ہے۔''

''تم مجھے اس جگہ لے جاؤ گے جہاں بچھو ملتا ہے؟''

''کیوں نہیں صاحب۔'' بانور نے جواب دیا اور کھڑا ہو گیا۔ ''آپ اچھا کام کر رہا ہے تو آپ کا ساتھ دے گا۔''

ایک خوش ہو گیا اور وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ ''ٹھیک ہے صبح چلیں گے۔''

''آپ سو جاؤ صاحب میں جاگ رہا ہوں۔ جب میں سونے لگوں گا تو نکل کو جگا دوں گا۔''

وہ ایک لینڈ کروزر میں سفر کر رہے تھے۔ ایک خود ڈرائیو کرتا تھا۔ بانور اس کے ساتھ بیٹھا اسے گائیڈ کرتا تھا۔ جب وہ اگلی صبح روانہ ہوئے تو بانور کو شاہ نور کا خیال آیا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں آیا۔ وہ شاہ نور کو اس خطرناک جگہ نہیں لے جانا چاہتا تھا اس لیے اس نے شاہ نور کو بچھوؤں والی جگہ کے بارے میں بتایا بھی نہیں تھا۔ البتہ اپنی بیوی شہزادی کو بتایا تھا۔ دوپہر کے قریب وہ کھتے کے سرداں چوٹی کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں تک جیپ جا سکی انہوں نے جیپ پر سفر کیا۔ ایک جگہ جیپ کا راستہ ختم ہو گیا اور بانور نے نیچے اترتے ہوئے کہا۔ ''صاحب ادھر سے پیدل جانا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے، میں اور تم چلیں گے۔ نکل یہاں جیپ اور سامان کے ساتھ رہے گا۔''

ان کی ضرورت کا سامان مخصوص بیگوں میں پیک تھا۔ انہوں نے بیگ اپنی پشتوں پر لادے اور پیدل اوپر کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک نے جیپ اور سامان کی حفاظت کے لیے نکل کو وہیں چھوڑ دیا تھا۔ کھتے کے سرداں چوٹی بہت اونچی اور دور نہیں تھی مگر اس تک جانے کا راستہ بہت دشوار تھا۔ بانور آگے تھا اور راستہ تلاش کر رہا تھا۔ ایک اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر ایک طویل کھائی ان کی راہ میں حائل ہو گئی اب انہیں پہلے اسے عبور کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

سحار نے حیرت سے شاہ نور کی طرف دیکھا۔ ''تم ایسے ہی چلو گے؟''

شاہ نور سادہ شلوار قمیص میں تھا اور اس کے پیروں میں ربر شوز تھے۔ کچھ سامان ایک چھوٹے سے بیگ میں تھا۔ ''جی میم صاحب ایسے ہی چلے گا۔''

''تم پینٹ شرٹ نہیں پہنتے؟'' سحار اس کے قریب چلی آئی۔ حسب معمول اس نے بہت چست اور جسم کو نمایاں کرنے والا لباس پہنا ہوا تھا۔ شاہ نور کو گھبراہٹ سی ہوئی مگر اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

''نہیں میم صاحب... مجھے اپنا لباس اچھا لگتا ہے۔''

''اگر تم پینٹ شرٹ پہن لو اور یہ داڑھی صاف کر لو تو کوئی تمہیں گاؤں کا لڑکا نہیں مانے گا۔'' اس نے بے تکلفی سے شاہ نور کے رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ وہ خیموں کے پیچھے موجود تھے۔ ان کا سامان گاڑیوں پر لادا جا رہا تھا۔ اس بار شاہ نور جھینپ گیا۔

''میم صاحب، میں سامان رکھوا دوں۔''

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

"چھوڑو، اس کام کے لیے یہ لوگ ہیں۔" وہ بولی۔ "تم صرف میرے ساتھ رہو گے۔"

شاہ نور کو یاد آیا اسے اسی لیے ساتھ لیا گیا تھا اور یارو نے اس کا بہت برا منایا تھا مگر صاحب لوگ فیصلہ کر چکے تھے اس لیے وہ دم نہیں مار سکتا تھا البتہ جب اس کا شاہ نور سے سامنا ہوتا تو وہ اسے کینہ توز نظروں سے دیکھتا۔ شاہ نور کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ستارہ اس پر اتنی مہربان کیوں ہے۔ وہ رانی کا اندیشہ ماننے کو تیار نہیں تھا۔ وہ حقیقت پسند لڑکا تھا۔ اسے معلوم تھا وہ ایک معمولی دیہاتی ہے۔ وہ غریب ہے اور ستارہ نہ صرف بہت دولت مند بلکہ بہت ماڈرن بھی تھی۔ وہ صاف اردو بولتی تھی لیکن اس کے لہجے سے بھی بھی لگتا تھا کہ اردو اس کی اصل زبان نہیں ہے۔ اس کے نقوش اور بے باکی جو اصل میں اس کی فطرت تھی، وہ بھی مقامی حالات سے میل نہیں کھاتی تھی۔ مگر اب ستارہ اس کے قریب تھی اور جس طرح اس سے بات کر رہی تھی، اس سے رانی کا خدشہ درست ہی ثابت ہوتا دکھائی دے رہا تھا مگر اب بھی شاہ نور سمجھنے سے قاصر تھا کہ ستارہ اس کے قریب کیوں آرہی تھی۔

"ستارہ۔" جمشید کی آواز آئی تو وہ جلدی سے شاہ نور سے دور ہوگئی اور اس نے سکون کا سانس لیا۔ اسی لمحے جمشید نمودار ہوا اور اس نے چبھتی نظروں سے پہلے شاہ نور اور پھر ستارہ کو دیکھا مگر ستارہ اس سے بالکل بے پروا نظر آ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "سامان پیک ہو گیا؟"

"ہاں اور اب روانہ ہوتے ہیں۔ اگر تم فارغ ہو گئی ہو تو؟" جمشید نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ستارہ کا رنگ سرخ ہو گیا مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ جمشید حسب معمول سوٹ میں تھا حالانکہ موسم خاصا گرم ہو چلا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد وہ گاڑی میں سوار ہوئے تو اس کا اے سی آن تھا۔ یہ لگژری اور طاقتور انجن کی فور وہیل ڈرائیو تھی جو ایسے ہی راستوں کے لیے موزوں تھی۔ البتہ جس گاڑی میں شاہ نور دوسرے ملازموں کے ساتھ تھا وہ اے سی تو تھی مگر اس کا اے سی آن نہیں تھا۔ یہ فور وہیل ڈرائیو تھی مگر بہت لگژری نہیں تھی۔ شاہ نور کے علاوہ اس میں ڈرائیور، باورچی، یارو اور ایک آدمی اور تھا۔ اس کا تعلق اسی علاقے سے تھا مگر وہ ان کے گاؤں کا نہیں تھا۔ اسے یارو لایا تھا۔ یارو آگے ڈرائیور کے ساتھ تھا۔ گویا ان کے قافلے میں کل آٹھ افراد تھے۔ دوسری گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ صرف جمشید اور ستارہ تھے۔ پہاڑوں میں داخل ہونے کے بعد گاڑیوں کی رفتار سست ہو گئی اور وہ ناہموار پتھریلے راستوں پر اچھلنے کودنے لگی تھیں۔ پیدل کے مقابلے میں گاڑی میں یہ راستے زیادہ اذیت ناک تھے۔ کیونکہ جسم ایک لمحے کے لیے بھی ساکت نہیں ہو رہا تھا۔

دوپہر کے قریب وہ ایک چشمے کے پاس رکے جہاں مویشی چرانے والے اپنے جانوروں کو پانی پلانے آتے تھے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ جمشید نے رک کر وہیں لنچ کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ایک صاف ستھری جگہ تلاش کر کے وہاں چھتری لگوالی۔ سامنے سبز لینڈ اسکیپ کا منظر بہت خوب صورت تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی وسیع و عریض تصویر سجا دی گئی ہو۔ جمشید اور ستارہ کے لیے لنچ کی ٹیبل سجائی گئی اور انہیں روٹی پر کباب رکھ کر پکڑا دیے گئے۔ کباب باورچی نے ناشتے میں تل لیے تھے۔ شاہ نور ایک پتھر پر آ بیٹھا تھا۔ یہاں گرمی اس کے گاؤں کے مقابلے میں کم تھی اس لیے وہ خوش تھا۔ روٹی کباب کھا کر اس نے تالاب سے منہ ہاتھ دھویا۔ چشمے کا پانی وہ ساتھ لائے تھے۔ ایک گھنٹے بعد وہ دوبارہ روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے ستارہ ان کی طرف آئی اور اس نے اشارے سے شاہ نور کو ایک طرف بلایا۔ اس پر دوسرے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ شاہ نور انہیں نظر انداز کرتا ہوا ستارہ کی طرف بڑھا۔ وہ ایک دوربین لیے اور اپنی کمر کمان بناتے ہوئے شمال مغرب کی طرف چہرہ کیے دیکھ رہی تھی۔

"جی میم صاحب؟"

"شاہ نور، ادھر آؤ۔" ستارہ نے اسے اپنے پاس بلایا اور دوربین اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "وہ دیکھو میرے ہاتھ کی سیدھ میں۔"

ہاتھ کی سیدھ اس کی آنکھوں کے سامنے کرنے کے لیے وہ اس کے اتنے قریب آگئی کہ شاہ نور اس کے بدن کا گداز محسوس کرنے لگا۔ وہ کسمسایا اور بولا۔ "کیا دیکھوں میم صاحب؟"

"وہ پہاڑی جس کا اوپری حصہ اٹھائے گنبد جیسا نظر آرہا ہے۔"

شاہ نور جو سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے منظر دکھانے کے بہانے اس کے قریب آئی تھی، یک لخت اس کا جسم سرد پڑ گیا۔ طاقتور دوربین سے گنبد کے سر والی پہاڑی صاف دکھائی دے رہی تھی اگرچہ وہ اب بھی کوئی تیس پینتیس میل کے فاصلے پر تھے۔ ستارہ نے اسے ہلایا تو وہ چونکا اور جلدی سے بولا۔ "جی میم صاحب، نظر آ رہی ہے۔"

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''ہمیں آج شام تک وہاں جانا ہے۔'' سحار ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ اس نے شاہ نور سے دور بین لے لی۔

''مشکل ہے میم صاحب راستہ بہت مشکل اور بہت لمبا ہے۔ یوں سمجھو جیسی پہاڑی جتنی دور ہے اس سے تین گنا زیادہ سفر کرنا ہوگا تب ہم وہاں پہنچ سکیں گے۔''

''ہمیں آج ہی پہنچنا ہے۔'' سحار نے پھر فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''تمہیں اسی لیے ساتھ لیا ہے کہ تم ہماری رہنمائی کرو۔''

شاہ نور کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ ''میں پوری کوشش کروں گا میم صاحب۔''

''تمہیں کرنا ہوگا۔'' سحار نے پھر زور دے کر کہا۔

''میم صاحب ہمارے علاقے میں ایک کہاوت ہے کہ آدمی زمین میں بیج لگا کر اسے پانی دے سکتا ہے لیکن بیج سے پودا نکالنا اوپر والے کا کام ہے۔'' شاہ نور نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس دشوار ترین لینڈ اسکیپ میں سفر کر رہے تھے، اس بار شاہ نور والی گاڑی آگے تھی اور وہ ڈرائیور کو بتا رہا تھا کہ اسے کس راستے سے گزرنا ہے۔ بعض جگہوں پر اسے رک کر اور کسی بلند جگہ چڑھ کر آگے راستہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اس نے سحار کا دیا ہوا چیلنج قبول کر لیا تھا مگر ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے گنجے کے سر والی پہاڑی کا ذکر ہی کیوں کیا؟ سفر کے آغاز میں یارو اور اس کے ساتھی نے سحار کے حوالے سے طنزیہ گفتگو کی تھی لیکن شاہ نور نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بھی چپ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف جمشید اور سحار پیچھے رہ کر اس کی کارکردگی دیکھ رہے تھے۔ جمشید نے مسکرا کر کہا۔

''تم نے اسے اچھا کسا ہے۔''

جمشید حسب معمول سگار نوشی میں مصروف تھا۔ وہ کشادہ نشست پر آرام سے پھیل کر بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے سیٹ بیلٹس باندھ رکھی تھیں ورنہ اتنے آرام سے نہ بیٹھے ہوتے۔ سحار کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس نے کہا۔ ''یہ بہت اچھا لڑکا ہے۔''

''ہاں کیونکہ وہ تمہارے قابو میں نہیں آرہا۔''

جمشید کی بات پر سحار نے ناگواری سے کہا۔ ''خدا کے لیے کیا تم کوئی اور بات سوچ یا کر نہیں سکتے۔ ہم ایک مشن پر ہیں اور ہماری ساری توجہ کام پر ہونی چاہیے۔ میں جو کر رہی ہوں اس لیے کر رہی ہوں اس میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔''

وہ دونوں انگریزی میں بات کر رہے تھے اور جان بوجھ کر الفاظ اس طرح بگاڑ کر بول رہے تھے کہ ڈرائیور اگر کسی قدر انگریزی سمجھتا بھی ہو تو اسے بالکل سمجھ نہ آئے۔

جمشید نے سر ہلایا۔ ''میں تو کام پر توجہ دے رہا ہوں لیکن تمہاری توجہ اس لڑکے کی طرف کچھ زیادہ ہی ہے۔''

''ہاں ہے لیکن اس کی وجہ ہے اور جلد تم جان جاؤ گے کہ میں اس پر کیوں اتنی توجہ دے رہی ہوں۔''

جمشید بھی سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے برابر میں رکھی ایش ٹرے میں سگار بجھا کر رکھ دیا۔ ''جب تم نے اس سے گنجے کے سر والی پہاڑی کا ذکر کیا تو اس کا ردعمل کیا تھا؟''

''وہ چپ ہو گیا تھا۔ چہرے سے تو پتا نہیں چلا لیکن اس کا رویہ بدل گیا تھا۔''

جمشید نے سر ہلایا۔ ''اور جب تم نے اسے وہاں لے جانے کو کہا تو؟''

''اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ مشکل کا ذکر کیا مگر مزاحمت نہیں کی اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ پوری کوشش کر رہا ہے کہ ہمیں رات تک وہاں پہنچا دے۔''

جمشید مسکرانے لگا۔ ''میں نے سوچ لیا ہے، اس بار کامیابی کے بعد میں سنگاپور شفٹ ہو جاؤں گا۔''

''تمہاری مرضی ہوگی۔'' سحار نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

جمشید اس کے قریب سرکا۔ ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ساتھ...''

''وہ بات ختم ہو چکی ہے۔'' سحار نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''اب ہم صرف ورک پارٹنر ہیں۔''

جمشید پیچھے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تاریکی سی چھا گئی۔ اس کے بعد گاڑی کے اندر خاموشی چھا گئی بس انجن کے گنگنانے کی آواز تھی۔

☆☆☆

بانور نے اس گہری کھائی میں جھانکا جس کے کنارے انہوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ بہت عجیب سا اور تہ در تہ ڈھلانوں والا علاقہ تھا۔ ڈھلانیں نہ صرف گہری بلکہ بہت ترچھی تھیں، ان کی اکثر ساخت ہوا سے تراشی چٹانوں پر مشتمل تھی۔ یہ اتنی ہموار تھیں کہ ان پر قدم جمانے تک کی جگہ نہیں تھی۔ بہ مشکل انہیں ایک کسی قدر ہموار جگہ ملی اور وہاں انہوں نے اپنا کیمپ لگا لیا۔ ایک کے لیے اس کا مخصوص خیمہ تھا۔ جبکہ بانور کھلے میں رات گزارتا۔ یہاں رات ہوتے ہی خنکی ہو گئی تھی۔ آس پاس لکڑی نہیں تھی اگر وہ راستے سے لکڑی نہ لیتے تو انہیں یہاں الاؤ جلانے کے لیے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

لکڑی نہ ملتی۔ کھانا گرم کرنے اور چائے کافی کے لیے ان کے پاس ایک چھوٹا آئل اسٹوو تھا۔ باتور نے خیمے سے ہٹ کر الاؤ جلایا۔ یہاں ہوا تیز تھی اور امکان تھا کہ چنگاریاں اڑ کر خیمے پر نہ جا گریں۔ ایک نے ہوا اور خنکی دیکھتے ہوئے باتور سے کہا۔

''رات کو کمبل لے کر سونا۔''

''ٹھیک ہے صاحب۔'' باتور نے بے پروائی سے کہا۔ ''میں عادی ہوں، ادھر آگ کے پاس رہوں گا تو سردی نہیں لگے گی۔''

ایک کسی سوچ میں تھا۔ کھانے کے بعد وہ چائے نوشی کرتے ہوئے غیر متعلقہ باتیں کرتے رہے پھر ایک نے آہستہ سے باتور سے کہا۔ ''تمہیں یقین ہے بڑے سیاہ بچھو نہیں ملیں گے؟''

''صاحب یقین سے کیا کہہ سکتا ہے۔'' باتور نے اپنی چھوٹی سی داڑھی کھجائی۔ ''اس جگہ کا مجھے میرے باپ نے بتایا تھا۔ وہ ادھر آیا تھا، اس کی ایک بھیڑ کو سیاہ بچھو نے ڈنک مارا۔ اس کا زہر ایسا تھا کہ بھیڑ کا سارا جسم پانی کی طرح پگھل کر بہہ گیا صرف ڈھانچا رہ گیا۔ صاحب بہت خطرناک بچھو ہے۔''

ایک بھی کسی قدر خوفزدہ ہو گیا۔ ''بچھو ادھر نہیں آ سکتا؟''

''نہیں صاحب، وہ جو تم کہتے کا سرے نہ بچھو اس کی دوسری طرف ہوتا ہے، ادھر نہیں آتا۔''

''ادھر کیوں نہیں آتا؟''

''ابھی دیکھو صاحب چاند نکلے گا تو ایک چیز دکھائے گا۔''

چاند تقریباً آدھے گھنٹے بعد نکلا اور مزید آدھے گھنٹے بعد اس کی روشنی میں یہ پورا علاقہ روشنی اور سایوں سے بھر گیا تھا۔ بلندی سے یہ منظر بہت عجیب لگ رہا تھا۔ باتور نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''وہ دیکھو صاحب۔''

چاندنی میں نہائی ایک چٹان پر ایک عجیب سا چھپکلی، سانپ اور منہ سے گلہری نما جانور نظر آیا۔ یہ مشکل سے فٹ بھر لمبا تھا۔ ایک مضطرب ہو گیا۔ ''یہ کیا ہے؟''

''صاحب اسے ادھر ماشکو کہتے ہیں، بہت نایاب ہے۔ صاحب یہ بچھو کا جانی دشمن ہے، وہ نظر آ جائے تو اسے مارے بغیر نہیں چھوڑتا جیسے نیولا سانپ کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسے یہ بچھو کا دشمن ہوتا ہے۔''

''بچھو اسے ڈنک نہیں مارتا؟''

''مارتا ہے صاحب، کبھی کبھی لڑائی میں یہ بھی مارا جاتا ہے پر اکثر بچھو کو مرنا پڑتا ہے۔ یہ بچھو سے لڑائی کا ماہر ہے۔ یہ پہاڑی کے اس طرف ہے اس لیے ادھر سے بچھو اس طرف نہیں آتا ہے۔''

غالباً ایک کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ معمولی سا جانور ایسے بچھوؤں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو ایک بھیڑ کو ڈنک ماردیں تو وہ پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔ اچانک ہی چٹان پر آرام سے بیٹھا جانور چونکا اور پھر اتنی تیزی سے حرکت میں آیا کہ یقین کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اتنی پھرتی سے حرکت کر سکتا ہے۔ اس نے چٹانوں سے چھلانگ لگاتے ہوئے اوپر کا رخ کیا۔ باتور مضطرب انداز میں بولا۔ ''صاحب اسے بچھو کا بو آ گیا ہے صرف بچھو کی خاطر یہ اس طرح سے حرکت کر سکتا ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔''

انہوں نے ٹارچ لیں اور تیزی سے اس طرف بڑھے۔ جانور کے برعکس انہیں اوپر جانے کے لیے خاصی کوشش کرنا پڑی تھی کیونکہ وہ چٹانوں میں نہیں چھلانگ سکتے تھے۔ جب وہ اس چٹان تک پہنچے تو جانور اپنا کام کر چکا تھا۔ ایک خاصے بڑے سائز کا بچھو اس نے دونوں اگلے پنجوں میں دبا رکھا تھا اور اب اسے کتر کتر کر کھا رہا تھا اس کا ڈنک وہ پہلے ہی الگ کر کے پھینک چکا تھا۔ ایک نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ ''میرے خدا اس نے اتنا قیمتی بچھو مار دیا۔''

باتور نے آہستہ سے کہا۔ ''صاحب اسے کیا پتا کہ یہ کتنا قیمتی ہے اسے تو مارنے اور پھر کھانے سے مطلب ہے۔ آپ اسے بچھو کے بدلے ساری دنیا کا دولت دے دو تب بھی اس کے لیے بے کار ہے۔''

ایک خود پر قابو پا رہا تھا۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' پھر وہ چونکا۔ ''لیکن تم نے تو کہا تھا کہ بچھو اس طرف نہیں آتے؟''

''صاحب کیا کہہ سکتا ہے، کیڑا ہے بھٹک کر آ گیا ہوگا ویسے ادھر ایک آدھ ہی آتا ہے اور وہ اسی طرح مارا جاتا ہے، ادھر ماشکو بہت ہے بچھو ان سے بچ نہیں سکتا۔''

وہ واپس آئے اور ایک سونے کے لیے خیمے میں چلا گیا۔ اس کا خیمہ ہر قسم کے کیڑوں مکوڑوں اور چھوٹے جانوروں سے محفوظ تھا، اس میں باریک ترین کیڑے بھی نہیں گھس سکتے تھے۔ اس لیے وہ بے فکر تھا البتہ باتور کھلے میں قطعی غیر محفوظ تھا۔ وہ صرف ہوشیار ہی رہ سکتا تھا۔ رات کے دوسرے پہر باتور نے الاؤ کے پاس خود کو چادر میں لپیٹا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

اور سو گیا۔

☆☆☆

شاہ نور کا تھکن سے برا حال تھا۔ کوئی دو دو رجتن بار اس نے گاڑی سے اتر کر کسی بلند جگہ چڑھ کر راستہ دیکھا تھا۔ غلط راستہ اختیار کرنے کا مطلب تھا کہ سفر طویل ہوگا اور وقت زیادہ لگے گا اس لیے وہ اسی وقت آگے بڑھتا جب اسے راستے کا یقین ہو جاتا۔ شام جب سورج ڈوبنے کو تھا تو وہ کتے کے سر والی پہاڑی سے کچھ ہی دور رہ گئے تھے۔ شاہ نور خوش تھا کہ اس نے سحار کا چیلنج پورا کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رات ہونے کے باوجود وہ پہاڑی کے نیچے والی ڈھلان تک تو پہنچ سکتے۔ چوٹی ابھی بہت دور تھی اور وہاں تک جانے کے لیے پورے ایک دن کا پیدل سفر تھا۔ مگر اچانک جمشید نے سفر روک دیا اور اس نے یہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ شاہ نور ان کے پاس چلا آیا۔ ”صاحب اب تو تھوڑا سفر رہ گیا ہے رات میں بھی ادھر ڈھلان تک پہنچ جائے گا۔ اس سے آگے پیدل جا سکتا ہے۔“

”ہم یہیں رات گزاریں گے۔“ جمشید نے خشک لہجے میں کہا۔

”جیسا صاحب کی مرضی۔“ شاہ نور نے کہا اور واپس پلٹ گیا۔ یارو اور اس کا ساتھی سامان اتار رہے تھے۔ ڈرائیور گاڑیوں کا معائنہ اور ان کا تیل پانی چیک کر رہے تھے۔ ان کے پاس دونوں گاڑیوں کے لیے خاصا ایندھن تھا اور وہ آسانی واپس کراچی تک جا سکتے تھے۔ فیاض نے اپنا کچن سجایا اور رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گیا۔ ان کے پاس تازہ خوراک کے علاوہ ٹن پیک اشیا بھی تھیں۔ فیاض نے ٹن سے قیمہ نکال کر پکنے کے لیے چڑھایا تو اس ویرانے میں اس کی خوشبو پھیل گئی۔ وقت گزاری کے لیے اس نے پہلے چائے کے ساتھ بسکٹ پیش کیے کیونکہ سب کا بھوک سے برا حال تھا۔ شاہ نور کچھ دیر بیٹھا رہا پھر فیاض کے پاس آیا۔ ”میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟“

وہ خوش ہو گیا۔ ”ہاں تم چیزیں پہنچاؤ، میں اٹھتا ہوں تو ادھر ہانڈی میں مسئلہ ہوتا ہے۔“

شاہ نور اس کی ہدایت کے مطابق دوسروں کو کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرنے لگا۔ گرمی سے بچنے کے لیے وہ راستے میں انرجائل پیتے رہے۔ یہاں بھی آتے ہی فیاض نے انرجائل کا بڑا سا جگ بنا کر سب کو دیا اور وہ تازہ دم ہو گئے۔ شاہ نور نے ٹرے میں چائے اور ریفریشمنٹ کا سامان جمشید اور سحار کے سامنے رکھا۔ سحار بولی۔ ”تم تھکے نہیں... آج تم نے تقریباً پیدل بھی اتنا ہی فاصلہ طے کیا ہے۔“

”نہیں میم صاحب! یہ ہمارا کام ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”یہ پہاڑی یہاں سے کتنی دور ہوگی؟“ جمشید نے دور کتے کے سر والی پہاڑی کے ہیولے کی طرف اشارہ کیا۔

”صاحب اگر اس کے دامن تک چلے جاتے تو پھر پیدل ایک دن کا سفر ہے، اب پہلے اس کے دامن تک جانا ہوگا۔ گاڑی اور پیدل دونوں صورتوں میں ایک ڈیڑھ گھنٹے سفر کرنا پڑے گا۔“

”کیا یہاں کوئی اور پارٹی بھی آئی ہے؟“ سحار نے اچانک پوچھا تو شاہ نور چونکا تھا پھر اس نے جلدی سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے صاحب، ادھر لوگ آتا رہتا ہے کبھی کبھی شکاری بھی آ جاتا ہے جنگلی بھینسا مارنے کے لیے۔“

”ہم بچھوؤں کے شکاریوں کی بات کر رہے ہیں۔“ جمشید نے سرد لہجے میں کہا۔ ”یارو بتا رہا تھا تمہارا باپ بھی کسی غیر ملکی کے ساتھ ادھر آیا ہے؟“

”ہاں لیکن وہ اس طرف نہیں آیا ہے اور بچھو کے لیے نہیں آیا ہے۔“

”تم کیسے کہہ سکتے ہو؟“ سحار نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے وہ اصل میں بچھوؤں کی تلاش میں ادھر آیا ہو۔“

”مجھے بابا نے جو بتایا تھا، وہ میں بتا رہا ہوں۔“ شاہ نور نے سادگی سے کہا۔ وہ دونوں اسے بغور دیکھ رہے تھے مگر اس کے چہرے سے اندازہ نہیں کر سکے تھے۔

”ہو سکتا ہے تمہارے باپ نے تم کو نہ بتایا ہو؟“

”صاحب میں جو جانتا ہوں آپ کو بتا دیا، اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو بولو۔“

سحار جلدی سے بولی۔ ”نہیں... نہیں کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم جاؤ آرام کرو اور کھانا کھاؤ۔“

شاہ نور کے جانے کے بعد وہ دونوں چائے اور دوسری چیزیں لینے لگے۔ سحار نے آہستہ سے کہا۔ ”تم کچھ زیادہ ہی تیزی دکھا رہے ہو۔“

”تیزی دکھانی پڑے گی، ہم اس علاقے کے پاس ہیں اور اگر دیر ہوئی تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”نہیں نکلے گا۔“ سحار نے اعتماد سے کہا۔ ”لیکن ہمیں ہر صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

”ہم تیار ہیں، میں نے یارو سے کہہ دیا ہے وہ جو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آدمی لایا ہے وہ بہت کام کا ہے۔"

"لیکن ہمیں اس پر ایک حد سے زیادہ بھروسا بھی نہیں کرنا چاہیے وہ بہت عیار آدمی ہے۔"

جمشید مسکرانے لگا۔ "کتنا ہی عیار کیوں نہ ہو ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

عین اس وقت یارو اور اس کا ساتھی قادر بخش سر جوڑے آپس میں بات کررہے تھے۔ انہوں نے خیمے لگا دیے تھے اور سامان اتار دیا تھا۔ قادر بخش متجسس تھا کہ وہ اسے کیوں لایا ہے۔ غالباً یارو نے اسے ساری بات نہیں بتائی تھی۔ اس وقت بھی وہ یارو کو گھیرے ہوئے تھا۔ اس نے کہا۔ "دیکھ یارو میرے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو تو جانتا ہے دھوکا کرنے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔" یارو نے اسے تسلی دی۔ "میں تجھے فائدے کے لیے ساتھ لایا ہوں۔ دیکھ ایک تو معاوضہ اچھا مل رہا ہے۔"

"اس سے زیادہ تو ایک بس سے مل جاتا ہے۔" قادر بخش نے حقارت سے کہا۔

"بات اس سے بھی آگے کی ہے۔"

"کتنے آگے کی، لاکھوں کی؟"

یارو کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "کروڑوں کی...."

قادر بخش کی آنکھیں پھیل گئیں، اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیا تو نے نشہ کر رکھا ہے۔ کروڑ کا مطلب سمجھتا ہے۔"

"سمجھتا ہوں تب ہی تو کہہ رہا ہوں۔" یارو نے کہا اور سرک کر اس کے پاس آیا۔ "قادر بخش تجھے بتا رہا ہوں وہ بس اپنے تک رکھنا۔ یہ بہت بڑا راز ہے اگر تیرے منہ سے نکل گیا تو سمجھ لے سب ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"ایسا کون سا راز ہے؟"

"نہیں پہلے تو لعل سائیں کی قسم کھا کہ کسی سے نہیں کہے گا اور میرے ساتھ دھوکا بھی نہیں کرے گا۔"

یارو سے تعلق سے زیادہ تجسس نے قادر بخش کو مجبور کر دیا کہ وہ قسم کھالے۔ تب یارو اسے سرگوشی میں بتانے لگا اور جیسے جیسے وہ بتا رہا تھا قادر بخش کی آنکھیں پھیل رہی تھیں، ان میں شک کی جگہ لالچ اور حرص کا رنگ نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی یارو نے بات ختم کی فیاض نے سب کو کھانے کے لیے آواز دی، وہ اٹھ کر اس طرف بڑھ گئے۔ کھانا سب نے ایک ہی جگہ کھایا۔ سجاد اور جمشید کے خیمے ایک طرف تھے جبکہ ملازموں کے لیے ایک ہی بڑا خیمہ لگایا گیا تھا۔

کھانے کے بعد کچن کا سامان سمیٹ کر گاڑی پر بار کر دیا کہ رات میں جانور ان کے راشن کو نقصان نہ پہنچائیں۔ ایک وقت میں دو آدمی جاگتے رہتے اور پہرا دیتے۔ تمام چیزوں سے مطمئن ہو کر سجاد اور جمشید سونے کے لیے چلے گئے۔ شاہ نور بھی الاؤ کے پاس لیٹ گیا، اسے اطمینان تھا کہ الاؤ کی وجہ سے سانپ بچھو اس طرف نہیں آئیں گے۔ ایسے میں اچانک اسے خیال آیا کہ سانپ بچھو زیادہ خطرناک ہوتے ہیں یا انسان؟

☆☆☆

بانور اٹھ گیا تھا اور خیمہ پیک کر رہا تھا۔ الیک ایک طرف بیٹھا ہوا آئینہ سامنے رکھے شیو کر رہا تھا۔ سامان باندھ کر بانور نے ناشتا بنایا اور پھر ان دونوں نے ناشتا کیا۔ ناشتے کے بعد الیک نے بانور سے پوچھا۔ "اب ہمیں کس طرف جانا ہے؟"

"اس طرف صاحب۔" بانور نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "پر یہ سامان ادھر ہی رہے گا۔"

بانور نے صرف ضرورت کا سامان لیا تھا جس میں کھانا پانی اور دواؤں کا بیگ شامل تھا اور یہ سب ایک بیگ میں تھا۔ ایک مکمل تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے لباس پہنا اور جوتے پہن کر تیار ہو گیا۔ اس نے اپنی پشت پر ایک بیگ باندھ لیا، بانور نہیں جانتا تھا کہ اس بیگ میں کیا ہے۔ اس نے روانگی سے پہلے الیک سے کہا۔ "شام سے پہلے واپس آنا ہوگا ادھر رات بہت خطرناک ہوتا ہے۔ بچھو رات کو باہر آتا ہے۔"

الیک جانتا تھا کہ اکثر جانداروں کی طرح بچھو بھی رات کے وقت سرگرم ہوتے ہیں۔ "کیا ہم وہاں جا کر شام تک واپس آسکتے ہیں؟"

"ہاں صاحب لیکن رکے بغیر سفر کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" الیک نے کہا اور وہ ایک طویل گھومتی ہوئی دیوار پر چلتے ہوئے تختے کے سر والی چوٹی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس طرف جانے کا یہ واحد راستہ تھا۔ تختے کے سر والی چوٹی اس جگہ سے نصف کلومیٹر دور بھی نہیں تھی مگر اس تک جانا بہت مشکل تھا۔ راستے بہت خطرناک اور گھومے ہوئے تھے۔ وہ جس دیوار پر چل رہے تھے وہ ایک کلومیٹر سے زیادہ طویل تھی اور اس پر انہیں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا کیونکہ اس کے دونوں طرف کھائی تھی، ذرا سا بھٹکا ہوا قدم انہیں کئی سوفٹ کی گہرائی میں پہنچا سکتا تھا۔ کئی ایک مقامات پر انہیں چاروں ہاتھوں پیروں سے چلنا

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

پڑتا تھا۔ دو گھنٹے میں وہ بہ مشکل اس کا نصف حصہ طے کر سکے تھے۔ ایک مناسب جگہ آرام کے لیے بیٹھتے ہوئے ایک نے ہانپتے اور ماتھے سے پسینا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اب سمجھ میں آیا کہ یہ جگہ اتنی محفوظ کیوں ہے کیونکہ کوئی یہاں تک آ ہی نہیں سکتا۔"

"بالکل صاحب مقامی لوگ بھی ادھر نہیں آتے، ادھر جانوروں کو کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور نہ ہی راستہ ہے۔"

"تب تمہارا دادا کیسے آیا تھا؟"

"صاحب وہ چوٹی کے دوسری طرف جانے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کیونکہ اس طرف چارا بہت ملتا ہے۔ اسے راستہ نہیں ملا، پھول مل گیا۔"

"کیا ہم شام تک واپس آ جائیں گے۔" ایک نے گھٹنے کے سر والی پہاڑی کی طرف دیکھا۔

"کوشش کرے گا صاحب۔" بانور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب چلو صاحب۔"

ایک بادلِ ناخواستہ اٹھا تھا۔ اس کی تھکن کم نہیں ہوئی تھی مگر آگے چلنا تھا وہ یہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک بار پھر وہ اس دیوار پر سفر کرنے لگے۔ جیسے جیسے وہ آگے جا رہے تھے، راستہ خطرناک اور کمیاب ہو رہا تھا۔ دو مقامات پر دیوار کا ٹوٹ جانے والا ٹکڑا انہوں نے جیسے تیسے عبور کیا تھا۔ اگر بانور ساتھ نہ ہوتا تو ایک بھی اس جگہ سے نہیں گزر سکتا تھا اس نے اعتراف بھی کیا۔ "اگر تم نہ ہوتے تو میں یہیں سے واپس چلا جاتا، بے شک سامنے مجھے منظر یہ نیچے نظر آ رہے ہوتے۔"

بانور نے انکساری سے کہا۔ "نہیں صاحب تم نے بھی ہمت کیا، ہم نے تو صرف مدد کیا۔"

خدا خدا کر کے یہ اذیت ناک سفر ختم ہوا مگر جہاں ختم ہوا وہاں صرف ایک سیدھی ڈھلان اوپر جا رہی تھی اور یہ اتنی ہموار تھی کہ اس پر قدم رکھنا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ ایک کا تھکن سے برا حال تھا اور وہ ہموار جگہ پہنچتے ہی ڈھیر ہو گیا۔ بانور نے اسے انرجی ڈرنک نکال کر پلائی تو اس کے حواس ٹھکانے آئے اور اس نے تشویش سے کہا۔ "ہم اس پر کیسے چڑھیں گے؟"

"صاحب چھپکلی کی طرح۔" بانور نے کہا اور عملی مظاہرہ کر کے دکھایا۔ مگر ایک اس طرح جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بانور سے کہا۔

"تم اوپر جا کر کہیں رسی باندھو، میں اس کی مدد سے آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" بانور نے کہا اور سچ مچ چھپکلی کی طرح چاروں ہاتھوں پاؤں سے اس ڈھلان پر چڑھنے لگا۔ ایک جہاں کھڑا تھا وہاں سے یہ ڈھلان بہت خطرناک لگ رہی تھی مگر بانور جس طرح جا رہا تھا، اس سے واضح تھا کہ یہ قابلِ گزر ہے۔ پھر بھی ایک خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ بانور نے یہ سو گز کی ڈھلان عبور کی اور اب وہ گھٹنے کے سر والی چوٹی کے عین نیچے تھا۔ وہاں اس نے ایک مناسب جگہ کیل ٹھونک کر اس سے رسی باندھی اور اس کا گچھا نیچے اچھال دیا۔ ایک نے رسی اپنی کمر کی بیلٹ کے کلپ سے منسلک کی اور اوپر چڑھنے لگا۔ رسی کی مدد سے وہ زیادہ آسانی سے اوپر پہنچ گیا۔ مگر چوٹی کے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہوا بہت تیز تھی، صدیوں سے بہنے والے اس کے دھارے نے چوٹی کو تراش کر یہ شکل تو دی تھی ساتھ ہی اسے بالکل ہموار اور چکنا کر دیا تھا۔ یہاں بارش بہت کم ہوتی تھی اس لیے چٹانیں ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ تھیں۔ جب ایک نے سانس درست کر کے آس پاس دیکھا تو دور تک ایک ناقابلِ یقین منظر دکھائی دیا۔ ایک وسیع لینڈ اسکیپ جس میں ہر رنگ نمایاں تھا اور رنگوں کی لہریں تھیں جو پھیل رہی تھیں۔ ان میں کہیں کہیں نشیبی جگہوں پر سبز رنگ نمایاں تھا۔ یہ سبزہ تھا باقی تمام رنگ چٹانوں کے تھے۔

"میرے خدا! کتنا خوب صورت ہے۔" ایک نے کہا۔

"صاحب، اللہ کا دنیا بہت خوب صورت ہے، یہ تو ہم ہے جو اسے بدصورت کرتا ہے۔" بانور نے رسی سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اب چلو صاحب وقت کم ہے۔"

وقت کی کمی نے ایک کو فکر مند کر دیا۔ اس نے سر ہلایا۔ "لیکن ہم جائیں گے کیسے یہاں تو راستہ ہی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"راستہ ہے صاحب اِدھر آؤ۔" بانور ایک طرف بڑھا۔ اس نے رسی سمیٹ کر واپس بیگ میں ڈال لی تھی البتہ کیل اسی طرح گڑی رہنے دی، وہ واپسی میں ان کے کام آتی۔ یہاں ڈھلان بہت چکنی اور کسی سہارے کے بنا تھی اگر ان کا پاؤں پھسلتا تو بچنے کی گنجائش کم تھی۔ وہ چوٹی کی طرف جھکے جھکے چل رہے تھے۔ بانور کا رخ ذرا نیچے کی طرف تھا پھر اس نے ایک چٹے سے چھجے کی طرف اشارہ کیا جو چوٹی کے ساتھ چمٹ کر جا رہا تھا۔ "اس سے جائے گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ایک دہشت زدہ ہو گیا۔ ''یہ اتنا پتلا سا راستہ، اس سے کیسے گزریں گے؟''

''صاحب بس یہی راستہ ہے دوسری طرف جانے کا۔'' بانور نے کہا اور پھر اسے تسلی دی۔ ''صاحب بہت خطرناک نہیں ہے، میں اسی سے گیا تھا۔''

ایک نے پھیریرے بانور کو دیکھا۔ وہ خود تو مند آدمی تھا مگر جانا مجبوری تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، تم آگے چلو۔''

بانور نے پہلے چھجے پر قدم رکھا اور دیوار سے چپک کر آگے جانے لگا۔ کسی قدر وقت کے ساتھ ایک بھی اس کے پیچھے آ گیا مگر اس کی سانس تیز تھی اور چہرے پر خوف تھا۔ چھجے سے نیچے چند دور تک تو ڈھلان تھی اور اس کے بعد ایک غائب ہوتا خلا تھا جو نہ جانے کتنا نیچے تک گیا تھا۔ یہاں دیوار کسی قدر کھردری بھی تھی اس لیے انہیں گرفت لینے میں آسانی ہو رہی تھی مگر یہ آسانی بھی بہت معمولی سی تھی۔ وہ انچ انچ کی رفتار سے سرک رہے تھے۔ کبھی کبھی بانور اسے رکنے کو کہتا تو ایک ساکت ہو جاتا پھر بانور حرکت میں آنے کو کہتا اور اسے بتاتا کہ اسے کیسے قدم رکھنا ہے اور آگے کہاں پر ہاتھ جمانا ہے۔ یہ بھی ایسا راستہ تھا، جسے ایک اکیلے کسی صورت عبور نہیں کر سکتا تھا۔ راستہ طویل نہیں تھا مشکل سے وہ سو گز لمبا تھا مگر اسے عبور کرنے میں انہیں ایک گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگ گیا تھا اور اب وہ چھجے کے سرے والی پہاڑی کے دوسری طرف تھے۔

اس طرف چوٹی سے تین نیچے ایک کنوئیں نما گڑھا یا کھائی تھی۔ اس کے بعد وسیع خلا دور تک جاتی ہوئی ڈھلان تھی اور یہ کہیں زیادہ دشوار تھی۔ اس سفر کے دوران میں ایک نے کئی بار بانور سے پوچھا کہ وہ دوسری طرف سے نہیں آ سکتے تھے لیکن بانور نے ہر بار ایک ہی جواب دیا کہ یہی واحد راستہ ہے اور اب ایک نے اپنی آنکھوں سے دوسری طرف کا منظر دیکھ لیا تو اسے بھی یقین آ گیا کہ وہ جس راستے سے گزر کر آئے تھے وہی واحد راستہ تھا۔ بانور نے کنوئیں نما کھائی کی طرف اشارہ کیا۔ ''صاحب یہ ہے سیاہ بچھوؤں کا مسکن۔''

ایک ذرا آگے آیا۔ لیکن وہ اس سے آگے نہیں جا سکتا تھا۔ یہاں ڈھلان زیادہ تھی اسے خیال آیا اور اس نے بانور سے پوچھا۔ ''تم نے بتایا تھا کہ تمہارے باپ کی بھیڑ کو بچھو نے ڈنک مارا تھا مگر بھیڑ یہاں کیسے آئی؟''

''بچھو نے بھیڑ کو نیچے ڈھلان پر ڈنک مارا تھا تب بابا بچھو کا پیچھا کرتا یہاں تک آیا تھا اور اس نے یہ کنواں دیکھا تھا۔ پھر اس نے مجھے دکھایا۔'' بانور نے وضاحت کی۔ ''پر صاحب یہ بہت خطرناک ہے، بچھو رات کو نکلتا ہے پر دن میں بھی آ جاتا ہے۔''

''ہمیں اس کنوئیں میں جانا ہوگا۔'' ایک نے کہا تو بانور خوفزدہ ہو گیا۔

''کیا کہہ رہا ہے صاحب ادھر جانا تو موت کے منہ میں جانا ہے۔''

''تم فکر مت کرو کچھ نہیں ہوگا۔'' ایک نے کہا۔ ''بیگ سے وہ پیک نکالو جو میں نے رکھوایا تھا۔''

پہلے چھجے نما راستے پر سفر سے پہلے ایک نے اپنا بیگ اتار دیا تھا، وہ اس کے ساتھ اس راستے پر سفر نہیں کر سکتا تھا اور بانور کے لیے دونوں بیگ لے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے ایک نے ایک پیک نکال کر اس کے پاس رکھوا دیا تھا وہی پیک طلب کر رہا تھا۔

بانور کی پشت پر بندھے بیگ میں ایک پیک تھا، بانور نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا ہے؟ ایک نے اس سے پیک لیا اور اس کی زپ کھولی تو اندر سے وہ عجیب سے کسی پلاسٹک نما لچکیلے مادے سے بنے ایسے سوٹ نکل آئے جنہیں سر سے پاؤں تک پہنا جا سکتا تھا۔ ان پر ہڈ لگے ہوئے تھے اور ہڈ کے سامنے والا حصہ شفاف پلاسٹک کا تھا۔ ایک نے اپنا لباس اتار دیا اور صرف نیکر میں آ گیا۔ پھر اس نے یہ لباس پہنا۔ دونوں پیر اندر ڈال کر اوپری قمیص نما حصے میں دونوں ہاتھ ڈالے جن کے آخر میں لچکیلے دستانے تھے۔ ان میں ہاتھ ڈال کر اس نے سامنے کی زپ گردن تک چڑھائی پھر ہڈ درست کر کے اس کی بھی زپ چڑھائی۔ منہ کے نیچے والے حصے میں پلاسٹک ہڈ میں سوراخ تھے جو سانس لینے کے لیے تھے۔ بانور حیرت سے دیکھ رہا تھا جب ایک نے پورا سوٹ پہن لیا تو اس نے پوچھا۔

''یہ کیا ہے صاحب؟''

ایک ہڈ کے پیچھے سے مسکرایا۔ ''بچھو سے بچنے کی ترکیب۔ اس لباس پر اس کا ڈنک اثر نہیں کرے گا۔''

بانور نے بے یقینی سے کہا۔ ''کیسے صاحب، سیاہ بچھو کا ڈنک بہت تیز ہوتا ہے سوئی کی طرح۔''

''میں دکھاتا ہوں۔'' ایک نے کہا اور اپنی پشت پر بندھا ہوا چھوٹا بیگ اتارا۔ بانور کو علم نہیں تھا کہ اس میں کیا ہے۔ ایک نے اندر سے ایک چھوٹا سا لکڑی کا ڈبا نکالا اور اسے کھولا تو بانور بے ساختہ پیچھے ہٹ گیا اس میں ایک

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

خطرناک زرد بچھو تھا۔ اس کا ڈنک زیادہ طویل تو نہیں تھا مگر اس کی ڈنڈی خاصی موٹی سی تھی۔ ایلک نے اسے ہاتھ پر اٹھایا تو اس نے فوراً ڈنک چلایا مگر وہ دستانے کو پار نہیں کر سکا۔ بانور کو لگا کہ اس کا ڈنک پھسل گیا تھا اس کے بعد بھی بچھو بار بار کوشش کرتا رہا مگر اس کا تیز ڈنک لباس میں نہیں گھس پا رہا تھا۔ ایلک نے اس کی طرف دیکھا اور بچھو کو اس کے ڈنک سے پکڑ کر اٹھا کر واپس لکڑی کے بکس میں ڈال دیا۔ ''تم نے دیکھا... یہ زہریلا ترین افریقی بچھو ہے۔ یہ سب سے بڑا بچھو بھی ہوتا ہے۔''

بانور نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ''صاحب یہ دوسرا لباس کس کا ہے؟''

''یہ تمہارے لیے ہے۔'' ایلک نے کہا۔ ''اسے پہن کر ہم دونوں جب اس کنوئیں میں اتریں گے تو بچھو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم آرام سے انہیں پکڑ لیں گے۔''

بانور تیار نہیں تھا مگر وہ ملازم تھا اسے حکم تو ماننا تھا۔ مجبوراً اس نے لباس پہنا۔ اس میں نہ صرف دستانے بہت اچھے تھے جو اس کی انگلیوں میں بالکل فٹ آگئے بلکہ پیروں میں جوتوں کی جگہ ایسے کریپ سول تھے کہ اسے لگا جیسے اس نے بہت اچھی گرفت والا جوتا پہنا ہوا ہو۔ اس کا خیال تھا کہ اس لباس میں اسے گرمی لگے گی اور گھٹن ہوگی مگر اسے پہن کر اسے ذرا بھی گرمی یا گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا۔ یہ لگ رہا تھا جیسے اس نے کاٹن کا لباس پہنا ہوا ہو۔ شاید اس میں ہوا کی آمد و رفت کا بندوبست تھا۔ بانور نے ایک جگہ کیل ٹھونک کر رسی باندھی پھر ایلک کی ہدایت پر ایک اور جگہ کیل ٹھونک کر دوسری رسی باندھی۔ ایلک نے کہا۔ ''ایک اضافی رسی بہتر ہوگی اگر کسی وجہ سے ایک رسی کٹ گئی یا اس کی کیل نکل گئی تو دوسری رسی ہمیں بچا سکے گی۔''

بانور نے دوسری رسی ذرا فاصلے پر باندھی تھی لیکن وہ انہیں ایک ساتھ لے کر نیچے اترتے۔ اس بار ایلک آگے ہوتا۔ اس نے اسی بیگ سے ایک چوکور اور ذرا موٹے تکیے کے سائز کی ایک چیز نکالی اور جب اسے کھینچا تو یہ پلاسٹک کا بنا ہوا شفاف بڑی ڈبل روٹی کے سائز کا بیگ بن گیا۔ اس میں دس الگ الگ خانے تھے جو زپ سے کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ ایلک نے اسے ایک کلپ سے اپنے سینے پر باندھ لیا۔

''یہ کیا ہے صاحب؟'' بانور نے پوچھا۔

''بچھو رکھنے کا بیگ ہے۔'' ایلک نے کہا اور رسی چھوڑتا ہوا نیچے کی طرف جانے لگا۔ اس کے پاؤں بہت اچھی طرح چٹان پر جم رہے تھے۔ کنوئیں کے کنارے پہنچ کر اس نے اندر جھانکا اور اشارے سے بانور کو بھی آنے کو کہا۔ وہ رسی پکڑتا ہوا نیچے پہنچا اور اس نے پہلی بار کنوئیں میں جھانکا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیونکہ کنواں کم سے کم سو فٹ گہرا تھا اور اس کا قطر تیس پینتیس فٹ ضرور تھا۔ کنوئیں کی اندرونی دیواریں کھردری تھیں اور ان میں جگہ جگہ پتھر نکلے تھے یا سوراخ تھے۔ اوپری حصہ روشن تھا مگر نیچے تاریکی تھی۔ اس تاریکی میں بانور کو ایسا لگا جیسے کوئی چیز حرکت کر رہی ہے دیواروں کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ پتا نہیں یہ سچ تھا یا اس کا وہم تھا۔ کنوئیں کی تہ کے وسط میں کسی قدر روشنی تھی اور اس میں پانی نہیں بلکہ سبزی کوئی چیز تھی۔ اس بلندی پر پانی سے کنوئیں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایلک نے ایک کسی قدر نکلے کنارے سے رسی نکالی اور کنوئیں میں اتر گیا۔ اس نے بانور کو بھی اسی طرف سے آنے کو کہا۔ یہاں وہ کنوئیں کی دیواروں سے دور تھے گویا بچھوؤں سے دور تھے۔ بانور بھی پھسلتا ہوا اس کے عقب میں اتر گیا۔ ذرا نیچے آنے کے بعد ایلک نے طاقتور ٹارچ آن کر کے اس کا رخ نیچے کی طرف کیا تو کنواں اب واضح دکھائی دینے لگا تھا۔ روشنی ہوتے ہی دیواروں کے ساتھ حرکت کرتی چیزوں میں کھلبلی مچ گئی۔ بانور کے ایک بار پھر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ تاریخ درمیانے بڑے سائز کے بچھو تھے۔ اس کے چہرے پر خوف نظر آنے لگا تھا البتہ ایلک کے چہرے پر بے پناہ دلچسپی اور خوشی تھی۔ بانور نے گھبرا کر کہا۔ ''صاحب میں نیچے نہیں جا سکتا۔''

''ڈرو مت بچھو نہیں ہوگا، ان لباسوں میں ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم میرے پیچھے رہو گے۔''

ایلک نے رسی ڈھیلی کی تو وہ نیچے گیا تھا۔ رسی پکڑنے اور چھوڑنے کے لیے ایک خاص کلپ موجود تھا اس کی مدد سے رسی کو استعمال کرنا آسان ہو گیا تھا۔ کوہ پیما ایسے کلپس عام استعمال کرتے ہیں۔ بانور اس کے پیچھے دوسری رسی سے لٹک رہا تھا۔ ایلک نیچے جاتے ہوئے روشنی گھما کر کنوئیں کا معائنہ کر رہا تھا۔ وہ جس طرف روشنی کرتا کنوئیں کی دیواروں کے ساتھ خاصی تعداد میں بڑے سیاہ بچھو نظر آتے۔ وہ دیواروں سے دور تھے اور رسی سے لٹک رہے تھے۔ کوئی بچھو ان تک نہیں آسکتا تھا۔ ایلک نے روشنی کا رخ تہ کی طرف کیا تو اسے وہاں نمی کے ساتھ کائی جیسے پودوں کے ڈھیر نظر آئے تھے، یہ ڈھیر دیواروں کے ساتھ اوپر تک

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

آرہے تھے۔ الیک نے کہا۔ ”یہ بچھو اسی کائی پر گزارہ کرتے ہیں کیونکہ یہاں ان کے کھانے کے لیے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ کائی یقیناً بارش کے پانی سے نمو پاتی ہے۔“

الیک کے انداز میں محققانہ دلچسپی تھی جبکہ بانور ابھی تک خوف زدہ تھا حالانکہ وہ بچھوؤں سے خاصے محفوظ فاصلے پر تھے مگر اسے خوف تھا کہ کوئی بچھو اوپر رسی سے ہوتا اس تک نہ آ جائے۔ اس لیے وہ بار بار اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی توجہ الیک کی باتوں پر نہیں تھی۔ الیک ذرا نیچے دیوار کے ایک ذرا نکلے ہوئے حصے کے نزدیک تھا۔ اس نے اچانک رسی کو جھولا دیا اور اس حصے کے نزدیک چلا گیا۔ اسے وہاں دیوار کے ساتھ کئی بڑے سیاہ بچھو دکھائی دیے تھے۔ اس نے ایک ابھرا ہوا پتھر تھام کر خود کو واپس جانے سے روکا۔ رسی چھوڑ کر اس نے دوسرے ہاتھ سے ایک بچھو کو اس کے ڈنک سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ اس سے پہلے بچھو نے اس کے دستانے پر ڈنک مارا تھا مگر وہ بھی اسے پار کرنے میں ناکام رہا۔ الیک نے پتھر چھوڑا تو جھول کر پیچھے آ گیا اور پھر اس نے اپنے سینے سے منسلک بیگ کا ایک خانہ کھولا اور احتیاط سے بچھو کو اس میں ڈال دیا۔ خانہ بچھو کے لحاظ سے کسی قدر چھوٹا تھا مگر وہ کسی نہ کسی طرح اس میں آ گیا۔ الیک نے زپ لگا کر خانہ بند کیا اور بانور کی طرف دیکھا۔

”کتنا آسان ہے۔“

”ہاں صاحب آسان ہے۔“ بانور نے تھوک نگل کر کہا۔ ”پر میں اس طرح بچھو نہیں پکڑ سکتا۔“

”تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے بس تم میرے ساتھ رہو۔“

الیک نے کہا اور دوبارہ جھولا لے کر دیوار تک چلا گیا۔ اگلے ایک گھنٹے میں وہ دس بچھو پکڑ چکا تھا اور یہ سب خاصے بڑے تھے۔ الیک چن کر پکڑ رہا تھا جو بچھو اس کی مرضی کے خلاف نکلتا وہ اسے واپس چھوڑ دیتا۔ بیگ بھرتے ہی اس نے بانور کو واپس اوپر جانے کا کہا اور اس کے پیچھے خود بھی رسی چڑھنے لگا۔ یہاں دونوں نے اپنی رسیاں الگ کر لی تھیں۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے اور ابھی انہیں واپس بھی جانا تھا۔ وہ بہ مشکل تاریکی کے قریب واپس پہنچے مگر جب بانور نے واپسی کا کہا تو الیک نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”آج واپسی نہیں ہوگی۔ آج ہم بچھو پکڑیں گے اور رات یہیں رکیں گے۔“

بانور کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ ”صاحب یہ بہت خطرناک ہوگا۔“

”اس لباس کے ہوتے ہوئے ذرا بھی نہیں۔“ الیک نے بے پروائی سے کہا۔ ”تم فکر مت کرو میرے پاس کچھ اور چیزیں بھی ہیں ان کے ہوتے ہوئے بچھو ہمارے قریب بھی نہیں آئیں گے۔“

الیک کے پاس ایک بیگ اور تھا۔ ایک گھنٹے آرام اور لنچ سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ نیچے گئے۔ اس بار بانور کنوئیں کے اوپری حصے میں رہا تھا، وہ الگ رسی سے لٹک رہا تھا جبکہ الیک دوسری رسی کی مدد سے خاصا نیچے گیا۔ اس بار وہ واپس آیا تو بہت پرجوش تھا۔ اوپر آنے پر اس نے بتایا۔ ”میں نے ایک بڑی مادہ پکڑی ہے ایسا لگ رہا ہے وہ انڈوں سے بھری ہوئی ہے۔“

”یہ تو اچھا ہوا صاحب۔“ بانور نے کہا۔ ”آپ اسی لیے تو آیا ہے۔“

الیک نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سر ہلایا۔ ”ہاں میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔“

”صاحب کیا یہ بچھو اسی میں رہے گا۔“ بانور نے شفاف پلاسٹک کا بیگ دیکھا جس میں اوپر سے نیچے تک سیاہ بچھو بھرے ہوئے تھے۔

”ہاں یہ ایک دو دن اس میں رہ سکتے ہیں۔ میرے پاس نیچے گاڑی میں خاص کنٹینر ہیں وہاں جا کر ان کو کنٹینر میں منتقل کر دوں گا۔“

شام قریب تھی۔ انہوں نے ایک جگہ منتخب کی۔ ان کے پاس پانی اور کھجور تھی۔ ان سے گزارہ ہو جاتا۔ الیک نے اپنے بیگ سے ایک اسپرے والی بوتل نکالی اور جو جگہ انہوں نے منتخب کی اس کے چاروں طرف دائرے میں اسپرے کیا۔ بانور رات یہاں گزارنے کے خیال سے پریشان تھا اس نے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے صاحب؟“

”یہ ایک دوا ہے اس کی بو سے بچھو یہاں نہیں آئیں گے۔“

”صاحب یہ دوا ہے تو اس کا اثر ختم بھی ہو سکتا ہے؟“

”اس کا اثر کم سے کم بارہ گھنٹے رہتا ہے۔ ابھی تم خود دیکھ لو گے۔“

اس وقت انہوں نے ہڈ اتار دیے تھے مگر لباس پہنا ہوا تھا۔ تاریکی چھانے سے پہلے انہوں نے پانی اور کھجور سے پیٹ بھر لیا۔ جیسے ہی سورج غروب ہوا بچھو باہر آنے لگے۔ ان کی تعداد شروع میں تو اکا دکا رہی مگر پھر اس میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ چاند طلوع ہونے تک کنوئیں کے آس پاس کا سارا علاقہ ان خطرناک ترین سیاہ بچھوؤں سے بھر گیا۔ انہیں دیکھتے ہی بانور نے جلدی سے اپنا ہڈ چڑھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

لیا مگر الیک ایسے ہی بیٹھا رہا۔ پھر بچھو ان کی طرف آنے لگے۔ مگر جہاں الیک نے اسپرے کیا تھا وہاں پہنچ کر وہ رک گئے۔ انہوں نے اس حد سے آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ دیر بعد وہ اس دائرے کے چاروں طرف پھیل چکے تھے۔ اگر الیک نے اسپرے نہ کیا ہوتا تو وہ اس وقت ان کے پاس ہوتے۔ الیک نے کہا۔ ''اگر ہم کسی طرح ایک دو ماشکو بھی لے آئیں تو پتا چل جائے گا کہ بچھو ان کی موجودگی میں باہر آتے ہیں یا نہیں۔''

''صاحب، ماشکو کا ہاتھ آنا بہت مشکل ہے، آپ نے دیکھا وہ کتنا تیز ہے۔''

''خیر ہمارا کام تو ہو گیا ہے۔'' الیک نے سر ہلایا اور زمین پر دراز ہو گیا۔ چٹان کی تختی سے بچنے کے لیے انہوں نے اس پر چادریں بچھائی تھیں اور اپنے بیگز کو تکیے کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ الیک تو کچھ دیر بعد خراٹے لینے لگا مگر بانور جاگ رہا تھا۔ آس پاس لاتعداد زہریلے بچھوؤں کی موجودگی میں نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ گورا صاحب تمام انتظامات کے ساتھ آیا تھا۔ کیا اسے پتا تھا کہ اسے اتنے سارے بچھو مل جائیں گے؟ اس بیچ بانور بھی کسی قدر غنودگی میں چلا گیا پھر وہ چونکا، اسے لگا جیسے نزدیک ہی کوئی آواز آئی تھی۔

☆☆☆

صبح شاہ نور جلدی اٹھ گیا۔ وہ صرف چار گھنٹے سویا تھا مگر تازہ دم لگ رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں دوسرے جنہوں نے اتنی مشقت بھی نہیں کی تھی وہ تھکے ہوئے تھے۔ جمشید کا چہرہ بھی اتنا تر و تازہ نہیں تھا البتہ سحار بہت تازہ دم اور تیار تھی۔ اس نے بال کھلے چھوڑ دیے تھے اور حسبِ معمول چست پینٹ شرٹ میں تھی۔ فیاض نے ان کے لیے خاص طور سے میز پر ناشتا سجایا۔ باقی سب پہلے ہی ناشتا کر چکے تھے۔ شاہ نور نے محسوس کیا کہ جمشید کسی قدر فکر مند تھا۔ ناشتے کے بعد اس نے شاہ نور کو بلایا اور کہا۔ ''اب ہم پیدل چلیں گے۔''

''جیسے آپ کی مرضی صاحب۔'' اس نے مستعدی سے کہا۔ ''لیکن پھر آج شام تک وہاں پہنچنا مشکل ہو گا۔ آگے راستہ بہت خطرناک ہے۔''

''ہم کوشش کر سکتے ہیں۔'' جمشید نے کہا۔

''کون کون جائے گا صاحب؟'' شاہ نور نے پوچھا۔

''میں، جمشید اور تم۔'' سحار نے جواب دیا۔

''صاحب دو دن کے لحاظ سے کھانا پینا بھی رکھنا ہو گا۔''

''تم فکر مت کرو سب تیار ہے۔''

شاہ نور جس وقت اٹھا تو اس نے یارو اور قادر بخش کو شمال سے آتے دیکھا تھا مگر اس نے توجہ نہیں دی تھی، اس کا خیال تھا کہ وہ ضرورت کی وجہ سے باہر گئے ہوں گے۔ سحار اور جمشید تیار تھے انہوں نے اپنی گاڑی سے تین بیگ نکلوائے۔ ان میں جو زیادہ وزنی تھا وہ شاہ نور کے حصے میں آیا اور باقی دو جمشید اور سحار نے اپنی پشتوں پر لاد لیے۔ شاہ نور نے سحار سے کہا۔ ''میم صاحب، یہ بیگ بھی مجھے دے دیں میں اٹھا لوں گا۔''

جمشید معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ ''شاہ نور بہت وفادار لڑکا ہے ضرورت پڑی تو یہ تمہیں بھی اٹھا کر لے جا سکتا ہے۔''

''تم فکر مت کرو۔'' سحار جمشید کی بات نظر انداز کر کے بولی۔ ''میں اٹھا لوں گی۔''

شاہ نور کا خیال تھا کہ یارو اور قادر بخش بھی ان کے ساتھ جائیں گے۔ وہ قادر بخش کے بارے میں جانتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ جرائم پیشہ تھا اور شاہ نور نے کسی سے اس کے بارے میں سنا تھا مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے اس پر زیادہ غور نہیں کیا تھا کیونکہ یہ جمشید اور یارو کا مسئلہ تھا اس کا نہیں۔ وہ کیمپ سے نکلے تو جمشید نے خلافِ توقع شمال مغرب کے بجائے مغرب کا رخ کیا تھا۔ شاہ نور نے کہا۔ ''ادھر سے چوٹی دور پڑے گی۔''

''فکر مت کرو، میں ذرا اس علاقے کی سیر کرتا جا رہا ہوں۔'' جمشید نے کہا۔ سحار خاموش رہی تو شاہ نور نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھے اور ایک ڈھلان میں داخل ہوئے کیمپ سے یارو اور قادر بخش نکل کر تیزی سے شمال مغرب کی طرف چل پڑے۔ سورج بلند ہو رہا تھا اور دھوپ میں ہلکی سی تمازت آ گئی تھی مگر بلندی کی وجہ سے ہوا خنک تھی اور یہ تمازت بری نہیں لگ رہی تھی۔ جمشید تمباکو نوشی کا عادی تھا اس لیے کچھ ہی دیر بعد اس کی سانس پھولنے لگی اور وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس کے مقابلے میں سحار کی سانس قطعی ہموار تھی۔ شاہ نور بھی تازہ دم تھا۔ سحار نے مڑ کر دیکھا۔

''رک کیوں گئے ہو؟''

جمشید جلدی سے چل پڑا۔ ''کچھ نہیں ایسے ہی رک گیا تھا۔''

''ہمیں رکے بغیر چلنا ہے۔'' سحار نے سخت لہجے میں

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کہا۔ ”تبھی ہم رات سے پہلے چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔“

شاہ نور نے مداخلت کی۔ ”میم صاحب یہ راستہ طویل ہے، ہم رات تک بھی مشکل سے پہنچ سکتا ہے۔“

”رفتار تیز رکھو۔“ سحار نے کہا۔ وہ سب سے آگے تھی اور ان دشوار گزار راستوں پر یوں روانی سے چل رہی تھی جیسے وہ ان کی عادی ہو۔ اس کی پشت پر موجود بیگ کم سے کم دس کلوگرام وزنی تھا۔ اس کے باوجود وہ آرام سے چل رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں جمشید کے قدم کبھی کبھی لڑکھڑا جاتے تھے۔ وہ عادی نہیں تھا اور جسمانی لحاظ سے مکمل فٹ بھی نہیں تھا۔ اب تک شاہ نور سمجھتا آیا تھا کہ اس مہم کا اصل مالک جمشید ہے لیکن اس وقت سحار کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اصل کرتا دھرتا وہی تھی اور اسے ہی فیصلے کا اختیار حاصل تھا۔ دو گھنٹے بعد وہ شمال مغرب میں گنجے کے سر والی پہاڑی کی سیدھ میں آ چکے تھے اور شاہ نور کو پتا نہیں چلا کہ وہ اس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں الیگ کی گاڑی موجود تھی۔ یارو اور قادر بخش نے گاڑی پہلے ہی دیکھ لی تھی۔ شاہ نور سے اسے چھپانے کے لیے جمشید اسے جان بوجھ کر دوسری طرف لے گیا تھا اور اس وجہ سے ایک گھنٹے کا راستہ دو گھنٹے میں طے ہوا تھا۔

ان تینوں کے بیک پیکس میں پانی، خوراک، ادویات اور ضرورت کی چیزوں کے ساتھ ہلکے سلیپنگ بیگز بھی تھے۔ شاہ نور اب آگے تھا کیونکہ راستہ اسے ہی معلوم تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ان لوگوں کو اس جگہ لے جانا مناسب تھا جہاں بچھو موجود تھے۔ سحار تیز چل رہی تھی اس لیے وہ اس کے برابر آ گئی۔ جمشید خاصا پیچھے تھا۔ موقع غنیمت جان کر شاہ نور نے سحار سے پوچھا۔ ”میم صاحب آپ لوگ بچھو کے لیے کیوں جا رہا ہے؟“

سحار کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ”کیا تم لوگ واقعی نہیں جانتے ہو؟“

”میم صاحب... ادھر ہمارے گاؤں کے پاس بچھو نہیں ملتا ہے۔ ادھر کیرتھر میں بھی کم ہے پر سنا ہے، تھر میں بہت ملتا ہے اور لوگ ادھر پکڑ بھی رہا ہے۔“

سحار نے سر ہلایا۔ ”ادھر یہ کام بہت ہو رہا ہے۔“

”میم صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سیاہ بچھو کا اچانک اتنا مانگ کیوں ہو گیا ہے، اس میں کیا خاص بات ہے؟“

سحار نے پھر کچھ دیر بعد جواب دیا۔ ”میں بھی نہیں جانتی لیکن ادھر شہر میں بچھو خریدنے کے لیے بہت سے لوگ تیار بیٹھے ہیں۔“

شاہ نور کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا کیونکہ وہ جتنی تیاری کے ساتھ آئے تھے، انہیں معلوم تھا کہ لوگ بچھو کیوں منہ مانگے داموں خرید رہے ہیں۔ وہ خود بھی اتنا خرچ کر کے صرف تفریح کرنے نہیں آئے تھے۔ شاہ نور سوچ رہا تھا اور پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں گنجے کے سر والی چوٹی تک لے جائے گا مگر اس سے آگے بچھو کہاں پائے جاتے تھے، وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ بچھوؤں والی جگہ تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں۔ ایک بار یہ لوگ گنجے کے سر والی چوٹی تک پہنچ جاتے تو آگے کا کام آسان تھا۔ اب اسے لگ رہا تھا کہ بانو کی بات درست تھی، یہ بچھو بیچ لاکھوں روپے میں فروخت ہو رہے تھے تب ہی تو لوگ ان کی تلاش میں پاگلوں کی طرح پھر رہے تھے۔

”اے۔“ سحار نے اچانک کہا اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ ”میں تمہیں کیسی لگتی ہوں؟“

شاہ نور کے لیے سوال اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس نے گڑبڑا کر کہا۔ ”اچھی لگتی ہیں میم صاحب۔“

”کتنی اچھی؟“ سحار کے لہجے میں لوچ آ گئی۔

”پتا نہیں میم صاحب، یہ نہیں سوچا۔“ شاہ نور نے سادگی سے کہا۔

”تمہاری شادی ہو گئی ہے؟“

شاہ نور کا چہرہ سرخ ہوا۔ اس نے کسی قدر مشکل سے جواب دیا۔ ”ابھی منگنی پر ہو جائے گی۔“

”اسی لڑکی سے جو کنوئیں پر صبح تم سے بات کر رہی تھی۔“ سحار کا لہجہ ذرا ناگوار ہو گیا۔ شاہ نور حیران ہوا۔

”جی میم صاحب اسی سے ہو گی۔ رانی بہت اچھی لڑکی ہے۔“

”اس میں کیا خاص بات ہے۔“ سحار کا لہجہ مزید ناگوار ہو گیا۔ ”تمہیں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت لڑکی مل سکتی ہے۔“

”میم صاحب، میرے لیے تو وہی خاص ہے۔“ شاہ نور نے بھی لہجہ بدل لیا۔ ”اسے میرے ماں باپ نے میرے لیے پسند کیا ہے اور اب وہ میری پسند ہے۔“

سحار کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ یہ سادہ نظر آنے والا لڑکا یوں دوٹوک انداز میں جواب دے سکتا ہے۔ اس نے موضوع بدل دیا۔ ”تم کبھی شہر گئے ہو؟“

شاہ نور نے سر ہلایا۔ ”ایک بار بابا کے ساتھ کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

گیا تھا وہاں ہمارے ایک رشتے دار کی موت ہو گئی تھی۔"

"شہر کیسا لگا؟"

"بہت اچھا۔"

سحار نے ترغیب آمیز انداز میں کہا۔ "کراچی کچھ بھی نہیں، دنیا میں اس سے کہیں زیادہ خوب صورت شہر ہیں۔"

"ہوں گے میم صاحب۔"

"تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اس چھوٹے سے گاؤں سے نکل کر کسی بڑے شہر میں جا کر رہو۔" سحار نے مزید بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں میم صاحب، مجھے اپنا گاؤں اچھا لگتا ہے، یہاں اماں ہے، بابا ہے اور رانی بھی ہے۔"

"پر یہاں کام نہیں ہے، دولت نہیں ہے۔"

شاہ نور مسکرانے لگا۔ "آپ تو ایسا نہ کہو میم صاحب، اگر یہاں دولت نہ ہوتی تو آپ لوگ ادھر آتا؟"

"تمہارا اشارہ سیاہ بچھوؤں کی طرف ہے تو یہ عارضی بات ہے، شہر میں کمانے کے بہت طریقے ہیں اور وہاں دولت بھی کہیں زیادہ ہے۔"

"ہوں گے میم صاحب پر میں نے کبھی شہر اور اس کی دولت کے بارے میں نہیں سوچا۔"

جمشید بہت دیر سے انہیں ساتھ دیکھ کر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ جب اس سے رہا نہیں گیا تو وہ ہمت کر کے تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آ گیا اور غصے سے بولا۔ "تم دونوں ذرا آہستہ نہیں چل سکتے؟"

"بالکل نہیں کیونکہ ہمیں آج ہی وہاں پہنچنا ہے۔" سحار بولی۔ "تم اپنی رفتار تیز کرو۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں......"

"لیکن تمہارا سانس اکھڑ رہا ہے۔" سحار کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ "افسوس کہ تم پہلے جیسے فٹ نہیں رہے۔"

"تم میری انسلٹ کر رہی ہو۔" جمشید بے قابو ہونے لگا۔

"میں نہیں تم خود اپنی انسلٹ کر رہے ہو۔" سحار کا انداز بھی جارحانہ ہو گیا۔ "خود کو فٹ رکھنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

شاہ نور نے کہا۔ "میم صاحب، ہم رفتار کم کر لیتے ہیں۔"

"بالکل نہیں، ہم اسی رفتار سے چلیں گے۔" سحار نے سخت انداز میں کہا اور رفتار بڑھا دی۔ جمشید کچھ دیر تو ان کے ساتھ چلتا رہا اور پھر اس کی ہمت جواب دینے لگی اور وہ رفتہ رفتہ پہلے کی طرح پیچھے ہو گیا۔ شاہ نور کو سحار کے حد سے زیادہ سخت لہجے اور انداز پر افسوس ہو رہا تھا۔ ایک مرد ہونے کے ناتے اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ ایک عورت مرد کو اس طرح ذلیل کرے۔ اسے جمشید پر بھی حیرت تھی۔ اس کے گاؤں کے معاشرے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ اس طرح سے پیش آ سکتی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی رفتار سست کر لی۔ سحار آگے نکلی تو اسے احساس ہوا تب اس نے بھی اپنی رفتار سست کر لی۔ اس لیے جمشید کو موقع ملا کہ وہ ان کے قریب رہ سکے۔ بارہ بجے وہ ایک جگہ رکے، اب دھوپ تیز تھی اور ان کو پسینے آ رہے تھے۔

ایک جگہ سائے میں بیٹھ کر انہوں نے پسینا خشک کیا اور ہلکا پھلکا لنچ کیا۔ غالباً سحار کو بھی اپنے رویے کا احساس ہو گیا اور وہ جمشید کے پاس جا بیٹھی۔ شاہ نور ان سے ذرا دور بیٹھا ہوا تھا۔ سحار کی کوشش سے جمشید کا موڈ بہتر ہو گیا اور وہ پھر سے مسکرانے لگا۔ ایک بار پھر شاہ نور کو افسوس ہوا کہ جمشید اتنی جلدی اپنی ذلت بھول گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر شاہ نور نے قریبی ٹیلے پر چڑھ کر آس پاس کا جائزہ لیا اور تب اسے پہلی بار دور عقب میں چند سائے سے حرکت کرتے دکھائی دیے مگر وہ اتنی دور تھے کہ یقین سے کہنا مشکل تھا وہ انسان تھے یا گرمی کی وجہ سے نظر آنے والے ہیولے یا پھر جانور تھے۔ اچانک سحار کی آواز آئی۔ "کیا دیکھ رہے ہو؟"

شاہ نور چونکا اور جلدی سے ٹیلے سے نیچے اتر آیا۔ "میم صاحب راستہ دیکھ رہا تھا، بہت سال بعد اس طرف آیا ہوں اس لیے ٹھیک سے دماغ میں نہیں ہے۔"

"چوٹی کتنی دور ہے؟"

"ابھی دور ہے اگر فوراً چل دیں تو شاید رات سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔"

سحار نے جمشید کی طرف دیکھا۔ "ابھی کچھ دیر اور رکنا ہوگا اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

شاہ نور نے خیال ظاہر کیا۔ "صاحب سگریٹ بہت پیتا ہے اسی لیے سانس جلد پھول جاتا ہے۔"

"صرف سگریٹ نہیں، یہ شراب اور دوسری بہت سی لتوں کا شکار ہے۔" سحار نے تلخی سے کہا۔ "افسوس مجھے دیر سے پتا چلا۔"

سحار نے وضاحت نہیں کی تھی کہ اسے دیر سے پتا چلنے کا افسوس کیوں تھا مگر شاہ نور نے محسوس کیا کہ ان دونوں کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

درمیان کوئی اور تعلق بھی تھا۔ تبھی جمشید سے ایسا سلوک کرنے کے بعد جب سحار نے اس سے چند منٹ ذرا ہنس کر بات کی تو اس کا موڈ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے آرام کے بعد وہ آگے روانہ ہوئے۔ اب وہ بہ ظاہر تکتے کے سر والی چوٹی سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھے مگر شاہ نور نے بتایا۔ "ابھی لمبا اور بہت مشکل سفر ہے۔"

"تم غلط کہہ رہے ہو۔" جمشید نے اسے گھورا۔ "پہاڑی یہ سامنے دکھائی دے رہی ہے اور راستہ بھی اتنا مشکل نہیں لگ رہا ہے۔"

"صاحب ابھی آپ خود دیکھ لے گا۔" شاہ نور نے کہا۔

کچھ دیر بعد جب وہ تہ در تہ ڈھلانوں تک پہنچے جس کے بیچ میں ناقابلِ عبور کھائیاں تھیں تو انہیں راستے کی دشواری کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا۔ اس طویل پہاڑی دیو اور تک پہنچنے میں انہیں شام ہو گئی جس کا سفر سب سے مشکل اور طویل تھا۔ شاہ نور نے ان سے کہا۔ "چوٹی تک جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔"

سحار نے اس باریک دھار نما راستے کو دیکھا جس کے دونوں طرف گہری کھائی تھی اور فوری فیصلہ کیا۔ "ہم ابھی جائیں گے۔"

"سحار سوچ لو۔" جمشید لرزتی آواز میں بولا۔ "یہ بہت مشکل ہے اور پھر رات ہونے والی ہے۔"

سحار نے سوچا اور پلٹ کر جمشید کی طرف آئی۔ "تم یہاں رک جاؤ ویسے بھی تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اور شاہ نور آگے جاتے ہیں۔"

جمشید غالباً اس کے لیے راضی نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس راستے پر سفر نہیں کر سکے گا۔ اگر تاریکی ہو گئی تو وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور سفر کے آخری حصے میں وہ لڑکھڑاتا رہا تھا اس لیے مجبوراً وہ مان گیا۔ "ٹھیک ہے میں یہیں رکتا ہوں لیکن تم واکی ٹاکی پر مجھ سے رابطہ رکھنا۔"

سحار نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔ شاہ نور پہلے ہی دیو اور پر کوئی سو گز آگے جا چکا تھا۔ وہ راستے کا جائزہ لے رہا تھا۔ پہلا حصہ آسان تھا۔ شاہ نور نے سحار سے کہا کہ وہ بالکل اس کے پیچھے اور اس کے نقشِ قدم پر چلے۔ اس نے خبردار کیا۔ "میم صاحب اپنے طور پر کچھ مت کرنا ورنہ گر جاؤ گی۔"

"میں خیال رکھوں گی۔" سحار نے اپنے بال سمیٹ کر کہا۔ ہاتھ اوپر کر کے جوڑا بنانے کی کوشش میں اس کے بدن کی سرکشی مزید نمایاں ہو گئی تھی۔ شاہ نور نے جھینپ کر رخ پھیر لیا۔ سحار تیار ہوئی تو وہ آگے بڑھے۔ سحار نے پوچھا۔ "یہاں بچھو ہوتے ہیں؟"

"پتا نہیں میم صاحب... مجھے نہیں معلوم کہ بچھو کہاں ہوتے ہیں کیونکہ جہاں تک میں گیا ہوں، میں نے بچھو نہیں دیکھے۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" سحار نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

شاہ نور نے مڑ کر اسے دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

"جی میم صاحب۔"

کچھ دیر بعد خطرناک مرحلہ آ گیا جس میں دھیان راستے پر رکھنا لازمی تھا۔ ذرا سا قدم چوکتا اور وہ سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں لڑھک جاتے۔ اگر زندہ بچ جاتے تو ہڈی پسلی برابر ہو جاتی اور اس ویرانے میں فوری طبی امداد کا امکان بھی نہیں تھا۔ ساڑھے چھ بجے سورج مغربی افق پر جا ٹکا تھا اور کچھ دیر کی بات تھی جب تاریکی چھا جاتی۔ ان کے پاس ٹارچ تھیں مگر ابھی ان کی ضرورت نہیں تھی۔ راستہ ابھی باقی تھا جب سورج یک دم ڈوب گیا اور ماحول تاریک ہو گیا۔ انہوں نے ٹارچ نکال لیں اور ان کی روشنی میں سفر کرنے لگے۔ راستہ اتنا مشکل تھا کہ سحار جیسی مضبوط عورت کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے مگر شاہ نور اسے مسلسل چلنے کو کہہ رہا تھا۔ سحار نے مدھم آواز میں کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں، لگ رہا ہے گر جاؤں گی۔"

شاہ نور پلٹ کر آیا اور اس نے سحار کا ہاتھ تھام لیا۔ "میرے ساتھ آؤ میم صاحب، بس تھوڑا سفر باقی رہ گیا ہے۔"

سحار کو نہیں معلوم کہ اس نے باقی راستہ کیسے طے کیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور ہاتھ پیروں سے جیسے جان نکل رہی تھی۔ اس راستے نے اسے کھا لیا تھا اور جب شاہ نور نے کہا کہ وہ چوٹی کے پاس پہنچ گئے ہیں تو پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک ہموار جگہ لیٹی ہوئی تھی۔ ان کا سامان پاس پڑا تھا اور شاہ نور اس کا سر اونچا کر کے اس کے منہ میں پانی ٹپکا رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے بوتل لے کر بے تابی سے پانی پیا تھا پھر وہ اٹھ بیٹھی۔ شاہ نور نے پوچھا۔ "میم صاحب اب کیسا ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا اور آس پاس دیکھا۔ "میں یہاں کیسے آئی؟"

"میں اٹھا کر لایا وہاں سے۔" شاہ نور نے اشارہ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

گیا۔ ابتدائی چاندنی میں ماحول روشن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ وہ جگہ بھی یہاں سے خاصی دور تھی۔ سحار شاہ نور کی ہمت پر حیران ہوئی۔

''سامان سمیت؟''

''نہیں پہلے آپ کو لایا ادھر لٹایا پھر سامان لے کر آیا پھر آپ کو پانی دیا۔''

سحار مسکرانے لگی۔ ''جمشید نے ٹھیک کہا تھا تم ضرورت پڑنے پر مجھے بھی اٹھا سکتے ہو۔''

''پر آپ کا وزن بہت ہے۔'' شاہ نور نے سادگی سے کہا۔ ''دیکھنے میں آپ اتنے وزن کی نہیں لگتیں۔''

سحار ہنسی۔ ''حالانکہ کہتے ہیں کہ حسین عورت کا وزن نہیں ہوتا ہے۔''

سحار اٹھی اور اس نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ ''اب ہمیں کس طرف جانا ہے؟''

''پہلے کھانا پانی کر لیتے ہیں، اس کے بعد آگے سفر کریں۔'' شاہ نور نے مشورہ دیا تو سحار نے اتفاق کیا۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ انہوں نے پہلے انرجی ڈرنکس پی کر اپنی توانائی بحال کی اور پھر ڈنر کیا۔ یہ بھی حسب سابق بند اور سرد خوراک پر مشتمل تھا کیونکہ ان کے پاس گرم کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اتنے میں چاند مکمل طور پر بلند ہو گیا تھا وہ آج شاید بارھویں کا چاند تھا اس لیے روشنی بھی خاصی تیز تھی۔ سحار آس پاس سے چوکنا تھی مگر وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ اس نے شاہ نور سے کہا۔ ''ہمیں بچھوؤں سے ہوشیار رہنا ہوگا۔''

''میں جب یہاں آیا تھا تو میں نے بچھو نہیں دیکھے تھے۔''

''وہ عام طور سے رات کو نکلتے ہیں۔'' سحار نے کہا اور اپنے بیگ سے ایک اسپرے نکال کر خود پر کیا اور پھر شاہ نور پر کیا۔ ''اس کی خوشبو سے کیڑے مکوڑے پاس نہیں آتے ہیں۔''

شاہ نور نے پوچھا۔ ''میم صاحب، کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

''ہاں پوچھو۔''

''آپ اتنی جلدی سے ادھر کیوں آگئیں۔ یہ جگہ کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی تھی آپ لوگ آرام سے کل بھی آ سکتے تھے۔''

سحار نے اسے غور سے دیکھا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے ہم کیوں جلدی میں آئے ہیں؟''

شاہ نور نے صاف گوئی سے کہا۔ ''مجھے لگتا ہے آپ یہاں کسی کے پیچھے آئے ہو۔''

سحار نے گہری سانس لی۔ ''تم نے ٹھیک جانا ہے۔ ہم ایک شخص کے پیچھے آئے ہیں، اس کا نام ایلک بٹریک ہے۔''

شاہ نور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ جو بابا کے ساتھ ہے؟''

سحار نے سر ہلایا۔ ''ہاں وہ بہت شاطر آدمی ہے اور اپنے مطلب کی خاطر کسی کی جان بھی لے سکتا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ کتنا بڑا کھیل ہے اور اس میں کس قدر دولت شامل ہو گئی ہے۔''

شاہ نور کسی قدر بے چین ہو گیا۔ ''اس کا مطلب ہے وہ بابا کے ساتھ ادھر ہی آیا ہے؟''

''بالکل، اگر وہ ادھر آیا ہے تو تمہارے بابا کی جان بھی خطرے میں ہے۔ وہ بچھوؤں کا مسکن دیکھ کر اسے راز رکھنے کے لیے تمہارے بابا کو ختم کر سکتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں خاص طور سے تمہیں کیوں ساتھ لائی ہوں۔''

''آپ ان کے بارے میں سب جانتی ہیں۔''

''ہاں میرا کام ہی ایسا ہے۔'' سحار نے کہا۔ ''یہاں آنے سے پہلے میں نے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ میں مائیکل سے بھی ملی تھی جس کے ساتھ بٹریک اس علاقے میں آیا تھا۔''

''آپ مائیکل سے کیوں ملیں اور پھر یہاں کیوں آئیں؟''

''میں نے کہا نا یہ میرا کام ہے۔'' سحار بولی اور گھڑی کی طرف دیکھا، نو بج رہے تھے۔ ''ہمیں اب چلنا ہوگا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ بچھوؤں کا علاقہ کہاں ہو سکتا ہے؟''

''شاید اس چوٹی کے پیچھے۔'' شاہ نور نے اشارہ کیا۔ ''ورنہ یہاں اور تو ایسی کوئی جگہ نظر نہیں آتی ہے۔''

''بچھو ہمیشہ کسی تنگ و تاریک جگہ چھپتے ہیں جہاں انہیں دوسرے جانوروں سے خطرہ نہ ہو۔ سب سے اچھی جگہیں چٹانوں کے کھوکھلے سوراخ اور درختوں کی جڑیں ہوتی ہیں۔'' سحار نے کہا۔ ''اب چلو۔''

''رات میں۔'' شاہ نور بولا۔ ''اس وقت راستہ تلاش کرنا مشکل ہوگا۔''

سحار واپس اس کے پاس آ بیٹھی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''شاہ نور تم اچھے انسان ہو اور تمہارا باپ بھی اچھا انسان ہوگا۔ میں نہیں چاہتی کہ اسے کوئی نقصان ہو۔ اگر اس

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم صبح بھی جا سکتے تھے بلکہ ہمیں ایک کا انتظار کرتے۔ وہ واپس تو اسی راستے سے آتا۔ لیکن اس نے وہاں تمہارے باپ کے ساتھ کچھ کیا تو تم پھر کیا کرلو گے؟''

شاہ نور کھڑا ہو گیا۔ ''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں میم صاحب چلیں۔''

کچھ دیر بعد وہ ٹیکتے کے سرو الی چٹان کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں راستہ مشکل نہیں تھا مگر ڈھلان بہت زیادہ تھی اور انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہے تھے۔ ذرا سی بے احتیاطی انہیں واپس نے جا سکتی تھی اور سنبھلنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ شاہ نور سوچ رہا تھا کہ اگر اس کا باپ اس گورے کے ساتھ اسی طرف آیا تو انہیں راستے میں ان کی گاڑی اور دوسرا سامان کیوں نہیں ملا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ سحار غلط سمجھ رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد وہ چوٹی کے تین نیچے تھے اور یہاں سے دوسری طرف جانے کا بہ ظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے سامان اتار کر رکھا اور شاہ نور نے سحار سے کہا۔ ''میم صاحب آپ یہاں رکیں... میں راستہ دیکھتا ہوں۔''

''احتیاط کرنا۔'' سحار نے کہا اور اسے وہی اسپرے نکال کر دیا۔ ''اگر کوئی بچھو نظر آئے تو اس پر یہ اسپرے کر دینا، وہ بھاگ جائے گا۔''

شاہ نور نے اسپرے لیا اور آگے بڑھ گیا۔ چوٹی تک پشت کی طرف کچھ راستہ سا محسوس ہو رہا تھا مگر اسے قریب سے دیکھنا ضروری تھا۔ یہاں ڈھلان بہت زیادہ تھی اور اب اسے چاروں ہاتھوں پیروں سے بھی چلنا پڑ رہا تھا اور یہ مشکل کام تھا۔ بالآخر اس نے پتلا سا ایک راستہ تلاش کر لیا جو چوٹی کے دوسری طرف جا رہا تھا۔ وہ واپس آیا تو سحار بے تاب ہو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے اطمینان کا طویل سانس لیا اور پھر اچانک ایسی حرکت کی کہ شاہ نور بھونچکا رہ گیا۔ سحار نے اسے گلے سے لگا کر پیار کر لیا۔ ''میں ڈر گئی تھی کہ تم کسی مشکل میں پڑ گئے ہو۔ اگر تم کچھ دیر اور نہ آتے تو میں خود چل پڑتی۔''

شاہ نور جھینپ رہا تھا۔ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ ''آپ نے اچھا کیا جو نہیں آئیں۔''

''اور یہ جو کیا؟'' سحار نے شوخی سے اس کا گال چھوا جہاں اس کے ہونٹ لگے تھے۔

''میم صاحب۔'' شاہ نور نے احتجاج کیا۔ ''ایسا نہ کریں، میں غلط لڑکا نہیں ہوں۔''

سحار سنجیدہ ہو گئی۔ ''میں جانتی ہوں، تم اچھے لڑکے ہو۔''

''اب آپ ایسا نہیں کریں گی۔''

''اچھا بابا اب نہیں کروں گی۔'' سحار نے اسے آگے دھکیلا۔ ''اب چلو، دیر ہو رہی ہے۔''

وہ دونوں چوٹی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کیونکہ شاہ نور راستہ دیکھ آیا تھا اس لیے اس بار وہ آدھے گھنٹے میں چوٹی تک پہنچ گئے تھے اور شاہ نور نے چھجے نما راستے کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہیں اس کی دوسری طرف جاتا ہے۔''

سحار یہ راستہ دیکھ کر تھوک نگل کر رہ گئی۔ رات کے وقت اس پر جانا خودکشی کے مترادف لگ رہا تھا۔

☆☆☆

جمشید ہانپ رہا تھا اور ان کو جاتے دیکھ رہا تھا مگر جیسے ہی سحار اور شاہ نور ذرا آگے نکلے یک دم اس کی حالت میں تبدیلی آئی اور اس نے ہانپنا موقوف کیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی وہ تیزی سے پیچھے کی طرف گیا اور ایک بلند چٹان پر چڑھ کر اس نے عقب میں دیکھا اور پھر واکی ٹاکی نکال کر ایک بٹن دبا کر بولا۔ ''تم دونوں کہاں ہو؟''

وہ بار بار دہراتا رہا تھا کہ چھٹی بار بولنے پر دوسری طرف سے جواب ملا۔ ''صاحب ہم پاس ہیں بس پہنچنے والے ہیں۔''

''تم لوگ سست ہو۔'' جمشید غرایا۔ ''اس طرح تو وہ آگے نکل جائیں گے۔''

''صاحب قادر بخش کو ان راستوں پر سفر کا تجربہ نہیں ہے اس لیے دیر ہو رہی ہے۔'' یارو نے معذرت کی۔ واکی ٹاکی اسی کے پاس تھا۔

''کوشش کرو اندھیرا ہونے سے پہلے یہاں پہنچ جاؤ۔'' جمشید نے کہا اور واکی ٹاکی رکھ کر اس نے اپنے بیگ سے بیئر کی بوتل نکالی اور اس سے شغل کرنے لگا۔ وہ شراب سحار سے چھپا کر لا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کام کے دوران میں پینا بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ یارو اور قادر بخش ہانپتے ہوئے ایک گھنٹے بعد وہاں پہنچے تھے جب تاریکی چھانے کے قریب تھی۔ وہ دونوں مسلح تھے اور ان کے پاس پستول اور چھوٹی نال والی شاٹ گن تھی۔ شاٹ گن قادر بخش کے پاس تھی۔ جمشید نے دیر سے آنے پر انہیں سنائی تھیں اور وہ خاموشی سے سنتے رہے جب جمشید خاموش ہوا تو یارو نے کہا۔

''صاحب باقی سب ٹھیک ہے لیکن ہمیں ملنے والی رقم

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

کم ہے۔"

یارو کی بات اور بدلے ہوئے لہجے پر جمشید نے چونک کر اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"صاحب ادھر شہر میں موجود یہ پارٹی بڑا سیاہ بچھو کروڑ سے اوپر رقم میں لے رہے ہیں، آپ کروڑوں کماؤ گے اور ہمیں لاکھوں بھی نہیں ملیں گے۔"

"تم دونوں کو پچاس پچاس ہزار روپے مل رہے ہیں۔"

"ہمیں پچاس ہزار نہیں پانچ لاکھ چاہئیں۔" قادر بخش بولا۔ "ایک بندے کو پانچ لاکھ۔"

"تمہارا دماغ درست ہے۔" جمشید غصے میں آگیا۔

"مرضی صاحب کی۔" قادر بخش نے کہا اور یارو کی طرف دیکھا۔ "واپس چل۔"

اس دھمکی نے جمشید کو نرم کر دیا، اس نے جلدی سے کہا۔ "دیکھو، جو پہلے سے طے ہوا تھا..."

"اسے بھول جاؤ صاحب۔" یارو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ جمشید نے انہیں منانے کی کوشش کی اور پھر اس شرط پر مان گیا کہ اگر بچھو مل گئے تو وہ ان کو دس لاکھ دے گا۔

"بس اب چلو۔" جمشید نے کہا۔ "آگے راستہ بہت مشکل ہے اور ہمیں تاریکی میں طے کرنا ہے۔"

"آپ فکر نہ کرو صاحب، میں لے جاؤں گا۔" یارو نے کہا۔ اب وہ آگے تھا۔ انہوں نے ایسی ٹارچ روشن کر لی تھیں جو سینے پر آویزاں ہو سکتی تھیں اور سامنے روشنی دکھاتی تھیں۔ ان کے دونوں ہاتھ اس مشکل راستے پر سفر کے لیے آزاد تھے۔ درمیان میں جمشید تھا اور عقب میں قادر بخش۔ وہ گنجے کے سر والی چوٹی کی طرف بڑھ رہے تھے اور رات کے آٹھ بج چکے تھے۔

☆☆☆

بانور نے گھڑی دیکھی تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آواز کس طرف سے آئی تھی۔ اسی لمحے آواز دوبارہ آئی تو وہ چونک کر اٹھا اور تب اس نے دیکھا کہ بچھو غائب تھے۔ آس پاس کوئی نہیں تھا البتہ کنوئیں کے پاس چند ایک نظر آرہے تھے اور وہ بھی کنوئیں میں جا رہے تھے۔ چاند بلند ہونے سے اب اس طرف مکمل چاندنی تھی۔ شاید اسی لیے بچھو واپس جا رہے تھے۔ بانور کو لگا کہ آواز کنوئیں کی طرف سے آئی ہے۔ اس نے الیک کو ہوشیار کرنا چاہا تو اسے جھٹکا لگا، الیک اپنی جگہ نہیں تھا۔ بانور کھڑا ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے الیک کو آواز دی۔ "صاحب آپ کدھر ہے؟"

لیکن الیک کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔ بانور نے آس پاس دیکھا وہاں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کوئی آدمی چھپ سکتا۔ تو کیا الیک کنوئیں کی طرف گیا تھا؟ اس کا سارا سامان اور بچھوؤں والے پیک وہیں رکھے تھے۔ بانور ہچکچایا مگر پھر دائرے سے نکل کر کنوئیں کی طرف بڑھا اس دوران میں وہ آس پاس سے بہت ہوشیار تھا کہ کوئی بچھو نہ ہو۔ حالانکہ وہ مکمل طور پر محفوظ لباس میں تھا اور اس نے بوٹ تک پہن رکھا تھا۔ کنوئیں کے نزدیک آکر اس نے کیل سے بندھی ہوئی رسی تھامی اور ڈھلان پر آگے بڑھا۔ اب اسے خدشہ تھا کہ شاید کسی وقت الیک اٹھ کر یہاں آیا اور غلطی سے کنوئیں میں گر گیا۔ بانور کی آنکھ شاید اس کے گرنے کی آواز سے کھلی تھی۔ وہ رسی تھامتا ہوا کنوئیں کے کنارے تک آیا اور جب اس نے اندر جھانکا تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ وہ ٹارچ لانا بھول گیا تھا اب وہ اندر کیسے دیکھتا۔ اس نے پلٹنا چاہا تھا کہ اچانک ہی وہ رسی ڈھیلی ہوئی جسے اس نے تھام رکھا تھا۔ بانور رکا تو اس کا توازن بگڑا اور اس نے رسی کی مدد سے خود کو واپس کھینچنا چاہا لیکن رسی خود کھنچی آئی۔ بانور نے آخری لمحے میں کنوئیں کے کنارے سے خود کو سنبھالنا چاہا مگر اب یہ ممکن نہیں تھا، وہ ایک گھٹی گھٹی سی چیخ کے ساتھ اندر گرتا چلا گیا۔

☆☆☆

شاہ نور اور سمار اس تنگ راستے پر چٹان سے چپک کر چل رہے تھے۔ شاہ نور آگے تھا اور وہ اپنے ہاتھ میں دبی ٹارچ سے راستہ دیکھتا پھر آگے قدم رکھتا تھا۔ اس راستے پر سفر کے لیے انہیں ضروری سامان کے سوا سب چھوڑنا پڑا تھا خاص طور سے بیگ لے کر وہ کسی صورت اس راستے پر سفر نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اس پر سفر کرتے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت ہو گیا تھا اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ ابھی مزید کتنا سفر باقی تھا۔ اچانک انہیں ایک چیخ سنائی دی جو کچھ دیر گونجتی رہی تھی جیسے انسان بلندی سے گرتا ہے تو ذرا دیر تک چیختا ہے حتیٰ کہ وہ گر نہیں جاتا۔ شاہ نور بے چین ہو گیا۔

"میم صاحب آپ نے چیخ سنی؟"

"ہاں اور یہ اسی طرف سے آئی ہے جس طرف ہم جا رہے ہیں۔"

اب شاہ نور زیادہ بے چین ہو گیا۔ اسے رہ رہ کر باپ کا خیال آرہا تھا۔ اس نے سمار سے کہا۔ "میں آگے جا رہا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

''نہیں تیزی مت دکھانا، یہ راستہ خطرناک ہے۔''

''میں خیال رکھوں گا۔'' شاہ نور نے کہا اور تیزی سے سرکنے لگا۔ سحار اتنی تیزی سے نہیں سرک سکتی تھی اس لیے وہ اپنی رفتار سے سفر کرتی رہی۔ چند منٹ بعد شاہ نور اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سحار کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس کا سینہ چٹان کی طرف تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے سہارا لے کر جا رہی تھی۔ شاہ نور کے جانے کے بعد اس نے اپنی پچھلی کمر پر ہاتھ رکھا اور پتلون کی بیلٹ میں اُڑسا ہوا چھوٹا سا پستول محسوس کر کے تقویت محسوس کی۔ وہ اس بار زیادہ تیزی سے سرک رہی تھی۔ شاہ نور خاصا آگے جا چکا تھا۔ جلد ہی وہ چوٹی کی دوسری سمت کھلی جگہ نکلا اور وہاں پہنچتے ہی اس نے تارچ بند کر دی کیونکہ اس طرف چاندنی کی روشنی تھی اور سب صاف نظر آ رہا تھا۔ اسے دور پڑا ہوا سامان نظر آ گیا مگر کوئی فرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شاہ نور محتاط قدموں سے اس طرف بڑھا تھا کہ مخالف سمت سے ایک عجیب وضع کا لباس پہنا ہوا شخص نمودار ہوا۔ اس لباس نے اسے سر سے پیر تک ڈھک رکھا تھا۔ اس نے شاہ نور کو دیکھ لیا اور ٹھٹکا۔

''کون ہو تم؟''

''میں شاہ نور ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ شاہ نور نے محسوس کر لیا کہ بولنے والا گورا تھا۔ وہ مخصوص لہجے میں اردو بول رہا تھا۔ ''آپ ایلک صاحب ہو؟''

ایلک چونکا۔ ''ہاں میں ایلک ہوں، تم کون ہو؟''

''میرا بابا آپ کے ساتھ آیا ہے۔ وہ کہاں ہے؟''

''بانور۔'' ایلک نے سامان کے پاس بیٹھ کر کسی چیز کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے نوجوان...''

''کیا؟ کیسا افسوس؟'' شاہ نور بے چین ہو گیا پھر اس نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔ ''میرا بابا کہاں ہے؟''

ایلک نے جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر اس کی طرف آنے لگا۔ شاہ نور اس سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ ایلک کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ جب وہ نزدیک آیا تو شاہ نور نے دیکھا، اس نے ایک سیاہ بچھو پکڑ رکھا تھا۔ اس کا ڈنک آزاد تھا جو وہ بار بار ایلک کے دستانے میں چھپے ہاتھ پر مار رہا تھا مگر دستانے پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ شاہ نور پیچھے ہو گیا۔ ''آپ نے بتایا نہیں صاحب۔''

''وہ بچھوؤں والے کنوئیں میں گر گیا ہے۔'' ایلک نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ شاہ نور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

دنیا کے کسی بھی کونے میں اور کسی بھی موسم میں
گھر بیٹھے
رسالے حاصل کیجیے
جاسوسی ڈائجسٹ سسپنس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگزشت
باقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر
ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)
پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے
بقیہ ممالک کے لیے 7,000 روپے
آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔
یہ آپ کی طرف سے اپنے پیاروں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے
بیرونِ ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر بھاری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔
رابطہ: ثمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)
جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی
فون: 35895313 فیکس: 35802551

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

"نہیں میرا بابا زندہ ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے۔ وہ پتا نہیں کیوں اس کنوئیں کے قریب گیا تھا۔ اس میں اس جیسے سیکڑوں یا شاید ہزاروں بچھو ہیں۔"

شاہ نور کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر اسے الیک کا رویہ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس نے بچھو کیوں پکڑ رکھا تھا اور اس کا ڈنک اس لباس پر اثر نہیں کر رہا تھا۔ اس نے ڈوبتے لہجے میں پوچھا۔ "یہ بچھو آپ نے وہیں سے پکڑا ہے؟"

"ہاں ایسے کئی بچھو میرے پاس ہیں۔"

"اسے کیوں لائے ہیں، یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔"

"لیکن یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" الیک نے کہا اور اچانک بچھو اس کی طرف اچھال دیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاہ نور ہوشیار نہیں ہوگا مگر وہ نہایت پھرتی سے ایک طرف ہوا اور بچھو اس کے پاس سے ہوتا ہوا پیچھے جا گرا اور پھر تیزی سے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے شاہ نور کی طرف آیا۔ درحقیقت وہ شاہ نور نہیں بلکہ کنوئیں کی طرف لپک رہا تھا مگر دیکھنے میں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شاہ نور کی طرف آرہا ہو۔ شاہ نور نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن اس بار اس کا پاؤں پھسلا اور وہ نیچے گرا۔ بچھو اس سے چند قدم دور تھا اور بہت تیزی سے آرہا تھا۔ شاہ نور کے پاس اٹھنے یا سرکنے کی مہلت نہیں تھی۔ مگر بچھو اس کے پاؤں سے چند ہی دور تھا کہ ایک فائر ہوا اور بچھو کے پرخچے اڑ گئے۔ ایک گولی کے سامنے اس کی حیثیت ہی کیا تھی۔ فائر نے شاہ نور کے ساتھ الیک کو بھی چونکا دیا۔ شاہ نور نے سامنے دیکھا جہاں چٹان سے سحار باہر آرہی تھی اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"شاہ نور تم ٹھیک ہو۔" سحار نے کہا اور پستول کا رخ الیک کی طرف کر دیا جس کا ہاتھ اپنے لباس کی طرف جا رہا تھا۔ "حرکت مت کرنا جان۔"

شاہ نور حیران ہوا۔ "جان؟... اس کا نام تو الیک ہے۔"

"اس کی شخصیت کی طرح اس کا نام بھی جعلی ہے۔" سحار نے کہا اور جان عرف الیک کو للکارا۔ "تم نے سنا نہیں۔"

اس بار جان نے باول ناخواستہ دونوں ہاتھ سر پر رکھ لیے۔ پھر سحار کے حکم پر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ شاہ نور ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گیا تھا۔ اس نے سحار کو بتایا۔ "یہ بابا کے بارے میں کہہ رہا ہے وہ بچھوؤں والے غار میں گر گئے تھے۔ یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں اگر تم میں ہمت ہے تو اس غار کے پاس جا کر دیکھ لو، اس کی لاش اندر پڑی ہوگی۔"

"بابا کو تم نے دھکا دیا ہوگا۔" شاہ نور مشتعل ہونے لگا۔ "میں جانتا ہوں بابا ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" سحار نے کہا۔ "بابا نور ایک تجربہ کار گائیڈ ہے وہ ایسی غلطی کیسے کر سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" جان نے سپاٹ لہجے میں کہا اور سحار سے پوچھا۔ "تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟"

"یہ میری ڈیوٹی ہے۔" سحار نے کہا اور آگے بڑھی، اس نے پستول جان کی کھوپڑی پر رکھتے ہوئے اس کی تلاشی لی اور اس کے لباس سے ایک پستول برآمد کر لیا پھر وہ پیچھے ہٹی اور حکم دیا۔ "یہ لباس اتار دو۔"

"کیوں؟"

"میں کہہ رہی ہوں لباس اتار دو۔" سحار کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ "اگر میں نے تمہارے گھٹنے میں گولی ماری تو تم مرو گے نہیں لیکن اس کے بعد ساری عمر کے لیے لنگڑا کر چلو گے۔ تم جانتے ہو میں تمہیں شوٹ بھی کر دوں تو مجھ پر کوئی چارج نہیں لگے گا۔"

اس دھمکی نے جان کو مجبور کر دیا کہ وہ لباس اتار دے۔ شاہ نور بچھوؤں والے کنوئیں کی طرف جانے کے لیے بے چین تھا مگر سحار نے اسے سختی سے روک دیا۔ "جو میں کہوں گی، تم وہ کرو گے۔"

سحار ویسے بھی اس کی محسن تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے اس نے شاہ نور کی جان بچائی تھی۔ مگر وہ باپ کے لیے فکر مند تھا۔ جان نے لباس اتار کر سامنے پھینک دیا اور زہریلے لہجے میں بولا۔ "مزید کوئی حکم؟"

"شاہ نور یہ لباس پہنو۔" سحار نے کہا تو شاہ نور نے لباس اٹھا کر دیکھا، یہ اس کے سائز سے بڑا تھا مگر ہاتھوں اور پیروں میں یہ پوری طرح فٹ آیا تھا۔ اس نے زپ بند کی اور پھر سر پر ہڈ فٹ کیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لباس بچھوؤں سے بچاؤ کے لیے تھا۔ سحار نے ایک بار پھر دوا اسپرے خود پر کیا جس کی بو سے کیڑے مکوڑے اور بچھو بھاگتے تھے۔ اس نے جان سے پوچھا۔ "بچھوؤں والا کنواں کہاں ہے؟"

"میں اس حالت میں وہاں نہیں جا سکتا۔" جان نے انکار کیا وہ صرف نیکر میں تھا۔ "یہ بہت خطرناک بچھو ہیں،

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آدمی کو کاٹ لیں تو وہ پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔"

"اس کے باوجود تم ان کے پیچھے یہاں دوڑے چلے آئے۔" سحار نے طنز کیا۔

"تم وجہ جانتی ہو۔" جان نے جواب دیا۔ "بائی دی وے کیا تم صرف اپنے کام کے سلسلے میں یہاں آئی ہو؟"

"اب حرکت میں آجاؤ۔" سحار نے اس کا سوال نظر انداز کر کے کہا۔ جان کنوئیں کی طرف بڑھا۔ وہ سامان کے نزدیک جا رہا تھا مگر سحار نے اسے حکم دے کر اس سے دور رکھا۔ وہ اس پہ مکمل نظر رکھے ہوئے تھی اور کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھی۔ جان کے آگے نکلنے کے بعد اس نے سامان کا معائنہ کیا اور فوراً ہی اسے بچھوؤں والے پیک نظر آگئے جن میں زندہ بچھو کلبلا رہے تھے۔ "تم کنوئیں میں اترے تھے؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بچھو رات کے وقت بڑی تعداد میں خود باہر آجاتے ہیں تو میں کبھی کنوئیں میں نہ اترتا۔ اگر تم صرف ایک گھنٹا پہلے آتیں تو یہ ساری جگہ بچھوؤں سے بھری ہوئی تھی۔"

ذرا آگے آنے پر بچھوؤں والا کنواں آگیا۔ سحار نے اچانک عقب سے جان کے سر پر پستول مارا اور وہ کراہ کر آگے گرا۔ سحار نے اپنی جیب سے فائبر کی باریک ڈوریاں نکال کر جان کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے۔ اسے ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا۔ پھر اس نے کھینچ کر نیم بے ہوش جان کو محفوظ جگہ کیا اور خود شاہ نور کی طرف بڑھی جو کنوئیں کے نزدیک ڈھلان پر کھڑا تھا۔ اس نے دونوں کیلیں اور ایک میں بندھی رسی دیکھ لی تھی۔ ایک کیل خالی تھی۔ شاہ نور نے اشارہ کیا۔ "اس کی رسی کہاں گئی؟"

"شاید ان لوگوں نے کھول لی ہوگی۔" سحار نے کہا۔

"نہیں اگر کھولتے تو دونوں کھولتے اور کیلیں بھی نکالتے۔" شاہ نور نے جواب دیا۔ "مجھے لگ رہا ہے آپ کی بات ٹھیک ہے اس نے بابا کو جان بوجھ کر آگے بھیجا ہوگا اور پھر رسی کھول دی ہوگی اور وہ کنوئیں میں گر گئے۔"

شاہ نور کی آواز بھرا گئی۔ سحار نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "حوصلہ رکھو شاہ... ہم پہلے دیکھتے ہیں۔"

سامان میں مزید رسیاں موجود تھیں، انھوں نے خالی کیل سے رسی باندھی اور پھر اس کی مدد سے شاہ نور کنوئیں کی طرف گیا۔ اس کے پاس طاقتور سرچ لائٹ تھی۔ وہ کنوئیں کے کنارے پہنچا اور اس نے نیچے روشنی ڈالی تو فوراً ہی بانور نظر آگیا۔ وہ کنوئیں کی تہ میں ساکت پڑا تھا اور اس کے جسم پر بھی وہی لباس تھا۔ اس پر کئی بڑے سیاہ بچھو چل رہے تھے۔ شاہ نور نے بے تاب ہو کر اسے آواز دی۔ "بابا... بابا... میں ہوں شاہ نور... بابا تم میری آواز سن رہے ہو۔" بولتے ہوئے وہ رو رہا تھا اور آنسوؤں سے اس کی نظر دھندلا رہی تھی۔

"شاہ..." اچانک ہی مدھم سے آواز آئی تو شاہ نور کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ آواز بانور کی تھی۔ شاہ نور چلایا۔

"بابا تم ٹھیک ہو نا میری آواز سن رہے ہو۔"

"شاہ... یہاں سے... چلا جا۔" بانور رک رک کر کہہ رہا تھا۔

"نہیں بابا، میں آرہا ہوں۔" شاہ نور نے کہا۔ وہ جائزہ لے رہا تھا کہ نیچے کیسے جائے۔ سحار اس کی آواز سن کر قریب آگئی۔ شاہ نور نے اسے بتایا۔ "بابا زندہ ہے، میں اسے لینے جا رہا ہوں۔"

"ایک منٹ تم اسے اوپر کیسے لاؤ گے؟"

"اسے شانے پر لاد کر لے آؤں گا۔"

سحار نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ ممکن نہیں ہے اس کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ایک منٹ رکو۔" سحار کہہ کر سامان تک آئی اور یہاں اسے مطلوبہ سامان مل گیا۔ اس میں بیلٹ اور کلپس تھے۔ ایسے گراری والے کلپ بھی تھے جن کی مدد سے بھاری سامان یا افراد کو بھی آسانی سے کھینچا جا سکتا تھا۔ سحار ان تمام چیزوں کا استعمال جانتی تھی۔ اس نے شاہ نور کو سمجھایا کہ اسے بیلٹ اور کلپس سے کیسے کام لینا ہے۔ اس نے گراری والے کلپس اس رسی سے منسلک کیے جس کی مدد سے بانور کو اوپر کھینچا جانا تھا۔ پھر اس نے اسپرے شاہ نور کو دیا۔

"یہ رکھو ممکن ہے اس کی ضرورت ہو۔"

شاہ نور نے اسپرے ایک جیب میں رکھا، بیلٹ کمر سے باندھ کر اس سے رسی منسلک کی اور اسے چھوڑتا ہوا نیچے خلا میں گیا۔ ایک ٹارچ اس کے سینے سے لگی تھی اور وہ روشن تھی۔ دوسری تیز روشنی والی سرچ لائٹ اس کی بیلٹ سے لٹک رہی تھی۔ روشنی ہوئی تو دیواروں پر موجود بچھوؤں میں کھلبلی مچی اور وہ سوراخوں اور درزوں میں چھپنے لگے۔ شاہ نور کو ڈر لگا تھا مگر اسے تسلی بھی تھی کہ وہ اس لباس میں محفوظ ہے۔ رفتہ رفتہ وہ رسی سے پھسلتا ہوا نیچے تہ تک پہنچا یہاں بھی بے شمار بچھو تھے جو اسے دیکھ کر دور بھاگنے لگے۔ شاہ نور کے پاؤں زمین پر لگے تو اسے نرم سا احساس ہوا۔ اس نے سرچ لائٹ آن کی تو اس کی تیز روشنی میں وہاں فرش پر کائی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
f PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

ڈھیر نظر آنے لگے۔ بانو ر ایسے ہی ایک ڈھیر پر پڑا ہوا تھا۔ کافی نے اس کی جان بچائی تھی مگر وہ زخمی تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاہ نور تو... کیوں آیا ہے؟"

"بابا میں اس لباس میں محفوظ ہوں۔" شاہ نور نے اسے یقین دلایا اور پھر اس کا جائزہ لیا۔ نیچے گرنے سے بانو ر کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور شاید ایک ہاتھ میں بھی فریکچر ہوا تھا۔ شاہ نور نے ہمت کر کے اسے بیلٹ پہنائی اور اس سے رسی منسلک کر دی۔ بانو ر ضبط کے باوجود تکلیف سے کراہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بانو ر کو بیلٹ اور رسی سے منسلک کر کے شاہ نور نے سحار کو آواز دی۔ "میں نے بابا کو بیلٹ پہنا دی ہے، اسے اوپر کھینچو۔"

مگر سحار کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ شاہ نور نے پھر آواز دی اور جب کوئی جواب نہیں آیا تو وہ خود اوپر جانے لگا مگر اسی لمحے رسی ٹوٹ کر اندر آ گری۔ شاہ نور ایک جھٹکے سے واپس آیا مگر وہ اوپر نہیں تھا اس لیے بس چند انچ ہی گرا اور کسی چوٹ سے بچ گیا تھا۔ اس نے فکر مند ہو کر رسی دیکھی، یہ کسی تیز دھار آلے سے کاٹ دی گئی تھی۔ پھر اس نے بانو ر کی بیلٹ سے بندھی رسی تھامی اور اسی لمحے یہ رسی بھی کٹ کر نیچے آ گری تھی۔ اوپر کچھ ہوا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوا ہے؟

☆☆☆

سحار کنوئیں کے پاس موجود تھی اور کبھی کبھی پلٹ کر جان کی طرف دیکھتی تھی۔ چوٹ کے صدمے کو سہہ کر وہ ہوش میں آ گیا تھا اور دبی زبان میں اسے گالیاں دے رہا تھا۔ سحار نے کہا۔ "اپنی زبان بند رکھو ورنہ تمہیں اس کنوئیں میں دھکا دے دوں گی۔"

"مجھے اب بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "اور تم کیا سمجھتی ہو میں یہاں سزا پاؤں گا۔ میں جس ملک کے پاسپورٹ پر آیا ہوں، وہ مجھے رہا کرا لے گا۔"

"اپنی باتوں سے تم خوش فہمی کا شکار لگ رہے ہو۔" سحار ہنسی۔ "اس ملک کو پتا چل گیا تو تم ساری عمر اس کی جیل میں گزارو گے۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" جان نے اچانک معنی خیز انداز میں کہا۔ "دو سال پہلے تک تو تم یک قالب دو جان تھے۔"

"اب وہ بات نہیں رہی۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا۔ جمشید دھوکے باز اور عیار شخص ہے۔ کیا تم جانتی ہو میں جکارتہ میں کیسے بچ نکلا تھا؟"

سحار چونکی۔ وہ اضطراری طور پر جان کے نزدیک آ گئی۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

دو سال پہلے سحار اور جمشید نے جان کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا مگر وہ عین موقع پر بچ کر فرار ہو گیا۔ سحار آج تک نہیں سمجھ سکی تھی کہ جان کو کیسے پتا چلا کہ وہ آ رہے تھے۔ وہ بس ایک منٹ پہلے نکل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔ جان مسکرایا۔ "مجھے جمشید نے فرار کرایا تھا۔ اسی نے مجھے ریڈ کی اطلاع دی تھی۔"

"جمشید نے؟" سحار نے بے یقینی سے کہا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو بکواس کر رہے ہو؟"

"اچھا میں جھوٹا ہی سہی۔"

"جمشید ایسا کیوں کرنے لگا؟"

"دولت کے لیے۔" جمشید کی آواز آئی اور سحار کے عقب سے آئی تھی۔ وہ تیزی سے مڑی تھی۔ کچھ فاصلے پر جمشید یارو اور قادر بخش کے ساتھ کھڑا تھا اور وہ تینوں مسلح تھے۔ ان کے ہتھیاروں کا رخ سحار کی طرف تھا۔ جمشید نے مسکرا کر کہا۔ "ڈارلنگ اپنا یہ ننھا سا پستول پھینک دو تا کہ ہم آرام سے بات کر سکیں۔"

گھومتے ہوئے سحار نے پستول تان لیا تھا مگر ایک کے مقابلے میں تین ہتھیار تھے اور ان سب کا مقابلہ ناممکن تھا خاص طور سے قادر بخش کے ہاتھ میں نظر آنے والی شاٹ گن بہت خطرناک تھی۔ ان کے عزائم ان کے چہروں پر لکھے ہوئے تھے۔ وہ اسے شوٹ کر سکتے تھے۔ سحار نے پستول والا ہاتھ نیچے کیا اور تلخی سے بولی۔ "تم گھٹیا انسان تو ہو لیکن کرپٹ بھی نکلو گے، اس کا مجھے علم نہیں تھا۔"

جمشید مسکرایا۔ "تو اب ہو گیا۔" پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔ "لڑکا کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، وہ مجھے چھوڑ کر کہیں گیا ہے۔" سحار نے جھوٹ بولا۔

"وہ اس طرف بچھوؤں کے غار میں اپنے باپ کے پاس ہے۔" جان نے فوری بھانڈا پھوڑ دیا۔ "میں نے اس کے باپ کو کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔"

"صاحب باقی کام میں کر دوں۔" یارو نے بے تابی سے کہا اور جیسے ہی جمشید نے سر ہلایا، وہ کنوئیں کی طرف لپکا۔ اس نے جاتے ہی کنوئیں میں غائب ہوتی دونوں رسیاں چاقو سے کاٹ دیں۔ اس دوران میں اسے شاہ نور کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر اس نے اپنا کام کیا اور واپس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

آ کر جمشید سے بولا۔ ''اب وہ دونوں باپ بیٹا قیامت تک اسی کنوئیں میں رہیں گے۔''

''صرف وہی نہیں بلکہ اور لوگ بھی تا قیامت اس کنوئیں میں رہیں گے۔'' جمشید نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''جمشید یہ کیا کر رہے ہو؟'' سحار نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ''کیا تم قانون اپنے ہاتھ میں لو گے؟''

''قانون؟'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔''

''تم ان بچھوؤں کے چکر میں ہو نا۔'' سحار نے بچھوؤں کے بکس کی طرف اشارہ کیا۔ ''ٹھیک ہے تم بچھو لے لو، اس کے لیے کسی کی جان لینا ضروری نہیں ہے۔''

''یہ تمہاری نہیں سنے گا۔'' جان ہنسا۔ ''بات صرف ان بچھوؤں کی نہیں ہے بلکہ اس کنوئیں کی ہے جس میں ایسے ہزاروں بچھو ہیں۔ تم اس خزانے کی مالیت کا اندازہ کر سکتی ہو۔''

جمشید بکس کے پاس بیٹھا ہوا بچھوؤں کا معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ''میرے خدا میں نے اتنے بڑے بچھو نہیں دیکھے، ان میں سے ہر ایک کم سے کم پانچ کروڑ میں فروخت ہوگا۔''

پانچ کروڑ کا سن کر یارو اور قادر بخش کے تاثرات بدل گئے۔ انہوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس دوران میں جمشید نے خالی خانہ دیکھ لیا تھا جس سے جان نے بچھو نکالا تھا اور جو سحار کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔

''یہ کیوں خالی ہے؟'' اس نے جان سے پوچھا۔

''شاید خانہ کھلا رہ گیا ہوگا اور وہ نکل گیا ہے۔'' جان نے جھوٹ بولا۔ یہ سنتے ہی کہ ایک آزاد بچھو ہے، ان لوگوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ آس پاس دیکھنے لگے۔ خاص طور سے یارو اور قادر بخش گھبرائے ہوئے تھے۔ جمشید نے جلدی سے اپنے بیگ سے اسپرے نکال کر خود پر کیا۔ سحار آرام سے کھڑی رہی، اس نے جان کے جھوٹ کی تردید نہیں کی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ان لوگوں کی گھبراہٹ سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ ابھی موقع نہیں تھا کیونکہ قادر بخش کی شاٹ گن کا رخ اسی کی طرف تھا۔ یارو اسپرے کے بارے میں جانتا تھا، اس نے کہا۔

''صاحب اسپرے ہم کو بھی دو۔''

''تم لوگ ہوشیار رہو۔'' جمشید نے یارو کا مطالبہ نظر انداز کر کے کہا اور بچھوؤں والے بکس اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھنے لگا۔ اس نے بیگ سے سامان نکال دیا تھا کہ کہیں بچھو دب کر نہ مر جائیں۔ اگر اس کی بات درست تھی تو ان دو بکس میں موجود بچھوؤں کی مالیت ایک ارب روپے کے قریب تھی۔ یارو اس کے پاس چلا آیا اور اس بار اس نے بدلے لہجے میں کہا۔

''میں نے کہا صاحب اسپرے ہم کو بھی دو۔''

جمشید نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے بولا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بس یہاں سے واپس جانے والے ہیں۔''

''نہیں صاحب تم جانے والے نہیں ہو۔'' یارو نے اپنے پستول کا رخ جمشید کی طرف کر دیا جبکہ قادر بخش کی شاٹ گن کا رخ بدستور سحار کی طرف تھا۔ جمشید نے بے یقینی سے یارو کی طرف دیکھا۔

''تمہارا دماغ درست ہے؟''

''نہیں صاحب۔'' وہ ہنسا۔ ''دولت آدمی کا دماغ خراب کرتی ہے۔ تم کس لیے آئے تھے؟''

جمشید نے اپنا پستول رکھ لیا تھا اور اب اس کے پاس موقع نہیں تھا کہ وہ اسے نکال سکتا۔ یارو نے آرام سے اس کا پستول نکال لیا اور وہ اسے برا بھلا کہتا رہ گیا۔ یارو نے سامان سے رسی نکال کر .... جمشید کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ جمشید کے اسپرے پر قبضہ کر کے یارو نے خود پر اور پھر قادر بخش پر اسپرے کیا۔ اس نے فراخ دلی سے کام لیا تھا اور جب تک اسپرے ختم نہیں ہو گیا، اس نے اس کا بٹن دبا کر رکھا۔ پھر اس نے جمشید کا بیگ اٹھا کر .... قادر بخش کے حوالے کر دیا۔ اس میں قیمتی ترین بچھو تھے۔ سحار اور جان دم بخود بدلتے حالات دیکھ رہے تھے۔ سحار نے کہا۔ ''تم نے جو گڑھا دوسروں کے لیے کھودا تھا اب اس میں خود بھی دفن ہو گے۔''

''شاید لیکن تمہیں کچھ مراحل سے اور بھی گزرنا ہو گا۔'' جمشید نے کہا تو سحار نے چونک کر یارو اور قادر بخش کی طرف دیکھا جو اسے حریص نظروں سے گھور رہے تھے۔ قادر بخش نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ ''پہلی بار کوئی میم ہاتھ لگی ہے۔ اوپر سے تو میم ہی لگتی ہے۔''

''اندر سے بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' یارو نے کہا اور سحار کی طرف بڑھا تھا کہ وہ تیز لہجے میں بولی۔

''خبردار کوئی میرے قریب نہ آئے۔''

''ڈونٹ میم صاحب۔'' یارو نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''ایسی بات نہ کرو ہم تو تڑپ رہے ہیں تمہارے لیے۔''

سحار سہم گئی۔ کتنی ہی حوصلہ مند کیوں نہ تھی تو ایک عورت، وہ ان طاقتور مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ہراساں نظروں سے چاروں طرف دیکھا مگر وہاں کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ فرار کا راستہ بھی نہیں تھا۔ یارو آگے بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پھر ڈھلان کی حد آگئی۔ وہ اس سے ایک قدم بھی پیچھے ہوتی تو گر جاتی۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور یارو نے اچانک اسے پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر زمین پر گرا دیا۔ وہ اسے قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تمارا تڑپ اور مچل رہی تھی۔ قادر بخش اب شاٹ گن شانے پر ٹانگ کر تماشا دیکھ رہا تھا۔ جمشید اور جان کو اپنی فکر پڑی ہوئی تھی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ یہ لوگ انہیں بھی نہیں چھوڑیں گے جبھی وہ ان کے سامنے پوری بے فکری سے ایک سنگین ترین جرم کرنے جا رہے تھے۔ نیچے ڈرائیورز اور باورچی تھا لیکن ان سے بھی نمٹا جا سکتا تھا۔ اس ویرانے میں چند افراد کو دفن کرنے کے لیے بہت جگہ تھی۔

☆☆☆

شاہ نور نے پریشانی سے کنوئیں کی منڈیر کی طرف دیکھا۔ اس طرف چاند کسی قدر اوپر آگیا تھا اور وہاں روشنی تھی۔ رسیاں کٹ جانے کے بعد وہ اوپر نہیں جا سکتا تھا۔ باور دیکھ رہا تھا۔ اس نے نحیف لہجے میں کہا۔ ”شاہ نور مجھے منع کیا تھا کہ نیچے مت آ مگر تو نہیں مانا۔“

”بابو میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔“ شاہ نور نے کہا۔ وہ اب دیواروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ”میں باہر جانے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”کیسے ان دیواروں پر صرف بچھو چڑھ سکتے ہیں۔“

”بابو جب انسان بچھو جیسا ہو سکتا ہے تو وہ اس کی طرح کے اور کام بھی کر سکتا ہے۔“ شاہ نور نے کہا۔ اس نے ایک طرف کی دیوار کا معائنہ کیا جس پر پتھر زیادہ ابھرے ہوئے تھے اور ان میں رخنے بھی محسوس ہو رہے تھے۔ اگر وہ کوشش کرتا تو اس طرف سے اوپر جا سکتا تھا۔ اسے بچارو کا خیال بھی آرہا تھا کہ وہ بھی شاید کسی مشکل میں پڑ گئی تھی جبھی اس کی طرف سے جواب نہیں آیا اور پھر رسیاں کٹ گئی تھیں۔ اس نے نیچے گرنے والی دونوں رسیاں اٹھائیں اور ان کے گچھے بنا کر شانے پر ٹانگ لیے۔ وہ اس کے کام آتے۔ پھر وہ دیوار کے پاس آیا اور اس نے ایک ابھرے ہوئے پتھر پر قدم رکھ کر خود کو اوپر کیا۔ مگر جب دوسرے پتھر پر ہاتھ جمایا تو وہ پھسل گیا۔ دستانے کے ریزوں میں گرفت کی صلاحیت نہیں تھی۔ اس نے دوبارہ کوشش کی اور پھر ناکام رہا۔ اسے لگا کہ وہ اس طرح سے اوپر نہیں جا سکے گا اسے کم سے کم ہاتھ اس لباس سے نکالنے ہوں گے۔ مگر اس صورت میں کوئی بھی بچھو اسے ڈنک مار سکتا تھا۔

شاہ نور نے سوچا اور اسپرے نکال کر پہلے خود پر کیا۔ اس کا اثر ہوا جو بچھو اس کے آس پاس تھے وہ تیزی سے دور ہو گئے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے لباس کا اوپری حصہ اتارا اور پھر ہاتھ والا حصہ کسی قدر کوشش کے بعد باقی لباس سے الگ کر دیا۔ لباس دوبارہ پہن کر اس نے اپنے ہاتھوں پر اسپرے کیا اور پھر دھڑکتے دل کے ساتھ ابھرے پتھر پر ہاتھ جمائے۔ اس کے ہاتھ اچھی طرح جم رہے تھے مگر اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی بچھو اسپرے کی پروا کیے بغیر اس کے ہاتھ پر ڈنک نہ مار دے۔ شروع میں آسانی رہی۔ ہاتھ کے ساتھ جوتوں کا گرپ سول دیوار پر اچھی طرح جم رہا تھا۔ وہ تیس فٹ تک چڑھ گیا۔ لیکن اس کے بعد مشکل ہونے لگی۔ دیوار میں رخنے اور پتھر کم ہو گئے تھے اور جو تھے ان میں فاصلہ بڑھ رہا تھا۔ کسی جگہ ہاتھ رکھنے سے پہلے وہ اطمینان کرتا تھا کہ وہاں کوئی بچھو چھپا ہوا تو نہیں ہے۔ اس لیے وہ اس جگہ ہلکا سا اسپرے کر دیتا تھا۔ اس ترکیب نے کئی بار اسے بچایا کیونکہ وہاں بچھو ہوتا تھا اور اسپرے ہوتے ہی وہ نکل بھاگتا۔ بچھو اس کی بو سے بھاگتے تھے۔

پچاس فٹ کے بعد مشکل مزید بڑھ گئی اور خطرہ بھی بڑھ گیا تھا اب اس کا ہاتھ پھسلتا اور وہ نیچے گرتا تو امکان تھا کہ باور کی طرح اس کی ہڈیاں بھی ٹوٹ جاتیں۔ اس لیے وہ زیادہ احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اب وہ ستر فٹ کی بلندی پر تھا اور منڈیر تقریباً تیس فٹ دور رہ گئی تھی۔ منڈیر سے کوئی دس فٹ نیچے ایک چھجا نما نکلا ہوا تھا اور اس پر پہنچ کر شاہ نور کچھ دیر بغیر ٹکے ٹھہرا ہوا تھا۔ اس کا سانس پھول گیا تھا اور اسے پیاس لگ رہی تھی۔ مگر اس کے پاس پانی نہیں تھا۔ اس نے اوپر دیکھا اب منڈیر تک مشکل سے کوئی ابھار یا رخنہ تھا جس پر وہ ہاتھ جما سکتا۔

اس نے دیوار ٹٹولی تو اسے ایک جگہ انگلیاں جمانے کی جگہ محسوس ہوئی۔ شاہ نور نے اس پر گرفت جما کر خود کو اوپر کیا۔ یہ کام بہت مشکل تھا اس کا سارا وزن سیدھے ہاتھ کی انگلیوں پر آگیا تھا اور وہ بائیں ہاتھ سے اوپر کوئی جگہ ٹٹول رہا تھا جس پر ہاتھ جما کر خود کو اوپر کر سکے۔ پھر اسے ایسا ہی معمولی سا رخنہ ملا اور اس نے بائیں ہاتھ کی انگلیاں اس میں جما دیں۔ اس کے پاؤں جھول رہے تھے اور پورا وزن انگلیوں پر آگیا تھا۔ پھر اس نے ہمت کرکے دایاں ہاتھ اوپر کیا۔ اب وہ منڈیر سے تین فٹ نیچے تھا اسے ایک جگہ کا سہارا اور مل

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

جاتا تو وہ اوپر پہنچ سکتا تھا۔ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اس نے دایاں ہاتھ مارا اور وہ ایک پتھر پر گیا۔ اس نے اسے تھاما اور خود کو پوری قوت سے اوپر کی طرف اچھال دیا۔

اس کا بایاں ہاتھ منڈیر کی طرف لپکا اور اسے ایسا لگا کہ وہ منڈیر تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اگر اس کا ہاتھ منڈیر تک نہ پہنچتا تو سوفٹ کی گہرائی اس کی منتظر تھی۔ نہ جانے کیسے اس کا ہاتھ نہ صرف منڈیر تک پہنچ گیا بلکہ اس پر جم بھی گیا۔ چند لمحے بے یقینی کے عالم میں لٹکے رہنے کے بعد اس نے دایاں ہاتھ بھی منڈیر پر جمایا اور خود کو اوپر اٹھا لیا۔ منڈیر کے کنارے لیٹ کر وہ تیز سانسوں کے درمیان خود کو سنبھال رہا تھا اس مشقت نے اس کا دماغ چکرا دیا۔ اسی لمحے اسے سحار کے چلانے کی آواز آئی۔ شاہ نور چونک گیا۔ سحار کسی مشکل میں لگ رہی تھی۔ یہ جگہ پیروں سے چلنے والی نہیں تھی اس لیے وہ لیٹے لیٹے کہنیوں کے دوسری طرف سرکنے لگا۔ یہ دائرہ خاصا بڑا تھا۔ وہ دوسری طرف پہنچا اور کھڑا ہوا تو ایک لمحے کو اسے چکر آیا تھا۔ آج اس نے اپنی برداشت سے زیادہ محنت کی تھی۔ تھکن چنان کے ساتھ وہ آگے بڑھا اور پھر اسے سحار دکھائی دی جسے یارو نے گرایا ہوا تھا۔ وہ اسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆☆☆

سحار کا رونا اور چلانا دیکھ کر یارو شیطانی انداز میں ہنسا تھا۔ اس نے کہا۔ ''بس میم صاحب بس... تھوڑا مجرا تم کو بھی کرنے دو۔''

یارو کو اندازہ نہیں ہوا کہ جھپٹنے کے دوران سحار کا ہاتھ کب اس کی جیب میں موجود پستول تک پہنچ گیا اور اس نے پستول نکالتے ہی اس کی ران پر گولی ماری۔ یارو کی دہاڑ فائر کی آواز میں دب گئی تھی۔ وہ تڑپ کر اٹھا مگر سحار نے اسے واپس کھینچ کر اپنی ڈھال بنا لیا۔ پستول کی نال یارو کے سر پر رکھ دی اور قادر بخش سے کہا۔ ''گن پھینک دو ورنہ میں اسے گولی مار دوں گی۔''

تنومند یارو بچوں کی طرح رو رہا تھا اور اس نے ایک گولی کھا کر ہی ہتھیار ڈال دیے تھے۔ دوسری طرف فائر ہوتے ہی قادر بخش نے شاٹ گن تھام لی تھی اور اس کا رخ سحار کی طرف تھا۔ اس نے دھمکی بھری لے میں مرہلایا۔ ''مار دو لیکن اس کے بعد تم بھی نہیں بچو گی۔''

''قادر یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' یارو چلا اٹھا۔ ''یہ بہت ظالم عورت ہے مجھے مار دے گی۔''

قادر بخش نے حقارت سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ ''تو کیا بچوں کی طرح رو رہا ہے۔ ارے مرنے سے ڈرتا ہے۔''

''تو تو مر جا مجھے کیوں مروا رہا ہے؟'' یارو بلبلایا۔ ''تجھے گولی لگے تو تو بھی عورتوں کی طرح روئے۔''

''عورتوں کی طرح تو تیری زبان چل رہی ہے۔''

قادر بخش نے ترکی بہ ترکی جواب دیا پھر سحار سے کہا۔ ''پستول پھینک دے یہ مت سمجھنا کہ میں اس کی وجہ سے ہتھیار ڈال دوں گا۔ میں تین تک گنوں گا اگر تو نے پستول نہیں پھینکا تو ایک ہی فائر میں تم دونوں مارے جاؤ گے۔''

سحار جانتی تھی کہ شاٹ گن کی گولی ان دونوں کے لیے کافی ہوگی۔ قادر بخش گن رہا تھا جیسے ہی اس نے تین کہا سحار نے بلٹ میں پستول کا رخ اس کی طرف کیا مگر وہ اس سے پہلے ٹریگر دبا چکا تھا۔ دھماکا ہوا تو سحار نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر جب گولی کا جھٹکا محسوس نہیں ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں اور اسے شاہ نور، قادر بخش سے جھگڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے قادر بخش کا شاٹ گن والا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور وہ اس کی نال کا رخ اس کی طرف کرنے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ شاہ نور نے بروقت چھلانگ لگا کر شاٹ گن کی نال موڑ دی تھی اور وہ بچ گئے تھے۔ سحار نے یارو کو ایک طرف دھکیلا اور اٹھ کر ان دونوں کی طرف لپکی۔ قادر بخش، شاہ نور کو گرا کر اس پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بہت طاقتور آدمی تھا اور اس نے شاٹ گن کا رخ تقریباً شاہ نور کی طرف کر دیا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ ٹریگر دباتا، سحار نے عقب سے پوری قوت سے اس کی گدی پر پستول کا دستہ مارا اور وہ بے سدھ ہو کر گر پڑا۔ شاہ نور نے اسے ایک طرف دھکیل دیا اور ہانپتے ہوئے بولا۔

''آپ ٹھیک ہو میم صاحب؟''

''تم بروقت آئے ورنہ یہ گولی چلا چکا تھا۔'' سحار نے قادر بخش کو ٹھوکر ماری۔ ''لیکن تم باہر کیسے آئے؟''

شاہ نور نے اسے بتایا کہ وہ باہر کیسے آیا۔ اس کے دونوں ہاتھ زخمی تھے اور دو ناخن بھی ٹوٹ گئے تھے۔ وہ نڈھال ہو رہا تھا مگر اپنے باپ کے لیے پھر سے غار میں جانے کو تیار تھا۔ لیکن یہ اس اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی۔ سحار نے سوچا اور پھر اس نے جمشید کو کھول دیا۔ ''تمہارے پاس اپنے بیٹے کی تلافی کا ایک موقع ہے۔ شاہ نور کی مدد کرو، اس کے باپ کو غار میں سے نکالو۔''

چنانچہ جمشید شرمندہ تھا یہ وعدہ کر رہا تھا مگر اس نے ان کا بھرپور ساتھ دیا اور ایک گھنٹے میں وہ بانو کو باہر لانے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
f PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

میں کامیاب رہے۔ دو فریکچرز کے علاوہ بھی اسے کئی چوٹیں آئی تھیں مگر اس کی حالت خطرے میں نہیں تھی۔ ابتدائی طبی امداد کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ اسے نیچے کیسے لے جایا جائے کیونکہ پتلی دیوار سے اسے کسی صورت نہیں گزارا جا سکتا تھا۔ شاہ نور نے کہا۔ ”میں اسے کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔“ سحار بولی اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور پھر یہ بھی ہے، یہ کیسے جائے گا۔“

”یہ جہنم میں جائے گا۔“ شاہ نور نے تند لہجے میں کہا۔ ”اسے میں ابھی بچھوؤں والے کنوئیں میں پھینکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اس کمینے کی رانی پر نظر ہے اسی لیے اس نے رسیاں کاٹی تھیں۔“

یارو جو رو دھو کر خاموش ہو گیا تھا، یہ سن کر پھر چلانے اور معافیاں مانگنے لگا۔ سحار نے اسے جھڑکا۔ ”خاموش رہو۔“ شاہ نور نے کہا۔ ”ان سب کو یہیں چھوڑ، میں، آپ اور صاحب چلتے ہیں۔“

یہ سن کر جان کسمسانے لگا۔ ”تم ہمیں یہاں چھوڑ جاؤ گے؟“

”ہاں اور اسی حالت میں۔“ سحار نے سرد لہجے میں کہا۔

”خدا کے لیے تم جانتی ہو یہ جگہ بچھوؤں کا مسکن ہے۔“ جان بلبلایا۔ ”مجھے آزاد کر دو میں وعدہ کرتا ہوں تمہارے کام آؤں گا بانو کو اٹھا کر لے جانے میں مدد کروں گا۔“

مگر سحار نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور قادر بخش کو پلاسٹک کی ہتھکڑی سے جکڑ دیا۔ پھر اس نے یارو کے زخم پر کس کر کپڑا باندھا۔ اس کی قسمت کہ شریان بچ گئی تھی ورنہ وہ اب تک خون بہنے سے ہی مر جاتا۔

سحار اور شاہ نور کھا پی رہے تھے۔ جمشید نے بیئر کی بوتل سنبھال لی تھی اور اس سے شغل کر رہا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد اس نے سحار سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ سب سے بے چین جان تھا۔ سحار کی دھمکی نے اسے فکرمند کر دیا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سحار سے کہا۔ ”سنو میں یہاں نکلنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن...“

”لیکن کیا؟“

”مجھے ایک چانس چاہیے ہوگا۔“

”کیسا چانس؟“

”تم مجھے آزاد کر کے یہاں چھوڑ جاؤ اگر میں نکل گیا تو میری قسمت ہوگی ورنہ تم واپس آ کر مجھے پکڑ سکتی ہو۔“

”کہاں سے واپس آ کر؟“

”ان دونوں کو کراچی کے کسی اسپتال تک پہنچا کر۔“ جان نے بانو اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ کیسے؟“

”میں سب بتاؤں گا لیکن تم وعدہ کرو کہ مجھے ایک چانس دو گی؟“

سحار سوچ میں پڑ گئی۔ درحقیقت ان دو زخمیوں کو یہاں سے منتقل کرنا بالکل بھی آسان نہیں تھا اور راستے میں مزید کوئی حادثہ پیش آنے کا پورا امکان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں سے کس طرح واپس جایا جائے۔ اگر وہ خود کسی قابلِ رابطہ جگہ تک جاتے اور مدد طلب کرتے تو اس میں بھی بہت وقت لگ سکتا تھا۔ پھر اسے جان کا خیال بھی تھا وہ اسے ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی کہ مشکل ترین راستوں پر اس پر نظر رکھنا دشوار ہو جاتا اور وہ کوئی شرارت کر سکتا تھا یا فرار ہو جاتا۔ وہ بہت عیار اور خطرناک انسان تھا۔ ایسے میں جان کی پیشکش نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ”تم کس طرح سے ہماری مدد کر سکتے ہو؟“

”یہ مجھ پر چھوڑ دو۔“ جان نے اعتماد سے کہا۔ ”اگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو تم بھی اپنا وعدہ پورا نہ کرنے کے لیے آزاد ہو گی۔“

”او کے۔“ سحار نے گہری سانس لی۔ ”مجھے منظور ہے اب بولو تم کیا کر سکتے ہو؟“

”میں ہیلی کاپٹر منگوا سکتا ہوں۔“ جان نے انکشاف کیا۔ ”مجھے یہاں سے ہیلی کاپٹر لے جانے کے لیے آتا۔“

سحار حیران رہ گئی۔ ”اس کا مطلب ہے تم نے ایک بار پھر ہمیں سرپرائز دینے کا بندوبست کر لیا تھا۔“

جان نے سر ہلایا۔ ”میری بدقسمتی کہ میں تمہاری موجودگی کا اندازہ نہیں لگا سکا ورنہ زیادہ محتاط رہتا۔“

”تم ہیلی کاپٹر کیسے منگواؤ گے۔ تمہارے پاس ریڈیو ہے؟“

”نہیں سیٹلائیٹ فون ہے۔ میرے اس بیگ کی ایک خفیہ جیب میں ہے۔“ جان نے سر سے اشارہ کیا۔ سحار نے بتائی ہوئی جگہ سے ایک چھوٹا سا موبائل فون سائز کا سیٹلائٹ فون نکال لیا۔ اس نے چاقو سے جان کی ہتھکڑیاں کاٹ دیں اور سیٹلائٹ فون اس کی طرف بڑھایا اور بولی۔

”اسپیکر فون آن کر لو، میں سننا چاہوں گی کہ تم کس سے کیا کہتے ہو اور وہ کیا کہتا ہے؟“

”یہ ایک مقامی ایجنٹ ہے۔“ جان نے کہا اور سیٹلائیٹ فون آن کر کے ایک نمبر ملایا۔ اس نے اسپیکر آن کر لیا تھا۔ کال ریسیو ہونے پر اس نے کہا۔ ”میں جان بات کر رہا ہوں۔ مجھے

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

SCANNED BY DIGESTPK

ایک گھنٹے کے اندر اس لوکیشن پر ہیلی کاپٹر چاہیے۔"

"ایک گھنٹے میں مشکل ہے جناب۔" دوسری طرف سے کسی مقامی نے مؤدب لہجے میں کہا۔ "ڈیڑھ گھنٹا لگے گا۔"

"او کے ڈیڑھ گھنٹا لیکن اس سے ایک منٹ اوپر ہوا تو تمہارا کمیشن مارا جائے گا۔"

"ایک سیکنڈ بھی اوپر نہیں ہوگا۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو جان نے کال کاٹ دی اور سحار نے اس سے فون لے لیا۔ "ہیلی کاپٹر ائر کلب لے جائے گا اور وہاں سے تم ایمبولینس طلب کر سکتی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" سحار نے کہا اور اس نے جان کے بیگ کی مکمل تلاشی لی اور تمام ایسی چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں جو اس کے خیال میں جان کے پاس نہیں ہونا چاہیے تھیں۔ ان میں جان کے کاغذات اور پاسپورٹ بھی تھا۔ پھر اس نے بچھو پکڑنے والے حفاظتی لباس اور دوسری چیزیں نیچے کنوئیں میں پھینک دیں۔ سارا اسلحہ وہ پہلے ہی کنوئیں میں پھینک چکی تھی صرف ایک اس کا پستول رہ گیا تھا۔ جان یہ سب بے بسی سے دیکھ رہا تھا مگر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ سحار کے پاس پستول تھا۔ جمشید غیر جانب دار ہو گیا تھا اور باقی سب بے بس تھے۔ شاہ نور جان اور جمشید کی نگرانی کر رہا تھا۔ سحار آئی تو خالی ہاتھ تھی۔ اس نے جان سے کہا۔

"اب تم یہاں سے کوئی بچھو نہیں پکڑ سکو گے۔" اس نے تمام بچھو کنوئیں میں آزاد کر دیے تھے۔

"تم نے میرا پاسپورٹ قبضے میں لے لیا ہے۔"

"ہاں اگر تم پرسوں صبح تک کراچی ائرپورٹ پہنچ گئے تو تمہیں یہ پاسپورٹ مل جائے گا اور تم یہاں سے جا سکو گے۔ دوسری صورت میں یہ پاسپورٹ تمہارے کرتوتوں کے ساتھ متعلقہ ملک کے سفارت خانے کے حوالے کر دیا جائے گا اور تم پھر بہت مشکل سے یہاں سے جا سکو۔ مگر دنیا میں کہیں سکون سے نہیں رہ سکو گے۔"

"تم مجھے گرفتار کرا دو گی۔" جان نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ تم پھر بچھوؤں کے چکر میں پڑ جاؤ گے۔"

جان سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے بادلِ ناخواستہ سر ہلایا۔ "او کے۔"

شاہ نور اور جمشید نے مل کر بانور کو ہیلی کاپٹر میں جانے کے لیے تیار کیا۔ اس کی ٹوٹی ٹانگ اور ہاتھ کو باندھ دیا گیا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں۔ سحار نے کوشش کر کے ہڈیوں کو سیٹ کر دیا تھا اس سے بانور کو سکون ملا تھا ورنہ وہ خاصی اذیت میں تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے سے ذرا پہلے ہیلی کاپٹر نمودار ہوا تو روشنی ہو چکی تھی۔ اس میں پائلٹ کے ساتھ جان کا مقامی ایجنٹ تھا اور وہ یہ جان کر حیران ہوا تھا کہ جان ہی ہیلی کاپٹر میں نہیں جا رہا تھا۔ بانور اور یارو کو ہیلی کاپٹر میں منتقل کیا۔ سحار اور شاہ نور بھی ساتھ تھے۔ ہیلی کاپٹر میں زیادہ گنجائش نہیں تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح سب اس میں آ ہی گئے۔ ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہوا تو نیچے جان، قادر بخش اور جمشید رہ گئے تھے۔ جمشید گنجائش کی وجہ سے نہیں جا سکا تھا۔ اب اسے بھی پیدل اور پھر گاڑی میں جانا تھا۔

ہیلی کاپٹر مشکل سے آدھے گھنٹے میں کراچی کے ایک ائر کلب پر اترا۔ پائلٹ نے پہلے ہی ایمبولینس کے لیے کال کر دی تھی۔ اس لیے جب وہ وہاں پہنچے تو دو عدد ایمبولینس آ چکی تھیں۔ بانور اور یارو کو ان میں منتقل کر کے ایک اسپتال پہنچایا گیا جہاں انھیں طبی امداد دی گئی۔ بانور کے زخموں کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کا آپریشن کرنا پڑا۔ یارو کے زخم سے گولی نکال دی گئی تھی۔ شاہ نور اور سحار ان کے ساتھ تھے۔ پولیس آئی تو سحار نے ان سے بات کی اور شاہ نور حیران ہوا جب اس نے دیکھا پولیس والے سحار سے بہت احترام سے پیش آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے پولیس کا معاملہ بہت آسانی سے نمٹ گیا۔ بانور کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر ابھی اسے آپریشن کا زخم بھرنے تک اسپتال میں رہنا تھا اس کے بعد اسے پلاسٹر کر کے گھر جانے کی اجازت دی جاتی۔ شاہ نور کے زخموں کی مرہم پٹی بھی کر دی گئی تھی۔

☆☆☆

اس وقت وہ ایک فور اسٹار ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ سحار نے کسی طرح اس کے لیے لباس منگوا لیا تھا۔ شاہ نور کے کپڑے خراب ہو رہے تھے۔ پہلے بھی وہ پینٹ شرٹ پہنتا رہا تھا مگر اس وقت اسے اپنا آپ بدلا ہوا لگا تھا۔ خود سحار نے بھی نہا دھو کر لباس بدل لیا تھا اس نے والہانہ نظروں سے شاہ نور کو دیکھا۔ "میں نے ٹھیک کہا تھا نا۔" اس نے شاہ نور کو شانوں سے پکڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کیا۔ "اب تمہیں کون گاؤں کا لڑکا کہہ سکتا ہے؟"

شاہ نور نے آہستہ سے کہا۔ "میم صاحب..."

"مجھے سحار کہو۔" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"سحار بی بی۔" شاہ نور نے گہری سانس لی۔ "انسان لباس سے بدل نہیں جاتا... وہ جو ہوتا ہے وہی رہتا ہے۔ میں گاؤں کا رہنے والا ایک معمولی لڑکا ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

SCANNED BY DIGESTPK

"تم میرے لیے معمولی نہیں ہو۔" سحار بولی۔ پھر وہ اداس ہوگئی۔ "میں اچھی عورت نہیں ہوں میں نے بہت غلط زندگی گزاری ہے۔ میں پاکباز بھی نہیں ہوں۔ لیکن شاہ نور خدا گواہ ہے میں نے تم سے صرف محبت محسوس کی ہے۔ میں تم سے کچھ بھی نہیں مانگ رہی کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔"

"ایسے نہ کہیں میم... سحار بی بی۔" شاہ نور نے کہا۔ "کوئی انسان پورا اچھا یا پورا برا نہیں ہوتا ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خامی ہوتی ہے۔"

"تم مجھے اچھی عورت سمجھتے ہو؟"

"ہاں آپ ان تمام لالچی لوگوں سے اچھی ہو جو دولت کی خاطر اپنے جیسے انسانوں کا خون کرنے سے لے کر سب کرنے کو تیار تھے۔ لیکن سحار بی بی میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ آپ کون ہو اور یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

"میں بتاتی ہوں۔" سحار نے گہری سانس لی۔ وہ شاہ نور کو بتانے لگی کہ اس کا تعلق فطری حیات کا تحفظ کرنے والی ایک بین الاقوامی ایجنسی سے ہے جو جانداروں کے غیر قانونی استعمال اور ان کی اسمگلنگ کو روکنے کے لیے کام کرتی ہے۔ سحار کا تعلق پاکستان سے تھا۔ اس کا باپ پاکستان سے جا کر تنزانیہ میں آباد ہوگیا تھا اور اس نے ایک مقامی عورت سے شادی کی تھی اسی وجہ سے سحار کے نقوش میں دونوں نسلوں کی جھلک موجود تھی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سحار وائلڈ لائف کے تحفظ کے لیے کام کرنے لگی تھی۔ پھر وہ اس ایجنسی میں آگئی۔ اسے جان کو پکڑنے کا مشن سونپا گیا جو وائلڈ لائف کا ایک بڑا اسمگلر تھا۔ اس کے کھاتے میں بے شمار جرائم تھے۔ سحار اور اس کے پارٹنر جمشید کو اطلاع ملی کہ وہ پاکستان میں تھا۔ جمشید پاکستانی تھا مگر ان دنوں وہ تھائی لینڈ میں مقیم تھا۔ وہ دونوں جان کے پیچھے پاکستان آئے۔ یہاں جمشید نے دھوکا کیا اور خود بچھوؤں کے چکر میں پڑ گیا۔

"مگر آپ نے اسے چھوڑنے کا وعدہ کیا ہے؟"

سحار مسکرائی۔ "صرف پاکستان کی حد تک۔ وہ یہاں سے نکل کر جہاں جائے گا اسے ائرپورٹ پر ہی گرفتار کرلیا جائے گا اور بالآخر وہ جیل جائے گا۔"

"پر سحار بی بی یہ بچھو سے کینسر کے مرض کی دوا والی بات..."

"جھوٹ ہے ایسی کوئی دوا نہیں بن رہی جس میں سیاہ بچھو کا زہر استعمال ہو۔" سحار اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"پھر یہ بچھو اتنے مہنگے کیوں بک رہے ہیں؟"

"میں تمہیں دکھاتی ہوں۔" سحار نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا اور شاہ نور کو ایک ویڈیو دکھائی۔ اس میں مشرق بعید سے تعلق رکھنے والے دولت مند ترین لوگ سانپ اور بچھو پالتے دکھائی دیے۔ وہ اپنی امارت کا اظہار کرنے کے لیے بڑا سیاہ بچھو اور زہریلے ترین کوبرا سانپ پالتے تھے۔ پھر بچھوؤں کے آپس میں مقابلے ہوتے تھے اور ان پر کروڑوں کی شرط لگائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی وجہ سے دنیا بھر میں سیاہ بچھو کی قیمت بڑھی تھی۔ جتنا بڑا بچھو ہوتا اتنی زیادہ قیمت ہوتی۔ یہ لوگ ارب پتی تھے اور ان کے لیے چند کروڑ پاکستانی روپوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ویڈیو دکھانے کے بعد سحار نے کہا۔ "ان کے ایجنٹس یہاں مقیم ہیں اور منہ مانگے داموں بچھو اور ایک خاص قسم کی چھپکلی خرید رہے ہیں۔ یہ سب غیر قانونی ہے اور پاکستان کی حکومت کو اس کی روک تھام کرنی چاہیے۔"

شاہ نور مسکرایا۔ "سحار بی بی ادھر ملک میں انسانوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے پر سانپ بچھو کی بہت قیمت ہے۔"

"اب تم کیا کرو گے؟" سحار نے پوچھا۔

"ابھی بابا کے پاس رکوں گا۔ درمیان میں گاؤں جا کر اماں ابا اور دادی کا پتا کرآؤں گا۔ پھر بابا کو گاؤں لے جاؤں گا۔"

سحار نے اس کا معاوضہ دیا تو شاہ نور انکار کرنے لگا۔ "آپ نے پہلے ہی بابا کے علاج کا خرچ اٹھایا ہے۔"

"وہ الگ بات ہے یہ تمہارا حق ہے۔" سحار نے رقم زبردستی اس کی جیب میں ڈال دی۔ شاہ نور جانے لگا تو سحار کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ اس کے گلے لگی مگر اس نے وہ حرکت نہیں کی جو پہلے کی تھی اور شاہ نور نے اسے منع کردیا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ سحار نے اسے روکا۔ "ایک منٹ رکو، تمہارے لیے ایک چیز ہے۔"

سحار نے اسے ایک چھوٹا ڈبا دیا۔ شاہ نور نے پوچھا۔ "اس میں کیا ہے؟"

"اسے کہیں اکیلے میں کھول کر دیکھنا۔"

شاہ نور کو ڈبا اسپتال میں بابا نور کے سرہانے بیٹھ کر دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ اس نے کھولا تو اندر ایک شیشے کے بکس میں ایک خاصا بڑا سیاہ بچھو تھا۔ یہ کم سے کم دو سو گرام کا تھا۔ کرسٹل باکس کے ساتھ ایک پرچی تھی اور اس پر ایک فون نمبر کے ساتھ نیچے لکھا تھا۔ "یہاں کال کرو اور یہ بچھو بیچ دو۔ قیمت کا تمہیں پتا چل گیا ہے۔"

شاہ نور مسکرانے لگا اور باکس بند کردیا۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety

twitter.com/paksociety1